بسم اللہ الرحمن الرحیم
اردو
جواہر البحار
فی
فضائل النبی المختار
مصنف
علامہ محمد یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمہ اللہ
مترجم
محمد عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری
ضیاء القرآن پبلی کیشنز ۰ لاہور

مصنفہ

حضرت علامہ امام محمد یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

سید امیر محمد شاہ قادری

ایم اے عربی و اسلامیات

ضیاء القرآن پبلی کیشنز ○ لاہور

نام کتاب	جواہر البحار فی فضائل النبی المختار (جلد چہارم)
مصنف	حضرت علامہ محمد یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمتہ اللہ علیہ
مترجم	سید امیر محمد شاہ قادری
سال اشاعت	نومبر 1999ء
ناشر	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
مطبع	ایل جی پرنٹرز، لاہور
قیمت	-/150 روپے

ملنے کا پتہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا گنج بخش روڈ، لاہور۔ فون:۔ 7221953

9۔ الکریم مارکیٹ اردو، بازار لاہور، فون:۔ 7225085-7247350

فیکس:۔ 042-7238010

انتساب

بندہ اپنی حقیر کاوش کا انتساب اپنے رہبر و راہنما مرشد کامل شیخ الاسلام آل الگیلانی السید الشریف سیدنا طاہر علاؤ الدین القادری مد اللہ فیوضھم دربار غوثیہ شارع گیلانی لین روڈ کوئٹہ شریف کی ذات گرامی کی جانب کرتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہے جن کی عارفانہ فراست اور بصیرت نگاہی نے ذرہ خاک راہ کو خورشید جہاں تاب بنا دیا۔

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

—— نیاز آگیں ——

بندۂ پرتقصیر سید امیر محمد شاہ قادری نقوی البخاری

غفرلہٗ ولوالدیہ ولاساتذیہ۔

فہرس

Marfat.com

امام شہاب الدین خفاجیؒ

رحمۃ اللہ علیہ

کے

فرمودات گرامی

حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شبِ معراج شاہی سواری کا شاندار اہتمام

امام خفاجی رحمۃ اللہ علیہ اپنے کم یاب موتیوں جیسے ارشادات اپنی تصنیف شرح شفا میں حضور کے واقعہ معراج پر یوں پیش کرتے ہیں۔ شرح شفا کی قسم اول میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بطریق مبین مذاہب امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ شب معراج حضور کی خدمت میں ایک شاندار خصوصی سواری (براق) بمعہ زین و لگام آراستہ شدہ پیش کیا گیا جوں ہی حضور سوار ہوئے براق شعوری طور پر ناچنے لگا اور جناب جبریل نے اسے ڈانٹ پلائی اور خوب جھڑک دیا اور کہا کہ اللہ کے حضور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ عزت والے ہیں اور ان جیسے مبارک سوار کی سواری کا تجھے کبھی اتفاق نہ ہوا ہوگا۔ پھر ان کے سامنے ایسی حرکت کیوں؟ تو براق عرقِ ندامت میں شرابور ہو گیا۔ نیز شیخ عزالدین غانم المقدسی نے اپنی کتاب شجرۃ الایمان میں اس مفہوم کو یوں بیان کیا ہے کہ حضور کی پہلی سواری بیت المقدس تک براق ہے پھر دوسری سواری آسمان دنیا تک معراج ہے۔ پھر تیسری سواری ساتویں آسمان تک فرشتوں کے پر پھر چوتھی سواری سدرۃ المنتہیٰ تک جبریل کے پر ہیں۔ پانچویں سواری سبز رفرف جس کے ارد گرد نور ہی نور تھا امام خفاجیؒ فرماتے ہیں کہ صاحب شفا نے اس حدیث کو خلاف اسلوب و عادت یہاں ذکر کیا ہے کہ ان کے ارادہ میں تعظیم رسول کریم مکمل تھی پھر معراج مصطفےٰ روز روشن کی طرح ایک کھلی حقیقت ہے جو حضور کے سوا کسی کو میسر نہیں ہوئی۔ معراج رسولِ عربی ایک نفس الامری واقعہ ہے جو چشم خرد کو خیرہ اور خزانۂ عقل و فراست پر جمود اور اسلوب و عادت پر حیرت طاری کر دیتا ہے اور یہی ایک کمال معجزہ ہے۔

حضور کا مقام قدس پر بلایا جانا

بحکم خداوند کریم ایک جلیل القدر فرشتے جناب جبریل نے حضور کو مقامات قدسیہ کے مشاہدہ کی دعوت دی اور یہ دعوت بایں انداز تھی کہ جیسے حضور ان مقامات کے اسرار و عجائب سے نہ صرف واقف بلکہ بے تکلف ہوں۔ مقرب فرشتہ جناب جبریل علیہ السلام جماعت ملائکہ کے علاوہ خوبصورت زین سے آراستہ اور دیدہ زیب لگام زینت لب کیا ہوا ایک عمدہ ترین براق لایا گویا کوئی شہنشاہ اعظم سوار ہونے والا ہے فقیری پر ناز کرنے والے محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سواری پر سوار ہونا آپ کے خسروانہ اور شاہانہ روپ کا ایک پہلو ہے حضور حرم عزت میں پہنچے اور حرم عزت وہ مقام جہاں کوئی نہ پہنچ سکا۔

جبریل نے اعترافاً کہا کہ غیب دان نبی سرکار جیسا عزت وعظمت والا انسان دنیا میں پیدا نہیں ہوا کہ آپ کو ذات حق نے صرف باہمی گفتگو سے ہی نہیں بلکہ دیدار وزیارتِ بے پردہ سے بھی مشرف کیا۔

رؤف رحیم ہونے میں حضور کا مقام منفرد ہے

امام خفاجیؒ نے شرح شفا میں ذکر کیا کہ حضور کو دو نام اسمائے الٰہیہ سے عطا ہوئے۔ ایک رؤف دوسرا رحیم۔ جس طرح قرآن میں ہے :۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ	بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے
اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ	وہ رسول جنہیں تمہارا مشقت میں پڑنا گوارا نہیں
حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ	تمہاری بھلائی چاہنے والے ہیں اور مسلمانوں
رَءُوْفٌ الرَّحِيْمٌ[1]	پر کمال مہربان ہیں۔

سوال اگر کوئی کہے کہ ان دو ناموں کے عطا ہو جانے میں حضور کی کیا خصوصیت ہے۔ جب کہ بعض دیگر انبیا کو بھی اسمائے الٰہیہ سے نوازا گیا ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کو کریم[2] کہا اور راعی[3] کہا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو علیم[4] کہا اور حلیم[5] کہا، اور حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو فرمایا الحلیم[6]۔ اس صورت میں حضور کی خصوصیت نمایاں نظر نہیں آتی۔ اس اشکال کی وضاحت امام غزالی اور علامہ ابن منیر صاحب تفسیر البحر کبیر نے الگ الگ پیرایہ میں کی ہے تفصیل ملاحظہ کیجیے۔

جواب از امام غزالیؒ جو اسمائے مبارکہ آپ کو عطا کیے گئے جس طرح ان اسما کا اطلاق حضور کی ذات پر ہے اس طرح دیگر انبیاء پر ان کو عطا شدہ اسما کا اطلاق نہیں ہے۔

---

[1] پ ۱۱، سورۃ توبہ، آیت ۱۲۸۔

[2] پ ۲۵، سورۃ دخان، آیت ۱۷۔

[3] پ ۱۶، سورۃ طٰہٰ، آیت ۶۸۔

[4] پ ۲۶، سورۃ الذاریات، آیت ۲۸۔

[5] پ ۲۳، سورۃ صٰفّٰت، آیت ۱۰۱

[6] پ ۱۲، سورۃ ہود، آیت ۷۵۔

بلکہ جو اسماٗ حضور کو عطا ہوئے ان کا اطلاق ایک وجہ سے آپ پر اسی معنی میں ہے جس طرح ان کا اطلاق ذات حق کے لیے ہے۔ قرآن پاک میں ہے :۔

لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ	بے شک اللہ کی رحمتیں متوجہ ہوئیں ان غیب کی
وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ	خبریں دینے والے اور ان مہاجرین اور انصار
سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا	پر جنہوں نے مشکل گھڑی میں ان کا ساتھ دیا بعد
كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ	اس کے کہ قریب تھا ان میں سے کچھ لوگوں کے
ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ اِنَّهٗ بِهِمْ	دل پھر جائیں پھر ان پر رحمت سے متوجہ ہوا
رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ [1]	وہ ان پر نہایت مہربان رحم والا ہے۔

اگرچہ اطلاق علی وجہ الکمال نہیں تاکہ امکان و وجوب میں امتیاز باقی رہے اور جو چیز آقا کے ساتھ منسوب ہو وہ عبد میں کما حقہ نہیں پائی جاتی تاہم دیگر انبیا کی نسبت جو اسماٗ حضور کو عطا ہوئے وہ خالی از خصوصیت نہیں ہیں جس طرح اللہ کے خُلق سے حضور کی خَلق ہے۔ اسی طرح بعض دیگر ذاتی اوصاف سے بھی حضور کو شرف بخشا گیا قرآن میں آپ کا ان دو صفاتی ناموں سے متصف کیا جانا اکرام و اعزاز کی دلیل ہے۔ جس سے آپ کو سب انبیاٗ سے ممتاز و منفرد کر دیا گیا بلکہ اولین و سابقین کو جو اوصاف و محاسن ملے وہ سب حضور ہی کا صدقہ ہیں۔

(۲) جواب از ابن منیر صاحب تفسیر البحر الکبیر

قرآن کریم میں تلاوتاً رؤف الرحیم کا یکے بعد دیگرے مل کر آنا واضح کرتا ہے کہ گویا ذاتِ حق اپنی ہی تعریف کر رہی ہے۔ کرامتاً و شرافتہً حضور کو ان اوصاف سے متصف کر دیا گیا تاکہ آپ کی رفعت شان کا چرچا ہو اور بخوبی جان لیا جائے کہ حضور کا مقام تمام مقامات کا مرکز اور آپ کا مرتبہ تمام مراتب کی انتہا ہے جاننا چاہیے کہ آیات قرآنیہ اسمائے الٰہی پر جہاں ختم ہوتی ہیں عموماً اسی تکرار سے ذکر ہوتے ہیں اگر پہلا لفظ دوسرے لفظ کے موافق ہو جس طرح غفورٌ رحیمٌ اس میں صفاتی مبالغہ کا فائدہ ہوتا ہے جس طرح بھی شایان شان الٰہی ہو۔ اگر پہلا لفظ دوسرے کا مغایر

---

[1] پارہ نمبر ۱۱، سورۃ توبہ، آیت ۱۱۷۔

ہو جس طرح عزیز حکیم اس میں فائدہ سلامتی ہوتا ہے یعنی عزیز اپنے عزت وجلال سے ایک کام کرتا ہے جس کا حکمت تقاضا نہیں کرتی اور اگر یہ اسماء خصائص مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں جاری ہوں تو فائدہ تعظیم ہوتا ہے۔

معجزہ و احسان

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ[1]	بے شک اللہ نے مسلمانوں پر احسان فرمایا جب ان میں انہیں میں سے ایک عظیم رسول بھیج دیا۔

مَنَّ اسی انعام کو کہا جاتا ہے جس پر کوئی جزا یا بدلہ طلب نہ کیا جائے اور مطلقاً انعام کے معنی میں بھی آتا ہے اور کثرت نعمت پر بھی بولا جاتا ہے اور اللہ اس ذات کا نام ہے جس کا وجود قطعی اور وہ ذات کسی تغیر و تبدل کو قبول نہیں کرتی اور ہر وصف کمال جامع ذات ہے۔ مؤمنین مصدر الایمان سے جمع اسم فاعل ہے اگر انفس ف کی زبر سے پڑھا جائے۔ تو معنی یہ ہے ان میں سب سے اشرف قبیلہ بنی ہاشم میں پیدا ہوئے۔ اور اگر انفُس کو پیش سے پڑھا جائے تو معنی ہے انہیں میں سے۔ بہر دو تقدیر حضور نسبتاً اور شرافتاً قبیلہ عرب میں سے ہیں اور اس میں اعجاز مصطفائی ہے کہ آپ انہی کی جنس سے ہو کر مقامات رفیعہ پر فائز ہوئے اور وہ لوگ اچھی طرح جانتے اور پہچانتے تھے کہ آپ نے نہ تو کہیں پڑھا ہے اور نہ باقاعدہ کہیں تعلیم حاصل کی ہے۔ آپ پر یکبار گی علم و عرفان اترآیا اور آپ نے اولین و آخرین کے مکمل حالات زندگی حرف بحرف بیان کر ڈالے اس میں ہر غافل کو توجہ دلانا مقصود تھی کہ گزرے ہوئے امور اور آئندہ حالات کی اطلاع ایک عظیم نبی ہی بہم پہنچا سکتا ہے۔ یہ بات آپ کے معجزہ کی وضاحت اور آپ کی نبوت کا کھلا ثبوت تھی۔

ارشاد حق تعالیٰ :-

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ	ترجمہ: وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا کہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب و حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں اور بے شک وہ اس سے پہلے کھلی

---

[1] پارہ ۴، سورۃ آل عمران، آیت ۱۶۴۔

مُّبِیْنٍ[1] | گمراہی میں تھے۔

اس آیت میں ثنائے رسولِ عربی اور اُمت پر اظہار احسان ہے۔ امیّن لفظ اُمّی کی جمع ہے اور اُمّی وہ ہوتا ہے جو کسی دوسرے سے لکھنا اور پڑھنا نہ سیکھے۔ اور حضور کئی اعتبار سے اُمّی ہیں یا تو آپ لفظ ام کی طرف منسوب ہیں کہ آپ کی پیدائش سے پہلے ہی سایہ پدری اُٹھ گیا تھا یا آپ مادری طور معصوم اور فطرت پر پیدا ہوئے اور عرصہ حیات ظاہری تک آپ پر مادرزاد کی ہی کیفیت رہی کہ آپ نے نہ لکھا اور نہ پڑھا۔ یا آپ اُمت العرب کی طرف تشریف لائے جو لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے۔ جس طرح حدیث میں آیا کہ بُعِثْتُ اِلٰی اُمَّةٍ اُمِّیَّةٍ میں اُمّی امت کی طرف بھیجا گیا ہوں اور ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ لفظ اُمّی کا اطلاق لکھنے اور نہ لکھنے والوں پر برابر ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اُمّی وہ ہے جو نہ پڑھے اور نہ لکھے اور سرکار کا ان میں ان کی شل ہونا صرف اُنسیت اور استفادہ قوم کے لیے تھا کہ وہ آپ سے متوحش و غیر مانوس نہ ہوں۔

ارشادِ خداوندی۔

وَمَاكُنْتَ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ	اور اس سے پہلے تم کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے
وَلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ	اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے یوں ہوتا تو
الْمُبْطِلُوْنَ[2]	باطل والے ضرور شک کرتے۔

اس میں معجزہ کو ظاہر کرنے کی حکمت تھی کہ باوجود نہ لکھنے اور نہ پڑھنے کے سرکار نے اولین و آخرین کی خبریں اور حالاتِ زندگی بیان کر دیئے اور بشارتِ انبیا کی تائید اور موافقت بھی ہے۔ کہ وہ اپنی کتابوں میں آپ کے اُمّی ہونے کی بشارت پیشین گوئی کرتے رہے۔ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

کَفَاكَ بِالْعِلْمِ فِی الْاُمِّیِّ مُعْجِزَةً ۔۔۔ فِی الْجَاهِلِيَّةِ وَالتَّادِيْبِ فِی الْيُتُمِ

ترجمہ: آپکے حالت اُمّی کا علم کافی ہے جو یتیمی۔ ہوش سنبھلنے اور جاہلیت کے ادوار میں معجزہ

---

[1] پارہ ۲۱، سورۃ عنکبوت، آیت ۴۸۔

[2] پارہ نمبر ۲۸، سورۃ جمعہ، آیت ۲۔

ثابت ہوا۔

آپ غلط تحریر اور شعر کی اصلاح فرماتے تھے۔

آیت مَا کُنْتَ تَتْلُوْ اور حدیث بُعِثْتُ اِلٰی اُمَّةٍ اُمِّیَّةٍ۔ سے واضح ہے کہ آپ نے لکھنا پڑھنا شعر کہنا پسند نہیں فرمایا یا لائق شان نہیں تھا تاہم اچھے مفہوم کے شعر اور برے شعر کا فرق ظاہر فرما دیا کرتے تھے۔ اور غلط تحریر کی اصلاح فرما دیتے تھے۔

حضور کے کتابت جاننے اور نہ جاننے پر اختلاف شوافع

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ رافعی کی احادیث کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ فقہاء شافعیہ نے خط اور شعر کو حضور علیہ السلام کے لیے حرام شمار کیا ہے اور بعض نے دعویٰ کیا ہے کہ حضور کے لیے کتابت نہ جاننے کا سبب صرف اظہار معجزہ تھا جب آپ سے بے شمار خوارق عادت ظاہر ہو چکیں تو قرآن نازل ہو گیا۔ اسلام کی ہر جگہ ریل پیل ہو گئی تو حضور کتابت کو خوب جاننے پہچاننے لگے۔

بعض فقہاء شافعیہ کے حضور کے کتابت جاننے اور پڑھ لینے پر دلائل

ابن ابی شیبہ وغیرہ نے روایت کی کہ:

مَا مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ حَتّٰی کَتَبَ وَ قَرَءَ۔ ترجمہ: حضور نے سفر آخرت نہیں فرمایا یہاں تک کہ آپ نے لکھا اور پڑھا۔

جناب مجاہد کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کا ذکر اپنے شیخ سے کیا تو انہوں نے فرمایا کہ کئی قومیں اس کا ذکر کرتی ہیں اور قرآن کی آیت حضور کے لکھنے اور پڑھنے کے منافی نہیں۔ اور ابن ماجہ حضرت انس سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

رَوٰی ابْنُ مَاجَةَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاَيْتُ لَيْلَةَ اُسْرِیَ بِیْ عَلٰی بَابِ الْجَنَّةِ مَكْتُوْبًا اَلصَّدَقَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا وَالْقَرْضُ بِثَمَانِيَةَ عَشَرَ ترجمہ: ابن ماجہ نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ مجھے شب معراج دروازہ جنت پر لکھا ہوا دکھایا گیا کہ صدقہ خیرات کا بدلہ دس گنا ہوگا اور قرض اٹھارہ گنا ادا کرنا ہوگا۔

لکھے ہوئے کو پڑھ لینا دلیل ہے تحریر و کتابت جاننے کی۔

اس حدیث کا جواب اس طرح بھی دیا جاسکتا ہے کہ حضور کا اس تحریر کو پڑھ لینا یہ معرفت کتابت سے پہلے تھا اور یہ آپ کے بلیغ معجزہ کی دلیل تھی یا اس عبادت کے متعلق آپ سے سوال کیا گیا اور آپ کو اللہ کی طرف سے اس پر اطلاع ہوئی۔

حدیث سہل بن حنظلہ بروایت برا ابن عازب

جب حضور علیہ السلام نے جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حکم کیا کہ اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن کو کچھ لکھے تو عیینہ نے کہا کیا آپ غور فرما رہے ہیں کہ میں دعوتی مراسلہ اپنی قوم کے پاس لے جا کر اپنے آپ کو کیا محسوس کروں گا۔ تو وہ مکتوب حضور نے ہاتھ میں لے کر غور سے دیکھا پھر فرمایا کہ آپ پر لازم ہے جس کا آپ کو حکم کیا گیا ہے۔ اور یونس بن میسرہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے کہ ہم نے دیکھا حضور نزولِ قرآن کے بعد لکھا کرتے تھے۔ اس حدیث پر امام بخاری کی صلح حدیبیہ والی حدیث دلیل ہو سکتی ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک ورق لیا باوجودیکہ لکھنا پسند نہیں تھا تو آپ نے لکھا۔

مَا قَاضٰی عَلَیْہِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ الحدیث ترجمہ: اس پر محمد بن عبداللہ فیصلہ سنانے والا نہیں۔

ابن دحیہ اور ان کے ہم خیال ابوذر ابوالفتح نیشاپوری اور ابوالولید باجی انہوں نے اس موضوع پر ایک تصنیف بھی کی ہے اور ابن ابی شیبہ نے ان سے بھی ایک قدم آگے رکھا ہے اور کہا کہ حضور نے اپنے مبارک ہاتھوں سے حدیبیہ میں لکھا۔ ابوبکر ابن العربی نے کہا کہ ابوالولید باجی کو معاصر علماء نے طعن و تشنیع کے علاوہ بے دین تک کہہ دیا اور معاصر علما صاحب اختیار تھے انہوں نے مناظرہ کے لیے ایک بڑی کانفرنس طلب کی جس میں باجی نے افریقہ اور صقلیہ کے علما کو خط لکھے تو ان علما افریقیہ وغیرہ نے باجی کے موقف پر ہی جواب دیئے۔ باجی کا پلہ بھاری ہو گیا تو اس نے معاصر علماء پر براہین و دلائل قائم کئے اور ان کو جہالت سے منسوب کیا مناظرہ میں معاصر علماء نے کہا کہ جب اللہ نے حضور کو اُمّی بنا کر مبعوث کیا ہے تو لکھنا آپ کے لیے باعثِ کمال نہیں تو باجی نے جواب دیا کہ آپ کا اُمّی ہونے کے باوجود معرفت کتابت سے مشرف ہونا یہ آپ کے معجزہ کی نفی نہیں کرتا بلکہ بجائے خود یہ ایک دوسرا معجزہ ہے۔

رد باجی اور اس کی خطا پر ابو محمد ابن معوز کی تصنیف

ابن معوز نے باجی اور اس کے عقیدہ کے رد میں ایک کتاب لکھی جس

میں ابو محمد ہواری کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ہواری نے مجھے بتایا کہ میں باجی کی رائے عموماً بے خطا تصور کرتا تھا ایک رات خواب میں میں نے روضۂ رسول کو دیکھا کہ وہ سخت زلزلہ میں آیا۔ قبر شریف پھٹ گئی اور بکھر گئی اور زلزلہ رک نہیں رہا تو میں بہت خوفزدہ ہوا میں سمجھا کہ شائد یہ منظر مجھے میرے عقیدہ کے متعلق دکھایا گیا ہے تو میں نے اپنے عقیدہ سے رجوع کر کے توبہ کی تو قبر شریف نے سکون و قرار لیا۔ ابن معوذ نے کہا کہ میں نے ہواری کو تعبیر بھی یہی بتائی اور مجھ پر اس آیت کا معنی بھی عیاں ہو گیا۔

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا[1]

ترجمہ: قریب ہے کہ آسمان اس سے ریزہ ریزہ ہو جائیں اور زمین پھٹ جائے اور پہاڑ گرتے گرتے گر جائیں۔

ابو محمد ابن معوذ کا جواب

روایت براء کی حدیث صلح حدیبیہ کا واقعہ ہے جس کے کاتب حضرت علی المرتضیٰ تھے اور روایت بخاری میں بھی براء کی حدیث واقع ہوئی ہے کہ جب حضور علیہ السلام اہل حدیبیہ سے معاہدہ صلح کر رہے تھے تو مولیٰ علی نے صلح نامہ لکھا اور اس میں محمد رسول لکھ دیا۔ اور جس روایت میں آیا کہ حضور نے خود لکھا تو اس میں كَتَبَ بمعنی اَمَرَ الْكَاتِبَ۔ کہ کاتب کو حکم کیا۔ اور اس قصہ پر روایت مشہور سے دلیل ہے حضور نے صلح حدیبیہ کے موقع پر فرمایا۔

وَاللّٰهِ اِنِّي لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاِنْ كَذَّبْتُمُوْنِيْ اَكْتُبُ مُحَمَّدَ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ۔

ترجمہ: خدا کی قسم میں بے شک اللہ کا رسول ہوں اور اگر تم مجھے جھٹلاؤ تو میں رسول اللہ بجائے محمد بن عبد اللہ لکھوں گا۔

اور بہت سی حدیثوں میں کتب بمعنی امر کے آیا ہے جس طرح۔

اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ اِلٰى قَيْصَرَ وَكَتَبَ اِلَى النَّجَاشِيْ وَكَتَبَ اِلٰى كِسْرٰى۔

یعنی حضور نے قیصر روم کی طرف خط لکھنے کا حکم کیا۔ یوں ہی شہنشاہ نجاشی کی طرف خط لکھنے کا حکم کیا اور ایسے ہی کسریٰ کی طرف لکھنے کا حکم کیا۔

---

[1] پ ۱۶۔ سورۃ مریم۔ آیت ۹۰۔

ان سب جگہوں پر کَتَبَ بمعنی حضور نے لکھنے کا حکم کیا کے ہیں۔

بعض روایات میں ملتا ہے کہ ایک کاتب نے محمدؐ رسول اللہ لکھا تو حضور نے اسے روک لیا اور کہا کہ مجھے دکھاؤ تو اس کاتب نے دکھا دیا۔ حضور نے لفظ محمدؐ رسول اللہ کو مٹا کر وہ تحریر حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کو دے دی حضرت علی نے آپ کے حکم سے محمدؐ رسول اللہ کی بجائے محمدؐ ابن عبداللہ لکھ دیا۔ قاضی ابوجعفر سمنانی اور ان کے بعض ساتھیوں نے یہ جواب بھی دیا ہے کہ اگر حدیث کو ظاہر معنی پر بھی لیا جائے تو اس میں یہ احتمال ہے کہ آپ نے لکھا تو ہوگا۔ لیکن کتابت کے علم بغیر اور تمیز حروف کے سوا جس طرح بعض بادشاہ اپنی علامات سے لکھتے ہیں اور وہ اُمّی ہوتے ہیں۔ اور یہ جواب لاجواب ہے۔

مخلوق کو اللہ سے ملانے کا عظیم وسیلہ حضور علیہ السلام ہی ہیں

قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب الشفاءؔ میں حضرت جعفر بن محمدؐ کا قول نقل کیا ہے کہ رب ذوالجلال نے مخلوق کو اپنی طاعت میں عاجز معلوم کیا اور مخلوق پر عیاں کر دیا کہ ان کی رسائی ذات کبریا تک ناممکن ہے کیونکہ مخلوق سراسر تدنس اور ذات کبریا تقدس کی جناب ہے۔ اور اپنی مخلوق کے استفادہ کے لیے اپنے اور مخلوق کے درمیان حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانی شکل وصورت میں ان کی جنس سے پیدا کر دیا اور آپ کو رحمت ورافت جیسی عظیم صفات سے ملقب کیا اس پر امام شہاب الدین خفاجیؒ فرماتے ہیں کہ جاننا چاہیے جب قاضی عیاض نے اپنی کتاب میں اس مقام پر ایسی آیات کا ذکر کیا ہے جن سے حضور علیہ السلام کی صفت وثنا کمال درجہ میں پائی جاتی ہے اور ان سب آیات کا معنی ومفہوم یہی ہے کہ بے شک اللہ نے اس امیہ اُمت میں ایک بہت بڑا رسول بھیج دیا جو حسب ونسب کے لحاظ سے اللہ کی سب مخلوق پر افضل ہے۔ اور جسے پاک پشتوں سے پاک پیٹوں میں امانت رکھا گیا اور جس پر آسمانی کتابوں میں سب سے بڑی کتاب بطور وحی نازل کی گئی جنہوں نے اولین وآخرین کی خبریں دیں دین کی آسانی بھی انہی کے ساتھ قائم ہے۔ دین کی تکمیل بھی آپ ہی سے ہوئی آپ کے صحابہ کو ان کے دشمنوں پر تائید ونصرت بھی آپ کی وجہ سے ہوئی معاشرتی طور اللہ نے انہیں دنیا کا شہنشاہ کیا اور ان کی رحیمانہ اخلاق سے تربیت کی جب ان میں

ان کی مثل (شکل وصورت) کا ایک رسول انہیں کی زبان میں (بلحاظ عقل وفہم) خطاب فرمایا تو اس میں اللہ کی طرف سے پیام رافت تھا اور جیسا کہ اللہ نے اپنی نعمتوں کو حضور نبی غیب دان پر اور مخلوق پر پورا کر دیا ہے ایسے ہی حضور علیہ السلام نے جب اپنا رحم وکرم خلق خدا کے دلوں میں پیوست کر دیا۔ اور انہیں دنیا وآخرت کی نعمتوں سے مالا مال کر دیا۔ تو اللہ نے قرآن میں اسی لیے اپنے محبوب علیہ السلام کو یکے بعد دیگرے دو صفات سے نوازا، اور ارشاد فرمایا:

وبالمؤمنین رؤف رحیم ۔ ترجمہ: اور آپ مسلمانوں پر کمال مہربان ہیں۔

یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے درحقیقت ذات حق ہی متصف ہے لیکن اللہ نے جب حضور کو اپنے اس عظیم ووسیع جہان میں بحیثیت خلیفہ بھیجا یا مبعوث فرمایا۔ آپ کو تمام خلق سے ممتاز ومکرم کرنے کے لیے خلعتِ رافت ورحمت عنایت فرمائی۔

حضور کی حیات ومما ت میں امت کی بہتری ہے

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الشفا میں حضور کی اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

حَیَاتِیْ خَیْرٌ لَّکُمْ وَمَمَاتِیْ خَیْرٌ لَّکُمْ ۔ (الحدیث)

ترجمہ: میری ظاہری زندگی بھی تمہارے لیے بہتر ہے اور میرا سفر آخرت بھی تمہارے لیے بہتر ہے۔

جس کی شرح میں امام خفاجی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی روایت صحیح سند کے ساتھ عبداللہ ابن مسعود نے بیان کی اور حارث ابن ابی اسامہ نے بھی اس حدیث کو صحیح سند سے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے۔

اور ایک روایت میں مماتی کی جگہ موتی کا لفظ بھی آیا ہے۔ حضور علیہ السلام کی حیات طیبہ اور آپ کی موت بشری امت مصطفےٰ کے لیے ہر دونوں نفع بخش ہیں آپ کی حیات ظاہری کی منفعت کوئی مخفی امر نہیں کہ آپ نے اللہ کے دین کا بول بالا کر دیا بے راہرو لوگوں کو راہ حق پر چلا کر منزل تک پہنچایا۔ کالے گورے کی تمیز ختم کر دی۔ طبقاتی اور قبائلی مراتب کالعدم کر دیئے اور صنف نازک بحالت معصومی کیاں لے لے کر زندہ دفن ہو جاتی تھی۔ تو آپ نے جہلا عرب کی غلط روش کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ ذرا سی بات پر الجھنے والوں کو باہم شیر وشکر ہونے کی تعلیم دی اور جنہوں نے آپ کی دعوتِ حق قبول کی۔

ان کو اپنے اخلاقِ حسنہ سے مزین کر کے ایک مثالی قوم بنایا طاغوتی اور باطل قوتوں سے ٹکرا جانے کی استعداد اور فتح یابی کی مہارت تامہ بخشی اور ایک مومن کو دوسرے مومن سے سلسلہ وار ملا کر ایک آہنی دیوار سیسہ پلائی ہوئی قائم کر دی اور جو لوگ آپ کے آنے سے پہلے ہمیشہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے رہا کرتے تھے انہیں مجسمہ اخلاق بنا کر ایک دوسرے کے دُکھ سُکھ کا سچا ساتھی بنا دیا۔ غرضیکہ کوئی ایسا نفع بخش پہلو نہیں جس سے آپ کی ذات نے پوری خلقِ خدا کو بقدر مناسب نفع نہ دیا ہو، دولتِ قرآن دولتِ ایمان سرمایہ علم و معرفت توشۂ عمل صالح، زینت اخلاق حسنہ ممکن نہیں کہ آپ کی حیاتِ ظاہری کی شرحِ منفعت کو عقل کم فہم تعداد و شمار میں لاسکے اور حضور پُر نور کی موت یعنی سفرِ آخرت سے یہ وہم منع ہے کہ اب آپ کچھ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ جب کوئی مرتا ہے تو اس کے عمل منقطع ہو جاتے ہیں مگر تین چیزیں صدقہ جاریہ، اولاد صالح اور نفع بخش علم۔ حضور علیہ السلام انقطاع عمل سے مستثنیٰ اور مبرا ہیں بلکہ آپ کو عین آخری وقت میں بذریعہ وحی تکمیل دین کی بشارت دی گئی۔ آپ کے باقیات صالحات اور الطاف و عنایات تا ابدالآباد قائم و دائم رہیں گے۔ حدیث میں مذکور لفظ خیر کی مناسب تحقیق و تشریح یہ ہے کہ خیر اس نفع پر بولا جاتا ہے جو بغیر کسی تکلیف و مشقت کے میسر آئے۔ اور فطرتاً مرغوب و محبوب ہو۔ علم نحو میں اس کا استعمال کبھی صفت مشبہ سے بھی ہوتا کہ اس میں ثبوتی معنی ہے اور اکثر اس کا استعمال افعل التفضیل سے ہوتا یہ اَخْیَر سے مخفف ہے جس طرح لفظ شر اَشر سے مخفف ہے اور اس کا استعمال الفاظ اصلی سے شاذ و نادر ہوتا جس طرح ایک شاعر کا قول ہے

بِلَالُ خَیْرُ النَّاسِ وَ ابْنُ الْاَخْیَرُ ۔	یعنی حضرت بلال سب لوگوں سے بہتر ہے اس لیے کہ وہ سب سے بہتر کا بیٹا ہے ۔

اس طرح لفظ شر بھی اصلی صورت میں قرأت شاذہ سے پڑھا جاتا ہے جس طرح ۔

سَیَعْلَمُوْنَ غَدًا مَنِ الْکَذَّابُ الْاَشَرُّ[1]	یعنی کل وہ جان جائیں گے سب سے زیادہ شرارتی اور جھٹلانے والا کون ہے ۔

---

[1] پ ۲۷، سورۃ قمر، آیت ۲۶ ۔

سرکار کی حیات و موت اپنے اپنے اوقات میں نافع ہیں

حضور جان عالم کے خطاب میں جو بھی آیا ہے یقیناً یہ دونوں حقیقتیں اس کے لیے نفع بخش ہیں۔ آپ کی حیات نے اپنے وقت میں آپ کی موت سے زیادہ فائدہ دیا اور آپ کی موت اپنے وقت میں ایک طرح آپ کی حیات ظاہری سے زیادہ سود مند ہے۔

آپ سر رہ پیرار اُمت اعمال ملاحظہ کے بعد شفاعت فرماتے ہیں

آپ کی موت یعنی وصال سے اجتہاد کا منظر عام پر آنا شکل و اندازہ کے سہارا سے گریز شارع دین پر احتیاط سے چلنا کی ضرورت محسوس ہوئی آپ کے غم موت میں ثابت قدم رہنا تعلیم اُمت ہے۔ امت کے مصائب کا کفارہ آپ کی مصیبتوں نے ادا کیا۔ واقعی یہ معتبر امر ہے کہ آپ کے مصائب کے مطالعہ سے مصائب اُمت فی الفور کافور ہو سکتے ہیں آپ کے وصال سے اجتہادی مسائل کا اختلاف پیام رحمت بنا، اور رہ پیرار اعمال اُمت ملاحظہ کے بعد آپ شفاعت فرماتے ہیں اور بعض احادیث میں تعلیقاً یہ الفاظ بھی مذکور ہیں۔

اَمَّا حَيَاتِيْ فَابينُ لَكُمُ السُّنَنَ	ترجمہ: بہرحال میں نے اپنی زندگی میں تمہارے
اَشرعُ الشَّرائِعَ وَاَمَّا مَوْتِيْ	لیے خوش اسلوب طریق زندگی اور اصول معاشرت
فَاِنَّ اَعْمَالَكُمْ تُعْرَضُ عَلَيَّ	وضع کیے اور بہرحال میری موت میں تمہارے
فَمَا رَاَيْتُ مِنْهَا حَسَنًا حَمِدْتُ	عمل مجھ پر پیش کیے جائیں گے میں اچھے اعمال
اللهَ وَمَا رَاَيْتُ مِنْهَا سَيِّئًا	کو دیکھ کر اللہ کی تعریف کروں گا، اور تمہارے
اَسْتَغْفَرْتُ۔	اعمال بد کو دیکھ کر بخشش طلب کروں گا۔

نیز حضور کو ملائکہ علیہم السلام کا درود شریف جو سرکار کا غلام پڑھے پیش کرنا اور پہچانا احادیث سے ثابت ہے اور آپ پر اعمال اُمت اسی طرح بالکل واضح اور آشکارا ہیں جس طرح ایک شاعر نے مثال ذکر کی ہے۔

كَالشَّمسِ فِي كَبِدِ السَّمَاءِ وَضَوْءُهَا	ترجمہ: جس طرح آسمان کے وسط میں سورج اپنی
يَغْشَى الْبِلَادَ مَشَارِقًا وَمَغَارِبًا	آب و تاب کے ساتھ پوری دنیا کے شہروں کے

مشرق و مغرب پر چھایا رہتا ہے۔

بلا تمثیل حضور کو ذاتِ کبریا نے سراجِ منیر کہا ہے کہ آپ چمکا دینے والے آفتاب ہیں تو بھلا اعمال اُمت آپ پر کیسے مخفی رہ سکتے ہیں۔

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک اپنی قبر میں اُمت کی بخشش طلب کرتے رہیں گے۔

صاحب جواہر محی الدین ابن عربی سے نقل کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

اِنَّهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا	بے شک نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا
مِتُّ لَا اَزَالُ اُنَادِیْ فِیْ قَبْرِیْ	کہ جب میں اس دُنیا سے رخصت ہو کر اپنی قبر میں
اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ حَتّٰی یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ	چلا جاؤں گا تو ہمیشہ انہی کی بخشش کی ندا کرتا رہوں
فَطَنِیْنُ الْاَذَانِ لِمَا تُدْرِکُهٗ	گا یہاں تک کہ صور پھونک دیا جائے گا۔ پس
الرُّوْحُ الْمُتَمَکِّنَةُ مِنْ ذَالِکَ	وہ اذان کی سی آواز ہو گی جب اس آواز کو روح
النِّدَاءِ۔	سُنے گی تو اپنی جگہ پر قرار پکڑے گی۔

اس لیے مستحب ہے کہ جب اذان سُنی جائے تو حضور کا اُمتی پر حق بنتا ہے کہ وہ سلام و صلوٰۃ عرض کرے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مقام و اجر

امام ترمذی نے کہا حضرت جنابہ سیدہ فاطمہ کا اجر بلند ہے کہ انھوں نے حضور کی مصیبتِ موت کا غم برداشت کیا۔ یہاں تک کہ آپ کا مقام جنابہ خدیجۃ الکبریٰ اور آپ کی بہنیں جنہوں نے حضور کی حیات ہی میں وفات پائی سے بلند ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس بڑی مصیبت پر حضرت فاطمہ کے اجر و ثواب میں تو کوئی شک و شبہ نہیں لیکن اپنی ماں پر اس وجہ سے فضیلت نہیں رکھتیں بلکہ حدیث میں آیا ہے۔ اَنَّ فَاطِمَةَ بِضْعَةٌ مِّنِّیْ۔ یعنی فاطمہ میرے جسم کا ایک حصہ ہے۔ کی وجہ سے فضیلت رکھتی ہیں۔ ابو داؤد شریف میں آیا ہے کہ میں کسی کو نبی کے جسم کا حصہ یعنی (حضرت فاطمہ) کے برابر نہ کروں گا جنابہ فاطمہ کی اپنی بہنوں پر فضیلت۔

فَاطِمَةُ اَفْضَلُ نِسَاءِ الْعَالَمِیْنَ	ترجمہ: حضرت فاطمہ دنیا جہاں کی سب عورتوں پر
اِلَّا مَرْیَمَ بِنْتِ عِمْرَانَ۔	زیادہ فضیلت رکھتی ہیں مگر عمران کی بیٹی حضرت مریم۔

سے ثابت ہے۔ اگر اس مصیبت پر ہی حضرت فاطمہ کی فضیلت ہے تو پھر حضرت عائشہؓ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ افضل ہیں۔ اکثر اس کے خلاف ہیں۔

اجتہاد پر اشکال اور اس کا جواب ماقبل میں لکھا گیا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی موت سے اجتہاد کا دروازہ کھل گیا۔ علم اصول کی کتابوں میں ملتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم حضور کے زمانۂ اقدس میں بھی اجتہاد کیا کرتے تھے۔ تو پھر اجتہاد حضور کی ممات سے خاص نہ ہوا۔

جواب ہماری مراد مطلقاً اجتہاد نہیں بلکہ تشہیر و اشاعت اجتہاد ہے اور یہ آپ کے وصال کے بعد ہی ہوا کہ مذاہب کی کثرت ہوئی اور تصانیف و تالیفات عام ہوگئیں۔

اور ماقبل میں جہاں ذکر ہوا کہ ملائکہ حضور پر اُمتیوں کے بے شمار صلوٰۃ وسلام ایک وقت پیش کرتے ہیں اس پر کہا گیا ہے۔ کہ اس کی اصل ثابت نہیں۔ یہ قول مردود ہے اس میں انکار کی کوئی وجہ نہیں اور اس کی مزید وضاحت صحیح طرق سے مفصل آگے ذکر کی جائے گی۔

حضور کی حیات وممات پر عمدہ تقریر آپ کی حیات ظاہری میں آپ کی رحمتِ خلق پر اس طرح خیمہ زن رہی کہ بھولے بھٹکوں کو بھلائی کی راہ نہ صرف دکھائی۔ بلکہ راہ نوردی کے ساتھ ساتھ منزلِ شوق تک پہنچایا اور جب آپ بظاہر خلق میں موجود تھے تو مسلمان قوم چھین جھپٹ کے حملوں چہروں کا بگڑنا اور زمین میں دھنس جانے جیسے عذابوں وغیرہ سے بے خطر تھی۔ جس طرح قرآن میں آیا ہے۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ۔ ترجمہ: "اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو۔"

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ خوشخبری دو کہ ان کے لیے ان کے رب کے پاس سچ کا مقام ہے۔

۱؎ حضرت فاطمہؓ اور حضرت عائشہؓ کی افضلیت سے حضرت خدیجہؓ کی فضیلت کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ یہ امر مخفی نہیں کہ کبھی مفضول کو ایسی جزوی فضیلت دی جاتی جو فاضل میں نہیں ہوتی۔ (مترجم)

۲؎ پ ۹، سورۃ انفال، آیت ۳۳۔

قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ[1]

سی طرح آپ کی موت سے بھی حضور کی رحمت کا سائبان سایہ فگن ہے کہ حضور کا انتقال اکثر گنہگار افرادِ اُمت سے پہلے ان کی بخشش کی فراوانی کی دلیل ہے اور نبی علیہ السلام اپنے روضہ اطہر میں زندہ ہیں اور جس طرح حیات ظاہری میں آپ نبوت و رسالت سے مشرف تھے۔ بلا ریب اب بھی اسی طرح نبی اور رسول ہیں یعنی آپ کی موت سے آپ کے نبی اور رسول ہونے میں کچھ فرق نہیں آیا۔ شارح مسلم شریف امام نووی سے کسی نے سوال کیا کہ جو شخص حضور کو خواب میں دیکھے اور اسے حضور علیہ السلام کوئی حکم فرمائیں تو کیا وہ حکم بجالایا جائے یا ترک کر دیا جائے تو امام نوویؒ نے جواب دیا اس شخص پر مستحب ہے وہ امر اپنی ذات تک بجالائے اور واجب اس لیے نہیں کہ سونے والے کو پورا مفہوم حفظ و ضبط میں نہیں رہتا اور اس حکم کو تاویل کی احتیاج پیش آئے گی اور اس سے۔

مَنْ رَآنِي فَقَدْ رَآنِي حَقًّا۔ ترجمہ: جس نے مجھے دیکھا بے شک اس نے مجھے ہی درست دیکھا ہے۔

کی نفی ہوتی ہے۔

مشارِ رحمت ایزدی

إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ رَحْمَةً بِأُمَّةٍ قَبَضَ نَبِيَّهَا قَبْلَهَا فَجَعَلَهُ لَهَا فَرَطًا وَسَلَفًا۔ (الحدیث)

ترجمہ: جس قوم کے ساتھ اللہ رحمت کا ارادہ فرمائے تو اس قوم کے نبی کو اللہ تعالیٰ فراوانی بخشش کے لیے کئی افرادِ امت سے پہلے اپنے پاس بُلا لیتا ہے۔

اس حدیث کی روایت جناب مسلم قشیری نے ابو موسیٰ اشعریؓ کی ہے۔ یہ حدیث اپنے متن و سند میں بالکل صحیح ہے

---

[1] پ ۱۱، سورۂ یونس، آیت ۲۔

امام مسلم نے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے بندوں میں کسی قوم پر بھلائی کا ارادہ فرماتے تو ان کے من کی ظاہری زندگی پوری کر دیتا ہے تاکہ اُمت کو زیادہ بخشش مہیا ہو سکے اور جب کسی قوم کی دمار و ہلاکت کا ارادہ فرمائے تو ان کے نبی کو زندہ رکھتا ہے اور جب وہ اپنے ہی نبی کو جھٹلائیں یا کسی عظیم حکم کے خلاف کریں تو انہیں ہلاک کر دیتا تاکہ چشم نبی روشن دل نبی شاد ہو۔

لفظ اُمت و قبض، فرط، سلف کی تحقیق۔

(۱) لفظ اُمت اصل میں بڑی جماعت پر بولا جاتا ہے اس کا اطلاق اس قوم پر بھی ہوتا ہے جن کی طرف کوئی رسول بھیجا جائے تو اگر وہ اس کے تابع فرمان ہو جائیں یہ (اُمت اجابت) کہلاتی ہے۔ اور اگر اپنے حال پر رہیں تو (اُمت دعوت) کہلاتی ہے۔ حدیث میں مذکور لفظ سے مُراد امت اجابت ہے۔

اور لفظ قبض اصل میں کسی چیز پر مضبوط گرفت کرنا یا اس چیز کی میعاد پوری ہو جانے کے معنی میں آتا ہے جس طرح قَبَضَ المالَ اس نے مال اپنے قبضہ میں لے لیا۔ قَبَضَ المتاعَ وہ سامان پر قابض ہو گیا۔ قَبَضَ اللّٰهُ اَوِالمَلِكُ زیداً اَوْرُوحَهُ۔ یعنی اللہ یا فرشتہ نے زید یا اس کی روح کی میعاد پوری کر دی۔ اس لفظ کا مشہور استعمال کسی چیز کو لے لینے کا ہے۔ مذکور لفظ قبض سے بھی یہی مراد ہے لیکن اس معنی سے بھی عدول ہے کہ موتِ انبیاء عامۃ الناس کی طرح نہیں ہوتی بلکہ فرشتہ اجل اللہ کا حکم بجالاتا ہے نبی کی رُوح قبض کر کے پھر لوٹا دیتا ہے۔ اور انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں کہ ان کے ابدان و اجسام مٹی نہیں کھا سکتی۔

(۲) فَرَطٌ۔ اس شخص پر بولا جاتا ہے جسے لوگ اپنے سفر اور منزل کے لیے نہایت پسندیدگی سے امیر بنالیں۔ اور وہ تمام سفری سہولتیں مثلاً کھانا اور پینا۔ یا مسافروں کا ایک مقام پر ٹھہرنا یا نہ ٹھہرنا۔ بہتر ہے یا نہیں کے متعلق ان سب کو آگاہ کرے۔ راہ میں کسی خطرے کا لاحق ہونا اور اس کی تدبیر دفاع دشمن کی موجودگی اور عدم موجودگی کی خبر وغیرہ بھی اس صاحب امیر کے ذمہ ہوتی ہے اور فَرَطَ تَقَدَّمَ کے معنی میں بھی آتا ہے یعنی جو عمل صالح بقید حیات ہی کر جائے وہ فرط ہوتا ہے۔

(۳) لفظ سَلَف۔ جو مال پیشگی دے دیا جائے اسے سَلَم کہتے ہیں سَلَفٌ سَلَمٌ کے معنی میں آتا ہے۔ اور قرض کے معنی میں بھی آتا ہے اور جس شخص کے مرنے سے پہلے اس کے آباؤ اجداد دنیا سے

تشریف لے جا چکے ہوں وہ اجداد وآبا اس کے لیے سلف ہوتے ہیں اسی لیے قرن اُولیٰ یا صدر اول کا نام سلف الصالح ہے گویا اُمت کو اپنے نبی کی بظاہر عدم موجودگی کا جو گہرا احساس ہوتا ہے یہ ایک مستقل بیشگی اجر و ثواب ہے جس کی جزا دی جائے گی اور یہی جزا اُمت کے لیے سلف وسلم ہوگی۔ ایک شاعر کا قول ہے۔

وَالصَّبْرُ یُحْمَدُ فِی الْمَوَاطِنِ کُلِّھَا　　اِلَّا عَلَیْہِ فَاِنَّہٗ مَذْمُوْمٌ

ترجمہ: اور صبر کی ہر جگہ ستائش کی جاتی ہے مگر آپ کے بارے دل کا ٹھہر جانا قابل مذمت ہے۔

حضور علیہ السلام اُمت کے روحانی باپ اور ان کی بیگمات اُمت کی مائیں ہیں

حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم اُمت کے لیے شفیق باپ سے بھی زیادہ مہربان ہیں کہ آپ اُمت کی دائمی زندگی کا اصل سبب ہیں۔ جس طرح باپ اولاد کا مبدا حیات ہوتا ہے اور آپ کی بیگمات ایمان والوں کی مائیں ہیں۔ حضور کی حیات ظاہری میں رحمت کا پہلو کوئی مخفی امر نہیں جس طرح ذکر بھی ہو چکا ہے جب حضور علیہ السلام نے اس دار فنا سے کوچ کیا تاکہ آپ ایک اعلیٰ دوست کا قرب اختیار کریں۔ تو آپ ایمان والوں پر راضی ہو کر تشریف لے گئے۔ کیونکہ ایمان والوں نے آپ کی تبلیغ قبول کی اس کی تصدیق کی آپ سے دل محبت کی آپ کو مشکل گھڑی میں خدمت دین کے لیے مدد دی اگر ایمان والے ایسا نہ کرتے تو ان کی ہلاکت واضح تھی۔ اگرچہ اُمت کو آپ کے انتقال نے سخت حزن وملال سے گھائل کیا جس کا اجر بھی ملے گا لیکن حضور علیہ السلام کی رحلت اُمت کے لیے رحمت ہے کہ جب آپ پر اعمال اُمت پیش کیے جاتے ہیں تو اچھے اعمال پر آپ اللہ کی تعریف کرتے ہیں اور ان اعمال کے مشاہدہ سے طلب بخشش کرتے ہیں جب پر اللہ تعالیٰ حضور کو زندوں اور مُردوں کے لیے بہتر سے بہتر بدلہ وجزا دیتے ہیں۔

اللہ کے ذکر کے ساتھ حضور کا ذکر ناگزیر ہے

امام خفاجی نے فرمایا کہ قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ بہت سی آیات قرآنی میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت وثنا ہے ان میں سے ایک مکمل سورۃ اَلَمْ نَشْرَحْ بھی ہے بظاہر وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ تک ہی محبوب خدا کی مدح وتوصیف معلوم ہوتی ہے لیکن تحقیق سے معلوم ہوتا کہ یہ سورت مکمل حضور ہی کی ثنا کے لیے ہے کیونکہ یہ سورت

اللہ کے ان انعامات پر مشتمل ہے جو حضور کو دیئے گئے۔ اور ان انعامات کے حصول میں نہ آپ کا کوئی شریک ہے نہ ہی کسی کو آپ کی طرح کمالات میسر ہوئے۔ اس پیرایہ میں حضور کی ثنا نہایت بلیغ ہے اللہ کے اس قول ۔ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۔ بے شک تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔

میں اشارۃً اس امر کی طرف کہ نبی پاک اپنے مقدس عزائم میں اس وقت تک ثابت قدم رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تمام مشکلات کافور کر دیں جس طرح سینہ کی تنگی شرح صدر ہو گئی اور کمر توڑ ا کرنے والی بد سگالی اور بد اندیشی جو آپ کی قوم کی طرف سے تھی سے آپ سبکبار ہوئے اور حسب معمول دعوت حق اور تبلیغ دین کا کام جاری رکھا تو اللہ نے آپ کو پھر بشارت دی اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۔ بیشک تنگی کے ساتھ آسانی ہے ۔ یعنی لفظ یُسر کا تکرار دلالت کرتا ہے کہ دو آسانیوں پر ایک تنگی غالب نہیں آسکتی ۔ عبارت میں لفظ العسر دو مرتبہ آیا اور لفظ یسر بھی دو مرتبہ آیا ہے ۔ علم نحو کا مشہور قاعدہ ہے کہ جب نکرہ تکرار سے ذکر کیا جائے تو دوسرا پہلے کا غیر ہوتا ہے اور جب معرفہ تکرار سے ذکر کیا جائے دوسرا پہلے کا عین ہوتا ہے ۔ اللہ کا قول فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۔ یعنی جب آپ تبلیغ سے فارغ ہوں تو عبادت الٰہی میں کھڑے ہو جائیں اس میں اشارہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے لوگوں کی امانتیں ادا کیں اور انہیں نصیحتیں کیں ۔ یہ پوری سورت گوناگوں نعمتوں پر مشتمل ہے ۔ جو حضور علیہ السلام کو عطا ہوئیں ۔ اللہ کی مدح ثنا اور آپ کو حکم کیا جانا کہ آپ کو دی جانے والی نعمتوں پر اللہ کا شکر بجا لائیں ۔ اور آپ جس چیز کا ارادہ فرمائیں تو اللہ کے لیے زاری و انکساری کریں کسی غیر کے لیے بالکل نہیں ۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کی تفسیر جو شرح شفا میں ہے کہ امام خفاجی یوں بیان فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن آدم نے بلندی ذکر سے مراد نبوت حضور علیہ السلام لی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ میں جب بھی ذکر کیا جاؤں تو میرے ساتھ آپ کا ذکر بھی لازمی ہوتا ہے جس طرح آذان میں اور کلمہ طیبہ میں نبی علیہ السلام کا ذکر ذکر الٰہی سے ملا ہوا ذکر مصطفےٰ ذکر خدا سے کبھی جدا نہیں ہوتا ۔ عبادت گاہیں جہاں بہت سے لوگوں کی حاضری ہوتی ہے وہاں موذن کی اذان میں ذکر خدا کے ساتھ ذکر حضور علیہ السلام ہے خطیب کے خطبہ میں ذکر کبریا کے ساتھ ذکر حبیب کبریا ہوتا ہے ۔ نمازی نماز پڑھتے ہیں تو حمد و ثنا ذوالجلال کے ساتھ درود و سلام نبی باکمال پر انشائی طور یعنی حاضر وقت میں دلی تمنا سے مودب ہو۔

ہوکر بھی پڑھنا پڑتا ہے ورنہ نماز سرے سے ہوتی ہی نہیں۔ غرضیکہ کسی دن کسی رات کسی وقت میں ذکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ذکر رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ نہیں ہوتا۔ یہ آپ کی نیابت خداوندی اور قرب الٰہی کی دلیل ہے کہ جس طرح آپ کا اسم اسم الٰہی کا نائب ہوکر ذکر ہوتا ہے اسی طرح آپ کا مسمّی ذات حق کا نفاذ احکام الٰہی میں نائب ہے ذکر خدا جس طرح زمان ومکان کی قیود سے ورای ہے اسی طرح ذکر حبیب خدا بھی مقید وقیود نہیں۔ بلکہ ہر مقدس محفل میں ہر نورانی مجلس میں اور اہل ایمان کے ہر مجمع میں اہل اسلام کی ہر مسجد میں محراب ومنبر پہ دل وزبان پر فرش اور عرش پر ہر وقت ہر گھڑی ملاً اعلیٰ تک ذکر خدا کے ساتھ ذکر رسول علیہ السلام جاری وساری ہے۔

ذکر خدا اور ذکر نبی پر امام شافعی اور امام سُبکی رحمۃ اللہ علیہما کی تحقیق

اس موضوع کی تحقیق امام شافعی نے اپنے رسالہ الجدیدہ میں اور سُبکی علیہ الرحمہ نے تعلیق علی الرسالہ میں یوں کی کہ امام شافعی نے آیت کی تفسیر مجاہد سے نقل کی جو اس طرح ہے۔

لَا اُذْكَرُ اِلَّا ذُكِرْتَ مَعِيَ — ترجمہ: میں کبھی یاد نہیں کیا جاتا ہوں مگر آپ بھی میرے ساتھ یاد کئے جاتے ہیں۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ — ترجمہ: میں گواہ ہوں کہ اللہ کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

نیز امام شافعی فرماتے ہیں کہ اللہ پر ایمان لانے اور اذان کہنے اور سننے تلاوت قرآن مجید کرنے نیک اعمال کی ادائیگی اور برے اعمال سے رکنے میں بھی ذکر حبیب خدا ہے۔ سُبکی نے امام شافعی کی اس مذکورہ عبارت کو سراہتے ہوئے تائید کی کہ جو امام شافعی نے فرمایا اور یہ بالکل درست ہے۔ اور ذکر سے مراد ذکر قلبی ہے اور ذکر قلبی سے عموم ہوتا ہے کیونکہ جب کوئی نیکی کرے اور برے فعل سے رکے تو اس کے سامنے اللہ کا حکم ہوتا ہے اور اس حکم کے مبلغ حضور علیہ السلام ہیں تو لامحالہ دلی طور ترک وعمل میں حضور کا بھی ذکر ہوتا ہے ذکر قلبی ذکر زباں سے بہت عام ہے کیونکہ ذکر زبان تو سلام، آذان تشہد وخطبہ وغیرہ تک محدود ہے اور ذکر قلبی محدود محصور نہیں۔

امام شافعی حضور کے متعلق اظہار عقیدت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمیں دین و دنیا میں ظاہری و باطنی انعامات کے عطا ہونے اور ہم سے ناپسندیدہ چیزوں کے دور رہنے کا اصل سبب حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

امام شافعی اور سبکی رحمۃ اللہ علیہما کے بعد امام خفاجی فرماتے ہیں کہ ذکر کو ذکر قلبی پر محمول کرنے میں عموم ظاہر ہے کہ عقلمند مومن عبادت گاہ میں عبادت کرتے وقت جب اللہ کا ذکر کرے گا تو اسے یاد آئے گا کہ اسے ذکر الٰہی سے آگاہی کس نے دی اور عبادت الٰہی کے لیے راہنمائی کس نے کی۔ وہ ذات اللہ کے محبوب رسول اکرم کی ہی ہے۔ مثلاً ایک عربی شعر ملاحظہ ہو۔

فَاَنْتَ بَابُ اللّٰہِ اَیُّ امْرِیٍٔ — ترجمہ: آپ ہی کی ذات دربار ایزدی کا کشادہ
اَتَاہُ مِنْ غَیْرِکَ لَا یَدْخُلُ — دروازہ ہے جو شخص آپ کے وسیلہ کے بغیر اس
بارگاہ میں جانا چاہے وہ داخل نہیں ہوسکے گا۔

نیز انبیا اولین کہتے چلے آئے ہیں کہ جب تک دروازہ نبوت پر رسائی نہ ہو تو اللہ کی بارگاہ میں وصال ناممکن ہے۔

سورہ برات کی آیت عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ میں حضور کی عظمت شان

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شفا کی تیسری فصل میں فرماتے ہیں جو خطابات خصوصی حضور کو اللہ کی طرف سے ہوئے ان میں سے اللہ کا ایک خطاب یہ بھی ہے۔

عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ لِمَ اَذِنْتَ لَہُمْ[1] — ترجمہ: اللہ تمہیں معاف کرے تم نے انہیں کیوں اذن دے دیا۔

علامہ ابن منیر نے اپنی تفسیر البحر الکبیر میں اس آیت کے تحت کہا ہے کہ عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ کا جملہ باقی کلام کا ایک ستون ہے یا سنگ میل ہے یہ جملہ ایک دعا ہے اور یہ عرب کا دستور تھا کہ جب کسی کو کوئی چیز بتلانا یا اپنی بات کی طرف توجہ مبذول کرانا مقصود ہوتی تو کلام کے شروع میں

---

[1] پارہ سورت برات، آیت ۴۳۔

بطور خیر سگالی اور مخاطب پر اظہار مہربانی کے لیے چند دعائیہ جملے کہتے ۔ بلاشبہ اس کلام میں متکلم یعنی ذاتِ حق کا ارادہ مخاطب یعنی حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم پر اظہار عنایت وشفقت ہے نہ کہ عتاب و ملامت کیونکہ جن منافقین نے آپ سے غزوۂ تبوک میں شامل نہ ہونے اور اپنے گھروں میں رہنے کی اجازت طلب کی انہیں اجازت دینا یا نہ دینا دونوں صورتیں حضور کے اختیار میں تھیں اور سرکار اس میں مختار تھے ۔ اللہ کا ارشاد ہے ۔

فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ ۔ ترجمہ: ان میں سے آپ جنہیں چاہیں اجازت دے دیجیے ۔

تو لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ بطور عتاب وملامت نہ ہوا بلکہ اس امر کا اظہار ہے کہ آپ انہیں اجازت نہ بھی دیتے تو وہ غزوۂ تبوک میں شامل نہ ہونے والے تھے یعنی ان کا غزوہ میں شامل نہ ہونا تو اپنی خواہش سے تھا اور آپ کے اجازت دینے کو وہ دلیل نہ بنالیں کہ ہمیں غزوہ میں نہ جانے کی اجازت حضورؐ نے دی ہے اس میں اظہار شان محبوبیت ہے کہ آپ منافقوں کی شاطرانہ حرکات سے بخوبی آگاہ ہوں ۔ اور لِمَ اَذِنْتَ سے پہلے عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ اس لیے فرمادیا کہ محبوب کو لِمَ یعنی کیوں کا لفظ بار خاطر نہ گزرے اور اللہ کی طرف سے معافی میں حضور کو تسلی دل اور اطمینان قلبی ہو اور محبوب کا امتیاز و خصوصیت برقرار رہے تاکہ آپ کا اجازت دینا خلافِ اولیٰ تھا تو خدا نے عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ کہہ کر آپ کو معافی دے دی بلکہ آپ کے تمام خلافِ اولیٰ خواہ پہلے ہوں یا بعد کے خدا نے مطلقاً اعلانِ بخشش کر دیا ہوا ہے اس میں تو صرف حضور کی تخصیص مدعا تھی کہ آپ وہ ہیں کہ باوجود ان کی طرح طرح ایذا رسانیوں کے اپنا آرام وسکون ترک کر دیتے ہیں پیہم مسلسل مشقت برداشت کرتے ہیں اور ان کی نازیبا حرکات پر چشم پوشی اور صبر وتحمل سے کام لیتے ہیں اور برابر انہیں اللہ کی محبت اور تابع فرمان ہونے کی دعوت دیتے رہتے ہیں اور ہر نیکوکار اور سیہ کار سے نرمی کا برتاؤ کرتے ہیں اور یہ منافق ایسے ہیں کہ کٹھن مرحلہ میں اظہار معذرت کرتے ہیں گویا یہ منافق آپ کی رحمت اور نرمی سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی سوچتے ہیں اس میں حضور کی وسعتِ قلبی اور عظمت شان کا مظاہرہ ہے اور یہ کلام زجر وتوبیخ پر محمول نہیں کیونکہ ڈانٹ ڈپٹ اصولاً کسی غلطی پر ہوتی ہے اور حضور کے اذن واجازت دینے میں غلطی نہیں تھی ۔

بہرکیف کسی امر میں حضور کو باخبر کرنے میں عتاب و ملامت نہیں بلکہ آپ کی قدر و منزلت اور سکون و راحت کا لحاظ مطلوب ہوتا ہے۔

العیاذ باللہ اگر معافی کسی جرم و خطا کی بنا پر ہے تو قرآن میں جابجا اظہار و خوشنودی کس غضب کی پاداش میں کیا گیا ہے حالانکہ حضور پر اللہ نے کہیں اظہار غضب نہیں کیا تو لامحالہ جس طرح اظہار رضا حضور کے لیے علو درجات کی دلیل ہے اس طرح آپ کو معاف کر دینا بھی آپ کی رفعت شان کا متقاضی ہے۔ ہاں اس امر کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ جس طرح آیت طٰہٰ اور آیت باخعٌ نَّفْسَكَ میں حضور کو اللہ نے باخبر کیا کہ آپ خواہ مخواہ تکلف اور کلفت سے دوچار نہ ہوں بلکہ اپنے آپ کو سکون و راحت بھی دیں۔ آپ بہترین عمل و کردار سے مزین ہیں اور آپ کو کوئی اخذ و ماخذہ بھی نہیں ہوگا۔ بلاشبہ یہ آگاہ کرنا اسی طرح ہے جیسے ایک شخص کو اجازت دی جائے کہ وہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرے اور وہ سب کچھ ترک کر کے عزیمت پر کاربند رہے تو اسے کہا جاتا ہے کہ نہ یہ چیزیں آپ پر لازم ہیں اور نہ آپ پر کوئی ذمہ داری عائد ہے کہ آپ اس مشقت میں پڑیں تو یہ کہنا اس شخص کا حق کمائی کرنے اور قدر و منزلت بلند کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اس نے وہ کام سرانجام دیا جو اس کے ذمہ نہ تھا۔ اسی طرح آیت عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ سے بھی آپ کو حالات منافقین سے باخبر کرنا مقصود تھا کہ جن منافقین کو آپ نے غزوہ تبوک میں شامل نہ ہونے کی اجازت دے دی ہے یہ اطاعت و فرمانبرداری کا دعویٰ کریں گے، اور اطاعت شعار صحابہ کے مقام کا مقابلہ کریں گے اور آپ سے رخصت طلب کر کے اپنے گھروں میں جا بیٹھنے کا جواز نکالیں گے تاکہ ان کے دعویٰ کا طشت از بام نہ ہو جائے اور اگر انہیں اجازت نہ دی جاتی تو وہ عیب کی پردہ دری کرتے۔ اطاعت و فرمانبرداری سے سرکشی کرتے اور ان پر عذاب الٰہی کے نزول کی حجت قائم ہو جاتی نہ وہ غزوہ میں شامل ہونے کے لائق اور نہ وہ کمان کرنے کے اہل تھے۔ پھر جب انہیں اجازت دے دی گئی تو ان کے خفیہ داؤں کی تکمیل ہو گئی۔ اللہ نے ان کی اس کیفیت کو یوں بیان کیا ہے۔

حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ [1] ترجمہ: جب تک نہ کھلے تھے تم پر سچے اور ظاہر نہ ہوئے تھے جھوٹے۔

---

[1] پ۱۰، سورۂ برات، آیت ۴۳۔

آیت کے اس حصہ سے یہ مُراد نہیں کہ حضرت ان کے اندرونی حالات سے ناواقف تھے اور بن سوچے سمجھے اجازت دے دی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجازت دے دینے میں ایک عمدہ مصلحت پوشیدہ تھی اور وہ یہ تھی کہ آپ ان کا شامل کرنا پسند نہیں فرماتے تھے کیونکہ آپ کو بخوبی معلوم تھا کہ غزوہ تبوک میں مجاہدین اسلام کے ساتھ ان کی شمولیت سے کسی بھلائی کی توقع نہیں بلکہ ان کا غزوہ تبوک کی طرف نکلنا طرح طرح کے فتنہ وفساد اور ناگہانی مصائب کا پیش خیمہ ثابت ہوگا اور آپ جانتے تھے کہ وہ اگر غزوہ کی طرف نکلتے تو جیالے مجاہدین کو شکست وپسپائی کا سامنا کرنا پڑتا کیونکہ منافقین فتنہ کھڑا کرتے چغلی کا عام استعمال کرتے اور شترکینوں کی مٹی اڑاتے اور جماعت کا شیرازہ بکھیرتے ٹوٹتے پہاڑ کی طرح گویا منافق مکھیاں ہیں جو گندگی کے مرکز اور کھلی گندگی پر بیٹھتیں ہیں اور ان کو گھر میں جا بیٹھنے کی اجازت دینے میں حضور کی عظیم حکمت تھی اگرچہ منافقین نے اپنے گندے خیالات اور مکرود خواہشات کو اجازت کے پردہ میں چھپایا اور صحابہ پر اپنی عدم شمولیت کی حجت قائم کی ۔ بیشک نبی علیہ السلام پر ان کے ظاہری وباطنی قبائح اور خیالات فاسدہ روز روشن کی طرح عیاں ہو گئے اور ان کی جائے پردہ ظاہر ہوگئی لیکن حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی وسعتِ قلبی اور تقاضۂ رحمت سے انہیں ذلیل ورسوانہ کیا تو جناب فاروق اعظم کو منافقین پر بے حد تیش آیا اور قتل منافقین کی حضور سے رخصت طلب کی، تو رحمۃ للعالمین نے ارشاد فرمایا کہ اے عمرؓ! ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔لوگ باتیں بنائیں گے کہ رسول اللہ نے اپنے ساتھی مار ڈالے اور لوگوں کے دل غلط فہمی کا شکار ہوں گے۔ اور زبانوں پر یہ بات چل نکلے گی تو دشمن پر شفقت کرو اور اسے باقی رکھو، اور ولی کی یہ شان ہے کہ کوئی شبہ اسے رُتبہ اور مقام سے دور رکھے تو اس سے بچتا اور گریز کرتا ہے اور ارشاد فرمایا اے عمرؓ اپنے غصہ کو خدا پر چھوڑ وہ خود ان سے نمٹ لے گا۔یہاں علامہ ابن منیر صاحب تفسیر بحر الکبیر کا کلام ختم ہوگیا ۔اس کے بعد شہاب خفاجی رحمۃ اللہ نے کہا کہ میں کہتا ہوں کہ اللہ نے ابن منیر کو اس کا بہتر بدلہ دے کہ اس کی راہنمائی عقل سلیم نے کی اور عقل سلیم اللہ کی بہترین دین ہے اور جو شخص مقام نبوت کی بلندی سے آشنا ہو وہ بارگاہ نبوت پر وارد ہونے والے اشکال عقل سلیم سے دور کر دیتا ہے ۔

خفاجی رحمہ اللہ کی طرف سے عبارت زمخشری کا جواب

زمخشری تو اگر قرآن کی عبارت کا سیاق وسباق دیکھ لیتا تو تجھے صاف نظر آتا کہ عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ کے الفاظ سے آیت کے آغاز میں کیا حکمت ہے۔ کیا تو نے اللہ کا یہ قول نہیں سنا[1]

لَوْ خَرَجُوْا فِیْکُمْ مَا زَادُوْکُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاَوْضَعُوْا خِلٰلَکُمْ یَبْغُوْنَکُمُ الْفِتْنَۃَ وَفِیْکُمْ سَمّٰعُوْنَ لَھُمْ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ بِالظّٰلِمِیْنَ۔

ترجمہ: اگر وہ تم میں نکلتے تو ان سے سوا نقصان کے تمہیں کچھ نہ بڑھتا اور تم میں فتنہ ڈالنے کو تمہارے درمیان غرابیں دوڑاتے اور تم میں ان کے جاسوس موجود ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

کتنی کمال تھی وہ رائے جس نے منافقین کو ان کے گھروں میں رہنے کی اجازت دے دی اور کتنا عظیم تھا وہ تحمل اور بردباری جس نے منافقین کا پردہ چاک نہ کیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کلام کا آغاز تو ملامت عتاب پر ہو اور بیان آخیر کا وقوع درستی وعین صواب پر ہو۔ اے زمخشری اگر یہ تیری تحریر کسی مسلم بادشاہ کے کاتب کے رسالہ میں ہوتی تو بادشاہ اسے خشم گین ہو کر پرزہ پرزہ کر دیتا تو تیرے گمان فاسد نے بادشاہوں کے بادشاہ جس کی شان بلند ہے کے متعلق کیا رائے قائم کی کہ وہ اپنے محبوب کو طعن وملامت کرتا ہے تیری حماقت پر تف اور تیری جہالت پر بے حد افسوس۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں سب سے بے نیاز رب الارباب کے اس لِمَ اَذِنْتَ کے سوال پر غور کرنا چاہیئے کہ اس میں عجیب اظہار عنایات ہے اور اس میں کئی فوائد کی طرف اشارہ ہے کہ اگر حضور کا اجازت دینا گناہ ہوتا تو عتاب سے پہلے اکرام واعزاز سے کلام شروع کیسے کرتا اور خطا کے ذکر سے پہلے معافی سے مانوس کیوں کرتا۔ اس پر خفاجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صاحب شفا نے واضح کر دیا کہ حضور کے ان کو اجازت دے دینے میں کوئی گناہ نہ تھا۔ بلکہ درپردہ کئی محاسن اور خوبیاں تھیں جس طرح بحتری شاعر نے کہا۔

اِذَا مَحَاسِنِیَ اللَّاتِیْ اُدِلُّ بِھَا
کَانَتْ ذُنُوْبًا فَقُلْ لِیْ کَیْفَ اَعْتَذِرُ

میں اپنی جن خوبیوں سے جانا جاتا ہوں وہ وہ گناہ ہو جائیں تو مجھے بتا کہ میں معذرت کیسے کروں۔

---

[1] پ ۱۰، سورہ توبہ، آیت ۴۷۔

امام خفاجیؒ کہتے ہیں کہ جب نبی کا کوئی گناہ بلکہ بہتر کام کا خلاف تک نہ تھا تو آپ پر عتاب و ملامت بھی نہ تھی۔

حضور کا ارشاد کہ میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور اس میں کوئی فخر نہیں۔

امام شہاب الدین خفاجیؒ قاضی عیاض صاحب شفاؔ نے جو حدیث بیان کی ہے اس کی وضاحت فرماتے ہیں۔

اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ۔ ترجمہ: میں اولاد آدم علیہ السلام کا سردار ہوں اور کوئی فخر نہیں۔

شرف و عظمت کا دعویٰ اور اس کا اعلانیہ ذکر کرنا فخر کہلاتا ہے۔ میں نہیں کہتا کہ یہ حضور نے اترانے یا فخر کرنے کے طور کہا ہے بلکہ اللہ کے انعام کو ظاہر کرنے اور شکریہ بجالانے کے لیے کہا ہے ابن اثیر نے بھی تائیداً ایسے ہی کہا ہے۔ اور ابن قرقول نے کہا کہ حضور کے اس ارشاد سے یہ مُراد ہے۔ کہ مجھے دنیا میں کوئی فخر نہیں، یعنی میں دنیا میں نہ تکبر کو اچھا سمجھتا ہوں نہ اپنی بڑائی پسند کرتا ہوں۔ اگرچہ حضور علیہ السلام کو دنیا و آخرت کا بہت بڑا فخر ہے۔ اور اس حدیث کی بہت سی روایات میں ایک روایت مسلم اور ترمذی نے یوں بیان کی ہے۔

اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِلْتِجَائِیْ۔ ترجمہ: میں اولاد آدم کا سردار ہوں۔ قیامت کے دن وہ میری پناہ طلب کرے گی۔

اس میں اشارہ ہے کہ تمام مخلوق اس نازک دن میں حضورؐ ہی کی پناہ لے گی اور اس میں کوئی اختلاف نہیں جس طرح دنیا میں سرکار خلق خدا کی پناہ گاہ رہے۔ ایسے ہی اشارہ خداوندی ہے۔

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ[1] ترجمہ: آج کے دن کس کی بادشاہت ہے۔

جب کہ اس دنیا میں بھی اللہ کی مکمل بادشاہت ہے معلوم ہوا کہ خدا کی بادشاہی میں رسول اللہ کا راج ہے خواہ یہ دنیا ہو یا یوم آخرت ہو۔ نیز اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کی تعریف

---

[1] پ ۲۴، سورۃ مومن، آیت ۱۶۔

کرے تو جائز ہے لیکن اللہ کی نعمت کے اظہار کا ارادہ ہو اور کہا گیا ہے کہ حضور کے لیے اپنی تعریف بطور تحدیث نعمت واجب ہے اس لیے آپ نے اپنی اُمت کو اللہ کی شکر گزاری کی تبلیغ کی۔ اللہ نے ارشاد فرمایا تاکہ محبوب کے فرمان کی تائید ہو۔

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ [1]   ترجمہ: اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔

اس آیت سے ملائکہ اور ماسوی اللہ پر حضور کی سیادت کی نفی نہیں ہوتی بلکہ یہ آیتِ قرآن فرمانِ سرکار کی تائید میں ہے۔

حضور پُرنور کی وجہ سے مکہ شہر کی قسم

عیاض کی شفا میں ان آیات کی تفسیر پر امام خفاجی فرماتے ہیں۔

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ [2]   ترجمہ: مجھے اس شہر کی قسم کہ اے محبوب تم اس میں تشریف فرما ہو۔

حرف لَا زائدہ ہے یہاں اس کا کوئی معنی نہیں یعنی ہم اس شہر مکہ کی قسم اُٹھاتے ہیں جس کی پہلی اور آخری وجہ اسے آپ کا حیات ظاہری میں رہائش سے مشرف کرنا اور بعد از وصال اپنے فیوض و برکات سے متبرک فرمانا ہے۔ امام خفاجی فرماتے ہیں کہ اَلْبَلَدُ سے مراد مکہ شریف ہے جسے اللہ نے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدوم میمنت لزوم سے عزت و حرمت بخشی ہے اور مکہ کا معظم ہونا آپ کی تعظیم سے ہے اور اس کا دین کا مرکز ہونا اور اسے نزول وحی کا مقام بننا اور اس کا حرم شریف ہونا یہ سب مراتب حضور ہی کی طفیل سے ہیں کہ اسے سرکار نے سکونت کا شرف بخشا اور کہنے والوں نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ درحقیقت یہ قسم حضور کی ذات اور آپ کی حیات مبارکہ کی ہے۔ اور اس کی تائید حضرت عمر کے اس قول سے ہوتی ہے۔

قَالَ عُمَرُ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْفَضِيْلَةِ عِنْدَهٗ اَنْ   ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو بیشک میں مکہ میں رہ کر صاحب

---

[1] پ ۳۰، سورہ والضحیٰ، آیت ۱۱   [2] پ ۳۰، سورہ البلد، آیت ۱ تا ۲۔

اُقْسِمُ بِتُرَابِ قَدَمَيْكَ	فضیلت ہوا ہوں میرا جی چاہتا ہے کہ میں آپ
فَقَالَ لَا اُقْسِمُ	کے قدموں کی مبارک گرد و غبار کی قسم کھاؤں
بِهٰذَا الْبَلَدِ ۔	پھر حضرت عمرؓ نے کہا مجھے قسم ہے اس شہر مکہ معظمہ کی۔

حضورؐ کو اسرار عجیبہ بلا واسطہ عطا ہوئے

قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے شفا میں آیت

فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى[1] ترجمہ: پھر وحی کی اپنے بندے پر جو وحی کی۔

ذکر کی جس پر فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہٗ نے ارادہ فرمایا کہ میں اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم پر بلا واسطہ اسرار اور عجائب قدرت کی وحی کردوں اور آپ کو بلا واسطہ جو اسرار عجیبہ عطا ہوئے نہ ان کی تفصیل ممکن ہے اور نہ ہی ان کے حقائق کو معلوم کرنا عقل کے بس میں ہے۔ امام خفاجی فرماتے ہیں کہ صاحب شفا فرماتے ہیں کہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رتبہ اللہ کے ہاں بڑا عظیم ہے اور خدا کی بارگاہ میں آپ کو اتنا قرب کمال ہے کہ آپ کے سوا وہاں تک کسی کی رسائی ناممکن ہے۔ اسی لیے آپ کو لفظ عبد سے یاد فرمایا گیا ہے اس میں اشارہ ہے کہ میرا محبوب مقام خداوندی سے نامحرم اور ناآشنا نہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے مطالب و معانی ہیں۔ اگر تفصیل میں جایا جائے تو بیان کا کمر بند تنگ ہو جائے گا اور صفحات قرطاس میں گنجائش نہیں۔

سرکار عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خُلق عظیم

قاضی عیاض شفا میں فرماتے ہیں کہ خدائے بزرگ و برتر نے اپنے حبیب علیہ السلام کی بے حد تعریف کی ہے اور آپ کو بے شمار عطا و نوازشات سے مشرف کیا ہے جن میں سے ایک بہترین عطیہ خلق عظیم آپ کو بطور ہدیہ و تحفہ عنایت کیا۔ ارشاد فرمایا۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ[2] ترجمہ: اور بے شک آپ کی خصلت بڑی شاندار ہے۔

حرف تاکید سے کلام لانا حضور کی کمال بزرگی کی دلیل ہے۔ کہا گیا ہے کہ خلق عظیم سے مراد قرآن ہے

---

[1] پ ۲۷، سورہ النجم، آیت ۱۰۔ [2] پ ۲۹، سورۂ قلم، آیت ۴۔

یا اسلام یا حضور علیہ السلام کی طبع و مزاج شریف ہے۔ امام خفاجی کہتے ہیں طبع اس پیدائشی خصلت کا نام جس پر انسان پیدا کیا گیا ہے۔ اور ابن جوزی نے کہا ہے کہ طبع اس حقیقت کا نام جس سے انسان اپنی ذات میں تحصیل ادب کرتا ہے اور بے شک حضور کی ذات میں بیک وقت بے شمار آداب و مکارم پائے گئے جو آپ کے غیر کو میسر نہیں۔

اور امام فخرالدین رازی نے کہا کہ طبع سے مراد حضور علیہ السلام کا مجموعۂ اخلاقِ انبیاء پر پیدا ہونا ہے اور یہ بڑا عظیم مرتبہ ہے کہ سرکار کو فعل و عمل میں انبیاء کی اقتدا کا حکم کیا گیا اور اصول دین میں حضور کسی کے مقلد نہیں بلکہ اوّلین و آخرین آپ کے پیرو ہوں گے۔

نبی مکرّم نورِ مجسّم سب نبیوں سے افضل ہیں

شفا شریف میں قاضی عیاض نے قرآن مجید کی یہ آیت ذکر کی ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ[1]

ترجمہ: یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا۔

جس پر علامہ تفتازانی نے کہا کہ اس بات پر اُمّت مسلمہ کا اجماع و اتفاق ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام نبیوں رسولوں سے افضل ہیں کہا گیا ہے کہ آپ کے بعد آدم علیہ السلام اور پھر بالترتیب یہ حضرات نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام تک افضل ہیں۔ پھر باقی انبیاء میں نسبتاً حضرت ابراہیم علیہ السلام افضل ہیں اس لیے جناب ابراہیم کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ اِنَّهٗ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ۔ یعنی جناب ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام بعد از حبیبِ خدا تمام مخلوق سے افضل ہیں۔ اور جلال الدین سیوطی نے کہا کہ اہلِ علم اس بات پر متفق ہیں کہ ہمارے نبی حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابراہیم جناب موسیٰ و عیسیٰ اور حضرت نوح علیہم السلام افضل الخلق ہیں اور باقی انبیاء کے مراتب مذکور نہیں ہیں نیز امام سیوطی کہتے ہیں کہ میرے ایک ہمعصر دوست قراضی اور قاضی بدر الدین مالکی نے اپنی کتاب ابتہاج میں اور طوفی نے اپنی تفسیر الاشارات الالٰہیہ میں اس آیت کے تحت ذکر کیا۔

---

[1] پ ۳، سورہ بقرہ، آیت ۱۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ هَدَی اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقۡتَدِهۡ[1] ترجمہ: جن کو اللہ نے ہدایت دی تم ان کی راہ چلو۔

کہ یہ آیت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سب نبیوں پر افضل ہونے کی دلیل ہے اس لیے کہ سرکار جان عالم نور مجسم صلے اللہ علیہ وسلم کو سب انبیاء کے اعمال و افعال کی اقتداء بالفعل کا حکم دیا گیا یعنی جو کام ان سب نے کیا آپ اکیلے کریں اور اکیلا جب پوری جماعت کا کام کر دے تو سب سے افضل وہی ہوتا ہے۔امام خفاجی فرماتے ہیں کہ طوفی نے جو کچھ ذکر کیا ہے یہ سب امام رازی کی تفسیر کبیر سے لیا ہے حقیقت یہ ہے کہ حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم عملی اقتدا میں تو پہلے نبیوں کے برابر ہوئے عمل میں دراصل حبیب خدا کے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ سب نبیوں سے زیادہ ذاتِ حق کے اسرار و رموز سے واقف ہیں۔ اور آپ کے معجزات و کمالات ان سب سے مجموعی طور پر زیادہ ہیں اور یہ افضلیت بلندئ درجات اور قربِ الٰہی میں ہے اور آپ کا اجر و ثواب سب کے اجر و ثواب سے زیادہ ہے۔آپ کی امت سب نبیوں کی مجموعی اُمتوں سے زیادہ ہے اور آپ کی اُمت کا اجر و ثواب بھی قیامت میں آپ ہی کے لیے اور لوگوں کے درجات خواہ کتنے بھی ایک دوسرے پر بڑھتے جائیں، سب سے بڑا مقام حضور علیہ السلام کا ہی ہوگا خفاجی فرماتے ہیں کہ اہل تفسیر نے کہا کہ اللہ جل شانہٗ کے اس قول وَرَفَعَ بَعۡضَهُمۡ دَرَجٰتٍ۔یعنی بعض کے درجے بلند کئے سے مُراد حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہیں یعنی اللہ جل مجدہٗ نے سب نبیوں پر سرکار کے درجات بلند کر دیئے۔اور سرکار کو لفظ بعض سے ذکر کرنے میں تعظیم و تخصیص مطلوب تھی۔

بمعہ جسم پاک بحالت بیداری حضور کے معراج شریف سے لوگ حیرت زدہ ہو گئے

قاضی عیاضؒ نے کہا کہ کفار قریش کی ایک جماعت نے حضور علیہ السلام کے معراج جسمانی کو بحالتِ بیداری محال قرار دیا ہے اور بعض کمزور عقیدہ کو وہم ہوا کہ اتنی طویل مسافت پر رات کے قلیل وقت میں جانا اور آنا محال ہے کیونکہ اتنے دور کے سفر کے لیے کئی شب و روز درکار ہوتے ہیں۔

---

[1] پ ۷، سورہ انعام، آیت ۹۰۔

اور بعض علم ہیئت والوں نے کہا ہے کہ آسمانوں میں نہ تو کوئی شگاف ہے اور نہ ہی اجرام فلکیہ پھٹنے کے بعد ملنے کی صورت کو قبول کرتے ہیں۔ صاحبِ شفا فرماتے ہیں کہ منکرین عقلاً اور نقلاً غلطی کا شکار ہو گئے۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ بلقیس شہزادی کا تخت چشم زدن میں بخدمت پیغمبر سلیمان حاضر ہو گیا اور اس کا سفر نہایت دور دراز تھا، اور حضور کا زمین پر معراج کا سیر مکہ سے بیت المقدس تک تھا جو اس سفر کی نسبت بہت کم تھا اور اس پر مشہور احادیث اور نص قرآنی موجود ہے کہ آسمان کے دروازے ہیں جو کھولے اور بند کیے جاتے ہیں۔ فلاسفہ اور حکما کے فاسد گمانوں کا سرے سے اعتبار نہیں کیا جائے گا اور امام رازی کی طرز پر قاضی بیضاوی نے کہا ہے کہ حکما و فلاسفہ کا قائم کردہ استحالہ علم ہندسہ سے اٹھ جائے گا، ہندسہ میں یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ سورج اور پوری روئے زمین کے درمیان ۱۶۰/۱ کی نسبت ہے یعنی کرۂ ارض سورج کا نصف بنتا ہے اور سورج کا سب سے نچلا حصہ زمین کے سب سے اونچے حصہ پر ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت میں پہنچتا ہے اور تقریباً سورج زمین کے محور پر مسلسل فی منٹ ایک صد ساٹھ مرتبہ گردش کرتا ہے۔ اور یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے تمام اجسام اغراض و کیفیات کا اثر برابر قبول کرتے ہیں اور اللہ جل شانہٗ اپنی شان کے لائق تمام ممکنات پر قادر ہے اور اس بات پر بھی قادر کہ اس نے اپنے محبوب کے بدن مقدس ومعطر میں اتنی تیز حرکت پیدا کر دی ہو یا آپ کی سواریوں میں برق روی پیدا کر دی ہو اور کسی کو نبی کا معجزہ دیکھ کر اگر تعجب لاحق ہو تو یہ امر معجزہ کو لازم ہے۔

تمام انبیاء کے معجزات حضور پُرنور ہی کی برکت سے ہیں

امام خفاجی فرماتے ہیں کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے شفا میں اشعری کا قول نقل کیا ہے کہ کسی نبی کو جو معجزہ بھی دیا گیا۔ بالکل وہی معجزہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ضرور دیا گیا اور کہا گیا ہے کہ حقیقت محمدیہ اسم اعظم کی طرح جو سب اسما کی جامع ہے اور اس کو دنیا ومافیہا میں تصرف واختیار ہے اور کائنات کی سب چیزیں آپ کی حقیقت سے فائدہ اور مدد طلب کرتی ہیں۔ آپ کی بشریت سے نہیں اس لیے کہ آپ کی بشریت فقط نیابت الٰہی ہے۔ یعنی احکام الٰہی کا خلق تک پہنچانا ہے اور جس نبی کو جو معجزہ عطا ہوا وہ اولاً اور بالذات تو ہمارے نبی اکرم کو عطا کیا گیا۔ پھر دوسرے نبی کو دیا گیا اور اسی کی طرف قصیدہ بردہ میں اشارہ کیا گیا ہے۔

وَكُلُّ آيٍ أَتَى الرُّسُلُ الْكِرَامُ بِهَا — ترجمہ: ہر معجزہ جس سے مرسلین عظام مشرف ہوئے
فَإِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُورِهِ بِهِمِ — وہ حقیقت محمدی کی ہی خیرات ہے۔

تمام روحوں سے پہلے اللہ جل مجدہٗ نے رُوح محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا اور اسے نبوت کی پوشاک سے آراستہ کیا۔ پھر روحِ بشر کو پیدا کیا اور تمام انبیاء کی رُوحوں کو حکم کیا کہ ان کے ساتھ ایمان لاؤ اور اگر تمہیں میرا محبوب مل جائے تو ان کی فرمانبرداری و اطاعت کرنا اور اس بات پر ان سے پختہ عہد لے لیا جب ارواح انبیاء نے سب باتیں قبول کر لیں تو انہیں حضور کے ربانی اور رُوحانی نور نے جگمگا دیا اور ان رُوحوں میں ایک ایسی لافانی قوت پیدا کر دی کہ وہ رُوحیں معجزہ ظاہر کرنے کے قابل ہوگئیں جس طرح اولیائے اُمت سے جب کوئی خرقِ عادت کرامت ظاہر ہوتی ہے تو ان اولیاء پر حضور کے نور کا پرتو ہوتا ہے۔ عربی شعر میں بوصیری علیہ الرحمہ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ جو پہلے آچکا ہے۔

دیدار الٰہی میں حضور کی خصوصیت ہے

امام خفاجی کہتے ہیں کہ انبیاء سے اللہ جل شانہٗ نے حضور کو خاص کیا تاکہ انہیں اپنے دیدار سے فضیلت بخشے اور موسیٰ علیہ السلام نے دیدار طلب کرنے کا جو سوال کیا وہ اس دنیا میں دیدار الٰہی کے ممکن اور جائز ہونے کی دلیل ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا۔

قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنْظُرْ إِلَيْكَ [1] — عرض کی اے میرے رب مجھے اپنا دیدار دکھا۔

موسیٰ علیہ السلام اُولی العزم نبی ہیں۔ اگر دیدار الٰہی ان کے عقیدہ میں صحیح اور جائز نہ ہوتا تو وہ بالکل دیدار کا سوال نہ کرتے اور اسے جائز سمجھ کر اگر وہ سوال نہ کرتے تو ان پر احوال ربوبیت سے جاہل ہونے کا الزام عائد ہوتا حالانکہ جناب کلیم اللہ جہل سے بری ہیں۔

تورات میں حضور کا اسم گرامی حبیب اللہ لکھا ہوا ہے

قاضی اللہ عض رحمۃ اللہ علیہ شفاء میں ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تورات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم حبیب اللہ لکھے ہوئے ہیں۔ اس پر امام خفاجی فرماتے ہیں کہ دلجی نے کہا کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک وصف محبت کی ثابت ہے جس میں حضور کا کوئی شریک نہیں، اور ایک وصف خُلّت کی جس میں حضرت ابراھیم علیہ السلام آپ کے ثانوی طور پر شریک

---

[1] پ ۹، سورۃ اعراف، آیت ۱۴۳

ہیں۔ اور خُلّت کو حضور نے اپنے لیے اس خُطبہ میں ثابت کیا ہے جسے وفات سے پانچ روز قبل دیا تھا۔
اور فرمایا خُدا کی حمد و ثنا کے بعد بیشک مجھے تم میں بھائی چارہ اور سچی دوستی ہے اور میں اللہ کی طرف
سے پاک کیا گیا ہوں کہ تم میں سے کسی کو خلیل بناؤں اگر میں خلیل بنانے والا ہوتا تو حضرت ابوبکر کو خلیل
بناتا جس طرح جناب ابراھیم علیہ السلام کو خلیل بنایا گیا ہے۔ بیشک مجھے اللہ جل شانہ نے اسی طرح
خلیل بنایا ہے اور مجھے زمین و آسمان کی چابیاں عطا کر کے شرف و عظمت بخشی۔ اس میں حضور کے
اعلیٰ مقام اور اکمل حالات کی تعریف ہے۔ خُلّت حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم اور خلّت جناب
ابراہیم علیہ السلام کے درمیان نمایاں فرق ہے۔ حبیب خُدا کی خُلّت اصلی اور حقیقی ہے اور جناب
ابراہیم کی خُلّت حضور کی خُلّت ذاتی سے مُستعار ہے۔ حدیث شفاعت میں جناب ابراہیم علیہ السلام
کا قول ذکر کیا گیا ہے کہ میں خلیل کے بعد خلیل ہوں، یعنی پہلے خلیل حضور علیہ السلام اور دوسرے درجہ
کے خلیل حضرت علیہ السلام ہیں۔ محبت اور خُلّت کے حقیقی معنوں سے حضور علیہ السلام خاص ہیں گرچہ
مجازاً دوسرے انبیاءؑ کے لیے خُدا نے فرمایا ہے کہ القرآن سے محبت کرتا اور وہ اللہ سے محبت
کرتے ہیں اور خُلّت و مُحبت کے کئی درجے ہیں اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں معنوں
کے اعلیٰ درجوں سے خاص کئے ہوئے ہیں۔ قاضی عیاض شفا میں فرماتے ہیں کہ خُلّت اس
خالص دوستی کو کہتے جس سے کوئی راز چھپایا نہ جائے۔ اس پر امام خفاجی فرماتے کہ نہایت ضروری
ہے کہ محبت۔ مودت۔ اور خلّت کا باہمی فرق جان لیا جائے۔ تو محبت اس دلی میلان کا نام ہے جو کسی کے
حسن صوری یا کسی کمال کی وجہ سے ہوتی ہے۔ جس طرح اہل علم اور متقی ابرار لوگوں سے محبت کی جاتی ہے۔
یا وجاہت اور میلان جو نفع پہنچنے اور انعام ملنے پر ہوتی ہے اس لیے کہ دل طبعاً احسان کرنے
والے سے محبت کرتا ہے۔ جس سے پیار محبت کیا جائے اس کا مل جانا مودت کہلاتی ہے اور مودت
کا درجۂ کمال کو پہنچ جانا خُلّت کہلاتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ خُلّت محبت سے خاص ہے تو محبت
کو افضل کیوں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کا جواب بھی خود خفاجی علیہ الرحمۃ دیتے ہیں کہ محبت میں عموم تو ہے
لیکن کبھی محبت ملاپ اور قرب کے بغیر بھی پائی جاتی ہے اور خُلّت ایسی صورت میں بالکل نہیں پائی جاتی
مگر مُحبت کبھی ایسے مرتبہ پر بھی پہنچ جاتی ہے کہ حبیب مُحب کے یاد کرنے پر اس سے ایک لمحہ بھی غائب

نہیں ہوتا۔ تو اس خلافِ توقع حاضری سے مُحب وہم کرتا ہے اور یہ کیفیت یہاں تک پہنچ جاتی کہ عقل کے چلے جانے اور رُوح کے پرواز کر جانے کا پورا پورا امکان ہوتا ہے۔ جب کہ یہ خصوصیت مودت اور خُلت میں نہیں پائی جاتی، اور محبت کی اس کیفیت کو عشق سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور شرع میں عشق کی نسبت اللہ جل شانہٗ کی طرف ناجائز ہوتی ہے۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ عَشِقْتُ اللّٰہَ۔ کہ میں اللہ سے عشق کرتا ہوں۔ یہ تمام ذکر ابن تیمیہ وغیرہ نے کہا ہے اگرچہ بعض صوفیا اور حکما اسے امر واقعی قرار دیتے ہیں اور اگر اس مرتبہ کے ساتھ خُلت بھی شامل ہو جائے تو اس مُحب جیسا کوئی نہ ہوگا اور اس حبیب جیسا کوئی حبیب نہ ہوگا۔ اور اسی محبت سے شبِ معراج بعد از حاضری بیت المقدس ہمارے نبی علیہ السلام خاص کئے گئے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ جلّ شانہٗ کو دیکھا اور اس کے جمال و جلال کا مشاہدہ کیا اور اللہ جلّ مجدہٗ کے پاس اتنا قُرب حاصل کیا کہ اس مقام قُرب پر نہ کسی رسول کی رسائی اور نہ کسی مقرب فرشتے کو وہاں پہنچنے کی مجال اور از روئے قُرب آپ پر خُلت بھی یوں تمام ہوئی کہ اس میں آپ کے مقام کو کوئی نہ پہنچ سکا اور قُرب میں حضور نہ کسی کے محتاج ہوئے اور نہ ہی کسی سے اس کے متعلق سوائے اللہ کے سوال کیا۔ اور آپ کو آسمان و زمین کے خزانوں کی چابیاں پیش کی گئیں اور اللہ نے آپ کی مدد کی، اور آپ کو فتح مبین عطا فرمائی اور آپ کے تمام خلافِ اُولیٰ خواہ پہلے ہوں یا بعد کے بخش دیئے گئے اگرچہ آپ سے زندگی کے کسی موڑ پر خفیف سے خفیف لغزش بھی سرزد نہیں ہوئی اور آپ کو اسرار عجیبہ پر اطلاع بخشی اور مقام قُدس کی حاضری سے مشرف کیا ایسے

بے پایاں اوصاف سے حضور کا متصف کیا جانا اصل خلت ہے جس کی کوئی مثال نہیں۔ اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے خصوصی خلیل بھی ہیں اور حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے کہا کہ میں خلیل کے بعد خلیل ہوں۔ اس سے حضور علیہ السلام کا زمین و آسمان سے زیادہ قُرب ثابت ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم کے خلیل ہونے اور حبیب کبریا کے خلیل ہوتے ہیں کسی کے خلیل ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ لفظ خلیل سے حضرت ابراہیم مشہور ہیں، اور حبیب سے حضرت محمد مُصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم مشہور ہیں اور حبیب اپنے معنی میں خلیل سے زیادہ بزرگی اور عظمت رکھتا ہے محبت وغیرہ اپنے مذکور معنی میں بندوں کے اعتبار سے ہیں اور اللہ کا حضور سے مُحبت کرنا آپ کو قُرب خاص سے مشرف کرنا اور

انعام عطا فرمانا۔ اور ایسی تعلیم دینا کہ اس تعلیم کو اور کوئی حاصل نہ کر سکے۔ اور مرضی رسول اللہ کے مطابق انہیں فضیلت کا عطا کرنا اور اللہ کی حکمت یہ ہے کہ اپنے حبیب کو بہترین انعامات عطا کئے اور اسے حاجت روا بنا دیا اور آپ کو توفیق بخشی کہ آپ کی دیدہ بینا اور دیدۂ دل اس مقام پر پہنچا گویا آپ ہر وقت ذات حق کے ساتھ ہیں۔

شفاعت اور مقامِ محمود سے حضور کی فضیلت

قاضی عیاض کے اس قول پر امام خفاجی فرماتے ہیں کہ مقام محمود ہر وہ مقام ہے جو حضور کی کرامت اور بزرگی کو شامل ہو لیکن اس جگہ مقامِ محمود کے باقی افراد سے خاص فرد مُراد ہے جس طرح کہ برہان نے قرطبی سے مقامِ محمود کے بارے چھ اقوال نقل کئے ہیں کہا گیا ہے کہ مقامِ محمود سے مُراد عام شفاعت ہے۔ حضور کو حمد کا لوا عطا کیا جانا۔ یا حضور کا اللہ کے ساتھ کرسی پر بیٹھنا لیکن اس بات پر طعن کیا گیا ہے۔ کیونکہ مخصوص جگہ ذات حق کا متمکن ہونا اس کی شان کے زیبا نہیں اور بعض نے اس کی تاویلیں بھی کی ہیں۔ یا بعض دوزخ والوں کا اپنی شفاعت سے دوزخ سے نکلوانا۔ یا آپ کا چوتھے درجہ میں شفاعت فرمانا یعنی جناب جبریل شفاعت کریں گے۔ پھر جناب ابراھیم علیہ السلام کھڑے ہوں گے۔ پھر جناب موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوں گے یا عیسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوں گے اس مقام حدیث میں راوی کو شک ہے پھر حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم شفاعت کے لیے اُٹھیں گے اور شفاعت کریں گے اور آپ کے بعد کوئی بھی شفاعت نہ کرے گا کہ اس کی شفاعت قبول کی جائے اور مقامِ محمود کی آیت انہی الفاظ سے تفسیر کی گئی ہے۔ یا وہ ایسا مقام ہے جو جناب جبریل کو بہت قریب ہے اور آپ کا شفاعت فرمانا اجماعِ اُمت سے ثابت ہے مگر اہلِ سُنّت کے نزدیک حضور کبیرہ گناہ والوں کی شفاعت فرمائیں گے۔ کیونکہ حضور کی حدیث ہے کہ میری شفاعت اپنی اُمت میں کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہے اور معتزلہ کے نزدیک آپ کے شفاعت فرمانے سے کبیرہ گناہ کا ثواب تو بڑھ جائے گا لیکن سزا نہ کٹے گی۔ اس کی تفصیل اصول کی کتابوں میں موجود ہے۔ اور مقامِ محمود والوں کو محمود ہونے کی نسبت مجازاً ہے یعنی اس پر فائز ہونے والے حبیبِ خدا دراصل محمود ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ؀۱ ترجمہ: قریب ہے کہ تمہیں تمہارا رب ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں۔

شفا شریف میں قاضی عیاض رحمہ اللہ اس آیت سے استشہاد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بیشک میں جان گیا ہوں جو مقام محمود کی تفسیر کی گئی۔

سوال بہرحال برہان نے جو قرطبی کا تیسرا قول بیان کیا ہے کہ حضور کا اللہ جل شانہ کے ساتھ عرش و کرسی پر بیٹھنا۔ اس پر واحدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ قول نہایت غلط و رفاسد ہے کیونکہ اس قول سے اللہ پر جسمانیت کا الزام آتا ہے اور اس قول کے غلط اور بے بنیاد ہونے کی واحدی نے کئی وجوہ بیان کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ لفظ بعث کا معنی نقل کرنا یا کھڑا ہونا ہے اور بیٹھنا کھڑے ہونے کی ضد ہے تو اس کے ساتھ تفسیر کیوں کی گئی نیز بیٹھنا حد بندی اور تناہی کا تقاضا کرتا ہے جو تغیر اور حدوث کو مستلزم ہے اور آیت میں بھی مقامًا کا لفظ آیا ہے۔ اگر اراد و الٰہی میں حضور کو اس مقام پر بٹھلانا ہوتا تو اللہ تعالیٰ مقعدًا فرماتا یا اس کا کوئی اور ہم معنی لفظ آتا بہرصورت بعث کا لفظ بیٹھنے پر دلالت نہیں کرتا۔

جواب امام احمد نے اس حدیث کو مختلف طرق سے روایت کیا ہے اور اس کو متشابہ کی مانند کہا ہے جس طرح ارشاد خداوندی ہے:

اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی ؀۲ ترجمہ: بڑی مہر والے نے اپنی شان کے لائق استوا فرمایا۔

اور روایت امام احمد کو دارقطنی رحمہ اللہ نے صحیح سمجھا ہے اور مقام محمود پر حضور کی جلوہ گری کے منکر کی ڈٹ کر تردید کی اور اس کی تصحیح بہت اچھے پیرایہ میں کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

حَدِیْثُ الشَّفَاعَةِ عَنْ اَحْمَدَ ترجمہ: شفاعت کی حدیث جناب احمد سے دو

۱؎ پ ۱۵، سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۷۹۔
۲؎ پ ۱۶، سورۂ طٰہٰ، آیت ۵۔ گ استوا۔ برابر ہونا۔ غیاث لغات

اِلٰی اَحْمَدَ الْمُصْطَفٰی نُسْنِدُہٗ — ہے اور ہم اس کا اسناد حبیب خدا احمد مصطفےٰ کی

وَقَدْ جَآءَ الْحَدِیْثُ بِاِقْعَادِہٖ — طرف کرتے ہیں اور آپ کا مقام محمود اور عرش پر

عَلَی الْعَرْشِ اَیْضًا وَلَا نَجْحَدُہٗ — بیٹھنے کے متعلق حدیث میں آیا اور ہم اس کا

اَمِرُّوا الْحَدِیْثَ عَلٰی وَجْہِہٖ — انکار نہیں کرتے اور حدیثیں ایسے طرق سے

وَلَا تُدْخِلُوْا فِیْہِ مَا یُفْسِدُہٗ — گذری ہیں کہ ان میں فساد کو داخل نہ کیا جائے

وَلَا تُنْکِرُوْا اِنَّہٗ قَاعِدٌ — اور مقام محمود پر حضور کے بیٹھنے اور خدا کے

وَلَا تُنْکِرُوْا اِنَّہٗ یُقْعِدُہٗ۔ — بٹھانے کا انکار بالکل نہ کریں۔

مقام محمود پر حضور کے بیٹھنے کا تو کوئی مانع نہیں اور حضور کے ساتھ اللہ جل شانہٗ کا بیٹھنا ظاہری بیٹھنے سے تعبیر نہیں اور ایسی مثالوں کی تاویلیں بہت سی ہیں۔ جس طرح لفظ عسیٰ کا معنی پسندیدہ اور مرغوب کی رغبت دلانا اور ناپسندیدہ اور مکروہ اشیا سے باز رہنے کی تنبیہ کرنا حضور کا پسندیدہ اعمال یا مرغوب اشیا کی اُمید و رغبت کرنا بالکل ظاہر ہے اور پسندیدہ اشیا میں اللہ کا اُمید کرنا یا رغبت کرنا ظاہری معنی میں نہیں ہے کیونکہ امید و رغبت ذات حق کی شایان شان نہیں تو معنی یہ ہو گا کہ اللہ محبوب و مرغوب اشیا کا صدور و وقوع یقینی کرتا ہے۔ خدائے بزرگ و برتر پر کوئی چیز واجب نہیں۔ یہ علم کلام کا مسلمہ مسئلہ ہے

حضور اوّل و آخر و ظاہر و باطن ہیں۔

شفا شریف میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے حضور کا یہ قول نقل کیا کہ میں سب سے پہلا شخص ہوں جس سے زمین پھٹ جائے گی اور میں ہی سب سے پہلے جنت میں جاؤں گا۔ اور میں ہی سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے میری ہی شفاعت قبول ہو گی اور صاحب شفا کہتے ہیں اس کے بعد حضور علیہ السلام خاتم النبیین اور سب سے آخری رسول ہیں۔ اس پر

امام خفاجی فرماتے ہیں جاننا چاہیے کہ اس مقام پر بعض حواشی ملتے ہیں جن میں اللہ جل شانہٗ نے حضور علیہ السلام کو اول و آخر و ظاہر و باطن کے القاب سے موسوم کیا ہے۔ اول و آخر کی تفسیر تو گذر چکی اور ظاہر وہ ہے جس کا وجود عقلمند پر پوشیدہ نہ ہو۔ یا قدرت رکھنے والے پر مخفی نہ ہو، اور باطن وہ

ذات ہے جو اپنے بندوں سے دنیا میں چھپی ہوئی ہو، یا جس کا احاطہ نہ ہو سکے یا جس کی کوئی کیفیت نہ ہو اور کہا گیا ہے کہ ظاہر قریب کے معنی میں بھی ہے اور باطن علیم حکیم کے معنی میں ہے۔ ان اسمآ کے بارے ایک حدیث مروی ہے کہ بے شک حضرت جبریل علیہ السلام حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَوَّلُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اٰخِرُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا ظَاھِرُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَابَاطِنُ

ترجمہ: اے سب سے پہلے تجھ پر سلام اے سب سے بعد والے تجھ پر سلام۔ اے ظاہر تجھ پر سلام اے پوشیدہ تجھ پر سلام۔

پھر حضور علیہ السلام نے جبریل کو فرمایا کہ مجھ جیسی مخلوق میں یہ صفات کیسے ہو سکتی ہیں جب کہ یہ صفات تو ذات خالق کے لیے لائق ہیں، جبریل نے عرض کیا کہ بے شک اللہ جل شانہٗ نے مجھے انہی الفاظ سے سلام عرض کرنے کا حکم دیا ہے اور آپ کو ان اسمآ سے مخصوص کیا ہے اور اس خصوصیت میں باقی انبیا اور مرسلین آپ کے شریک نہیں اور آپ کے لیے یہ اسمآ اپنے اسم سے نکالے ہیں اور اس صفت کو اپنی صفت سے نکالا ہے اور آپ کو اسم اوّل سے موسوم کیا کہ آپ اپنے نبی ہونے میں سب نبیوں سے پہلے ہیں اور آپ کو آخر کے نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور آپ کو باطن کا اسم اس لیے عطا کیا گیا کہ آپ کا نام پایہ عرش پر اللہ نے اپنے نام کے ساتھ سرخ نور سے لکھا ہے یہ نام پیدائش آدم سے پہلے ایک ہزار سال جس کی ابتدا و انتہا نہ تھی لکھا گیا اور مجھے حکم ہوا کہ میں آپ پر اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ پڑھوں۔ پھر میں ایک ہزار سال تک آپ پر درود و سلام پڑھتا رہا یہاں تک کہ آپ کو اللہ جل شانہٗ نے خوشخبری دینے والا اور ڈرسنانے والا اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور چمکا دینے والا سورج بنا کر بھیجا اور آپ کا نام ظاہر اس لیے رکھا کہ آپ کو آپکے زمانہ میں ظاہر کیا اور سب دینوں پر آپ کے دین کو ظاہر یعنی غالب کیا اور آپ کو سب زمین و آسمان والوں پر فضیلت بخشی تو ان میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں جس نے آپ پر درود و سلام نہ پڑھا ہو۔ آپ کا رب محمود ہے اور آپ محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپ کا رب اول و آخر ظاہر و باطن ہے اور آپ بھی اول و آخر ظاہر و باطن ہیں پھر رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس اللہ جل مجدہٗ کی سب

تعریف جس نے مجھے اسماء اور صفات میں تمام نبیوں پر فضیلت عنایت کی۔ اس کے بعد امام خفاجی کہتے ہیں کہ ہم نے یہ تقریر کہیں نہیں دیکھی۔ صرف صاحب شفاؒ نے ہی حواشی پر نقل کی ہے۔ اور یہ ان کے حُسن وعقیدت کا ثبوت ہے ورنہ وہ یہ نقل نہ کرتے۔

اعجازِ قرآن

قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے اعجازِ قرآن کو شفا میں ذکر کیا جس پر امام خفاجی فرماتے ہیں کہ اسمعی نے حکایت کی ہے کہ انہوں نے ایک لڑکی کی گفتگو سنی اور مشفقانہ طور کہا کہ اللہ تجھے زندہ نہ رہنے دے تجھے فصاحت کیسے آگئی ہے تو وہ بولی کہ یہ فصاحت تو مجھے اللہ کی اس بات پر غور کرنے سے حاصل ہوئی ہے۔

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّ مُوْسٰٓی اَنْ	ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو الہام
اَرْضِعِیْهِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ	فرمایا کہ اسے دودھ پلائے پھر جب تجھے اس سے
فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ وَلَا تَخَافِیْ وَلَا	اندیشہ ہو تو اسے دریا میں ڈال دے اور نہ
تَحْزَنِیْ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْكِ وَجَاعِلُوْهُ	ڈر نہ غم کر بیشک ہم اسے تیری طرف پھر لائیں گے
مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ؕ[1]	اور اسے رسول بنائیں گے۔

کہ ایک ہی آیت میں دو امر اور دو مرتبہ نہی اور دو خبریں اور دو بشارتیں ایک ساتھ لائی گئی ہیں اور یہ قرآن کے خصوصی اعجاز کی ایک قسم ہے جو قرآن کا انفرادی خاصہ ہے اور حقیقۃً کسی دوسری کتاب میں یہ خصوصیت نہیں، اور ان دونوں قولوں کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ قرآن حضور کی طرف سے ہے اور آپ کو جو کچھ عطا کیا گیا وہ ظاہر ہیں بالکل واضح اور معلوم ہے اور اس جگہ دو قولوں سے مُراد یا تو قرآن کا اعجاز باعتبار مجموعہ بلاغت اور طریق نظم کے ہے یا علیحدہ علیحدہ یعنی قرآن مجموعہ بلاغت سے الگ اور طریق نظم سے الگ انفرادی طور بغیر تعلق طریق نظم اور مجموعہ بلاغت کے اعجاز رکھتا ہے اور یہ دونوں صورتیں خلافِ عادت اور طاقت بشری سے باہر ہیں اور یہ قرآن کی ہدایتی سے سمجھا جاتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دو قولوں سے مراد یہ ہے کہ قرآن کریم کا اعجاز ایسی بلاغت

---

[1] پ ۲۰، سورۃ قصص، آیت ۷

سے ہے کہ اس کے مرتبہ تک کسی کی رسائی نہیں اور یہ قول اول ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ قرآن بغیر بلاغت بھی اعجاز رکھتا۔ جیسے حوادث اور مخفی باتوں کی خبریں وغیرہ۔ اور اس شخص کے قول میں کوئی شک نہیں جو قرآن مجید کی بلاغت اور اسلوب سے اعجاز قرآن کا قائل ہو۔ بصورتِ دیگر معنوی طور بھی قرآن کریم کو سراپا اعجاز سمجھے کیونکہ قرآنی عبارت سے اس کے معانی کا علیحدہ ہونا ناممکن ہے جس طرح کہ علامہ زرکشی نے اپنی برہان میں کہا ہے کہ اکثر محققین اس بات پر متفق ہیں۔ کہ اعجاز قرآن بلاغت کی وجہ سے ہے لیکن اس کی تفصیل کا احاطہ کرنا نہایت مشکل ہے۔ کیونکہ کلام کی مختلف اقسام ہیں اور بیان کے مراتب بھی علیحدہ علیحدہ ہیں بعض ان میں بلاغت سے بھرپور اور استحکام سے محکم اور عظمت سے مملو ہیں نیز فصیح اور جائز۔ مراتب بیان کی پسندیدہ اور اعلیٰ قسمیں ہیں۔ قریب اور طلق مراتب بیان کی درمیانی اور سہل اور رسل آخری قسمیں ہیں اور بلاغت قرآن حکیم ان سب اقسام کو بلحاظ درجہ مساوی ہے اور قرآنی نظم اس طریقہ پر ہے کہ اس میں فخامت اور عذوبت جمع کر دی گئیں ہیں جو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اس لیے کہ عذوبت کلام میں نرمی اور رخوت پیدا کرتی ہے اور فخامت سے متانت اور جزالت پیدا ہوتی اور ان سے کلام میں غلظت اور شدت ظاہر ہوتی ہے ان دونوں کیفیات کا جمع ہونا فضیلت ہے اور قرآن اسی سے خاص کر دیا گیا ہے۔ تاکہ اس کا آیت بینہ ہونا واضح ہو اور بلاغت قرآنِ حکیم نوعِ بشر پر مشکل ہے اس لیے کہ بندوں کا علم محدود ہے جو تمام لغتِ عربی کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ مناسب معنی اور اس کا سمجھنا بھی دشوار ہے۔ اور قرآن کی وجہ نظم اور سب معنی کا ادراک بھی نہیں کیا جا سکتا تو بندوں کو حُسنِ انتخاب کا اختیار دیا گیا تاکہ اظہار ما فی الضمیر صحیح ہو جائے اور یہ کلام ایسے الفاظ پر قائم ہے جن سے مناسب معنی ظاہر ہوتا ہے اور الفاظ کا باہمی ربط منظم ہے۔ آپ جب قرآن میں غور کریں گے تو آپ کو بیک وقت یہ تمام خوبیاں اور محاسن مکمل ملاحظہ ہوں گی اور آپ قرآن کی بلاغت و فصاحت کے اعلیٰ درجات سے مطلع ہوں گے اور ایسا طرزِ تکلم علیم و قدیر کے سوا کسی کو میسر نہیں اور قرآن کریم کے معجزہ ہونے کا سبب اس کے الفاظ کا حُسن اور نظم و تالیف کا بہتر انداز بھی ہے اس میں دُعا اور توحید خداوندی کے معانی بالکل واضح ہیں اور اطاعت الٰہی کی صراحت ہے اور حلال و حرام کا بیان ہے نصیحت اور مستقل مزاجی کا درس ہے اور حُسنِ اخلاق کا حکم اور بد اخلاقی کی سخت ممانعت ہے اور قرآن مجید میں

مناسبت حال سے ہر ایک چیز کا برمحل ذکر کیا گیا ہے جس طرح قرونِ اولیٰ کی خبریں اور آنے والے حادثات کی اطلاع ان اخبار اور حوادث کے اوقات معینہ سے اور اس کے ظہور کی میعاد کو لازم ہیں اور ان تمام اُمور کا اتمام اور پورا ہونا ایک عمدہ اور شاہی دستور کے ماتحت ہے جو خدائے بزرگ برتر کے ماسوا ممکن نہیں۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار شریف کی جگہ زمین کے تمام قطعات سے افضل ہے

قاضی عیاض رحمۃ اللہ شفا میں فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضور علیہ السلام کے مزار مقدس کی جگہ زمین کی سب جگہوں سے افضل ہے بلکہ آپ کا مزار شریف تمام آسمانوں اور عرش اور کعبہ سے بھی افضل ہے۔ اس پر امام خفاجی فرماتے ہیں کہ امام سبکی نے نقل کیا ہے کہ حضور کا مزار شریف عرش و کعبہ اور آسمانوں سے اس لیے افضل ہے کہ حضور بذاتِ خود اللہ کے ہاں عالی قدر اور بلند مرتبہ ہیں۔ اور قرافی نے قواعد میں کہا کہ فضیلت کے کئی سبب ہوتے ہیں یعنی کبھی صاحب فضیلت کو اپنی ذات سے ہی فضیلت ہوتی ہے جس طرح فضیلتِ علم۔ کبھی کسی خصوصیت یا کثرت عبارت سے فضیلت ہوتی ہے اور کبھی بوجہ قُرب فضیلت ہوتی ہے جس طرح جلد قرآن کو بوجہ قرآن کے فضیلت ہے اور کبھی کسی شے کو اس کے اندر مقدس چیز کے اتر جانے کی وجہ سے فضیلت ہوتی ہے جس طرح حضور کے مزار کو زمین کی سب جگہوں پر فضیلت ہے اور جو کچھ صاحب شفا نے ذکر کیا ہے۔ اس میں انکار کی کوئی وجہ نہیں کہ سوال فضیلت عمل پر زیادہ ثواب ملنے سے ہوتی ہے اور قبر میں کوئی عمل نہیں ہوتا۔ جواب۔ اس اشکال سے لازم آئے گا کہ قرآن میں فضیلت ہے اور جلد قرآن میں فضیلت نہیں اور اس کا باطل ہونا دینی ضروریات میں بالکل واضح ہے اور اس امر پر سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے موافقت کی ہے اور کہا ہے کہ اس پر اجماع اُمت ہے کہ بےشک قبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم زمین کی سب جگہوں سے افضل ہے اور یہ قول مکہ کی مدینہ پر فضیلت سے مستثنیٰ ہے۔ جس طرح کہا گیا ہے :

جَزَمَ الْجَمِيْعُ بِاَنَّ خَيْرَ الْاَرْضِ مَا
قَدْ حَاطَ ذَاتَ الْمُصْطَفٰى وَحَوَاهَا

ونعم لقد صدقوا ليس كنهما علت

كالنفس حين زكت زكا ما واها

(۱) اس پر سب کا اتفاق ہے کہ زمین کے جس قطعہ نے حضور کے جسدِ نوری اور ارد گرد کا احاطہ کیا ہوا ہے وہ سب زمین سے افضل ہے۔

(۲) اور ہاں انہوں نے سچ کہا ہے کہ زمین کا وہ ٹکڑا اپنے مکین کی وجہ سے بلند مرتبہ ہے۔ جس طرح نفس کی طہارت سے تمام اعضا حکماً پاک ہو جاتے ہیں۔

دوسرا جواب اور ابن عبد السلام نے کہا ہے کہ کئی امور میں فضیلت بغیر عمل بھی ہوتی ہے نبی علیہ السلام کی قبر شریف کو سب جگہوں پر فضیلت اس لیے ہے کہ وہ مقدس مقام خدا کی انوار و تجلیات کا مرکز ہے اور اس پر ملائکہ اور رضوان اور رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے کہا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور قبر شریف میں ان کے اعمال بڑھتے رہتے ہیں اور یہ بالکل صحیح بھی ہے لیکن چنداں اس کے ذکر کی ضرورت نہیں اگر ہم مان بھی لیں کہ کسی جگہ کو اپنی ذات میں کوئی فضیلت نہیں تو پھر قبر نبوی کی فضیلت کے لیے اتنا کافی ہے کہ اس میں حضور علیہ السلام کا جسدِ نوری اترا ہوا ہے اور حنفیہ میں سے سروجی کا قول ہے کہ ہمیں یہ ذکر کرتے ہوئے کوئی خوف نہیں کہ ہمارے مذہب میں اس بارے کوئی توقف نہیں اور کوئی حرج نہیں کہ ایک مشہور قول قبر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت کے لیے کفایت کر جائے کہ ہر کوئی شخص اس مٹی میں دفن کیا جاتا ہے جس سے وہ پیدا کیا جائے اور خفاجی نے کہا کہ میں کہتا ہوں کہ نبی کی خوابگاہ ہے ان کے لیے فضیلت و فخر و شرف بہت زیادہ ہے حتیٰ کہ عوارف المعارف میں بروایت ابن عباس مروی ہے کہ آپ کی پاک مٹی کی اصل زمین کی ناف یعنی شہر مکہ میں کعبۃ اللہ سے برآمد ہوئی اور سب سے پہلے اس سے حضور کا حصہ نکال لیا گیا۔ جو ایک ذرہ تھا پھر اس ذرہ سے زمین پھیلا دی گئی تو نبی کی ذات اصل تکوین ہے اور کائنات آپ کے طفیل اور تابع ہے۔ پھر طوفان کی لہریں حضور کی خاک پاک کو آپ کے دفن کی جگہ لے آئیں دراصل اس وقت آپ اصل کعبہ میں ہی دفن ہیں جس سے آپ پیدا کئے گئے۔ اس کے بعد امام خفاجی ایک عجیب و غریب لیکن پختہ قول نقل کرتے ہیں جس کی تائید بعض حدیثوں نے کی ہے لیکن جناب سلمان علیہ السلام نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے

مزار شریف کی جگہ کی زیارت کی اور بڑے وثوق سے خبر دی کہ یہاں عنقریب ایک بابرکت قبر تیار ہوگی اتنا کہہ کر جناب سلیمان علیہ السلام چلے گئے بعد میں علمائے بنی اسرائیل چار سو سال تک حضور علیہ السلام کی بعثت اور ہجرت کا انتظار کرتے رہے۔

فَلَمَّا جَآءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَٰفِرِينَ[1] ترجمہ: تو جب تشریف لایا ان کے پاس وہ جانا پہچانا اس سے منکر ہو بیٹھے تو اللہ کی لعنت منکروں پر۔

اس مقام پر بحث ہے اور وہ یہ ہے کہ بیشک جو جگہ حضور کے عظیم جسم سے ملی ہوئی ہے جب وہ تمام جگہوں سے افضل ہے تو یہ لازمی امر ہے کہ مدینہ طیبہ بلا اختلاف مکہ مکرمہ سے افضل ہے اس لیے کہ مدینہ میں زیادہ شرف کا پہلو ہے بمطابق زیادہ الخیر خیرٌ یعنی جہاں زیادہ بھلائی ہو وہاں فضیلت ظاہر ہے بعض لوگ مدینہ کی مکہ پر فضیلت میں اختلاف کرتے ہیں ان کا یہ خیال درست نہیں بلکہ ہم کہتے ہیں کہ حضور نے جب مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور مدینہ کو اپنی قیام گاہ بنالیا تو اب اس مقام کو مکہ پر فضیلت ہے کیونکہ مکان کو شرف مکین سے ہوتا ہے تو جب تک اختلاف پر کوئی دلیل قائم نہ ہو اس سے گریز ناگزیر ہے۔

اور ہمارے شیخ ابن قاسم نے اپنی کلام میں صاف کہہ دیا ہے کہ جو جگہ حضور علیہ السلام کے مبارک اعضا سے ملی ہوئی ہے اس کی فضیلت تو آپ کی موت اور دفن اور ہجرت سے پہلے ہی ثابت ہے اور کہا گیا ہے کہ سرکار کے جسد نوری کے اس جگہ میں دفن ہونے سے تو کعبہ و عرش کرسی سے بھی افضل ہوگئی۔ اس لیے کہ اس جگہ کا شرف تو سرکار سے ہی ہے (سوال) یہ شرف اس جگہ کو آپ سے قبل نہ تھا کیونکہ آپ کے قرب سے پہلے یہ جگہ صرف کعبہ کی جز تھی جو کعبہ کے باقی اجزا پر کسی وجہ سے زیادہ نہ تھی۔

(جواب) کہا جاسکتا ہے کہ جب اس جگہ کی فضیلت کا شمار آپ سرکار کے دفن کی وجہ سے مکہ کے باقی اجزا پر بھی ہے یہی امر متقاضی ہے کہ حضور کے مزار شریف کی جگہ حضور کے دفن سے پہلے بھی مکہ کے باقی اجزا پر فضیلت رکھتی تھی۔

---

[1] پ ۱ سورۃ البقرۃ آیت ۸۹ ۔

سوال یہ سوال متبادر فہم ہے کہ کیا آپ کے مزار کی موجودہ جگہ آپ کی منزل جنت سے افضل ہے یا آپ کا مقام جنت افضل ہوگا۔

جواب کہا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک اس جگہ میں ہیں تو یہی افضل ہوگا اور جنت میں جائیں گے تو آپ کا وہ مقام افضل ہوگا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جائز ہے کہ اس مقام کو مقام جنت میں منتقل کر دیا جائے اور اس مقام کا حکم منزل جنت کا سا حکم ہو یہ مقام قابل غور ہے۔

سوال جاننا چاہیے کہ بے شک عز ابن عبدالسلام نے جب یہ کہا کہ زمان و مکان برابر ہوتے ہیں اور ان میں ایک دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں ہوتی۔ تو بعض کو وہم ہوا کہ آپ کے مزار مقدس کو اپنی ذات میں کوئی فضیلت نہیں اس لیے کہ مکان کی فضیلت اعمال واقعی سے ہوتی ہے۔

جواب یہ سوال اس لیے مردود ہے کہ فضیلت کے لیے اعمال واقعی کے علاوہ اور بھی کئی اسباب ہوتے ہیں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

سوال فضیلت اعمال مکہ پر فضیلت اعمال مدینہ غیر مسلّم ہے اگر تسلیم کر جائے تو مکہ میں پھر اعمال زیادہ ہیں جو اس کے سوا میں نہیں ہیں جس طرح حج اور عمرہ اور مناسک وغیرہ اس لیے مکہ میں زیادہ فضیلت کا پہلو نکلتا ہے۔

جواب اس پر مالک نے کہا کہ جو فضیلت مدینہ کو ہے وہ اس کے غیر کو نہیں ہے کیونکہ مدینہ ہی کو حضور نے قرب بخشا اور مدینہ ہی سے اسلام کو غلبہ ہوا اور درحقیقت فضیلت مکہ اور مدینہ میں اختلاف لفظی ہے۔

قاضی عیاض نے شفا کے آخر میں قتل حسین بن حلاج کے بارے کلام کیا ہے اس پر امام خفاجی فرماتے ہیں کہ شاذلی رحمہ اللہ نے کہا کہ میں مسجد اقصیٰ کے عین وسط میں لیٹا ہوا تھا کہ ایک بہت بڑی تعداد میں جماعت آئی میں نے دریافت کیا کہ یہ جماعت کیسی ہے تو انہوں نے کہا کہ یہ نبیوں اور رسولوں کی جماعت ہے اور ان کی حاضری حضور علیہ السلام کے پاس حسین ابن حلاج کی سفارش کے متعلق ہے کہ اس نے کوئی حضور کی بے ادبی کی ہے تو میں نے ایک تخت دیکھا جس پر امتیازی شان سے حضور علیہ السلام جلوہ فرما ہیں اور سب انبیا مثلاً ابراہیم علیہ السلام، نوح علیہ السلام موسیٰ علیہ

السلام، عیسیٰ علیہ السلام فرش زمین پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں یہ دیدنی منظر دیکھتا رہا اور ان کی باتیں سنتا رہا تو اس محفل میں موسیٰ علیہ السلام نے حضور علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے عرض کی کہ آپ نے فرمایا ہے کہ میری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں تو ان میں سے کوئی ایک مجھے دکھائیں تو سہی تو حضور نے فرمایا یہ ہیں اور امام غزالی کی طرف اشارہ فرمایا۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے جناب غزالی سے ایک سوال کیا تو آپ نے دس جواب دیئے جس پر موسیٰ علیہ السلام کو اعتراض ہوا کہ جواب وہی بہتر ہوتا ہے جو سوال کے مطابق ہو۔ سوال تو میں نے ایک کیا ہے اور جواب دس دیئے گئے ہیں تو امام محمد غزالی نے کہا کہ یہ اعتراض تو آپ پر بھی وارد ہوتا ہے۔ جب آپ سے سوال کیا گیا کہ آپ کے داہنے ہاتھ میں کیا ہے لے موسیٰ تو جواب صرف اتنا تھا کہ یہ لاٹھی ہے آپ نے اس کی بہت سی صفات بھی گن دیں۔ شاذلی کہتے ہیں کہ میں رسول عربی کے قدر و جلال میں کھویا ہوا تھا کہ آپ تخت پر متمکن ہیں۔ اور باقی انبیاء زمین پر بیٹھے ہیں تو ایک شخص نے مجھے اپنے پاؤں سے جھنجھوڑ دیا میں بیدار ہو گیا اور مسجد اقصیٰ کا صحن قندیلوں سے واقعی جگمگا رہا تھا اس شخص نے کہا کہ لے شاذلی تعجب نہ کیجیے کہ سب کے سب حضور کے نور سے پیدا کئے گئے ہیں۔ مجھ پر غشی طاری ہو گئی اور میں گر گیا تو جب ذ نماز کے لیے کھڑے ہوئے مجھے افاقہ ہوا تو مجھے وہ مسجد نہ صحن مسجد آج تک نہیں ملا۔ اسی مقام کو صاحب قصیدہ بردہ یوں فرماتے ہیں۔

فَانْسُبْ اِلٰى ذَاتِهٖ مَاشِئْتَ مِنْ شَرَفٍ وَانْسُبْ اِلٰى قَدْرِهٖ مَاشِئْتَ مِنْ عَظَمٖ	شرف و تکریم سے جو چاہے تو حضور کی ذات کی طرف منسوب کر دے اور آپ جو عظمت بھی چاہیں حضور کی قدر و منزلت کی طرف منسوب کر دیں۔

عارفِ باللہ شیخ اسماعیل حقی صاحب تفسیر رُوح البیان

رحمۃ اللہ علیہ

کے

فرمُوداتِ گرامی

شیخ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تالیف ۱۱۱۷ھ میں مکمل کی آپ اپنے فرمودہ جواہر میں قرآن کی ان آیات کی تفسیر فرماتے ہیں۔

يَٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۔ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ [1]

اے کتاب والو بے شک تمہارے پاس ہمارے یہ رسول تشریف لائے کہ تم پر ظاہر فرماتے ہیں بہت سی وہ چیزیں جو تم نے کتاب میں چھپا ڈالی تھیں اور بہت سے معاف فرمائے ہیں بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا اور روشن کتاب اللہ اس سے ہدایت دیتا ہے اسے جو اللہ کی مرضی پر چلا سلامتی کے راستے اور انہیں اندھیریوں سے روشنی کی طرف لے جاتا ہے اپنے حکم سے اور انہیں سیدھی راہ دکھاتا ہے۔

حضور کی نورانیت کا بیان

جاننا چاہیے کہ جو حصہ انسان کو اللہ سے ہے بے شک اس کی حقیقت بیان کرنے کے لیے اللہ تعالےٰ نے نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کو نور بنا کر بھیجا اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو بھی لفظ نور سے قرآن میں ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ [2] ۔ اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔

اس لیے کہ زمین و آسمان عدم و نیستی کے اندھیرے میں پوشیدہ تھے تو اللہ تعالےٰ نے انہیں ایجاد کر کے ظاہر فرما دیا اور حضور علیہ السلام کا نام نور اس لیے رکھا کہ سب چیزوں سے پہلے عدم کے اندھیرے سے ذات حق نے اپنی قدرت سے نور مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو ظاہر فرمایا جس طرح حضور نے خود فرمایا ہے: اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ ۔ یعنی اللہ جل شانہٗ نے

---

۱ پ ۶، سورۃ مائدہ، آیت ۱۵، ۱۶۔ ۲ پ ۱۸، سورۃ نور، آیت ۳۵۔

سب سے پہلے جو چیز پیدا کی وہ میرا نُور تھا۔ پھر اس نور سے دنیا و مافیہا کو پیدا کر دیا اور بعض کو بعض سے پیدا کر دیا تو جب سب کائنات حضور کے نُور کی برکت سے ظاہر ہو گئی۔ تو اللہ نے حضور کا نام نُور رکھ دیا آپ خالق سے بہت قریب تھے جب اس نے پہلی دفعہ خلق کو ایجاد کیا اور جو اس وقت زیادہ قُرب رکھتا تھا وہ نُور کے نام سے موسوم ہونے میں بھی زیادہ مناسب اور لائق تھا اور عالم اجساد کی نسبت عالم ارواح پہلی ایجاد و خلق کو زیادہ قریب تھا اس لیے اس کو عالم الانوار سے موسوم کیا جاتا ہے اور عالم سفلیات کی نسبت عالم علویات نُوری ہوتا ہے۔ تو جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نُور موجودات کی ابتدائی خلق میں زیادہ قریب تھا تو آپ نُور کے اسم سے مُوسُوم ہونے میں زیادہ لائق ہوئے اسی لیے سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ میں اللہ سے ہوں اور ایمان والے مجھ سے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نُور آیا۔ اور نبی علیہ السلام سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا میں اللہ جل شانہٗ کے سامنے نُور تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے سے چار ہزار سال پہلے اور یہ نُور تسبیح بیان کرتا تھا اور ملائکہ بھی اس نُور کی سی تسبیح بیان کرتے تھے پھر جب اللہ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرما دیا تو یہ نُور ان کی پُشت میں رکھ دیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو مجھے ان کی پیٹھ میں زمین پر اُتارا اور پھر مجھے نوح علیہ السلام کی پُشت میں رکھ دیا۔ جب وہ کشتی میں تھے اور پھر مجھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پُشت میں ڈال دیا۔ پھر مسلسل اللہ تعالیٰ نے مجھے پاک پُشتوں سے پاک شکموں میں منتقل کرتا رہا یہاں تک کہ مجھے اپنے والدین سے پیدا کر دیا جو کبھی بدکاری کے درپے نہ ہوئے تھے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی خطا یعنی خلافِ اولیٰ کا اقرار کرتے ہوئے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا کہ یا اللہ میں سوال کرتا ہوں کہ مجھے حضرت محمد مُصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقہ سے بخش دے۔ تو اللہ نے فرمایا اے آدم تو محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو کیسے پہچانتا ہے۔ میں نے تو ابھی اسے پیدا بھی نہیں کیا۔ حضرت آدم نے عرض کی کہ یا اللہ جب تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے بنایا اور مجھ میں اپنی رُوح

ڈالی تو میں نے اپنا سر اٹھایا اور عرش کے پایہ پر لکھا ہوا دیکھا۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

تو مجھے اچھی طرح پہچان ہو گئی کہ جس نام کو تو نے اپنے نام سے ملا کر ذکر کیا ہے وہ تجھے تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے آدم تو نے سچ کہا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم مجھے تمام مخلوق سے زیادہ پیارا ہے اور اے آدم میں نے تیری خطا معاف کر کے تجھے بخش دیا اور اگر محمد صلے اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔[1]

شیخ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ سورہ اعراف کی ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ۚ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ۚ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ ۫ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىِٕثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ ۚ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ[2]

ترجمہ: میرا عذاب میں جسے چاہوں دوں اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہے تو عنقریب میں نعمتوں کو ان کے لیے لکھ دوں گا جو ڈرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اور انجیل میں وہ انہیں بھلائی کا حکم دے گا اور برائی سے منع فرمائے گا اور ستھری چیزیں ان کے لیے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جو ان پر تھے اتارے گا تو وہ جو اس پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا وہی بامراد ہوئے۔

[1] بیہقی شریف فی دلائلہ۔ [2] پ ۹۔ سورۃ الاعراف۔ آیت ۱۵۶، ۱۵۷۔

ایمان لانے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم میں اصل فوز فلاح ہے۔

تحقیق سے جانا گیا کہ احکام قرآن کی پابندی اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بعد از ایمان تعظیم کرنا اللہ کے نزدیک حقیقی کامیابی کا اصل سبب ہے اور بالعموم اور خصوصاً آپ کی نصرت اور مدد کرنے میں بھی کامیابی کا راز ہے حضور کی بالعموم نصرت عام اہل شریعت کی نصرت ہے اور بالخصوص نصرت خاص لوگ ارباب طریقت اور اصحاب حقیقت کی نصرت ہے یہ لوگ خصوصی اخلاص سے اسرار توحید اور انوار ایمان کے کمال تک پہنچنے والے ہوتے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ سلسلہ انبیا کی ترتیب سے اللہ کا اصل مقصد حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا وجود تھا۔ متقدمین انبیا کا وجود آپ سے پہلے آپ کے وجود مسعود کا مقدمہ تھا اور آپ اصل ما حاصل او نتیجہ اور خلاصہ تھے انبیاؑ اور مرسلین میں آپ سب سے زیادہ صاحب شرف وعظمت تھے۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا۔

فُضِّلْتُ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ	ترجمہ: مجھے تمام انبیا پر چھ چیزوں سے فضیلت
اُعْطِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ	دی گئی۔ نمبرا۔ مجھے مختصر مگر جامع اور کثیر المطالب
بِالرُّعْبِ وَاُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ	کلام عطا کی گئی۔ نمبر۲ میں رعب اور دبدبہ سے
وَجُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا	مدد کیا گیا ہوں۔ نمبر۳۔ میرے لیے غنیمتوں
وَّطَهُوْرًا وَاُرْسِلْتُ اِلَى	کا مال حلال کیا گیا۔ نمبر۴۔ میرے لیے تمام روئے
الْخَلْقِ كَافَّةً وَخُتِمَ	زمین مسجد اور پاکیزگی بنا دی گئی۔ نمبر۵۔ میں تمام
بِيَ النَّبِيُّوْنَ۔	مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ نمبر۶ اور مجھ سے
(الحدیث)	نبیوں کی آمد بند کر دی گئی۔

اور ایسے ہی پہلی کتابوں سے اصل مقصود قرآن مجید تھا جسے مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر اتارا وہ تمام خداوندی کتب کا لب لباب اور خلاصہ ہے اور شان میں ان سب کتابوں سے باعظمت ہے کیونکہ وہ سب آسمانی کتب کی تصدیق کرتا ہے جو انبیاؑ اور ان کی قوموں کے سامنے تھا اور قرآن کے ایک ایک لفظ نے دنیا کے بڑے بڑے بلیغ اور فصیح لوگوں کو عاجز کر دیا کہ اس جیسی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورۃ لا سکیں اور قرآن کریم معنوی لحاظ سے مثلاً احکام اور آداب وفضائل

بہترین حجت شاندار برہان اور مضبوط دلائل پر شامل ہونے میں تمام سابقہ آسمانی کتب کو جامع ہے اور ایسے ہی پہلی اُمتوں سے اصل مقصد یہ اُمتِ مرحومہ یعنی اُمتِ محمد عربی صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے یہ بافضیلت اور درمیانی اُمت پہلی تمام اُمتوں کا نتیجہ ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا[1] — اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے تمہیں سب اُمتوں سے افضل کیا۔

پھر جناب حقی رضی اللہ عنہ نے خلافت عثمانیہ کا ذکر خیر کیا کہ اللہ نے اسی سے دین کی نصرت اور مدد کی اور مسلمان اس سے غالب ہوئے اور اسے قیامت تک بھلائی سے موافق ہونے کا دوام بخشا۔ پھر قرآن کی اس آیت پر کہتے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا[2] — ترجمہ: اے لوگو میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں۔

حضور سب کے رسول ہیں

یہ خطاب عام ہے جن و انسان جنہوں نے آپ کا زمانہ پایا آپ سب کی طرف اللہ کے رسول بن کر بھیجے گئے اور بعد ازیں قیامت تک آپ تمام لوگوں کے رسول ہیں بخلاف باقی انبیا کے کہ وہ اپنے زمانہ میں صرف اپنی ہی قوم تک بھیجے گئے اور ان میں کسی کی شریعت قیامت تک جاری نہ ہو گی۔

حدادی نے کہا کہ جمیعًا کی تفسیر کافۃً سے بھی ہو سکتی ہے کہ میں تمہیں اللہ کی توحید و اطاعت کی ہدایت کرتا ہوں اور اس ہدایت تبلیغ کرنے پر تم سب پر میری اتباع اور فرمانبرداری بھی لازم ہے۔

اور آکام المرجان میں ہے کہ مسلمانوں کی کسی جماعت نے اس میں اختلاف نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم جن و انس و عرب و عجم کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔

سوال

اگر تو کہے کہ اس عمومی بعثت میں جناب سلیمان علیہ السلام بھی حضور کے شریک ہیں اس لیے کہ وہ بھی جن و انس کی طرف مبعوث ہوئے اور جن و انس کے علاوہ تمام

---

[1] پ ۲، سورہ بقرہ، آیت ۱۴۳۔

[2] پ ۹، سورہ اعراف، آیت ۱۵۸۔

حیوانات پر انہوں نے بھی حکومت کی۔

جواب میں کہتا ہوں کہ جناب سلیمان علیہ السلام جنوں کی طرف رسول بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے بلکہ شاہی طور طریقہ سے ان پر باضابطہ حکومت کرتے تھے اور ان سے خدمت لیتے تھے اور ان کے درمیان حق فیصلہ فرماتے تھے اور آپ نے انہیں کبھی بھی اپنے دین کی دعوت نہ دی تھی اس لیے کہ سرکش جن آپ کے مطیع ہو کر آپ کی خدمت میں کھڑے رہتے لیکن وہ اپنے کفر اور گمراہی پر جُوں کے توں رہے۔

پھر صاحب رُوح البیان اللہ کے اس قول کی تفسیر فرماتے ہیں:

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَكَلِمٰتِہٖ وَاتَّبِعُوْہُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ[1]

ترجمہ: تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رُسول بے پڑھے غیب بتانے والے پر کہ اللہ اور اس کی باتوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی غلامی کرو کہ تم راہ پاؤ۔

سیدالطائفہ جناب جنید بغدادی رحمۃ اللہ نے کہا کہ مخلوق پر سب راہیں بند ہیں یہاں تک کہ وہ رسول کے نقش قدم پر چلیں اور آپ کی سُنّت کی تابعداری کریں اور آپ کے طریقہ کو اختیار کریں اس لیے کہ آپ کے نقش قدم پر چلنے والوں اور آپ کی سُنّت کی اتباع کرنے والوں پر بھلائی اور خیرات کے تمام راستے کھل جاتے ہیں۔ پھر کہا کہ جب تو اتباع کرنا چاہے تو صرف سیدالانبیاء حضرت محمد مصطفٰے کی اتباع کر جن کے جھنڈے کے سایہ تلے آدم اور ان کے علاوہ تمام انبیاء اور اولیاء جمع ہوں گے۔ پھر جب تو کسی کی پیروی کرے تو صرف اس وجہ سے نہیں کہ وہ شخص آپ کی اُمّت کے لوگوں میں مشہور ہے اور بادشاہوں اور امیر لوگوں میں مقبول ہے بلکہ آپ پر لازم ہے کہ آپ پہلے حق کو پہچانیں اور پھر بندوں کی پرکھ پڑتال کریں کہ وہ واقعی پیروی کرنے کے لائق ہے۔ اسی سلسلہ میں حضرت مولیٰ علی جو ربانی علم کے دروازہ ہیں فرماتے ہیں جو شخص حق کی پہچان کو بندوں پر چھوڑ دے وہ گمراہی کے ویرانے میں سرگرداں ہے حق کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ اہلیت دیکھی جائے اور اس شخص میں رُسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کا اندازہ کیا جائے کہ وہ کس قدر حضور کا تابع فرمان ہے اس طریقہ سے آپ کی اور اس شخص کی مناسبت مستحکم اور رشتہ محبت

---

[1] پ ۹، سورۂ اعراف، آیت ۱۵۸

مضبوط ہوگا۔ اور ہر جس چیز کا تعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو۔

حضور پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے والا آپ کی شفاعت کا مستحق ہوگا

مثلاً آپ صلے اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام پڑھنا اور آپ کے مزار شریف کی زیارت کرنا اور آذان کا جواب دینا اور بعد از آذان دُعا کرنا ان اُمور کی ادائیگی سے ہر شخص حضور علیہ السلام کی شفاعت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اکابر امت نے کہا ہے کہ اگر رسُول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے موئے مُبارک یا اعضا مُبارک یا تازیانہ مُبارک کسی گنہ گار کی قبر پر رکھ دیا جائے تو ان تبرکات کی وجہ سے اس گنہ گار کو عذاب سے نجات مل جائے گی یا یہ تبرکات کسی شہر یا کسی کے گھر میں ہوں تو اس شہر یا گھر کے رہنے والوں پر کسی بلا و مصیبت کا اثر نہ ہوگا اگرچہ وہ ان تبرکات کی موجودگی کا علم نہ رکھتے ہوں اسی طرح آبِ زمزم شریف یا اس میں دُھلا ہوا کفن یا غلافِ کعبہ کا ٹکڑا جو اندرون لباس ٹانک لیا جائے یا غلافِ کعبہ سے پورا کفن میسر ہو جائے یہ سب بابرکت ہیں۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ جب تو کسی خارجی مثال کا ارادہ کرے تو جان لے کہ جو شخص اپنے بادشاہ کی اطاعت اور عزت کرتا رہا ہو جب وہ اپنے بادشاہ کے شہر میں داخل ہوگا اور اس بادشاہ کے تیر و ترکش اور کوڑے دیکھ کر ان کی عزت کرے گا بلکہ اہالیان شہر کی تعظیم کرے گا بلاتشبیہہ ملائکہ الٰہی حضور علیہ السلام کی بے حد تعظیم کرتے ہیں جب وہ کسی گھر یا شہر یا کسی قبر پر آپکے باقیات اور آثار مقدسہ دیکھتے ہیں تو اس شہر یا گھر والوں کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور قبر والے پر عذاب نہایت ہلکا کر دیتے ہیں۔ شیخ اسماعیل حقی سورۃ انفال کے اس قول کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ — ترجمہ: اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے
وَاَنْتَ فِيْهِمْ [1] — جب تک اے محبُوب تم ان میں تشریف فرما ہو۔

اس میں حضور پُر نُور صلی اللہ علیہ وسلم کی حُرمت و تعظیم کی حفاظت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمت اللعالمین بنا کر بھیجا ہے رحمت اور عذاب ضدیں ہیں اور ضدیں کبھی جمع نہیں ہوتیں اور یہ بھی

---

[1] پ ۹، سورۃ انفال، آیت ۳۳۔

کہا گیا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب حیاتِ ظاہری میں تھے تو آپ بہت بڑی امن گاہ تھے اور آپ کی سُنّت کو بقا اور دوام ہے جس کی اتباع حقیقی امن کی آئینہ دار ہے اور یہ آیت حضور پُرنُور صلے اللہ علیہ وسلم کی اللہ کے ہاں قدر و منزلت اور احترام و شرافت پر دلیل ہے کہ اللہ نے آپ کو لوگوں کی امن گاہ بنایا اور آپ کی وجہ سے انہیں عذاب سے محفوظ رکھا اور اس آیت میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جو قوم صالح اور پرہیزگار لوگوں سے ملتی رہے اس سے عذاب اُٹھ جاتا ہے حضرت شیخ افتادہ قدس سرہٗ نے کہا کہ کائنات کے سب انتظامات آپ کے وجود شریف کی برکت سے ہیں اس لیے کہ آپ ذات باری تعالیٰ کے مظہر اور اجزائے ارضی و سماوی کی بقا ہیں یہاں تک کہا گیا ہے کہ آپ کے جسم اطہر نے ابھی تک دنیا سے رحلت نہیں فرمائی کہ بے شک عیسیٰ علیہ السلام آپ ہی کے جسم سے ارتقا اسمانی پر فائز ہوئے ہیں اور بے شک وہاں آپ کا جسم شریف عالم اجسام کی اصلاح و انتظام کے لیے باقی ہے۔

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

شیخ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ سورہ حجر کے اس قول کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ[1] — ترجمہ: اے محبوب تمہاری جان کی قسم وہ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں۔

یہی مشہور ہے اور اس پر جمہور کا اتفاق ہے کہ اس آیت میں اللہ کی طرف سے حیات النبی پر قسم ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاں حضور سے زیادہ عزت دار کسی کو پیدا نہیں کیا اور میں نے نہیں سُنا اللہ نے حضور کے سوا کسی کی زندگی کی قسم کھائی ہو۔ اور تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ ایسا مرتبہ ہے جس پر سید المرسلین اور خاتم الانبیاء کے سوا کوئی نہ پہنچ سکا اور حضور اس مرتبہ پر ازل سے ابد تک فائز ہیں اور وہ یہی ہے کہ ذات حق نے آپ کی حیات طیبہ کی قسم کھائی اور پھر کہا کہ اللہ نے اپنے قول لَعَمْرُكَ سے حضور کی

---

[1] پ ۱۴، سورہ حجر، آیت ۷۲۔

قسم کھائی تاکہ اللہ کے پاس جو آپ کی عظمت اور مقام ہے لوگ اسے اچھی طرح پہچان لیں۔

حضور کو چونتیس معراج ہوئے

شیخ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ سورۃ اسریٰ کی پہلی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ ترجمہ: پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا کے ارد گرد ہم نے برکت رکھی کہ ہم اسے اپنی حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ[1] عظیم نشانیاں دکھائیں بیشک وہ سنتا دیکھتا ہے۔

شیخ اکبر قدس سرہ نے کہا کہ حضور علیہ السلام کو کل چونتیس معراج ہوئے ہیں ان میں ایک معجسم شریف اور باقی عالم خواب میں یا روحانی طور ہوئے ہیں یعنی نبوت سے پہلے بھی اور بعد بھی اور وحی سے پہلے اسریٰ کا حصول مقدمۃً اور بطور آسانی تھا جس طرح نبوت کے شروع میں آپ کو سچے خواب آیا کرتے تھے اللہ کا قول اسریٰ بعبدہٖ حضور کے معراج روح مع الجسم پر دلیل ہے اس لیے کہ لفظ عبد روح اور جسم دونوں کو شامل ہے اور براق جو چار پایہ کی قسم ہے اور وہ جسم کو اٹھاتا ہے اگر یہ معراج روحانی یا بعالم خواب یا جذب و گوشہ نشینی سے ہوتا تو منکرین بعید از عقل اور ناممکن سمجھتے اہل یقین لوگوں نے ذکر کیا ہے کہ بےشک جبریل نے حضور کی مبارک مٹی کو لے کر جنت کے پانیوں سے گوندھا اور تمام آلائشیں اور میل کچیل دھو ڈالی اور جسم اطہر کو صاف اور پاکیزہ کر دیا تو آپ کا جسم بھی آپ کی روح کی طرح عالم علوی کے لائق ہو گیا۔ آپ کو معراج شریف ستائیسویں[2] رجب المرجب پیر کی رات ہوا اسی بات پر لوگوں کا عمل ہے اور کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام پیر کے دن پیدا ہوئے اور پیر کے دن آپ نے اعلانِ نبوت فرمایا اور پیر کی رات آپ کو معراج ہوا اور مکہ سے آپ نے پیر کے دن ہی ہجرت کی اور مدینہ طیبہ میں پیر کے دن داخل ہوئے اور آپ کا وصال شریف بھی پیر کے دن ہوا۔ پھر اسماعیل حقی رحمۃ اللہ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا پر فرماتے ہیں

---

[1] پ۱۵، سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۱۔

کہ یہ اسریٰ کی انتہا ہے اور اس میں حکمت اسریٰ کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذاتی اور مخصوص نشانیاں دکھائیں جبکہ اوّلین و آخرین میں سے کسی کو یہ شرف حاصل نہ ہوا۔ بے شک اللہ جل شانہٗ نے اپنے پیارے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے حبیب حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ملکوت دکھائے جس طرح ارشاد فرمایا:

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ[1] — ترجمہ: اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں اس ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔

اور اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ربوبیت کبریٰ کے نشانات دکھائے جس طرح ارشاد فرمایا۔

لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى[2] — ترجمہ: بے شک آپ نے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں۔

تاکہ آپ محبوں اور محبوبوں میں ہوں آیت میں لفظ من تبعیضیہ ہے اس لیے کہ حضور کو اللہ نے اس رات جو کچھ دکھایا وہ اللہ کی عظیم نشانیوں کا کچھ حصہ تھا اور لفظ آیات کی اضافت اپنی ذات کی طرف کرنے میں ارادہ تعظیم ہے اس لیے کہ جو چیز عظیم کی طرف منسوب ہو وہ بھی عظیم ہوتی ہے شیخ اسماعیل اسریٰ کی مطلوبہ حکمتوں میں کہتے ہیں کہ افق اعلیٰ میں آیات کبریٰ کا مشاہدہ حضور نے خود ذکر کیا ہے۔ ان میں سے بعض یہ ہیں۔ آسمانی ستاروں کا قریب سے دیکھنا اور آسمان کی سیر بلندیوں کی پرواز اور رفرف کا قرب قلموں کی تحریر کی آواز اور لوح کا مشاہدہ جن انوار و تجلیات نے سدرۃ المنتہیٰ کو ڈھانپا ہوا ہے ان کا دیکھنا اور روحوں کی ملاقات اور علوم اعلیٰ اور اعمال کا جاننا اور مقام قاب قوسین پر رسائی کا حصول یہ سب افق اعلیٰ کے نشانات ہیں اور شیخ اسماعیل حقی نے یہاں تک کہہ دیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو ایک جگہ سے دوسری جگہ صرف اس لیے منتقل کیا کہ جو چیزیں اس سے غائب تھیں وہ انہیں دیکھ لے گویا اللہ نے یوں کہا ہے کہ میں نے اپنے بندے کو صرف اپنی قدرت کے نشان دکھانے کے لیے

---

[1] پ، سورہ انعام، آیت ۷۵۔

[2] پ ۲۷، سورہ النجم، آیت ۱۸۔

سیر کرائی کیونکہ میری ذات تو میرے محبوب کے ساتھ ہر وقت ہے خواہ وہ کسی جگہ کا قصد کریں یا کہیں اتریں یا اونچی جگہ کی پرواز کریں اور میری ذات کسی مکان اور زمان میں مقید نہیں اور مکان و زمان کی نسبت میری طرف برابر ہے اور میری ذات وہ ہے کہ میں اپنے مومن بندے کے دل میں سما جاتا ہوں۔ شیخ اسماعیل حقی نے اسریٰ اور معراج بہت لمبا ذکر کیا ہے جس میں بہترین فوائد ہیں اور واقعہ معراج بڑی تقطیع کے دس ورق سے بھی زیادہ نہایت باریک تحریر میں ذکر کیا ہے۔ شیخ اسماعیل فرماتے ہیں کہ جو مؤمن ہے وہ معراج مصطفےٰ کا منکر نہیں ہو سکتا۔ لیکن اتنی لمبی سیر قلیل وقت میں ظاہر میں عقل کو ضرور حیرت زدہ کرتی ہے اور تحقیق سے غور کیا جائے تو اس میں کوئی مشکل بھی نہیں کیونکہ بدن انسانی میں ایک ایسا لطیف پرزہ دل ہے جو مشرق و مغرب بلکہ تمام کائنات کی سیر لحہ بھر میں کر سکتا ہے یہ بات اظہر من الشمس ہے بلکہ احمق اور بچے بھی جانتے ہیں اور جسے ذرا سی بھی سوجھ ہو وہ اس کا انکار نہیں کر سکتا کیا یہ جائز نہیں کہ حضور کے جسم میں اللہ نے یہ طاقت عطا کی ہو اور وقت قلیل میں آپ نے یہ فرمائی ہو۔

حضور تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں

شیخ اسماعیل حقی رحمہ اللہ سورۃ انبیا کی اس آیت پر فرماتے ہیں:۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝[۵] ترجمہ: اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے۔

حضور کا اس شان سے بھیجا جانا دونوں جہان کی سعادت کا اصل سبب ہے اور دنیا و آخرت کے صالح انتظام کا حقیقی منشا ہے جو شخص غرور کرتے ہوتے حضور سے منہ پھیر لے تو وہ اپنی ہی شامتِ نفس سے ماخوذ ہوتا ہے اور اس پر رحم نہیں کیا جاتا اور بعض نے کہا ہے کہ حضور علیہ السلام کفار کے لیے بھی رحمت ہیں؛ کیونکہ آپ کی وجہ سے ان کی سزائیں مؤخر ہوئیں اور بے وقت حملوں اور چہروں کا بگڑنا اور زندہ زمین میں دھنس جانے جیسے عذابوں سے با امن ہوئے حدیث میں آیا ہے۔

---

۵ پ ۱۷، سورۃ انبیا، آیت ۱۰۷۔

کہ حضور علیہ السلام نے جناب جبریل علیہ السلام کو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام جہان کے لیے رحمت بنایا ہے کیا تو نے اس رحمت سے کچھ پایا ہے تو جبریل علیہ السلام نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں اپنے انجام سے بہت خوفزدہ رہا کرتا تھا تو اللہ نے اس کی وجہ سے مجھے اس خوف سے نجات دی اور اپنی کلام میں میری تعریف کر دی۔

ذِیْ قُوَّۃٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ ترجمہ: جو قوت والا ہے مالکِ عرش کے حضور مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ[1] عزت والا وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے امانت دار ہے۔

بعض اکابر اُمت نے کہا ہے کہ یہ رحمت کئی صفات کو شامل کو سا جیسے مطلقہ۔ یعنی رحمت عام تام یعنی کسی کمی کے بغیر۔ کاملہ۔ یعنی مکمل عامہ یعنی سب کے لیے شاملہ یعنی جو سب کے حال کو شامل ہو۔ جامعہ یعنی جس کی مجموعی حیثیت ہے۔ محیط یعنی تمام مقیدات کو اپنے دائرہ میں لئے ہوئے خواہ وہ رحمت غیبیہ ہو یا مشاہداتی ہو۔ علمیہ ہو یا عینیہ وجودیہ ہو یا شہودیہ سابقہ ہو یا لاحقہ وغیرہ عالمین جمع عالم کی ہے جس کا اطلاق عاقل اور غیر عاقل سب پر برابر خواہ عالم ارواح ہو یا عالم اجسام اور جو رحمت للعالمین ہو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ تمام جہان سے افضل بھی ہو۔ تاویلات نجمیہ میں مذکور ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے حق میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ مریم میں رَحْمَۃً مِّنَّا کہا ہے۔ اور ہمارے نبی علیہ السلام کے حق میں رحمۃ للعالمین فرمایا ہے۔ جناب عیسٰی کی رحمت اور حضور علیہ السلام کی رحمت میں بہت بڑا فرق ہے کیونکہ عیسٰی علیہ السلام کی رحمت لفظ من تبعیضیہ سے مقید ہے اس لیے کہ ان کی رحمت تو صرف اس شخص کے ساتھ خاص مقید جو ان پر ایمان لایا اور ان کے احکام کو تسلیم کیا یہاں تک کہ ہمارے نبی علیہ السلام تشریف لائے اور عیسٰی علیہ السلام کی رحمت منقطع ہو گئی کیونکہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے ان کا دین منسوخ ہو گیا اور ہمارے نبی علیہ السلام کے حق میں رحمت للعالمین کا ارشاد بتاتا ہے کہ ہمارے نبی کی رحمت کبھی منقطع نہ ہو گی۔ دنیا میں بایں طور کہ آپ کا دین منسوخ نہ ہو گا اور آخرت میں اس لیے کہ سب مخلوق حضور کی شفاعت کی محتاج ہو گی یہاں

---

[1] پ ۳۰، سورہ تکویر، آیت ۲۰، ۲۱۔

تک کہ ابراہیم علیہ السلام بھی آپ ہی سے شفاعت طلب کریں گے اس مقام کو بگوش ہوش جاننا چاہیئے۔

عرائس بقلی میں کہا ہے کہ اے صاحب دانش اللہ نے ہمیں خبر دی ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جو چیز پیدا کی وہ نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ پھر عرش سے فرش تک آپ کی نورانیت کے کچھ حصے سے تمام مخلوق کو پیدا کر دیا۔ وجود و شہود کے اعتبار سے آپ کو ہر موجود کی طرف رحمت بنا کر بھیجا کیونکہ سب مخلوق آپ ہی سے ظاہر ہوئی ہے آپ کے ہونے سے تمام مخلوق ہوئی اور آپ کا سب مخلوق کے وجود کے لیے سبب ہونا اور سب مخلوق کے لیے اللہ کی رحمت کا سبب بننا یہ رحمت کافیہ ہے اور بغور سمجھ لے کہ تمام مخلوق کی شکلیں اور صورتیں بغیر روح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے لیے فضائے قدرت میں سراپا انتظار بنی ہوئی تھیں جب آپ تشریف لے آئے تو تمام جہان آپ کے وجود اور دم قدم سے زندہ ہو گیا اس لیے کہ آپ تمام مخلوق کی روح رواں ہیں۔

حضور علیہ السلام عالم اجسام کی اکسیر ہیں

اور اے صاحب خبر عرش و فرش تک تمام مخلوق اللہ کے قدیمی رازوں کی دریافت میں ناقص اور اللہ کی پہچان اور کمال معرفت سے قاصر تھی۔ خدا کی کبریائی کے دریا کے کنارے اور الوہیت کے سمندر کی گہرائی تک جانے سے عاجز تھی تو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم علوم ازلیہ سے آشنا ہو کر روح مجسم اور تمام عالم اجسام کے لیے نسخہ کیمیا بن کر تشریف لائے اور مخلوق پر راہ حق اس طرح واضح کی جیسے آپ نے تمام ازلی اور ابدی سفر ایک ہی قدم میں طے کر لیا ہو۔ اور جب آپ نے اللہ کی طرف سفر قربت اختیار کیا تو تمام منازل کو ایک ہی قدم سے طے کر لیا تھا۔ اور وہ منازل سبحان الذی[1] سے عیاں ہیں یہاں تک کہ آپ مقام دنیٰ فتدلیٰ پر پہنچے اور وہاں آپ کی تشریف آوری سے اللہ نے تمام مخلوق کو بخش دیا جو لاثانی بخشش تھی۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ ہر نبی سزا و عقوبت کا پیش خیمہ ہوتا ہے جس طرح اللہ کا قول ہے۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا — ہم عذاب کرنے والے نہیں جب تک رسول نہ بھیج لیں۔

---

[1] پ ۱۵۔ سورۃ بنی اسرائیل۔ آیت ۱۵۔

اور ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم مقدمۂ رحمت ہیں بقول عزّ وجل وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اور اس سے اللہ کی مراد ہے کہ خاتمہ رحمت پر ہو تاکہ سزا وعقوبت اللہ کے اس قول کے مطابق۔

سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی غَضَبِیْ۔ کہ میری رحمت کو میرے غضب پر برتری ہے۔

اسی لیے ہمیں آخری اُمت بنایا گیا ہے کہ حضور کے وجود کی ابتدا بھی رحمت ہے اور آخر وخاتمہ بھی رحمت ہو اور جاننا چاہیے کہ جب مخلوق کی ایجاد کا اللہ نے ارادہ فرمایا تو بارگاہ احدیت کی خلوت گاہ سے حقیقت احمدی کو امکان کا میم لگا کر ظاہر اور ممتاز کیا۔ آپ کو تمام جہان کے لیے رحمت اور بنی نوع انسان کو آپ سے مشرف کیا پھر آپ ہی سے رُوحوں کی آنکھیں کھلیں اور عالم اجسام وابدان وغیرہ ظاہر ہوئے جس طرح سرکار دوعالم کا ارشاد ہے کہ میں اللہ کی طرف سے ہوں اور تمام ایمان والے میرے نور سے فیض یافتہ ہیں اور اس کائنات کی اصل غایتِ اُولیٰ آپ ہی ہیں جس طرح حدیث قدسی میں اللہ کا کلام ہے۔ لَوْلَاکَ مَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ۔ یعنی اگر آپ نہ ہوتے تو نظامِ فلکیات اور اس کے متعلقات نہ ہوتے۔ پھر اس مقام پر حضور کی تعریف میں شیرازی کے فارسی شعر ذکر کیے جن کے آخر میں کہا کہ حضور کے فضل وشرف کے لیے اتنا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے پیدا کرنے اور نبیوں رسُولوں کو آپ سے پہلے بھیجنے میں اس عالم مثال میں آپ کے ظاہر کرنے کا افتتاحیہ اور مقدمہ بنایا اور ان سب کی رُوحیں اور جسم آپ کے جسم لطیف اور رُوحِ شریف کے تابع تھے پھر جاننا چاہیئے کہ آپ کی حیات ظاہری بھی رحمت ہے اور آپ کا وصال شریف بھی رحمت ہے جیسے حضور علیہ السلام نے خود فرمایا ہے کہ میری حیاتی بھی تمہارے لیے بہت بہتر ہے اور میری موت یعنی وصال شریف بھی تمہارے لیے بہت خوش آئند ہے تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی حیاتی کا ہمارے لیے بہتر ہونا واضح ہو اور آپ کی موت ہمارے لیے کیا بھلائی ہے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہر پیر دار اور جمعرات کو تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جائیں گے اچھے عمل کے ملاحظہ سے میں اللہ کی تعریف کروں گا اور بُرے اعمال کی تمہارے لیے اللہ سے بخشش طلب کروں گا۔

حضور علیہ السلام مسلمانوں کی جانوں کے مالک ہیں

شیخ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ سورۃ احزاب کی اس آیت پر فرماتے ہیں:۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ[1] یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے۔

روایت کیا گیا ہے کہ حضور نے غزوہ تبوک کا ارادہ کیا تو لوگوں کو غزوہ میں نکلنے کے لیے کہا تو بعض لوگوں نے کہا کہ ہم غزوہ میں شریک ہونے کے بارے اپنے والدین سے مشورہ کریں گے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ آیت کے معنی سے مشاہدہ ہوتا ہے کہ یہ نبی ایمان والوں کی جانوں کا ان کے دینی اور دُنیوی کاموں میں مالک و مختار ہے اور اسی معنی سے ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر انہیں ایک چیز کی طرف بلائیں اور ان کے اپنے نفس دوسری چیز کی طرف بلائیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بُلانے کو نفس کے اکسانے پر ترجیح دینا واجب ہے اس لیے کہ حضور علیہ السلام یقیناً اس چیز کی طرف بُلاتے ہیں جس میں ان کی کامیابی اور نجات ہوتی ہے جب کہ ان کو ان کے نفس تباہ حالی اور ہلاکت کی طرف بُلاتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے جناب یُوسف علیہ السلام کا حکایتہً ذکر فرمایا ہے۔

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ[2] بے شک نفس تو بُرائی کا بڑا حکم دینے والا ہے۔

تو پھر واجب ہے کہ حضور علیہ السلام ان کو اپنی جانوں سے زیادہ محبوب ہوں اور ان پر آپ کا حکم ان کے نفسوں کے حکم کی نسبت زیادہ چلے اور آپ کے حکم کو نفسانی حقُوق پر ترجیح دیں اور ان کا رشتہ محبت حضور کے ساتھ نفس کی محبت سے زیادہ مضبوط اور طاقتور ہے اگرچہ وہ اس محبت سے دوسرے کی خوشنُودی بھی حاصل کر سکتے ہیں لیکن وہ اس محبت کی قربانی حضور علیہ السلام کے لیے مُشکل مُہمات اور غزوات میں دیں اور آپ ہر جس چیز کے لیے بلائیں تو وہ آپ کی اتباع کریں حدیث میں مذکور ہے کہ تم میں کوئی بھی کامل ایمان دار نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ میں اسے اس کی جان اور اولاد اور مال اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ جناب سہل قدس سرّہٗ فرماتے ہیں جو اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ملک تصور نہ کرے اور اپنے تمام احوال پر حضور علیہ السلام کو اپنا وارث نہ جانے تو وہ شخص کسی حال میں حضور کی سُنّت کی چاشنی نہ چکھ سکے گا۔

---

[1] پ ۲۱، سورہ احزاب، آیت ۶

[2] پ ۱۳، سورۃ یُوسف، آیت ۵۳۔

حضور علیہ السلام سراجِ مُنیر ہیں

شیخ اسماعیل حقی اپنے فرمودہ جواہر میں سورۃ احزاب کی اس آیت پر فرماتے ہیں۔

یَاۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ	اے غیب کی خبریں بتانے والے نبی بیشک
شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا	ہم نے تجھے بھیجا حاضر و ناظر اور خوشخبری دیتا
وَّدَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا	اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم
مُّنِیْرًا[1]	سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب۔

جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کو کئی وجوہ سے سراج سے تشبیہہ دی ہے ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم سے گمراہی اور جہالت کی تاریکی روشن کر دی گئی اور آپ کے انوار سے رُشد و ہدایت کی راہیں کھل گئیں اور لوگوں کو ہدایت دی گئی جس طرح چمکتے چراغ سے اندھیروں میں اپنی منزل کی طرف ہدایت لی جاتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ایک چراغ سے ہزار چراغ بھی روشن کر لیے جائیں تو اس سے پہلے چراغ میں کچھ کمی نہیں ہوتی۔ بے شک اہل ظاہر کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالےٰ نے تمام چیزوں کو رسول اللہ کے نوُر سے پیدا کیا اور آپ کے نورُ میں کچھ کمی واقع نہ ہوئی اور اس کی روایت یوُں بھی ہے کہ جناب موُسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ ربُّ العزت میں عرض کی کہ یا رب میرا ارادہ ہے کہ میں تیرے خزانوں کو پہچانوں تو اللہ نے فرمایا اپنے خیمہ کے دروازے پر آگ جلایا کر لوگ اس سے اپنے دیئے جلائیں تو موسیٰ علیہ السلام نے ایسے ہی کیا حکم ہوا کہ اے موُسیٰ تیری آگ میں کوئی کمی تو نہیں آئی۔ عرض کیا اے میرے رب بالکل کمی نہیں آئی۔ پھر اللہ نے فرمایا بس یوُں ہی میرے خزانے ہیں۔ اور یوُں ہی علوم شریعت اور فوائد طریقت انوار معرفت اور اسرار حقیقت جو میرے رسُول کی اُمّت میں ظاہر ہوں گے۔ اور یہ سب سمندر حضور علیہ السلام کے گرد گردش کرتے ہیں اور آپ کی ذات میں پائے جاتے ہیں۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ چاند اپنے چمکنے میں سوُرج کا محتاج ہے اور سوُرج کی کرنوں سے روشنی

---

[1] پ ۲۲، سورۃ احزاب، آیت ۴۵، ۴۶۔

لے کر چمکتا ہے۔ باوجودیکہ سورج اپنی حالت پر ہی رہتا ہے اور قصیدہ بردہ میں ہے۔

فَاِنَّهٗ شَمْسُ فَضْلٍ هُمْ كَوَاكِبُهَا
يُظْهِرْنَ اَنْوَارَهَا لِلنَّاسِ فِي الظُّلَمِ

ترجمہ: بے شک آپ کی ذات فضیلت اور بزرگی کا سورج ہے اور باقی سب اس کے ستارے ہیں جو اندھیروں میں لوگوں پر آپ کے انوار ظاہر کرتے ہیں۔

یعنی حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے فضل وکرم سے تمام جہان پر چمکتے سورج ہیں اور سب نبی آپ کے سامنے بمانند ستاروں کے ہیں جو آپ کے نور سے فائدہ لے کر آپ کے انوار کو ظاہر کرتے ہیں یعنی آپکی عالم موجودگی اور غائب ہونے پر سرکار کی حکمتیں اور علوم ظاہر کرتے رہے اور جب سورج طلوع کرے تو ستارے چھپ جاتے ہیں ایسے ہی آپ کے آنے سے دروازۂ نبوت بند اور آپ کے دین نے تمام دینوں کو کالعدم قرار دے دیا اور اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ چاند کی چاندنی سے روشنی حاصل کرنے والا سورج کی روشنی سے نور حاصل کرنے والے کی طرح ہے اور تیسری وجہ یہ ہے کہ بے شک نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے دنیا جہاں کی حب اطراف کو اپنی ضیا اور نورانیت سے جگمگا دیا جس طرح چراغ سے اس کا ماحول اور اردگرد چمک جاتا ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضور نے اپنی سب اُمت کو روشنی بخشی جس طرح چراغ سے تمام اطراف روشن ہو جاتی ہیں مگر جو شخص دل کا اندھا ہو یا جو اس کی صفات کا تابع ہو جیسے ابوجہل وغیرہ نہ وہ آپ کی حقیقت سے آشنا ہے اور نہ ہی آپ کے نور سے روشنی حاصل کر سکے گا جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

وَتَرٰهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ اور انہیں دیکھیں کہ وہ تیری طرف دیکھ
وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ [1] رہے ہیں اور انہیں کچھ بھی نہیں سوجھتا۔

حکایت ذکر کیا گیا ہے کہ سلطان محمود غزنوی جناب شیخ ابوالحسن خرقانی کی خدمت میں حاضر ہوا چند لمحات کے بعد عرض کی کہ اے شیخ ابویزید بسطامی کے بارے

---

[1] پ ۹، سورۃ الاعراف۔ آیت ۱۹۸۔

آپ کا کیا خیال ہے۔ شیخ خرقانی قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ وہ ایسا مرد ہے جو اسے دیکھ لے وہ ہدایت پر آجاتا ہے۔ پھر محمود غزنوی نے عرض کی کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ابوجہل نے حضور کو دیکھا لیکن گمراہی سے نہ بچ سکا۔ شیخ خرقانی رحمۃ اللہ نے جواب میں کہا کہ ابوجہل نے رسول اللہ کو نہیں دیکھا تھا بلکہ جناب عبداللہ کے بیٹے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور یتیم ابی طالب کو دیکھا تھا اگر اس نے رسول اللہ کو دیکھ لیا ہوتا تو وہ بھلائی میں داخل ہو جاتا یعنی رسول اللہ کو معلّم اور ہادی ہونے کی حیثیت سے دیکھتا نہ کہ بشر اور یتیم ہونے کی حیثیت سے تو سلطان محمود مطمئن ہو گیا۔ اور چوتھی وجہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے سفلی دنیا سے عالم بالا کی طرف عروج فرمایا یعنی اس جہان سے عالم ملکوت کی طرف پھر ملکوت سے عالم جبروت و عظموت کی طرف پھر اور ایک ہی بے کیف جست سے اوادنیٰ سے مقام قاب قوسین تک پہنچ گئے اور قرب اوادنیٰ سے مراد یہ ہے کہ سرکار کا قلب مبارک کسی نبی اور فرشتہ کے واسطہ کے بغیر اللہ کے نور سے روشن کر دیا گیا اس مقام کو حضور نے یوں بیان کیا ہے کہ :۔

لِیْ مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ	مجھے اللہ کے ساتھ ایک ایسا وقت ہے
فِیْهِ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ	کہ اس میں میرے ساتھ نہ کسی مقرب فرشتے
وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ ۔	اور نہ کسی نبی اور رسول کی گنجائش ہوتی ہے۔

اس لیے کہ وہ مقامِ وحدت ہے اور وہاں کسی کو رسائی نہیں مگر جو اپنی ذات کو ذات حق میں فنا کر کے اپنے رب سے بقا حاصل کرے یعنی مکمل فنا اور حصول بقا بھی کمال کو پہنچ جائے اس طرح کہ نورِ الٰہی اس کے وجود کے ایندھن میں خفیف سی آگ بھی باقی نہ رہنے دے کہ اس سے نفسی نفسی کا دھواں اٹھ سکے اور اس رتبہ کمال تک کوئی نبی نہیں پہنچ سکا اس لیے کہ تمام انبیاء اُمّتی اُمّتی ضرور کہیں گے اور حدیث معراج میں اتنا ہی کافی ہے کہ حضور علیہ السلام نے ہر آسمان پر جماعت انبیاء سے ملاقات کی یہاں تک کہ آپ نے ساتویں آسمان پر جناب خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کی جو تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ پھر آپ سدرۃ المنتہیٰ پر گئے اور جبریل کی رفاقت میں سدرۃ کے آخر تک پہنچے انتہائے سدرۃ پر جبریل رک گئے۔ پھر آپ کی طرف رفرف بڑھی تو آپ اس پر سوار ہو گئے اس سے آپ کو اوادنیٰ اور مقام قاب قوسین تک پہنچا دیا تو وہاں اس ذات نے

شرف بخشا جس نے آپ کو تمام خلقت کی طرف نور بنا کر بھیجا اور کہا کہ قد جاء کم من اللہ نور۔ یعنی تمہارے پاس اللہ کا نور آیا اور آپ کو اذن عام دیا گیا کہ آپ خلق خدا کو اللہ کی طرف اپنی اطاعت کروا کر بلائیں اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پوری اطاعت کرتا ہے درحقیقت وہی اللہ کا مطیع اور فرمانبردار ہے اور جس نے آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا اس کا ہاتھ اللہ کے ہاتھ کے تحت ہے اور آپ کے پیرو اور مطیع لوگوں کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے اس لیے کہ حضور کا ہاتھ اللہ کے ہاتھ میں فنا ہے اور آپ کے ہاتھ کی بقا بھی اللہ کے ہاتھ سے ہے اور یونہی آپ کی تمام صفات صفات الٰہی میں فنا ہیں اگر خدا نے چاہا تو تو سمجھ جائے گا اور اس سے تجھے ضرور فائدہ پہنچے گا۔

اور اللہ نے حضور کو منیر کہہ کر صفت (انارت) یعنی چمکا دینے سے متصف کیا ہے کیونکہ آپ میں نور کی زیادتی اور روشنی اپنے کمال کو پہنچی ہوئی ہے جب کہ بعض چراغوں میں کوئی عیب اور فتور ہوتا ہے جو روشنی نہیں دے سکتا اور بعض نے سراج سے شمس اور منیر سے قمر مراد لیا ہے اور آپ کے لیے شمس و قمر کی وصفیں یکجا کر دی گئیں جس کی دلیل اللہ کا یہ قول ہے۔

تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ — بڑی برکت والا ہے وہ جس نے آسمان میں
بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا — برج بنائے اور ان میں چراغ رکھا اور چمکتا
وَقَمَرًا مُنِيرًا[1] — چاند۔

حضور کے نور کو شمس و قمر کے نور پر اس لیے محمول کیا کہ ان کا نور چراغ کے نور سے کامل و اکمل ہوتا ہے اور کہا گیا ہے کہ آپ کے نور کو سراج سے تعبیر کیا گیا ہے اور شمس و قمر اور کوکب سے تعبیر نہیں کیا گیا۔ اس لیے کہ شمس و قمر اور کواکب قیامت کے دن بالکل نہیں چل سکے۔ نمبر ۲ شمس و قمر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں ہوتے بخلاف چراغ کے کہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ منتقل کر دیا تھا۔

---

[1] پ ۱۹۔ سورۃ فرقان، آیت ۶۱

حضورؐ کی رسالت عامہ

شیخ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ اپنے فرمودہ جواہر میں سورت سبا میں اس قول پر فرماتے ہیں:۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ[1]

اور اے محبوب ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا لیکن بہت لوگ نہیں جانتے ۔

یہ آیت حضور کی بعثت کے شمول اور رسالت کے عموم پر دلالت کرتی ہے اور حدیث میں آیا ہے جو ذکر بھی ہو چکی ہے حضور نے فرمایا کہ میں باقی انبیاء پر چھ چیزوں سے فضیلت رکھتا ہوں ۔

۱ ۔ مجھے جوامع الکلم عطا کیے گئے یہ ایسی کلام ہوتی ہے جس کے الفاظ کم اور معانی زیادہ ہوتے ہیں۔

۲ ۔ اور میں رعب سے مدد دیا گیا ہوں یعنی اللہ نے میری مدد کی ایک ماہ کی مسافت سے کہ میرا خوف میرے دشمنوں کے دلوں میں ڈال دیا۔ ایک ماہ کے سفر سے مراد یہ ہے کہ آپ کے شہر اور آپ سے لڑنے والے دشمنوں کے درمیان ایک ماہ سے بھی زیادہ سفر تھا ۔

۳ ۔ اور مجھ پر غنیمتیں حلال کر دی گئیں یعنی حضور سے پہلے جو امتیں مال غنیمت حیوانات سے حاصل کرتی تھیں وہ انبیاء کے سوا خود مالک بن بیٹھی تھیں لیکن ہمارے نبی علیہ السلام مال غنیمت کے خمس یعنی پانچویں حصہ سے خاص کر دیئے گئے ۔ اور جب وہ امتیں حیوانات کے علاوہ مال اسباب یا کھانے کے ذخیروں کو غنیمت بناتے یا مال جمع کرتے تو آسمان سے ایک سفید رنگ کی آگ آتی اور سب کچھ جلا دیتی تاکہ کوئی خیانت باقی نہ رہے ۔ اور یہ امت مرحومہ اپنے درمیان مال غنیمت تقسیم کرنے کے ساتھ خاص کی گئی جس طرح قربانیوں کا گوشت آپس میں تقسیم کر کے کھاتے ہیں بے شک اللہ نے ان کے لیے مال غنیمت حلال کیا ہے تاکہ ان کے رزقوں میں برکت اور زیادتی ہو ۔ اور ان سے پہلے سابقہ امتوں پر مال غنیمت حلال نہ تھا ۔

---

[1] پ ۲۲ ، سورۂ سبا ، آیت ۲۸ ۔

۴۔ اور میرے لیے تمام روئے زمین پاکیزہ اور مسجد بنا دی گئی۔ یعنی اللہ نے میری اُمت کی آسانی کے لیے مباح کر دیا کہ وہ جہاں کہیں ہوں نماز پڑھ لیں اور پانی نہ ملنے پر مٹی سے تیمم کرنا مباح کر دیا۔ جبکہ اللہ نے پہلی اُمتوں کے لیے ان کی عبادتگاہوں کے علاوہ کہیں نماز ادا کرنا مباح نہ کیا۔ اور پانی کے علاوہ ان کی طہارت جائز نہ کی۔

۵۔ اور سب مخلوق کی طرف مجھے رُسول بنا کر بھیجا گیا یعنی آپ کی رسالت متقدمین اور متاخرین سب کے لیے مساوی ہے خواہ آپ کے زمانہ میں ہوں یا نہ ہوں۔ بخلاف رسالت نوح علیہ السلام کے اگرچہ ان کی رسالت سب اہل زمین کے لیے تھی لیکن ان کے زمانہ سے خاص تھی۔ انسان العیون میں کہا ہے کہ لفظ خلق فرشتوں انسانوں اور جنوں اور تمام حیوانات اور ہر نباتات اور حجر و جمادات کو شامل ہے۔ اور جلال الدین سیوطی نے کہا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ملائکہ کی طرف ارسال کو میں نے کتاب خصائص میں ترجیح دی ہے اور مجھ سے پہلے شیخ تقی الدین سُبکی نے اسے ہی ترجیح دی ہے اور کچھ زیادہ کہا ہے کہ آپ تمام انبیا اور امم سابقہ کی طرف آدم علیہ السلام سے لے کر قیام قیامت تک مُرسل ہیں اور اس کو بارزی نے بھی ترجیح دی ہے اور کچھ زیادہ کہا ہے کہ آپ تمام حیوانات اور جمادات کی طرف بھی مُرسل ہیں اور اس سے بھی کچھ زیادہ کہا گیا ہے کہ آپ اپنی ذات کے لیے بھی مُرسل ہیں اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ حضور علیہ السلام ملائکہ کی طرف رُسول بنا کر نہیں بھیجے گئے۔ اس جماعت میں حافظ عراقی اور جلال الدین محلی بھی ہیں، اور فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں اس کا ذکر اور برہان نسفی نے اس میں اجماع ثابت کیا ہے تو اس اعتبار سے حضور کا ارشاد اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَافَّۃً یعنی میں تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں اور ارشاد حق تعالیٰ لِیَکُوْنَ لِلْعَالَمِیْنَ نَذِیْرًا۔ یعنی آپ سب جہان کو ڈرانے والے ہیں مخصوص عام سے ہوگا اور اس بات پر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اشکال وارد نہیں ہوتا کہ جب آدمی زمین میں نماز قائم کرتا ہے تو اس کے پیچھے فرشتے نماز پڑھتے ہیں لیکن اس نمازی کی آنکھیں انہیں نہیں دیکھتیں اور وہ اس نمازی کا سا رکوع کرتے ہیں اور اس کے سجدے کے ساتھ سجدہ کرتے ہیں۔ جائز ہے کہ یہ امر ملائکہ کی طرف آپ کی بعثت پر صادق نہ ہو۔ شیخ اسماعیل حقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس پورے ذکر کے بعد فقیر کہتا ہے کہ آپ کا سب مخلوق سے افضل ہونا یہ ایک مسلّم حقیقت ہے اور یہی حقیقت آپ کے عموم بعثت پر دلیل ہے کہ آپ تمام

موجودات کی طرف رسول بن کر تشریف لائے اس لیے آپ کے پیدا ہونے پر تمام آسمان والوں اور اہل زمین کو بشارت دی گئی اور آپ پر سب نے سلام کہا یہاں تک کہ جمادات نے صاف اور صحیح الفاظ میں آپ پر سلام عرض کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحمت للعالمین اور سب مخلوق کی طرف رسول بن کر تشریف لائے اور آپ سے نبیوں کی آمد بند کر دی گئی۔ آپ کے بعد نہ کوئی نبی نئی شریعت لائے گا نہ ہی آپ کے تابع اور ظلی نبی آئے گا۔ جس طرح سورہ احزاب میں بیان کیا جا چکا ہے، اور تاویلات نجمیہ میں آپکی وجودی ماہیت کے ارسال کی طرف اشارہ ہے جسے کبھی نوری (یعنی میرا نور) اور کبھی (روحی) یعنی میری روح سے تعبیر کیا گیا ہے اور آپ کی ماہیت کا ارسال عالم عدم سے عالم وجود تک عام ہے تاکہ وہ ماہیت اولین و آخرین سب لوگوں کے لیے بشیر و نذیر ہو اور یہ وہ ماہیت ہے کہ تمام نبی اور رسول علیہم السلام اپنی نبوت کے وجود اور خود اپنی تخلیق میں تا ابد اس کے محتاج ہیں جیسے حضور کا ارشاد ہے کہ تمام لوگ میری شفاعت کے محتاج ہیں مع ابراہیم علیہ السلام۔ اور یہ احتیاج ان کو ابتدا آفرینش ہی سے تھی، عالم ارواح میں امر کن سے جب روحیں موجود ہوئیں تو وہ آپ کے روح مقدس کی تابع تھیں کیونکہ وہ روحیں جسم کے ساتھ متعلق ہونے کی وجہ سے اس امر کی محتاج تھیں کہ ان کے لیے کوئی بشیر و نذیر ہو اس لیے کہ روحیں طبعی طور اپنی نورانیت اور لطافت سے علوی ہیں اور اجسام طبعاً کثافت اور ظلمت کی وجہ سے سفلی ہیں تو ان میں باہمی میلان کی کوئی صورت نہ تھی کہ وہ آپس میں ضدیں ہیں تو ایسے بشیر کی طرف محتاجی ہوئی جو ان روحوں کو حصول کمال کی جسم کے اتصال میں خوشخبری دے تاکہ روحیں جسم کی طرف رغبت کریں اور ایسے ہی ایک نذیر کی محتاجی تھی جو روحوں کو ڈر سنائے کہ اگر وہ جسموں سے نہ ملیں گی تو وہ ناقص اور ہر کمال سے محروم ہو کر رہ جائیں گی جس طرح ایک دانہ میں (بالقوہ) درخت بننے کی صلاحیت تو ضرور موجود ہوتی ہے لیکن جب اسے صالح زمین میں کاشت کیا جاتا اور پانی دیا جاتا ہے تو وہ دانہ (بالفعل) اپنے پورے کمال کو پہنچ کر ایک تناور اور پھل دار درخت بن جاتا ہے اور روح کی حیثیت ایک ایسے دہقان اور کاشتکار کی ہے جو اپنے پودے کی پوری نگہداشت کرے اور اس کا پھل کھائے ایسے ہی روح جسم کی صالح اور صحیح تربیت کر کے مطمئن ہوتی ہے۔ تو روح قالب سے متعلق ہونے اور قالب سے متصف

ہونے اور اپنے مطمئن ہونے میں ایسے بشیر کی طرف محتاج تھی جو اسے اس کے مقام کی خوشخبری جنت کے باغوں اور دائمی ملک میں دے پھر اسے قربِ حق کی خوشخبری دے پھر اسے وصال کے بعد ذاتِ حق کے جمال کا شوق دلائے اور اسے ایک نذیر کی اشد ضرورت تھی جو اسے آتشِ دوزخ سے ڈرائے۔ اور ذات سے دوری اور مہجوری نیز کٹ جانے کی وعید کرے۔ آپ کو غور کے بعد اچھی طرح معلوم ہو جائے گا کہ یہ سب موجودات رسولؐ اس کی روحِ مبارک کے بیج سے اُگ کر درخت بنی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء اور مرسلین سے پہلے اس درخت کا پھل ہیں اگرچہ سب انبیاء بھی آپ کے طفیل اس درخت کا پھل ہیں ایک بیج کے تابع ہو کر ایک درخت بہت سے پھل ظاہر کر دیتا ہے۔ بلاتشبیہ آپ کا بشیر و نذیر ہونا اصل ہے اور باقی انبیاء و مرسلین کا بشیر و نذیر ہونا اس کی فرع ہے اور اس تحقیق پر اللہ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے۔ وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ کل کی کل مخلوقات اس خطاب کے تحت ہے اور اللہ جل شانہٗ کا یہ ارشاد۔ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ اکثر لوگ جو اس درخت کے وجود کی شاخیں تو ہیں لیکن پھل کے رُتبہ تک نہ پہنچے کیونکہ درخت کی حقیقت معینہ سے بے خبر ہیں اور یہ امر متحقق ہے کہ بار آور وہی شاخیں ہیں جو کُلی طور درخت سے اس کی تمام صفات میں مل رہیں اور اس کے حال میں حال ملائیں۔

شیخ اسماعیل حقی اپنے فرمودہ جواہر میں سورۂ یٰسین کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر مفسرین یٰسین کا معنی یا انسان نعت نبیؐ میں کرتے ہیں اور اس سے مُراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں پھر کہا کہ ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے حروفِ مقطعات پر جو قرآنی سورتوں کے اوائل میں ہیں کسی کو قدرت ادراک نہیں بخشی اور کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات ہی حروفِ مقطعات کے علم سے خاص ہے ہم ایمان رکھتے ہیں کہ یہ حروف قرآن کریم کی ہی عبارت ہیں لیکن ان کا علم اللہ کے سپرد کرتے ہیں اور ہم ان کو حصول ثواب کے لیے عبادت جان کر اللہ کی کلام کی تسلیم کرتے ہوئے پڑھتے بھی ہیں اگرچہ ہمیں ان سے وہ کچھ سمجھ نہیں آتا جو باقی تمام آیات سے سمجھ سکتے ہیں۔ شیخ ابن نورالدین نے اپنی بعض بشارتوں میں کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حروفِ مقطعات کے اسرار و رموز کے متعلق سوال کیا تو رسولِ اکرم نے فرمایا میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان رازِ محبت ہے۔ پھر میں نے عرض کیا کہ کوئی شخص نہیں پہچان سکتا ہے تو

رُسول اللہ نے فرمایا کہ انھیں تو میرے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی نہیں پہچانتے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے وہ اسرار ہیں جن پر نہ کسی نبی مُرسل اور نہ ہی کسی مقرب فرشتے کو اطلاع ہے اور اس امر کی تائید حدیثوں میں ملتی ہے کہ بے شک جناب جبریل اللہ تعالیٰ کا قول کھیٰعص لے کر نازل ہوئے تو جب جبریل نے کاف کہا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جانتا ہوں پھر جبریل نے ھا کہا تو سرکار نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں پھر جبریل نے یا کہا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں پھر جبریل نے عین کہا، رُسول اللہ نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں پھر جبریل نے ص کہا حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے معلوم ہے تو جناب جبریل نے عرض کیا کہ میرے بتانے سے قبل آپ کو کیسے معلوم ہوگیا! شیخ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ نے کہا اس ذکر کے بعد فقیہ کہتا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم درجۂ کمال میں اس مقام پر پہنچے کہ کامل افراد کو بھی وہاں رسائی نہیں ہے چہ جائیکہ عام لوگ وہاں پہنچیں اور اس امر پر معراج کی شب حضور کا سب مواطن اور مقامات سے گزر جانا دلالت کرتا ہے پھر اسی لیے یہ بات کہنا جائز ہے کہ جو چیز نبی علیہ السلام جانتے ہیں اس کو جن و انس اور ملائکہ نہیں جانتے بے شک علوم کل کو حضور کے علم سے وہ نسبت ہے جو قطرہ کو پورے سمندر سے ہوتی ہے۔ تو حضور علیہ السلام کو حروف مقطعات کے حقائق کا علم ہے جو سرکار پر کچھ مشکل نہیں۔ باوجودیکہ عام طاقت بشری پر گراں ہے اور آپ کے علاوہ لوگوں کو ان کی استعداد اور قابلیت کے مطابق اِن حروف کے بعض حقائق اور لوازم کا علم ہے، پھر کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کے لیے اپنی کتاب میں اس کی رسالت پر قسم نہیں کھائی صرف رُسول اللہ کے لیے قسم کھائی ہے۔ انسان العیون میں جہاں حضور علیہ السلام کے خصائص کا بیان ہے کہا ہے کہ بے شک اللہ تعالےٰ نے حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر قسم کھائی اور کہا:۔

یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ[1]۔ ترجمہ: حکمت والے قرآن کی قسم بے شک تم سیدھی راہ پر بھیجے گئے ہو۔

حضرت اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ سورہ الفتح میں اللہ کے اس قول کی تفسیر پر فرماتے ہیں۔

---

[1] پ ۲۲، سورہ یٰسٓ، آیت ۱،۲۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ [1]	ترجمہ: وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے اور اللہ کافی ہے گواہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔

تنقیح الازہان میں کہا ہے کہ جاننا چاہیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے سب کی سب موجودات اور مخلوق کو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر کرنے کے لیے پیدا فرمایا اور سرکار جانِ عالم کا ارشاد ہے کہ زمین و آسمان کے درمیان ہر چیز مجھے جانتی ہے کہ بے شک میں اللہ کا رسول برحق ہوں سوا فاسق اور گنہگار انسانوں اور سرکش کے سوا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا رسول ہونا سب مخلوق پر عیاں ہے

اور شیخ اُفتادہ قدس سرہٗ نے کہا کہ جب اللہ نے ظہور تجلّی فرمایا تو سب رُوحوں سے پہلے ہمارے نبی علیہ السلام کی رُوح کو پایا پھر تمام رُوحیں ظاہر ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں توحید کی تلقین فرمائی اور کہا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ پھر اللہ نے حضور کو اپنے اس قول سے تکریم بخشی اور کہا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ۔ پھر آپ کو اسی وقت رسالت عطا فرمائی یعنی آپ عالم ارواح سے رسول تھے۔ سرکار نے اسی لیے ارشاد فرمایا:۔

كُنْتُ نَبِیًّا وَّ آدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ۔	ترجمہ: میں نبی تھا کہ آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی کے مرحلہ میں تھے۔

شیخ اُفتادہ رضی اللہ عنہٗ اس حدیث کے معنی میں کہتے ہیں کہ بے شک سرکار دوعالم اس وقت بھی اپنی نبوت کو جانتے تھے اور بالفعل نبی تھے جب کوئی نبی نہ بالفعل نبی تھا اور نہ ہی اپنی نبوت کو جانتا تھا مگر انہیں آپ کے وجود اور بدن عنصری اور شرائط نبوت کی تکمیل کے بعد بھیجا گیا پھر جو بھی وجود مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ظاہر ہوئے وہ آپ کے نائب اور خلفا بن کر آئے متقدمین میں انبیا و مرسلین ہیں اور متأخرین میں کامل اولیا اللہ ہیں۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ کہ میں اللہ کے نور سے ہوں اور سب مومن میرے نور کے فیض [2] سے ہیں یعنی آپ کا نور جنس عالی اور

[1] پ ۲۶، سورۃ الفتح، آیت ۲۸، ۲۹۔

[2] اے رضا یہ احمد نوری کا فیض نور ہے (اعلیحضرت فاضل بریلوی)
ورنہ ہم کیا جانتے تھے کیا خدا وہ کون ہے

(تلہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

مقدم ہے اور آپ کے سوا باقی سب تالی اور مؤخر ہیں جس طرح ارشاد مصطفیٰ ہے کہ میں پیدائش میں سب سے پہلے ہوں اور بعثت میں سب سے آخر ہوں تو رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ایک ایسی ذات ہیں جن کے برابر کوئی رسول نہیں ہے اس لیے کہ حضور علیہ السلام سب مخلوق کی طرف رسول بن کر تشریف لائے خواہ کسی نے آپ کا زمانہ بالفعل دنیا میں پایا ہو یا آپ سے بالقوہ یا بالفعل زمانہ میں یا آخرت میں مقدم ہوں کیونکہ قیامت کے دن سب کے سب آپ کے زیر لواءٗ ہوں گے اور سب انبیاءٗ سے پختہ عہد لیا گیا کہ اگر وہ سرکار نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو پائیں تو آپ پر ایمان لائیں اور سب انبیاءٗ نے اپنی اُمتوں سے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا عہد لیا، اور حدیث میں آیا کہ میں محمدؐ ہوں اور احمد ہوں، محمدؐ کا معنیٰ زیادہ تعریف کیا ہوا یعنی زمین وآسمان والے ہر وقت سرکار کی تعریف میں لگے ہوئے ہیں اور احمد کا معنی جس کی سب سے زیادہ تعریف کی جائے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کی ایسے محامد سے تعریف کی جن سے کسی غیر کی تعریف نہیں کی گئی۔ شرح مشارق لابن الملک میں ہے کہ حضور کا اسم مبارک عرش پر ابوالقاسم ہے اور آسمانوں پر احمد ہے اور زمینوں پر محمدؐ ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں جب کوئی قوم کسی مشورہ کے لیے اکٹھی ہو اور اپنے اس مشورہ میں سرکار کا اسمِ گرامی محمدؐ ذکر نہ کریں نہ اس اجتماع میں برکت ہوگی اور نہ ہی وہ مشورہ بابرکت ہوگا۔ اسم احمد کے الف سے اشارہ ہے کہ سرکار فاتح اور مقدم ہیں اس لیے کہ الف کا مخرج مبدأ المخارج ہے اور میم سے اشارہ ہے کہ حضور خاتم اور مؤخر ہیں اس لیے کہ میم کا مخرج ختام المخارج ہے اور سرکار کا ارشاد ہے کہ ہم سب سے آخر والے اور پہلے ہیں نیز میم سے اشارہ آپ کی چالیس سالہ بعثت سے بھی ہے بعض نے کہا ہے چار انبیاء کو بچپن میں اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں سے تکریم بخشی۔ جناب یوسف علیہ السلام کو چاہِ کنعان میں وحی فرما کر، جناب یحییٰ علیہ السلام کو عہد طفولیت میں دانائی عطا کر کے اور جناب عیسیٰ علیہ السلام کو گہوارہ میں گویائی دے کر اور جناب سلیمان علیہ السلام کو فہم وفراست

(حاشیہ صفحہ گزشتہ)

جنس عالی وہ ہوتی ہے جس کے اُوپر کوئی جنس نہ ہو اس کو جنس الاجناس بھی کہتے ہیں اجناس عالیہ کی کل دس قسمیں ہیں دنیا اور مافیہا ان دس اجناس سے خارج نہیں اور ان اجناس عالیہ کو مقولات عشرہ بھی کہا جاتا ہے ان میں ایک جوہر ہے اور باقی نو اعراض ہیں۔ (کتب منطق از مترجم غفرلہٗ)

عنایت کرکے لیکن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بوقت ولادت اللہ کے حضور سجدہ کرنے اور اپنے رسول ہونے کی شہادت دینے سے فضیلت عظمیٰ اور آیت کبریٰ کی تکریم بخشی اور ہر بات میں مسلمانوں کا اختلاف ممکن ہے، مگر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ یہ واحد ایسا قول ہے جو اختلاف کو قبول نہیں کرتا اور اس کا معنی محتاج تعارف نہیں اگرچہ اس پر کسی نے تفصیلاً کوئی بات چیت نہیں کی اور یونہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرح صدر اور ختم نبوت اور آپ کی پیدائش پر حور و ملائکہ کا آپ کی خدمت میں حاضر ہونے سے تکریم بخشی اور قبل از ولادت عالم ارواح میں آپ کو نبوت سے مکرم کیا اور آپ کی خصوصیت اور فضیلت کے لیے یہی کافی ہے کہ ہر مومن آپ کی شریعت کی تعظیم کرے اور آپ کی سنت کو زندہ رکھے اور کثرت درود و سلام اور نیک کاموں سے آپ کا قرب حاصل کرے تاکہ اللہ کے نزدیک درجات پائے اور جنابہ رابعہ عدویہ رحمہا اللہ دن رات میں ایک ہزار رکعت نماز پڑھتی تھی اور کہتی تھیں کہ اس ہزار رکعت سے میرا ارادہ ثواب حاصل کرنا نہیں ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی مطلوب ہے اور رسول اللہ انبیا کو مخاطب کرکے فرماتے کہ میری امت میں اس عورت کے شبانہ روز عمل پر غور کرو۔ اور اس میں بھی آپ کی تعظیم ہے کہ آپ کی پیدائش کے وقت کوئی امر منکر نہ تھا امام سیوطی رحمۃ اللہ نے کہا کہ ہم پر مستحب ہے کہ حضور کے میلاد پر اظہار شکر کریں۔ اور امام تقی الدین سبکی کے پاس ان کے ہم زمانہ علما کی ایک بہت بڑی جماعت حاضر ہوئی تو ان میں سے ایک نے صرصری رحمۃ اللہ نے مدحیہ اشعار رسول کی شان میں پڑھے۔

قَلِيلٌ لِمَدْحِ الْمُصْطَفٰى الْخَطُّ بِالذَّهَبِ	حضور کی مدح میں سونے کی تحریر چاندی پر فن کتابت
عَلٰى وَرَقٍ مِنْ خَطِّ اَحْسَنُ مَنْ كَتَبَ	کے بہترین خط میں بھی کم ہے اگرچہ بڑے بڑے لوگ
وَاَنْ تَنْهَضَ الْاَشْرَافُ عِنْدَ سَمَاعِهٖ	آپ کے ذکر خیر کے وقت پرا باندھ کر کھڑے ہوں یا
قِيَامًا صُفُوفًا اَوْ جُثِيًّا عَلَى الرُّكَبِ	گھٹنوں کے بل کھڑے ہو جائیں پھر بھی کم ہے۔

محفل میلاد مستحب ہے

اسی اثنا میں امام سبکی رحمۃ اللہ اور تمام حاضرین مجلس کھڑے ہوگئے کہ انہیں اس مجلس سے عجیب کیف و سرور ہوا محفل میلاد میں امام سبکی اور شرکاء مجلس کی اقتدا کافی ہے۔ اور ابن حجر ہیتمی نے کہا کہ بدعت حسنہ

کے استحباب پر سب کا اتفاق ہے اور سرکار کا میلاد شریف اور میلاد مصطفےٰ پر لوگوں کا اجتماع بھی بدعت حسنہ جو ایک امر مستحب ہے۔ سخاوی نے کہا ہے کہ تین ادوار میں کسی نے میلاد منعقد نہیں کیا لیکن بعد میں مسلمان بڑے بڑے شہروں بلکہ ہر طرف ہمیشہ میلادِ مصطفےٰ منعقد کرتے چلے آئے ہیں اور شب میلاد طرح طرح کے صدقات وخیرات کرتے اور محفل میلاد پاک کے پڑھنے کا باقاعدہ اہتمام کرتے اور ان پر اس محفل کے اثرات اور عظیم برکتیں ظاہر ہوتی رہیں "ابن جوزی نے کہا ہے کہ سرکار کے میلاد کے خواص میں ہے کہ جس سال آپ پیدا ہوئے وہ سال امن وامان کا سال تھا اور انجام و مقصود پر پہنچنے کی فوری خوشخبری تھی۔ سب سے پہلے جس شخص نے باقاعدہ میلاد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا آغاز کیا اسے صاحبِ اربل کہتے ہیں اربل کی حسبِ فرمائش ابن دحیہ نے میلاد کے موضوع پر ایک کتاب "التنویر بمولد البشیر والنذیر" تصنیف کی اس پر صاحب اربل نے ابن دحیہ کو ایک ہزار دینار بطور انعام دیئے۔ میلاد رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی اصل کا استخراج حافظ ابن حجر اور حافظ سیوطی نے حدیث سے کیا ہے۔

شیخ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ اپنے فرمودہ جواہر میں سورۃ النجم میں اللہ کے اس قول کی تفسیر کرتے ہیں۔

وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ — اور انہوں نے تو وہ جلوہ دوبارہ دیکھا

عِندَ سِدْرَةِ الْمُنتَهَىٰ[1] — سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔

بقلی نے کہا ہے کہ دوسرا دیدار پہلے دیدار سے کسی درجہ میں باعتبار کشف کم نہ تھا اور نہ ہی پہلا دیدار دوسرے دیدار میں کشف میں کم تھا۔ بقلی کہتے ہیں کہ تو کہاں ہے اگر تو اہلیت رکھے تو پھر میں تجھے ضرور کہوں گا کہ بےشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو اپنی شب خوابی کے پردہ میں بارگاہِ عزت سے لوٹ آنے کے بعد بھی دیکھا اور وہ دیدار آپ کے دل اقدس پر ایسے ثبت تھا کہ کسی لحہ بھی دل مبارک دوسری طرف میلان نہ کرتا اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوب کے لیے جو دیدار اولیٰ کا ذکر کیا ہے وہ دیدار لامکانی ہے اور جو سرکار نے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا وہ اپنی امتیازی شان میں منفرد ہے اس لیے کہ وہاں اللہ کی بزرگی اور قدیم ہونے کا ظہور تھا، اللہ کی ذات کا ظہور زمان و

---

[1] پ ۲۷، سورہ النجم، آیت ۱۳، ۱۴۔

مکان سے متعلق نہیں کیونکہ ذات حق کا قدیم ہونا مکان و اطراف و جہات سے پاک ہے یعنی اللہ کا محبوب بندہ تو مکان میں تھا اور رب تعالیٰ لامکان میں اور یہ عظیم مہربانی اور کمال پاکیزگی کی انتہا ہے کہ خود لامکان میں اور اس کا محبوب بندہ مکان میں اس کے باوجود اپنے محبوب ترین بندے کے دل پر اپنی عین ذات منکشف کر دی عقل اس مقام پر محو اور علم خراب اور پریشان ہے کیونکہ عقل عاجز اور وہم حیرت زدہ دل پرسکتہ اور روحیں ورطۂ حیرت میں گم اور تمام اسرار درجہ فنا رکھتے ہیں مذکورہ آیت میں حبیب خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے کمال شرف کا بیان ہے کہ جب انہوں نے دوسری بار سدرۃ المنتہیٰ پر دیدارِ حق کیا، پہلی مرتبہ کے دیدار کو سرکار تے یقین جانا کہ یہ لامکانی ہے کیونکہ حضور علیہ السلام اللہ کی پاکیزگی کا کمال علم رکھتے ہیں پھر جب دوسری مرتبہ دیدار ہوا تو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے حادثات کی کوئی چیز چھپا کر نہیں رکھی ۔

حضور علیہ السلام بشارتِ عیسیٰ علیہ السلام میں

شیخ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فرمودہ جواہر میں سورۃ صف پر اللہ تعالیٰ کے اس قول پر فرماتے ہیں ۔

وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰا	اور یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا اے
بَنِیْٓ اِسْرَاۗءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ	بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول
اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ	ہوں اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق
مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا	کرتا ہوں اور ان رسول کی بشارت سناتا ہوں
بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی	جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام
اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ[1]	احمد ہے ۔

یعنی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کلام میں حضرت ابن مریم علیہا السلام کی مراد یہ تھی کہ میرے دین کی تصدیق اللہ کی کتاب یعنی تورات اور سب انبیا علیہم السلام کے آنے سے ہوتی

---

[1] پ ۲۸ ، سورۃ الصف ، آیت ۶ ۔

ہے خواہ پہلے ہوں یا بعد والے اور مشہور کتاب آسمانی یعنی تورات کو بطور حوالہ پیش کیا کہ اس میں انبیاء علیہم السلام اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین مذکور تھے یا روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ سے عرض کیا کہ ہمیں اپنی ذات سے خبر دیجیے تو حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں حضرت ابرہیم کی دُعا اور جناب عیسٰی علیہ السلام کی بشارت اور اپنی ماں کا خواب ہوں جب میں شکم مادر میں تھا تو میری والدہ کو خواب آیا کہ ان سے نور برآمد ہوا ہے جس سے ملک شام کے شہر بصرہ کے مکانات و محلات ظاہر ہو گئے، اور یونہی ہر نبی نے اپنی قوم کو ہمارے نبیؐ کے بارے مطلع کیا اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰی کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لیے کیا ہے کہ وہ نبیوں کے آخر اور ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے قبل تشریف لائے ہیں اور ان کا حضور کی بشارت دینا الگ الگ سب انبیاء کو عام ہے کہ اس بشارت کی انتہا حضرت روح اللہ پر ہوئی۔

کشف الاسرار میں اسی طرح ہی ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ حضرت عیسٰی کے آسمان پر اٹھائے جانے اور حضور علیہ السلام کی پیدائش میں پانچ سو پنتالیس سال کا فرق ہے اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کے اُٹھائے جانے سے قبل اس زمین پر تنتیس سال زندگی بسر کی۔ اور جناب ابن مریم کے آسمان پر اٹھائے جانے اور حضور علیہ السلام کی ہجرت میں پانچ سو اٹھانوے برس کا فرق ہے اور ان کی طرف حضرت جبریل علیہ السلام صرف دس مرتبہ نازل ہوئے اور ان کی اُمت کے لوگ نصاریٰ ہیں اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جبریل علیہ السلام چوبیس ہزار مرتبہ حاضر ہوئے اور آپ کی اُمت اُمت مرحومہ کہلاتی ہے اور یہ اُمت ملکات[1] فاضلہ یعنی اچھی خصائل و عادات کی جامع ہے، کہا گیا ہے کہ حواریوں نے جناب عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ ہمارے بعد بھی کوئی اُمت ہوگی تو روح اللہ نے جواب دیا کہ ہاں حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہوگی جس میں حکما، علماء، نیک اور صالح متقی لوگ ہوں گے جو فقہ میں انبیاء کی طرح ہوں گے اور اللہ سے تھوڑے رزق پر خوش ہوں گے اور اللہ ان سے تھوڑے عمل پر راضی ہو جائے گا اور (احمد) ہمارے نبی علیہ السلام کا اسم گرامی ہے۔

---

[1] ملکات فاضلہ حکمت، شجاعت، عفّت، عدالت کا مجموعی نام ہے۔ (مترجم)
ملکات ردّیہ، حسد، بغض، بخل، حرص کا مجموعی نام ہے۔

حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ نے اپنی کتاب تنقیح الاذہان میں کہا ہے حضور علیہ السلام کا نام محمد صلے اللہ علیہ وسلم تکرار حمد کی حیثیت سے ہے اور آپ لوائے حمد کے حامل ہونے کی حیثیت سے احمد ہیں۔

امام راغب نے کہا ہے کہ اسم احمد سے اشارہ ہے کہ جس طرح حضور علیہ السلام کا اسم احمد ہے اسی طرح آپ کا جسم بھی احمد ہے کیونکہ آپ کا جسم شریف اپنے اخلاق واعمال واقوال میں محمود ہے لفظ احمد سے حضرت عیسیٰ کے بشارت دینے میں ایک خصوصیت ہے اور وہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام حضرت ابن مریم اور ان سے قبل انبیاءؑ سے بھی زیادہ حمد کرنے والے ہیں اور اس کے موافق کشف الاسرار میں ہے کہ اسم احمد میں (الف) مبالغہ حمد کے لیے ہے اور اس کی دو وجہیں ہیں پہلی وجہ تو یہ ہے کہ الف احمد مبالغہ مفعول کے لیے ہے یعنی انبیاء کرام سب کے سب خصائل حمیدہ سے محمود ہیں اور حضور علیہ السلام بلحاظ مناقب سب انبیاءؑ سے زیادہ ہیں اور فضائل ومحاسن میں سب سے زیادہ جامع ہیں اور ابن شیخ نے اپنے حواشی میں کہا ہے احتمال ہے کہ لفظ احمد فعل مضارع سے منقول ہے اور احتمال ہے کہ صفت سے منقول ہو اس بنا پر احمد کا افعل التفضیل ہونا ظاہر ہے اور یونہی لفظ محمد صلے اللہ علیہ وسلم بھی صفت سے منقول ہے اور محمودؐ کے معنی میں ہے لیکن اس معنی میں مبالغہ اور تکرار ہے بے شک حضور علیہ السلام دنیا میں محمودؐ ہیں کہ آپ سے دنیا کو ہدایت ملی اور آپ ہی سے دنیا کو علم وحکمت کا نفع اور حصول ہوا اور آخرت میں شفاعت کی وجہ سے محمود ہیں۔ امام سہلی نے اپنی کتاب تعریف والاعلام میں کہا ہے کہ اسم احمد علم ہے جو صفت سے منقول ہے اور فعل سے منقول نہیں اور مراد اس صفت سے افعل التفضیل ہے اور احمد کا معنی احمد الحامدین یعنی اللہ کی حمدؐ تعریف کرنے والوں میں سب سے زیادہ حمد کرنے والے اور اسی طرح کہا ہے کہ حضور علیہ السلام کا اسم احمد اس معنی میں ہے کہ آپ پر مقام محمود کئی محامد سے کھولا جائے گا جو آپ سے پہلے انبیاءؑ پر نہ کھلے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم مقام محمود سے تعریف کرے گا اور آپ کا لواءالحمد گاڑ دیا جائے گا اور اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی صفت سے منقول ہے اور محمود کے معنی میں ہے لیکن اس میں مبالغہ اور تکرار کا معنی ہے اور محمد اس ذات کا نام ہے جس کی تعریف بعد تعریف کی جائے۔ جس طرح مکرم وہ ہے جو عزت بعد عزت کیا جائے اور یونہی ممدوح وہ ہے۔ جس کی مدح بعد مدح کی جائے اور اسم محمد صلے اللہ علیہ وسلم اپنے معنی کے عین مطابق ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے سرکار کا اسم گرامی محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم آپ کی ذات ظاہر کرنے سے بھی پہلے مقرر کر رکھا ہے اور یہ اسم نبوّت کے نشانوں میں ایک نشان ہے کیونکہ آپ کا اسم اس علامت پر صادق آتا ہے اور آپ دنیا میں محمودؐ ہیں کہ آپ کی وجہ سے دنیا کو ہدایت ملی اور آپ ہی کی وجہ سے دنیا کو علم وحکمت سے فائدہ پہنچا اور آپ آخرت میں شفاعت کرنے کی وجہ سے محمودؐ ہیں۔

لوائُ الحمد اور مقامِ محمود حضورؐ سے خاص ہیں

لفظ احمد تکرار حمد کا تقاضا کرتا ہے اور حضورؐ علیہ السلام ابھی اسمِ محمدؐ سے موسوم نہ تھے یہاں تک اللہ جل شانہٗ کی بے شمار حمد کرتے رہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو باخبر کیا اور شرف بخشا اسی لیے اسم احمد کو اسمِ محمدؐ پر مقدم کیا گیا ہے اور جناب عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دیتے ہوئے اسم احمد ذکر کیا اور جناب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے ایک بڑی فضیلت والی اُمّت کا تعارف چاہا تو اللہ نے فرمایا یہ اُمّت احمد ہے موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا کہ یا اللہ مجھے بھی اُمّتِ احمد میں سے کر دے یعنی جناب موسیٰ علیہ السلام نے بھی بجائے اسم محمدؐ کے اسم احمد ذکر کیا اس لیے کہ رسول اللہ کا اللہ کی حمد کرنا سب لوگوں سے پہلے تھا اور جب آپ جوانی کو پہنچے اور خلق کی طرف مبعوث ہوئے تو آپ بالفعل محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم ہو گئے اور یونہی شفاعت میں حضور علیہ السلام اپنے رب کی کئی طرح حمد وثنا کریں گے تو آپ پر دروازہ شفاعت کھول دیا جائے گا اور آپ سب لوگوں میں اپنے رب کی زیادہ حمد کریں گے پھر آپ شفاعت فرمائیں گے اور آپ کے شفاعت فرمانے پر آپ کی بے شمار حمد کی جائے گی، تو آپ غور کریں کہ ایک اسم سے دوسرے اسم کے قبل ذکر کئے جانے اور ان اسماء کے مسمّٰی کا وجود دنیا اور آخرت میں کس حیثیت کا حامل ہے کی کیسی ترتیب ہے ان دو اسموں سے حضورؐ کے خاص کئے جانے میں آپ پر حکمتِ الٰہی عیاں ہو گئی ہو گی، اور آپ غور فرمائیں کہ حضور علیہ السلام پر سورۃ الحمد کا نزول کس طرح ہوا اور سب انبیاءؑ کے سوا آپ اس سے خاص ہوئے اور آپ کو لوائُ الحمد اور مقامِ محمودؐ سے خاص کیا گیا اور آپ سوچیں کہ بلحاظ کتاب وسُنّت کے ہر کام کی تکمیل اور اختتام پر الحمد للہ رب العالمین۔ کہنا حضور کے لیے کیسے مستحب ہوا۔

حکایۃً اللہ کا ارشاد ہے:

وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَ	اور لوگوں میں سچا فیصلہ فرما دیا جائے گا اور کہا
قِيلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ	جائے گا کہ سب خوبیاں اللہ کو جو سارے جہان کا
الْعَالَمِينَ [1]	رب ہے۔

اور یہ بھی ارشاد حق ہے:

وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ	اور ان کی دعا کا آخر اس پر ہوتا ہے کہ سب
الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ	تعریفیں اس ذات عبادت کے لائق کی ہیں
الْعَالَمِينَ [2]۔	جو پروردگار ہے۔

حضور کے اسمائے صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ الحمد للہ کہنا بھی مستحب ہے

اس میں ہمیں تنبیہ ہے کہ ہر کام کے اختتام الحمد للہ کہنا مستحب ہے اور حضور علیہ السلام نے کھانے پینے کے بعد الحمد کو مسنون قرار دیا ہے نیز ارشاد حضور ہے کہ اختتام سفر پر یہ الفاظ پڑھے جائیں۔

آيِبُونَ تَائِبُونَ لِرَبِّنَا	سفر سے لوٹنے والے توبہ کرنے والے ہمارے
حَامِدُونَ۔	رب کی حمد کرنے والے ہیں۔

پھر آپ حضور علیہ السلام کے خاتم الانبیا ہونے اور رسالت و وحی کے مکمل انسداد و انقطاع کی خبر دینے اور قرب قیامت کا ڈر سنانے پر غور کریں، جس طرح ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ پوری دنیا کے لیے اختتام امور پر الحمد کہنا عقلاً اور شرعاً مستحب ہے اسی طرح ان اسما کی ادائیگی کے وقت بھی الحمد مستحب ہے کہ آپ ان اسما کے معانی میں سب امور بیک وقت ملاحظہ کریں گے اور حمد و محامد سے جو کچھ اس اسم سے خاص کیا گیا ہے وہ مشابہت معنی اور اس کی صفت سے مطابقت کے لیے ہے اور اس کا ذکر کرتے میں سرکار کی نبوت پر ایک بہت بڑی دلیل اور واضح نشان قائم ہوتا ہے اور اللہ نے حضور کو ان اسما سے تخصیص کا شرف دیا اور یہ مقامات آپ کے وجود سے

---

[1] پ ۲۴، سورہ زمر، آیت ۵۔ [2]

بھی پہلے معترر کئے گئے تاکہ آپ کی توقیر اور آپ کے ہر کام کی تصدیق ہو۔ یہاں سبکی کا کلام ختم ہوا۔

شیخ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ شیخ اکبر قدس سرہٗ نے مواقع النجوم میں کہا ہے کہ جو کچھ وجود و ہستی میں ایک شی کا دوسری شی سے منظم ہونا یا ایک چیز کا دوسری چیز سے متعلق ہونا ضرور کسی مناسبت کی بنا پر ہوتا ہے ان دونوں چیزوں میں وہ مناسبت خواہ ظاہری ہو یا باطنی، اور مناسبت کائنات کی ہر چیز میں پائی جاتی ہے یہاں تک کہ اسم اور اس کے مسمّٰی میں بھی اس کا تحقق ہوتا ہے۔ ابو زید سہلی کو اگرچہ اس مقام طریقت سے شناسائی نہیں تاہم انہوں نے حضور علیہ السلام کے اسمائے گرامی محمدؐ اور احمد کے معانی اور سرکار کے اعمال و اخلاق کے درمیان اسی مناسبت کی طرف اشارہ کیا ہے جو ہر شے میں مسلّم ہے یہاں شیخ کا کلام ختم ہوا۔ اشارۂ سہلی کے کلام سے قبل بھی شیخ کا کلام مذکور ہے اور بعض عارفوں نے کہا ہے کہ حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی احمد اس لیے رکھا گیا کہ آپؐ کا اللہ کی حمد کرنا تمام انبیأ و مُرسلین کے حمد کرنے کو کافی اور شامل ہے کیونکہ ان انبیا کا اللہ کی حمد کرنا فقط توحید صفات و افعال کے لیے تھا اور حضور علیہ السلام کا حمد کرنا توحید ذات کے اعتبار سے تھا جو توحید صفات و افعال کا احاطہ کئے ہوئے تھا۔ عارفوں کا کلام اختتام کو پہنچا۔

حضورؐ سے پہلے اسمِ محمدؐ سے کسی کو نہیں پکارا گیا

فتح الرحمٰن میں کہا ہے کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کا نام احمد نہیں رکھا گیا اور نہ ہی آپ سے قبل اس نام سے کسی کو پکارا گیا اور یونہی آپ سے قبل عرب و عجم میں اسم محمدؐ سے کسی کو موسوم نہیں کیا گیا مگر پیشین گوئی کرنے والوں اور تورات کے عالموں نے حضور علیہ السلام کے آنے اور آپ کی پیدائش سے پہلے مشہور کر رکھا تھا کہ ایک عظیم نبی آئے گا جن کا اسم گرامی محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم ہوگا۔ تو عرب کی ایک مختصر قوم نے اپنی اولاد نرینہ کا نام محمدؐ اس اُمید پر رکھنا شروع کر دیا کہ وہ نبی شاید ان میں سے ہو جائے جو اشخاص اسم محمدؐ سے موسوم ہوئے ان کی کل تعداد چھ ہے مثلاً محمدؐ بن احجت بن الحلاح الدوسی، اور محمدؐ بن مسلمہ انصاری اور محمدؐ بن البرا البکری، اور محمدؐ بن سفیان بن مجاشع، اور محمدؐ بن حمدان الجعفی، اور محمدؐ بن خزاعہ سلمی

ان چھ کے علاوہ کوئی ساتواں مذکور نہیں ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی نگرانی کی کہ ان میں سے کوئی دعویٰ نبوت کرے یا کوئی اور شخص اس کے لیے میدان نبوت ہموار کرے یا اس سے کوئی ایسا سبب ظاہر کہ اس کے کسی کام میں دوسرے کو شک گزرے کہ یہ خرق عادت ہے۔ یہاں تک کہ حضور علیہ السلام کی ذات میں نبوت اور خرق عادت یعنی معجزہ پائے گئے اور اس میں کوئی اختلاف اور نزاع نہیں ہے۔ لیکن حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارکہ کی تعداد میں اختلاف کیا گیا ہے کہا گیا ہے کہ (الف) جس طرح اسم الٰہی ہے اسی طرح حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی یہ اسم ہے کیونکہ آپ ذاتِ حق کے مظہرِ اتم ہیں تو جس طرح اللہ جل شانہٗ کے اسماء ہیں اسی طرح حضورؐ علیہ السلام کے بھی اسماء ہیں مجموعی لحاظ سے حضور کے کچھ دوسرے اسما بھی ہیں جن سے حکمتِ امکان و وجوب کا اس جگہ امتیاز برقرار رہتا ہے، اور آپ کے اسماء میں سے ایک خصوصی اسم (محمد) ہے یعنی جس کی زیادہ تعریف کی جائے کیونکہ آسمان اور زمین والے آپ کی تعریف دنیا اور آخرت میں کرتے رہے اور کرتے رہیں گے، اور انہی اسماء میں سے ایک اسم احمد ہے یعنی سب سے زیادہ تعریف کیا جانے والا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ایسے محاسن اور محامد سے تعریف کی ہے کہ ان محامد سے کسی دوسرے کی تعریف نہیں کی، اور انہی اسماء میں سے ایک اسم (المقفی) ہے ف کی تشدید اور کسرہ سے اس اسم کا معنی بعد میں آنے والا، اور آپ سب انبیاء کے بعد آخر میں تشریف لائے ہیں اور تکملہ میں ہے کہ آپ انبیاء کے نقش قدم پر چلتے رہے۔ اور انہی اسماء میں سے نبیُّ التوبہ ہے اس لیے کہ آپ اللہ کی طرف بہت رجوع کرتے اور بخشش طلب کرتے یا آپ کی اُمت کے لیے توبہ بہت ہی آسان کر دی گئی آپ کو معلوم ہوگا کہ جس قوم نے گائے کے بچھڑے کی پرستش کی ان کی توبہ قتل عام پر موقوف تھی اور یہ نہایت مشکل تھی۔ یا آپ کی اُمت کی توبہ دوسرے کی نسبت زیادہ نافع اور مفید ہے کہ انہیں دنیا اور آخرت میں کوئی گرفت نہ ہوگی۔ کیونکہ آپ کی اُمت کا جو فرد بھی سچے دل سے توبہ کرے تو گویا اس نے سرے سے کوئی گناہ کیا ہی نہیں جب کہ دوسروں کو دنیا اور آخرت میں گرفت ہوگی۔ اور انہی اسماء میں سے ایک اسم نبی الرحمۃ ہے اس لیے کہ آپ وجودِ کائنات کے لیے سبب رحمت ہیں حدیث قدسی میں اللہ کے اس قول کے مطابق کہ اے محبوب اگر میں تجھے پیدا نہ کرتا تو میں آسمان بھی پیدا نہ کرتا۔ اور کتاب برہان الحنفی

میں ہے کہ اللہ نے اپنے محبوب کو خطاب فرمایا کہ اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم اگر میں تجھے پیدا نہ کرتا تو میں اس کائنات کو بالکل پیدا نہ کرتا۔

آپ مجنون نہیں ہیں بلکہ آپ پر سب کچھ عیاں ہے

اور شیخ اسماعیل حقی اپنے فرمودہ جواہر میں سورۃ قلم کی تفسیر میں اللہ کے اس قول پر فرماتے ہیں۔

مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ۔[1] تم اپنے رب کے فضل سے مجنوں نہیں۔

گویا آپ کو کہا گیا کہ اے محمد آپ جنوں سے مطلقاً بری ہیں اور آپ سے جنون کی نفی کر دی گئی ہے اور اللہ کی نعمت نبوت اور رسالت عامہ آپ کے شامل حال ہے۔ اس قول سے اللہ کی مُراد اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کو اس چیز سے بے عیب ثابت کرنا تھا جو مشرکین اور منافقین بغض وحسد اور اپنی بُرائی ظاہر کرنے کے لیے حضور کی طرف منسوب کرتے تھے باوجودیکہ انہیں اس امر کا یقین تھا کہ آپ کی عقل راستی اور آپ گہری سوچ کی انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔

بحوالہ تاویلات نجمیہ حضور علیہ السلام عالم ماکان ومایکون ہیں

اور تاویلات نجمیہ میں ہے مجنوں کی تفسیر مستور سے کی گئی ہے اس لیے کہ جن مستر کے معنی میں آتا ہے اور جن کو جن اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ انسانوں سے چھپا ہوتا ہے۔ یعنی ازل سے ابد تک جو کچھ ہو چکا ہے یا ہو گا آپ سے کچھ بھی مخفی نہیں بلکہ آپ مَاكَانَ یعنی جو کچھ ہو چکا کے عالم ہیں اور مَايَكُوْنُ یعنی جو کچھ ہو گا کی خبر رکھنے والے ہیں اور سرکار کے احاطہ علم پر آپ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے۔

فَوَضَعَ كَفَّهٗ بَيْنَ كَتِفَيَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَهَا بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَعَلِمْتُ مَا كَانَ وَمَا سَيَكُوْنُ۔ (الحدیث)

یعنی اللہ نے اپنا دست قدرت میرے کندھوں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی تو مجھے جو کچھ ہو چکا ہے یا ہو گا سب معلوم ہو گیا۔

---

[1] پ ۲۹، سورۃ القلم، آیت ۲۔

اپنی مدد آپ سے اللہ کی مدد مفید ہوتی ہے

امام قشیری قدس سرہٗ اسمآالحسنیٰ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ بندہ کو اپنی ذات کی خود مدد کرنے سے اللہ کی مدد زیادہ مؤثر اور کارگر ثابت ہوتی ہے۔ اللہ نے اپنے محبوب علیہ السلام کو فرمایا :-

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ — اور بے شک ہمیں معلوم ہے کہ ان کی باتوں سے
صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ۝ — تم دل تنگ ہوتے ہو۔

غور کرنا چاہیے کہ اللہ نے اپنے محبوب کو اذیت برداشت کرنے پر کس چیز سے تیار کیا اور کس چیز سے آپ پر تخفیف کی۔ خدائے ذوالجلال نے اپنے محبوب کو فرمایا کہ آپ اذیتوں کا بوجھ برداشت کریں ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ ۝ — ترجمہ: تو اپنے رب کو سراہتے ہوئے اس کی پاکی بولو۔

یعنی جب آپ ان منافقین ومشرکین سے اپنے مزاج شریف کے خلاف کوئی بدکلامی سنیں تو اپنی روح کو میری صفت وثنا اور ذکر اور پاکیزگی سے خوش کر لو میرے ذکر سے آپ ان کی بدکلامی سے بھی بے نیاز ہو جائیں گے اور آپ کی روح بھی مسرور رہے گی پھر جب نبی علیہ السلام نے اس فرمان حق کو اپنا لیا اور اللہ کے حکم کی تعمیل کی تو اللہ کی تائید نے یاوری کی اور آپ سے وہ اذیت دور ہوگئی۔ پھر جب آپ کو مجنون کہا گیا تو اللہ نے اپنے اس ارشاد (نٓ وَالْقَلَمِ) سے قسم کھا کر آپ سے جنون کی نفی فرمادی اور حضور نے اللہ کی پاکیزگی بیان کی تو آپ سے ذہنی کرب کا بوجھ نہ صرف ہلکا ہوگیا بلکہ سرے سے دور ہوگیا۔ پھر جس نے حضور پُرنور کو جنون کا عیب لگایا تھا اس کو اللہ تعالیٰ نے دس واقعی عیوب اور بُری خصائل سے معیوب کر کے اپنے محبوب کی شانِ محبوبیت کو نمایاں کر دیا، وہ شخص ولید بن مغیرہ تھا اور اس کی بُری خصائل کی تعداد دس ہے۔ قرآن میں سورت قلم کی آیت نمبر دس سے لیکر آیت پندرہ تک ان کا بیان یہ ہے۔
(۱) بڑا قسمیں کھانے والا، (۲) ذلیل، (۳) طعنہ دینے والا، (۴) چغل خور، (۵) بھلائی روکنے والا (۶) حد سے بڑھنے والا، (۷) گنہگار، (۸) درشت خو، (۹) حرامی، (۱۰) اللہ کی آیتوں کو پہلوں

۱؎ پ ۱۴، سورہ حجر، آیت ۹۷۔ ۲؎ پ ۱۴، سورہ حجر، آیت ۹۸۔

کی کہانیاں کہنے والا، تو پھر اللہ تعالیٰ کا اپنے کلام میں ان کی تردید فرمانا اور اس عیب کی نفی کرنا جو وہ حضور کی طرف منسوب کرتے تھے حضور کی اپنی ذاتی تردید سے زیادہ موثر اور کارگر تھا کیونکہ پورا قرآن قیامت تک لوگوں کی زبانوں پر باقی رہے گا۔

سرکار کا معیار تحمل و بردباری

پھر شیخ نے اللہ کے اس قول

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ[1] اور بے شک تمہاری خو بڑی شان کی ہے۔

پر کہا ہے کہ مخلوق میں سے کسی کو آپ کے خلوص کی دریافت نہیں ہے اس خلوص کی بدولت ہی آپ ان مشرکین و منافقین کی بے سروپا باتوں کو برداشت کرتے تھے جو عام طاقت بشری کی برداشت سے باہر تھیں اور بعض نے کہا ہے چونکہ آپ اللہ کے اخلاق پر پیدا ہوئے اور آپ کو کلام قدیم یعنی قرآن کریم کی تائید مفید تھی اس لیے آپ نہ ان کی فرضی الزام تراشی سے متاثر ہوتے اور نہ ہی ان کی اذیتوں سے پریشان ہوئے۔ پھر آپ کو اللہ کا حکم بھی تھا کہ اللہ کے لیے اپنے نفس کو صبر پر قائم رکھیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ[2] ترجمہ: اور صبر کرو تمہارا صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔

حضور کے اخلاق و اعمال میں بناوٹ نہیں ہے

کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ سے زیادہ صابر نہیں ہو سکتا، کلمہ (علیٰ) استعلا کے لیے ہے جو حضور علیہ السلام کے سراپا اخلاق حسنہ ہونے پر اور آپ کو اچھے اعمال پر غلبہ دیئے جانے پر دلالت کرتا ہے گویا اخلاق حمیدہ اور افعالِ مرضیہ آپ کے لیے طبعی امور ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ[3] تم فرماؤ اس قرآن پر تم سے کچھ اجر نہیں مانگتا اور میں بناوٹ والوں میں نہیں۔

یعنی میں تم پر جو بھی اپنا اخلاق ظاہر کرتا ہوں اس میں بھی کبھی تکلف نہیں کرتا کیونکہ تکلف کرنے والے کا کام دیرپا نہیں ہوتا بلکہ تکلف کرنے والا اپنی اصل طبیعت پر آجاتا، پھر شیخ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے خُلق کو انفرادی ذکر کے ساتھ عظمت سے متصف کیا ہے جس طرح قرآن کو لفظ عظیم سے متصف کیا اس میں حضور کو آگاہ کرنا مقصود تھا کہ آپ حُسن خلق پر ہیں وہ تمام مکارم اخلاق کو جامع ہے اور آپ کے

---

[1] پ ۲۹، سورۂ القلم، آیت ۴، [2] پ ۱۴، سورۂ نحل، آیت ۱۲۷، [3] پ ۲۳، سورۂ ص، آیت ۸۶۔

خلق نے شکر نوح علیہ السلام، خُلّت ابراہیم علیہ السلام، اخلاص مُوسیٰ علیہ السلام، صدق وعدہ اسماعیل علیہ السلام اور صبر یعقوب وایوب علیہما السلام، عذر داری داؤد علیہ السلام، تواضع سلیمان علیہ السلام وعیسیٰ علیہ السلام اور اس کے علاوہ تمام انبیا کے اخلاق کا احاطہ کیا ہوا ہے جس طرح ارشاد حق تعالیٰ ہے :۔

فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ [1] اے محبوب تم اس کی راہ چلو۔

اس اقتدا سے مُراد معرفت الٰہی نہیں کیونکہ یہ تقلید ہے اور کسی کی تقلید کرنا حضور کے شایان شان نہیں اور نہ ہی شرعی اُمور کی اقتدا مُراد ہے کیونکہ حضور کی شریعت نے تمام نبیوں کی شریعتوں کو منسوخ کر دیا ہے بلکہ بعض فروعی مسائل میں حضور کی شریعت پہلے نبیوں کی شریعتوں کی مخالفت کرتی ہے، درحقیقت اقتدا سے مُراد ہے کہ اللہ نے ہر نبی کو کسی نہ کسی اچھی عادت سے خاص کیا ہے اور تُو اے محبوب صلی اللہ علیک وسلم ان سب کی راہ پر چل یعنی ان سب کے انفرادی اخلاق حسنہ کو اپنا لے تاکہ مجموعی طور آپ کا خلق کریم ان سب کے اخلاق محمودہ پر غالب آئے اور اس میں سرکار کا بلند درجہ ثابت ہوتا ہے یہ درجہ کسی اور نبی کو میسر نہیں ہے پھر اللہ نے اپنے محبوب کو خُلق عظیم سے موصوف کرنا ضروری سمجھا جس طرح بعض عارفوں نے کہا ہے۔

لِكُلِّ نَبِيٍّ فِي الْأَنَامِ فَضِيلَةٌ — ہر نبی کے لیے اس کائنات میں کوئی نہ کوئی
وَجُمْلَتُهَا مَجْمُوعَةٌ لِمُحَمَّدٍ — بزرگی عطا کی گئی اور وہ سب کی سب مجموعی طور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہیں۔

قوت نظری کے اعتبار سے حضور خلق عظیم سے متصف نہیں ہوئے بلکہ علم وعرفان یقین کامل اور احسان کی وجہ سے آپ اس مقام پر فائز ہوئے، اور خُلق عظیم کو عملی جامہ آپ نے قوت عملیہ کو نمایاں کرنے کے لیے نہیں پہنایا مگر اس میں جو کچھ بھی فرض واجب اور مستحب تھا اسے محض اللہ کی رضا کے لیے ادا فرمایا، اور آپ سے نہ کوئی مفسد کام اور نہ ہی کوئی حرام اور مکروہ چیز صادر ہوئی۔ تو آپ ملکوتی صفات کے حامل ہوئے بلکہ اس سے بھی آپ کا درجہ بلند ہے اور سب اوصاف کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول جامع ہے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سرکار کے خلق کے متعلق سوال کیا گیا

---

[1] پ ، سورہ انعام ، آیت ۹۰ ۔

تو آپ نے فرمایا کہ پورا قرآن آپ کا خلق کریم ہی تو ہے اس سے حضرت عائشہ کی مراد یہ تھی کہ قرآن میں جتنے مکارم اخلاق اور اوصاف حسنہ ہیں آپ ان سے آراستہ ہیں اور ممنوع و مکروہ گناہوں اور بری خصلتوں سے آپ کنارہ کش ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ نے سائل کو کہا کہ کیا آپ نے قرآن میں کبھی نہیں پڑھا۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؎ ترجمہ: بے شک مُراد کو پہنچے ایمان والے۔

یعنی قرآن میں سورت مومنین کی ابتدائی دس آیات پڑھ لے ان میں حضور علیہ السلام کا خُلق ہے (ایمان) وہ اخلاق کی کی اصل ہے اور (نماز) اخلاق بدنیہ کا ستون ہے، اور (زکوٰۃ) اخلاق مالیہ کا خلاصہ ہے۔ آخری آیت تک آپ کے اخلاق کا اظہار ہے، اور تاویلات نجمیہ میں ہے کہ نہ صرف آپ کا خُلق قرآن تھا بلکہ آپ بذاتِ خود قرآن تھے، جس طرح عارف بالحقائق نے کہا ہے۔

اَنَا الْقُرْاٰنُ وَالسَّبْعُ الْمَثَانِیْ ترجمہ: میں الحمد سمیت قرآن ہوں اور میں صرف جسموں
وَرُوْحُ الرُّوْحِ لَا رُوْحُ الْاَوَانِیْ کی نہیں بلکہ رُوحوں کی رُوح ہوں۔

اور جناب جنید قدس سرہٗ نے کہا ہے کہ آپ جود و سخاوت کی وجہ سے خلق عظیم پر فائز ہوئے۔

لَہٗ ھِمَمٌ لَا مُنْتَھٰی لِکِبَارِھَا ترجمہ: آپ کی ہمتیں بے شمار کہ ان کا کوئی ٹھکانہ
وَھِمَّتُہُ الصُّغْرٰی اَجَلُّ مِنَ ہی نہیں اور آپ کی سب ہمتوں سے چھوٹی ہمت پوری
الدَّھْرِ۔ کائنات سے عظیم ہے۔

اور ابوالحسن نوری قدس سرہٗ نے کہا ہے کہ آپ کا خلق عظیم کیوں نہ ہو جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انوارِ اخلاق کو آپ کے ظاہر ہونے کی وجہ سے روشن کیا اس ذکر کے بعد شیخ اسماعیل حقی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضور کا خُلق عظیم اس لیے ہے کہ آپ ذاتِ حق کے مظہر عظیم ہیں جس کی یہ شان ہو وہ اس کا خلق، خلق عظیم ہوتا ہے۔ غور کرنا چاہیئے۔ حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ کی تنقیح الاذہان میں ہے کہ نبی علیہ السلام کو جوامع الکلم عطا کئے گئے کیونکہ آپ کو مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد بھی اسی طرح ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو کہا کہ آپ کی خو بُو بڑی شان کی ہے اور یہ سرکار کے

؎ پ ۱۸، سورہ مومنون، آیت ۱۔

صراط مستقیم پر ہونے کی اصل دلیل ہے۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ بے شک اللہ کے لیے تین سو ساٹھ خُلق ہیں جو شخص ان اخلاق میں سے توحید کے ساتھ ایک خلق ہے اس کی ملاقات کرے گا وہ جنت میں داخل ہو گا۔ اس پر جناب ابوبکر رضی اللہ عنہٗ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا مجھ میں ان میں سے کوئی پایا جاتا ہے تو سرکار نے فرمایا اے ابوبکر تجھ میں تو وہ سب کے سب پائے جاتے ہیں اور میں ان میں سے اللہ کے لیے سخاوت کو پسند کرتا ہوں۔ یہاں شیخ اکبر کا کلام ختم ہوا۔ اور اسی لیے بندہ کا حسن خلق اپنے کسی کام میں اللہ کے ساتھ محض تسلیم و رضا ہوتا ہے اور بندہ کا بہترین خُلق اپنے کسی کام میں مخلوق کے لیے سخاوت کرنا اور اس سے درگذر کرنا۔ اور خُلق کو توحید کے ساتھ اس لیے مقید کر دیا کہ کبھی مکارم اخلاق تو پائے جاتے ہیں لیکن ایمان نہیں ہوتا اور اسی طرح کبھی ایمان ہوتا ہے اور مکارم اخلاق نہیں پائے جاتے کیونکہ اگر ایمان کے ساتھ ساتھ مکارم اخلاق بھی دے دیئے جاتے تو کسی عمل کے کرنے یا نہ کرنے کے لیے کسی مومن کو بالکل نہ کہا جاتا اور بہترین اخلاق کے آثار صاحب خُلق پر مرتب ہوتے ہیں خواہ وہ کہیں بھی ہو بعض اکابر نے کہا ہے کہ آپ کی اُمت میں سے جس شخص نے آپ کو نہ دیکھا ہو وہ حضور کو دیکھنے کا ارادہ کرے تو اسے قرآن بنظر محبت دیکھ لینا چاہیئے۔ بے شک قرآن کو دیکھ لینے اور رسول اللہ کو دیکھ لینے میں کچھ فرق نہیں ہے گویا قرآن ایک جسمانی صورت ظاہر کرتا جسے محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب کہا جاتا ہے اور قرآن کریم اللہ کا کلام ہے اور اس کی صفت ہے گویا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کی صفت پہنا دی گئی۔ جیسے اللہ کا ارشاد ہے۔ کہ جو اس رُسول کی اطاعت کرے گا تو بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کر لی۔ اور بعض نے کہا ہے کہ جو شخص رُسول اللہ کو دیکھنے کا ارادہ کرے اسے رُسول اللہ کی سُنت پر عمل پیرا ہونا چاہیئے خصوصًا جس مقام پر سُنتِ رُسول ختم ہو چکی ہو۔ بے شک آپ کے وصال کے بعد آپ کی سُنت کو زندہ کر دینے میں حضور کی حیات ہے۔ اور جس نے آپ کی حیات کا باعث کوئی کام کیا گویا اس نے سب لوگوں کو زندگی بخشی کیونکہ حضور علیہ السلام کائنات کا اکمل ترین مجموعہ ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ آپ کی بعثت کے بعد مسلم معاشرہ سے بُری عادات یکسر سے ناپید ہو گئیں کیونکہ حضور علیہ السلام نے ہمیں بُرے اخلاق و اطوار کی مکمل نشاندہی کر دی مثلاً حرص، حسد، ہوس کا نشہ، بخل، خوف یعنی بزدلی، اور تمام مذموم صفات، پھر جب ان بُرے اطوار کی جگہ اچھے اخلاق نے لے لی تو تمام برائیاں از خود مکارم اخلاق سے بدل گئیں، تفصیل یہ ہے نبی علیہ السلام نے ایک شخص کو فرمایا جو

صف والوں کے بعد رکوع کو کچھ لمبا کر دیا کرنا، کہ اللہ تیری حرص[1] کو زیادہ کرے حد سے نہ بڑھ۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا دو چیزوں کے سوا حسد[2] نہ کرنا چاہیئے اور نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کا ذکر زیادہ کیا کرو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے تم ان سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو، خدا کا حکم ہے کہ والدین کو اُف نہ کہو، نیز ارشاد ہے کہ تمہیں اُف ہے اور جس کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات قرآنی اور احادیث مبارکہ ہیں جن میں وضاحت کی گئی ہے کہ بری عادات تربیت محمدی صلے اللہ علیہ وسلم سے خود بخود مکارم اخلاق بن گئیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہر اس شخص کو اخلاق ذمیمہ سے پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے جو اعتقاد رکھے کہ برے اخلاق اور جہالت بہر حال بری ہیں۔ حضور علیہ السلام کے اس قول اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔ کا مفہوم یہ ہے کہ بعض لوگ علم حاصل کرتے ہیں اور ان میں سے بعض جاہل ہی رہتے ہیں مگر کامل انسان وہ ہے جو اس کائنات میں اللہ کے ان اخلاق کے سوا کچھ نہ دیکھے جن کو میں نے پایا ہے، اور کشف الاسرار میں اس آیت کی تفسیر مذکور ہے، کہ نبی علیہ السلام کو تمام روئے زمین کی چابیاں پیش کی گئیں تو آپ نے انہیں قبول نہ کیا اور شب معراج آپ کو بلندیوں پر لے جایا گیا اور آپ کو جنت اور ملائکہ دکھائے گئے لیکن آپ نے ان کی طرف توجہ نہ کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی[3] ترجمہ: آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔

یعنی آپ نے دائیں بائیں دھیان نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کی خوب بڑی شان کی ہے۔

پھر صاحب کشف نے شعر ذکر کیا۔

کَاَنَّکَ شَمْسٌ وَّالْمُلُوْکُ کَوَاکِبُ	گویا آپ سورج ہیں اور شاہان جہان ستارے جب
اِذَا طَلَعَتْ لَمْ یَبْدُ مِنْھُنَّ کَوْکَبٌ	سورج نکل آئے تو کوئی ستارہ ظاہر نہیں رہ سکتا،

اور قصیدہ بردہ میں ہے:۔

فَاقَ النَّبِیّٖنَ فِیْ خَلْقٍ وَّ فِیْ خُلُقٍ	حضور علیہ السلام اپنے پیدا ہونے اور اپنے خُلق
وَلَمْ یُدَانُوْہُ فِیْ عِلْمٍ وَّلَا کَرَمٖ	میں تمام نبیوں پر فوقیت رکھتے ہیں علم اور بخشش

---

[1] حرص بمعنی شوق وذوق ۔ [2] حسد بمعنی رشک وغبطہ ۔

[3] سورۃ النجم، آیت ۱۷، پ ۲۷۔

فَاِنَّهٗ شَمْسُ فَضْلٍ هُم كَوَاكِبُهٗ — ہیں وہ آپ کے مقام کو نہیں پہنچ سکتے بے شک آپ
يُظْهِرْنَ اَنْوَارَهَا لِلنَّاسِ فِي الظُّلَمِ — بزرگی کے سورج ہیں اور باقی انبیا اس کے تارے جو اس کے انوار کو لوگوں کے لیے اندھیروں میں روشن کرتے ہیں۔

حضور کے اس قول سے سرکار کے اخلاق کی طرف اشارہ ہے کہ جو تجھ سے قطع رحمی کرے تو اس سے صلہ رحمی کر اور جو شخص تجھ پر زیادتی کرے تو اسے معاف کر دے اور جو تیرے ساتھ برائی سے پیش آئے تو اس کے ساتھ بھلائی اور احسان کر کیونکہ کسی کام پر خود عمل کرنے سے پہلے سرکار نے اُمت کے کسی فرد کو اس کام کا حکم نہیں دیا۔

شیخ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ اپنے فرمودہ جواہر میں سورۃ الضحیٰ میں اللہ کے اس قول پر فرماتے ہیں۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى[1] — اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔

یہ آیت کریمہ حضور کو جو کچھ بھی دنیا میں عطا کیا گیا کو شامل ہے مثلاً کمال نفس، اوّلین و آخرین کے علوم امر کا ظاہر کرنا، دین کو بلند کرنا ان فتوحات کے ساتھ جو آپ کے زمانہ میں ہوئیں اور آپ کے خلفاء راشدین علاوہ ازیں اسلامی بادشاہ جنہوں نے دعوتِ اسلام کو روئے زمین کے مشرق و مغرب میں پھیلایا ان سب کی فتوحات اور بہت سی وہ کرامتیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہ جانتا تھا حضور علیہ السلام کے لیے جمع کر دی گئیں اور ان سے بعض چیزوں کی حضور علیہ السلام نے خبر دی مثلاً میرے لیے جنت میں ایک ہزار محلات اصل سفید موتیوں اور کستوری سے بنے ہوئے ہیں، اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنی اُمت کی شفاعت کروں گا یہاں تک کہ مجھے آواز دی جائے گی کہ اے محمد صلی اللہ علیک وسلم! کیا آپ راضی ہوئے ہیں؟ تو میں عرض کروں گا کہ اے رب میں راضی ہو گیا ہوں۔

حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ الاطہر کہتے ہیں کہ مجھے قرطبہ کے ایک شہر مشہد میں قیام کرنے کا اتفاق ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک انبیا کی جماعت بعالم خواب دکھائی پھر

---

[1] پ ۳۰، سورہ والضحیٰ آیت ۵۔

جناب داؤد علیہ السلام نے مجھ سے بات چیت کرتے وقت انبیاء کی آمد کا اصل سبب بتایا کہ یہ انبیا حضور نبی علیہ السلام کے پاس حلاج کی سفارش کرنے آئے ہیں کیونکہ اس نے اپنی دنیوی زندگی میں حضور کو یہ الفاظ کہہ کر بے ادبی کی ہے کہ آپ کے مقام سے آپ کی ہمت کم ہے حلاج کو کہا گیا کہ آپ کی ہمت آپ کے مقام سے کیوں کم ہے تو اس نے کہا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو کہا قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے کہ تم راضی ہو جاؤ گے، تو آپ کا حق تھا کہ آپ راضی نہ ہوتے یہاں تک کہ آپ کی شفاعت ہر مومن اور کافر کے لیے اللہ تعالیٰ قبول کر لیتا لیکن آپ نے صرف اتنا کہہ دیا ہے کہ میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہے جب حلاج یہ بات کر چکا تو رسول اللہ واقعی اس کے پاس آئے اور فرمایا اے ابن منصور تو نے میری شفاعت سے انکار کیا ہے تو حلاج نے کہا یا رسول اللہ واقعی میں نے ایسے کہا ہے تو رسول اللہ نے فرمایا کیا تو نے سنا نہیں کہ میں اپنے رب سے حکایۃً بات کرتا ہوں خدا نے فرمایا ہے کہ جب میں کسی بندے کو دوست بنا لوں تو میں اس کے کان، آنکھ، زبان اور ہاتھ بن جاتا ہوں تو حلاج نے کہا ہاں یا رسول اللہ تو حضور نے فرمایا کہ جب میں اللہ کا حبیب ہوں تو وہی ذات میری بولنے والی زبان ہے وہی شفاعت کا اختیار دینے والا ہے اور وہی شفاعت قبول کرنے والا ہے اس میں میرے وجود کا کوئی دخل نہیں تو اے ابن منصور مجھے یہ عتاب کیوں ہے۔

حلاج نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں اپنی اس بات سے توبہ کرتا ہوں، میرے اس گناہ کا کفارہ کیا چیز ہو سکتی ہے، حضور نے فرمایا کہ اپنی ذات کو اللہ کے لیے قربان کرنا پڑے گا۔ اسے قربان کر دے حلاج نے عرض کیا کیسے قربان کروں حضور نے فرمایا شریعت کی تلوار سے اپنی جان کو قتل کر دے پھر جو کچھ بھی ہونا تھا وہ ہوا، پھر جناب ہود علیہ السلام نے کہا کہ حلاج اپنی پوری زندگی حضور سے چھپ چھپا کر بسر کرتا رہا۔ اب یہ انبیا کی بھاری جمعیت حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کی سفارش لے کر آئی ہے، اور حلاج کو اس دنیا سے رخصت ہوئے پورے تین سو سال ہو چکے ہیں، اور بعض عارفوں نے کہا ہر حقیقت ظاہر شدہ کا اصل مادہ حقیقتِ محمدیہ ہی ہے اور جو حقیقتیں ابھی ہونے والی ہیں ان کا مظہر بھی حقیقت محمدیہ ہے اور اسی کی طرف تمام کام لوٹ کر آتے ہیں، اللہ کے اس قول وَلَسَوْفَ يَرْضٰى کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کی رضا اس وقت تک نہ ہوگی جب تک آپ سے علیحدہ کی ہوئی چیز دوبارہ آپ کے پاس لوٹ کر نہ آئے

تو جمال والوں کا اجتماع آپ کے جمال کے پاس ہوگا، اور جلال والوں کا اجتماع آپ کے جلال کے پاس ہوگا۔
اور ابن عطا قدس سرہٗ نے کہا کہ گویا اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ السلام کو کہے گا، کہ کیا آپ کو جو کچھ دیا گیا ہے۔
اس کے بدلے آپ راضی ہیں تو حضور عرض کریں گے نہیں، پھر حضور کو کہا جائے گا کہ آپ کی خُو تو بڑی شان کی ہے یعنی آپ کی ہمت بلند ہے کہ کائنات کی کوئی چیز آپ میں اثر نہیں کرتی اور نہ ہی اس دنیا کی چیز آپ کو راضی کر سکتی ہے۔ اور تاویلات نجمیہ میں ہے یعنی جو چیز آپ کی قوت استعداد میں ہے۔
مثلاً کمالات ذاتیہ اور صفاتی کرامات کی اقسام آپ پر بالفعل ظاہر کر دیئے جائیں گے۔

حضور علیہ السلام کا انشراح صدر

شیخ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فرمودہ جواہر میں سورہ الم نشرح میں اللہ کے اس قول کی تفسیر کرتے ہیں۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ[1] ترجمہ: کیا ہم نے آپ کا سینہ کشادہ نہ کیا۔

بے شک ہم نے آپ کا سینہ کھول دیا اور فراخ کر دیا یہاں تک کہ وہ سینہ فائدہ حاصل کرنے اور فائدہ پہنچانے کی استعداد کے ساتھ غیب و حاضر سب چیزوں کے ساتھ جلی اور مطلع ہوگیا اور آپ کو جسمانی روابط رُوحانی ملکہ کے انوار و تجلیات حاصل کرنے سے نہیں روک سکتے، اور آپکے مخلوق کی بھلائی کرنے کا تعلق معرفت حق میں مستغرق ہونے میں حجاب نہیں ہو سکتا یعنی آپ جب حق کی طرف مشغول ہوں تو مخلوق محجوب نہیں رہتی اور جب آپ مخلوق کی طرف متوجہ ہوں تو ذاتِ حق آپ سے مستور نہیں ہوتی بلکہ آپ مجموعی اور انفرادی طور سب حاضر و غائب کو جانتے ہیں۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ سینہ کو کھول دینے سے اللہ کا اشارہ دل مصطفےٰ کو نبوت کے نور سے نرم کرنا اور بھر دینا ہے اور جن و انس کو دعوتِ اسلام دینے سے محنت برداشت کرنے کے لائق کرنا ہے اور سرکار کے سینے کی فراخی سے مراد یہ بھی ہے کہ سینہ حضور کو رسالت کی روشنی سے بھر دیا گیا۔ اور کفار اور منافقین سے سختیاں برداشت کرنے کی قوت دی گئی، اور نورِ ولایت بھی آپکے سینے کی فراخی میں سما گیا اور اس کا تحقق حضور نے خود فرمایا مثلاً علوم لدنیہ، اور اللہ کی حکمتیں، اور معارف

---

[1] پ ۳۰، سورہ نشراح، آیت ۱۔

ربانیہ، اور حقائق رحمانیہ، اور آپ کا حسی اور صوری انشراح صدر کئی مرتبہ ہوا - ایک مرتبہ حضور کی عمر شریف پانچ یا چھ سال تھی کہ شیطانی وساوس نکالنے کے لیے دل اقدس سے وہ سیاہ خون خارج کر دیا گیا جس سے دل کو ارتکاب گناہ کا میلان اور نیکی سے بے رخی ہوتی ہے، ایک مرتبہ آغاز وحی کے وقت اور ایک مرتبہ معراج کی شب شق صدر ہوا، پھر ورفعنالك کے قول پر نبوت اور اس کے احکام کے عنوان کے تحت کہا ہے کہ نبی علیہ السلام کی شان کو اللہ نے اس طرح بلند کیا ہے کہ اللہ کے نام کے ساتھ حضور کا نام کلمہ شہادت اور آذان اور اقامت میں ملا دیا گیا ہے - جس پر جناب حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا،

اَغَرُّ عَلَیْہِ لِلنبوۃ خَاتَمٌ	ترجمہ: میں آپ پر نثار جاؤں کہ حضور نبوت کی انگوٹھی
من اللّٰہِ مَشْھُودٌ یَلُوحُ وَیَشْھَدُ	کے نگینہ ہیں اور اس میں اللہ کی طرف سے واضح
وَضَمَّ الالٰہُ اِسْمَ النَّبِیِّ اِلیٰ اِسْمِہٖ	شہادت ہے اور اللہ نے اپنے نام کے ساتھ
اِذا قَالَ الخمس اَلْمُؤَذِّنُ اَشْھَدُ	اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ ملا دیا ہے جب مؤذن پانچ وقت آذان میں لفظ اَشْھَدُ کہتا ہے -

شیخ اسماعیل حقی کے فرمودات اختتام پذیر ہوئے - مترجم -

الغوث الکبیر الشیخ عبدالعزیز الدباغ الفاسی
المتوفی سنہ ۱۱۳۰ھ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے

فرمودات گرامی

علامہ نبہانی کہتے ہیں کہ شیخ عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات ہی جواہر البحار کی تصنیف کا اصل سبب ہے میں نے آپ کی تصنیف ابریز شریف جب دیکھی تو معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کے کمالات کے بیان میں جن سے حضور پُر نور تمام اطراف عالم میں سب مخلوقات پر فوقیت رکھتے ہیں آپ کا کلام مُنفرد اور عمدہ انداز کا ہے، تو میرے دل میں کہ اپنی تحریر کے لیے صرف کلام شیخ عبدالعزیز دباغ کو خاص کر لوں کیونکہ آپ کے کلام سے حضور نبی علیہ السلام کی قدر و منزلت کے وہ حقائق کھلے جو کسی دوسرے سے سُننے میں نہیں آئے تھے۔ پھر جب میرے فکر میں کشادگی ہوئی تو میں نے مناسب سمجھا کہ حضور کی سیرت نبوت پر علم و عرفان والوں اور کچھ دوسروں نے جو کچھ کہا ہے جمع کر دُوں اللہ کا احسان کہ اس نے اس کتاب کی ہر طرح تکمیل فرما دی اللہ بھلائی والے کی سب تعریفیں ہیں۔

حضرت عبدالعزیز دباغؒ کے فرمودہ جواہر میں

ان کے ایک شاگرد علامہ امام شیخ احمد بن مُبارک نے شیخ عبدالعزیز کی کتاب ابریز کے مقدمہ میں جو انہوں نے شیخ کی تعریف میں جمع کیا ذکر کرتے ہیں شیخ دباغ رحمۃ اللہ کو سیدنا خضر علیہ السلام نے ایک وظیفہ عنایت کیا اور سات ہزار مرتبہ ہر روز پڑھنے کا حکم کیا وہ ورد یہ ہے:۔

اَللّٰهُمَّ يَا رَبِّ بِجَاهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ	اے اللہ ہمارے سردار محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ
ابْنِ عَبْدِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	وسلم کے صدقے میرے اور ہمارے سردار
اِجْمَعْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ مُحَمَّدِ ابْنِ عَبْدِ اللهِ	محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم درمیان دنیا میں
فِي الدُّنْيَا قَبْلَ الْآخِرَةِ ۔	آخرت سے پہلے میل جول کرا دے۔

پھر اسی صفحہ کی ایک طرف ذکر کرتے ہیں کہ شیخ عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ نے فی الواقعہ عالم بیداری میں سید کل کائنات کا دیدار کر لیا پھر انہیں ان کے شیخ سیدی عبداللہ برناوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اے سیدی عبدالعزیز دباغ آج سے قبل میں تیرے بارے متفکر رہا کرتا تھا لیکن آج کے دن جب تجھے اللہ نے اپنی رحمت سید کل کائنات سے ملا دیا میرا دل بے خطر اور مطمئن ہو گیا ہے تو میں تجھے بطور امانت اللہ کے سُپرد کرتا ہوں۔

حضور رحمۃ کائنات ہیں نیز مقدمہ میں ہی نقل کیا ہے کہ سیدی احمد ابن عبد اللہ الغوث رضی اللہ عنہ کہتے

ہیں کہ میرا ایک مرید تھا جس سے میں بے حد محبت کرتا تھا۔ ایک دن میں نے سید کل کائنات کی عظمت
بیان کرتے ہوئے اسے کہا کہ اے بیٹا اگر ہمارے سردار حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا
نور نہ ہوتا تو زمین میں کوئی راز بھی ظاہر نہ ہوتا، اگر آپ نہ ہوتے تو چشموں میں سے کوئی چشمہ جاری
نہ ہوتا، اور نہ نہروں میں سے کوئی نہر جاری ہوتی، اور اے بیٹا بے شک حضرت کا نور فیض کرتا
ہوا تمام بیجوں پر ہر ماہ میں تین مرتبہ گردش کرتا ہے آپ کی برکت سے ان بیجوں کا پھل بن جاتا ہے
اگر آپ کا نور نہ ہوتا تو کوئی بیج پھل نہ دیتا، اور اے بیٹا ایسے لوگ بہت کم یاب ہیں جن کا ایمان حضور
پر پہاڑ یا اس سے بھی زیادہ مضبوط ہو۔ علاوہ ازیں میں نے تحقیق کی ہے کہ نفس کبھی ایمان کا بوجھ
اٹھانے سے بے دل ہو جاتا ہے اور چاہتا ہے کہ اسے پھینک دے، تو اس نازک وقت میں نبی
صلے اللہ علیہ وسلم کا نور پہنچتا ہے اور اس نفس کی ایمان کا بوجھ اٹھانے میں مدد کر کے اسے حلاوت
اور خوشبو سے پاکیزہ کر دیتا ہے اور ابریز میں سیدی عبدالعزیز دباغ کی کرامات کی تعداد ذکر کرتے
ہوئے کہا کہ آپ کی کرامات میں سے ایک کرامت یہ ہے کہ آپ کے گھر والے اور بعض دوسرے
زائرین مشاہدہ کیا کرتے تھے کہ کبھی آپ کے جسم کو ایسی حرارت ہوتی وہ آپ کے پاس بیٹھنے والا
آپ کو فوت شدہ شخص کی طرح محسوس کرتا اور شیخ رضی اللہ عنہ کی چند رگوں اور ہونٹوں کے سوا جسم
کے کسی حصہ میں سانس کی حرکت باقی نہ رہتی۔ ایک دن یہی کیفیت آپ پر طاری ہوئی تو ایک شخص آپ کے
کمرے میں داخل ہوا اور اس نے دیکھا کہ ایک نور بجلی کی طرح اٹھ رہا ہے مگر اس وقت شیخ کا جسم بے
حرکت ہیکل بکھرا ہوا تھا وہ شخص جلدی سے نکلا اور جتنے لوگ گھر میں موجود تھے سب کو بتا دیا تو ان سب
نے اس کیفیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ دوسری صبح میں نے شیخ سے ملاقات کی آپ ایک
میدان کی طرف جا رہے تھے کہ میں بھی آپ کے ساتھ ہو لیا جب واپسی کے متعلق کہا، اور جیسا کہ آپ
کی عادت کریمہ تھی ہر کام کو پوشیدہ راز میں رکھنے کی تھی اس کے باوجود شیخ رضی اللہ عنہ فرمانے
کہ کل مجھ پر ایک معاملہ ہوا ہے تو میں نے عرض کیا اے میرے آقا یہ تو میں نے بھی سنا ہے لیکن اس
بات کا اصل راز معلوم نہیں ہو سکا تو شیخ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے وہ محمد رسول اللہ کا نور تھا۔
اور شیخ کی کرامتوں میں سے یہ کرامت بھی مذکور ہے کہ آپ سے جب حدیث کے لیے صحیح اور موضوع
احادیث کے بارے میں کوئی سائل سوال کرتا تو آپ بتا دیتے صحیح حدیث کو بڑے ذوق سے صحیح وہ

باطل حدیث کو باعتماد ہو کر باطل بتلا دیتے اس بات کو آئمہ حدیث نے ذکر بھی کیا ہے، حالانکہ آپ اُمی تھے
آپ نے نہ پڑھا اور نہ لکھا، اور نہ کہیں سے تحصیل علم کی۔ ابن مبارک کہتے ہیں کہ شیخ کی شان اور مقام بہت
عجیب و غریب ہے میں جب بھی آپ کے ساتھ علم حدیث پر غور کرتا تو آپ برملا کہہ دیتے کہ یہ حدیث بخاری
نے ذکر کی ہے اور مسلم میں نہیں اور جس حدیث کی تخریج مسلم نے کی ہوتی تو آپ کہہ دیتے یہ بخاری میں نہیں
ہے مجھے مسلسل آپ سے ملتے رہنے سے معلوم ہوا کہ معرفت حدیث میں جو آپ کا مقام ہے وہ کسی
دوسرے کا نہیں ہے، میں نے اس قدر معرفت کے متعلق شیخ سے ایک مرتبہ سوال کیا تو فرمانے
لگے کہ نبی کا کلام مخفی نہیں ہوا کرتا، اور ایک مرتبہ میں نے اسی معرفت کے بارے پھر سوال کیا تو آپ
فرمانے لگے کہ جب کوئی شخص سردیوں میں بات کرتا ہے تو اس کے منہ سے بھانپ نکلتی ہے اور جب
گرمیوں میں بات کرے تو وہ بھانپ نہیں نکلتی یونہی جب کوئی شخص نبی کے کلام سے بات کرتا ہے تو
اس کی بات کے ساتھ نور نکلتا ہے اور جو شخص نبی کے کلام کے علاوہ بات کرتا ہے تو وہ بات نور کے
بغیر نکلتی ہے، ایک مرتبہ میں نے آپ سے پھر سوال کیا تو فرمانے لگے کہ چراغ کو جب مانجھ کر صاف کر
دیا جائے تو اس کی روشنی زیادہ تیز ہوتی ہے اور جب اسے صاف نہ کیا تو روشنی اپنے حال پر رہتی
ہے یونہی عارفوں کا حال ہے جب وہ حضور کا کلام سنتے ہیں تو ان کے انوار قوی ہو جاتے ہیں اور
ان کی قوت معرفت بڑھ جاتی ہے اور جب غیر کا کلام سنتے ہیں تو اپنے حال پر رہتے ہیں۔
سیدی عبدالعزیز دباغ کے فرمودہ جواہر میں ابریز شریف کا یہ پہلا باب ہے جس میں ان احادیث
کے جواب ہیں جن احادیث کے متعلق شیخ سے سوال کیا گیا کہتے ہیں کہ ان احادیث میں سے ایک حدیث
ترمذی عبداللہ ابن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہما کی روایت سے ہے۔

قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ	راوی کہتا ہے کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم
فِي يَدَيْهِ كِتَابَانِ فَقَالَ الَّذِي	ہمارے پاس تشریف لائے آپ کے دونوں
فِي يَدِهِ الْيُمْنٰى هٰذَا كِتَابٌ	ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں، داہنے ہاتھ کی کتاب
مِنْ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ فِيْهِ أَسْمَاءُ	کے متعلق حضور نے فرمایا کہ یہ کتاب اللہ کی طرف
أَهْلِ الْجَنَّةِ وَأَسْمَاءُ آبَائِهِمْ	سے ہے اور اس میں جنت اور ان کے باپ دادا
وَقَبَائِلِهِمْ فَلَا يُزَادُ فِيْهِمْ	اور ان کے تمام قبیلوں کے نام ہیں نہ ہمیشہ ہمیشہ

وَلَا یَنْقُصُ مِنْھُمْ اَبَدًا ثُمَّ — ان میں کچھ زیادہ ہو سکتا ہے نہ کم پھر آپ نے
قَالَ الَّذِیْ فِیْ شِمَالِہٖ مَثَلَہٗ — بائیں ہاتھ کی کتاب کے متعلق دوزخ والوں کا
فِیْ اَھْلِ النَّارِ ۔ — حسب سابق ذکر فرمایا ۔

راوی اس حدیث کے آخر میں کہتا ہے کہ یدیہ کی بجائے یدہٗ ہے پھر ان کتابوں کو حضور نے پھینک دیا پھر فرمایا کہ بندوں سے تمہارا رب فارغ ہے کہ ان میں سے ایک جماعت جنت میں جائے گی اور ایک فریق دوزخ میں جائے گا ۔

اعتراض ابن حجر حن کا اسناد حسن ہے کہتے ہیں کہ بعض لوگوں کو اس حدیث میں اشکال ہے اور گمان کیا گیا ہے کہ اس امر میں قدرت محال سے متعلق ہے ، اس حیثیت سے کہ تمام جنت والوں کے نام ایک ہی کتاب میں جیسے حضورؐ کے داہنے ہاتھ نے اٹھا رکھا تھا اور یونہی دوزخ والوں کے نام ایک ہی کتاب میں کیسے سما سکتے ہیں ۔ جب کہ دونوں کتابوں کی جسامت چھوٹی ہو گی اور نام زیادہ ہوں گے اس سے لازم آئے گا کہ چھوٹی کو بڑا کئے بغیر ایک چھوٹی چیز پر بڑی چیز کو وارد کر دیا جائے ، تو پھر ان اسما کا احاطہ کرنے کے لیے دیوان دفتر چاہیں اور یہ محال عقلی کی دلیل قوی ہے ۔ کہ وسیع چیز کو تنگ چیز میں داخل کر دیا جائے باوجودیکہ تنگ چیز اپنے حال پر چھوٹی ہی رہے اور وسیع چیز بڑی ہی رہے حالانکہ مخبر معصوم ہے جو اپنی خواہش سے نہیں بولتا ۔

جواب حضرت شیخ عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ جواب ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ علماء اہل سنت و جماعت کے عقیدہ میں ممکن نہیں کہ جو چیز ولایت کے طور طریقہ پر یا رسالت کے معجزہ پر ہو اور عقل اسے محال جانے ، البتہ کرامت اور معجزہ سے عقلیں قاصر ضرور ہو سکتی ہیں ، پھر جب میں کسی مطلوب معنی کی کماحقہٗ اطلاع پالوں اسے قبول کر لیتا ہوں اس پر یقین بھی کر لیتا ۔ ان دو کتابوں کی مذکورہ کتابت سے ، کتابت نظر مراد ہے کہ کتابت قلم اور کتابت نظریہ ہوتی ہے کہ بیشک صاحب بصیرت خصوصاً اولین و آخرین کے سردار اور ہمارے آقا حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم جب ان کا ارادہ ہو کہ کسی چیز کو دیکھیں تو آپ کی بصیرت اپنے اور دیکھی جانے والی چیز کے درمیان تمام پردے تار تار کر کے اس چیز تک پہنچ کر اس کا احاطہ کر لیتی ہے ، جب کسی دیکھی جانے والی چیز کی صورت بصیرت کو حاصل ہوتی ہے تو اسے ہم بصیرت کاملہ فرض کر لیتے ہیں اگر وہ بصیرت اس

دیکھی جانے والی کو حکم کرے تو آنکھوں تک پہنچ جاتی ہے اور جو طاقت اس چیز کو حاصل ہوتی ہے وہی آنکھ کو بھی حاصل ہوتی تو آنکھ چھپی ہوئی صورت دیکھتی جو بھی اس کے مقابل آئے اگر آنکھ کے مقابل دیوار آئے تو آنکھ اس چیز کو دیوار میں دیکھ لیتی ہے، اگر آنکھ کے سامنے اپنا ہی ہاتھ ہو تو آنکھ اس چیز کو اسی ہاتھ میں دیکھے گی اور اگر اس کے مقابل کاغذ ہو تو آنکھ اس چیز کو کاغذ میں دیکھ لے گی اس سے یہ حدیث بھی واضح ہو گئی کہ آپ نماز کسوف یعنی (سورج گہن) کی نماز پڑھ رہے تھے تو سامنے ایک دیوار تھی آپ نے فرمایا مجھے اس دیوار کے سامنے جنت اور دوزخ کا منظر پیش کیا گیا ہے مفہوم یہ ہے کہ حضور کی بصیرت نے جنت و دوزخ کی توجہ کی سامنے دیوار تھی تو حضور علیہ السلام نے جنت و دوزخ کی صورت اس دیوار میں دیکھ لی۔ اسی پر دو کتابوں والی حدیث کی تخریج بھی ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بصیرت نے جنت کی طرف توجہ فرمائی تو جنت کی صورت آپ کی مبارک آنکھ میں آگئی اور آنکھ کے سامنے وہ کتاب تھی جو آپ کے داہنے ہاتھ نے تھام رکھی تھی۔ تو حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم جنت اور اس کے ساکنین کو اپنے داہنے ہاتھ والی چھوٹی سی کتاب میں دیکھنے لگے، پھر کہا کہ کتاب رب العالمین کی طرف سے ہے اور اس میں جنت والوں کے نام اور ان کے آباؤ اجداد اور ان کے قبیلہ والوں کے نام ہیں پھر آپ کی بصیرت نے دوزخ کی طرف توجہ کی تو اس کی صورت آپ کی آنکھوں کے سامنے آگئی اور آنکھ کے سامنے آپ کے بائیں ہاتھ میں کتاب تھی تو حضور علیہ السلام نے ان سب کی صورتوں کو اس کتاب میں دیکھ لیا۔ پھر فرمایا یہ کتاب اللہ کی طرف سے اور اس میں دوزخ والوں اور ان کے آباؤ اجداد اور قبیلہ والوں کے نام ہیں، پھر اگر دیوار پر جنت و دوزخ حضور کے لیے پیش کیے جانے والی حدیث پر کوئی اشکال ہے تو دو کتابوں والی حدیث پر بھی اشکال ہو سکتا ہے اگر اس حدیث پر کوئی اشکال نہیں ہے تو اس حدیث پر بھی کوئی اشکال نہیں ہو سکتا، اشکال کا دار و مدار کتابت بالقلم پر ہے اگر کتابت نظر مراد لی جائے تو کوئی اشکال باقی نہیں رہتا، اور اگر وہاں کتابت بالقلم ہوتی تو دوسری حدیث سے نقص وارد ہوتا ہے اس حدیث میں ہے، پھر نبی علیہ السلام نے ان دونوں کتابوں کو پھینک دیا اور نبی علیہ السلام اللہ کی طرف سے آئی ہوئی کتاب جس میں اللہ کی بہترین مخلوق صوفیا اور مرسلین کے نام تھے کیسے پھینک سکتے تھے اور نبی علیہ السلام بلحاظ تعظیم سب سے زیادہ اللہ اور اس کے رسولوں اور فرشتوں کی تعظیم کرنے والے

ہیں اور صورت حاصلہ کو کتابت سے دلالۃً باعتبار خارج وظاہر تشبیہ دی گئی ہے، اور کتابت کی اللہ رب العالمین کی طرف نسبت اس لیے کی گئی ہے کہ وہ ایک نور ہے جو حصولِ صورت کا اصل سبب ہے اور اسے کتابت سے تعبیر کر دیا گیا ہے یہ امر کسب آدمی اور طاقت بشری سے نہیں بلکہ یہ تائید ربانی اور اللہ سبحانہٗ کی طرف سے ایک نور ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ کتابت سے مراد وہ صورت ہے جو نظر میں حاصل ہوا اور یہ تمام دیکھی جانے والی اشیاء کی طرح مشکل نہیں ہے، بے شک آنکھ کی پتلی چھوٹے ہونے کے باوجود اس میں بہت بڑی صورتیں چھپ جاتی ہیں جس طرح صورت آسمان حالانکہ آنکھ کی پتلی دانہ مسور سے بھی بہت چھوٹی ہوتی ہے، تو یہ حدیث جس طرح بیان ممکنات کے لیے ہے ویسے ہی تمام معجزات وخرق عادات کے لیے مستعمل ہے اور اللہ سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

سیدی عبدالعزیز دباغ کے فرمودہ جواہر میں

جواہر یز کے اس قول میں ذکر کیا گیا ہے کہ میں نے شیخ رضی اللہ عنہٗ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا معنی پوچھا کہ بے شک یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے حالانکہ اس میں کلام بہت زیادہ ذکر کی گئی ہے اور بڑے بڑے عجیبہ اسرار جن کو میں نے شیخ رضی اللہ عنہٗ سے سنا ہے۔ علمأ ظاہر کے اقوال کے معنی حدیث میں مخالفت کرتے ہیں۔ ابن مبارک کہتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ رضی اللہ عنہٗ سے عرض کیا کہ حدیث مذکور سے نبی علیہ السلام کی کیا مراد ہے۔ فرمانے لگے کہ ہم انشاء اللہ کل جواب دیں گے، پھر جب کل کو حاضری ہوئی تو شیخ رضی اللہ عنہٗ نے کہا اور جو کچھ کہا وہ سچ کہا فرمانے لگے کہ میں نے نبی علیہ السلام سے اس حدیث کی مراد پوچھی ہے تو مجھے نبی علیہ السلام نے اس حدیث کی مراد بتا دی ہے، ابن مبارک کہتے ہیں کہ میں تین دن تک دریافت معنی حدیث میں آپ سے گفتگو کرتا رہا۔ آپ مجھے مراد حدیث بیان فرماتے رہے مجھے معلوم ہوا کہ اس حدیث پاک کی بڑی شان ہے اور اس میں میں نے شیخ سے ایسے ایسے بے کیف اسرار سنے جو طاقت بیان سے باہر ہیں۔

حضورؐ کی قوّتِ نبوّت کے سات پہلو

پھر شیخ نے اختصار کے ساتھ اتنا ہی ذکر کیا جس کا لکھا جانا ممکن تھا لیکن پھر بھی کلام طول اختیار

کر گئی۔ شیخ کی اس گفتگو میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ نبی علیہ السلام کے لیے ایک ایسی قوت ہے جس پر آپ کی ذات شریف منطبق ہوتی ہے تو اس کے انوار سات وجوہ پر منقسم ہو جاتے ہیں اور ان سات انوار کے لیے دو جہتیں ہیں، ایک جہت حق سبحانہ کی طرف اور دوسری جہت مخلوق کی طرف پہلی جہت ہمیشہ فیضان کرتی رہتی ہے نہ وہ رکتی ہے نہ سست ہوتی۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر قرآن نازل فرمانے کا ارادہ کیا تو آپ پر ایک آیت نازل فرمائی اس آیت کے ساتھ حق تعالیٰ کی طرف سے پہلی جہت کا نور شامل تھا جو نہ رکتی ہے نہ سست ہوتی ہے، پھر ذاتِ حق نے دوسری آیت آپ پر نازل فرمائی تو اس کے ساتھ دوسری جہت جو مخلوق کی طرف ہے کا نور ملا ہوا تھا۔ پھر تیسری آیت نازل ہوئی تو اس کے ساتھ تیسری وجہ کا نور شامل تھا اور یونہی شیخ نے پوری ساتوں وجوہ کا بیان کیا، پھر میں نے عرض کیا کہ جن سات انوار کی طرف لفظ (احرف) سے اشارہ کیا گیا ہے آخر یہ انوار کیا ہیں تو شیخ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ یہ حرف نبوت[۱] ہے اور حرف رسالت[۲] ہے اور حرفِ آدمیت[۳] ہے اور حرفِ روح[۴] ہے، اور حرفِ علم[۵] ہے، اور حرفِ قبض[۶] ہے، اور حرفِ بسط ہے۔ پھر آپ ان کی تفصیل اور شرح بیان فرمانے لگے تفصیل ملاحظہ کرنے کے لیے شیخ کے کلام کی طرف رجوع کیا جائے، پھر شیخ نے ذکر کیا کہ نبوت کی سات اجزا ہیں۔ پہلی قول حق، دوسری دانائی و بینائی، تیسری رحمت، چوتھی معرفتِ الٰہی علی وجہ الکمال، پانچویں اللہ کا کماحقہٗ خوف، چھٹی باطل کے ساتھ بغض، ساتویں عفو درگذر، نبوت کی تیسری جز کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ نے کہا کہ یہ ایک ذاتی نور ہے جو تمام مخلوق پر رحمت اور بخشش کا تقاضا کرتا ہے اور یہ نور بندے کے لیے اللہ کی رحمت سے مل کر ظاہر ہوتا ہے۔ اور جسے یہ نور ملتا ہے اس بندے پر بھی اللہ کی خاص رحمت ہوتی ہے پھر اس بندے کی رحمت تمام لوگوں کو شامل حال ہوتی ہے، شیخ رضی اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کوئی شخص بھی رحم کیا ہوا نہیں ہے، اسی لیے مخلوق پر آپ کی رحمت کے برابر کوئی چیز نہیں اور نہ ہی اس رحمت میں آپ کے کوئی مساوی ہو سکتا ہے، حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت رحمت کی رسائی اتنی ہے کہ عالم علوی اور عالم سفلی دنیا و آخرت والوں کے لیے عام ہے، وبالمؤمنین رءوف رحیم۔ سے اللہ تعالیٰ نے چار امور کی طرف اشارہ کیا ہے، ان میں سے پہلا وہ نور ہے۔

جس کے لیے اللہ کی رضا ہے اور اس سے تمام مخلوق سیراب ہوتی ہے، اور دوسرا وہ نور جو ذات حق سے قریب ہے اور اس قرب سے ہماری مراد مقام و مرتبہ کا قرب ہے مکان کا قرب مراد نہیں ہے تیسرا وہ نور جو اللہ عزوجل کی طرف سے حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات کے مکمل قریب ہے۔ چوتھا یہ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات بغیر تکلیف و مشقت اس نور کی برداشت کرنے اور اس کا بوجھ اٹھانے کی طاقت اور قدرت رکھتی ہے اور یہ ایسا کمال ہے کہ اس کی وجہ سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق پر فوقیت اور برتری رکھتے ہیں، پھر شیخ رضی اللہ عنہٗ نبوت کی ساتویں جُز یعنی عنصر پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔ جاننا چاہیئے کہ نبوت کی عادات کریمہ کا کما حقہٗ احاطہ ممکن نہیں آپ کسی بھی خوبی کو دیکھیں اس کی انتہا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوتی ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ کسی آدمی میں اچھی خصائل و عادات ذاتی طور پر اس طرح مکمل نہیں ہیں جس طرح حضور کی ذات میں ان کی تکمیل پائی جاتی ہے تو جب تمام اچھی خصائل بدرجہ اتم آپ کی ذات میں ظاہر ہوئیں اور آپ کی ذات پر خصائل نبوت بھی نازل کی گئیں تو آپ کی ذات کا نور بڑھ گیا اور اس کے راز نہاں عیاں ہو گئے شیخ نے کہا جو معرفت حضور کو اللہ سے ہے اس کی تفصیل اور شرح کی کسی کو طاقت نہیں ہے کیونکہ حضور اپنے کمالات و محاسن میں کسی شریک سے بے نیاز ہیں اور آپ کا جوہر حُسن تقسیم کیا ہوا نہیں ہے۔

حضور کی رُوحانی قوت کے سات پہلو

سیدی عبدالعزیز دباغ رضی اللہ عنہٗ کے فرمودہ جواہر میں اجزائے نبوت کی شرح کے بعد رُوح کا بیان ہے جس کے سات پہلو ہیں۔ پہلا ذوق الانوار، رُوح کا یہ پہلو اس نور سے تعبیر ہے جو تمام اجزا میں سیر کرنے کے ساتھ ساتھ کائنات میں افعال خداوندی کے انوار سے اور یونہی وہ انوار جو عالم علوی میں ایک اندازے کے مطابق تقسیم شدہ ہیں لطف اندوز ہوتا ہے، اور رُوح کئی کاموں میں ذوق انسانی کے خلاف ہوتا ہے اور اس خلاف کی چار صورتیں ہیں۔
پہلی یہ کہ وہ نورانی ہے اور نور کے سوا وہ کسی اور چیز سے متعلق نہیں ہوتا بخلاف ہمارے ذوق کے کہ وہ اجسام سے متعلق ہوتا ہے مثلاً شہد کا مادہ جب ہماری زبان سے ملتا ہے تو ہم

ذوق انسانی سے شہد کی مٹھاس محسوس کرتے ہیں لیکن رُوح شہد کی مٹھاس اسے مادہ کے اعتبار سے نہیں چکھتا بلکہ اس فعل کے نور سے چکھتا ہے جس کے ساتھ شیرینی شہد کی حقیقت قائم ہوتی ہے، اور تمام ذائقہ دار چیزوں کو رُوح ایسے ہی چکھتا ہے۔

دوسری صورت رُوح میں چکھی جانے والی کا اتصال ضروری نہیں ہوتا کیونکہ اس میں استعداد ہے کہ جو چیز اس سے ملی ہوئی ہو یا نہ ملی ہوئی ہوں سب کا ذائقہ محسوس کر لیتی ہے بخلاف ہمارے ذوق کے کہ اس میں عادۃً اس چیز کا اتصال ضروری ہوتا۔

تیسری صورت رُوح کے لیے ذائقہ محسوس کرنے کا کوئی مقام و محل متعین نہیں بلکہ اسے تمام ظاہری اور باطنی جواہر پر عبور ہوتا ہے بخلاف ہمارے ذوق کے اسے ذائقہ محسوس کرنے کے لیے عادۃً جسم زبان سے تخصیص ہے۔

چوتھی صورت کہ وہ تمام حواس میں موجود ہوتا ہے، پھر شیخ خلاصۃً ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رُوح کی یہ صورت تمام چیزوں اور ان کے جواہر کو چکھتی ہے اور رُوح کو تمام حواس حاصل ہو جاتے ہیں اور سب سے زیادہ بہتر اللہ ہی جانتا ہے پھر رُوحیں سابقہ صف کے مطابق چکھنے پر متفق ہونے کے بعد ضعف و قوت کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے۔ سب سے زیادہ طاقتور رُوح وہ ہے جس کا ذوق عرش و فرش کے علاوہ تمام کائنات کا تجزیہ کرے اور یہ قوت تو صرف رُوح محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی خاص ہے کیونکہ آپ کی رُوح تمام رُوحوں کی سرتاج بادشاہ ہے اور اس رُوح نے حضور کی ذات مقدسہ میں رضا اور محبت اور قبول کے درجات سے سکونت اختیار کئے رکھی، تو آپ سے اور دنیا و آخرت کے تمام حجاب اُٹھا دیئے گئے اور آپ کی رُوح شریف کا ذوق اپنے کمال کو پہنچا اور آپ کی پاک ذات کے لیے تمام کائنات کو ورطہ حیرت میں ڈالنا ثابت ہے اور یہ ایک ایسا کمال ہے جس کے بعد کوئی کمال نہیں، رُوح کا دوسرا پہلو (طہارت) یعنی پاکیزگی رُوح کی اجزائیں سے ہے اور یہ رُوح کی پیدائشی اور فطری صفائی سے تعبیر ہے، اور رُوح باعتبار طہارت دو چیزوں پر تقسیم ہوتا ہے ایک حسی اور دوسری معنوی، طہارت حسی ایک نور ہے اور سب کا سب نور طہارت میں انتہا کو پہنچا ہوا ہوتا ہے، اور طہارت معنوی دو معرفتوں کی باہمی آمیزش سے تعبیر ہے دو معرفتوں سے میری مُراد، معرفت باطنی اور معرفت ظاہری ہے، تمام مخلوق

اپنے خالق سبحانہٗ کو جاننے اور پہچاننے والی ہے اس میں بولنے والی نہ بولنے والی زندہ اور بے جان چیزوں میں کچھ فرق نہیں، یہ معرفت باطنی ہے اور تمام مخلوقات معہ اپنے جواہر اسی میں ہی پائی جاتی ہے اور جس پر اللہ کی خصوصی رحمت ہو جائے اس کے لیے باطن چیز ظاہر ہو جاتی ہے تو اسے اللہ کی طرف سے تمام جواہر و حقائق کی معرفت سے مطلع کر دیا جاتا ہے اور وہ شخص اپنی ذات کے تمام اجزا سے اپنے ظاہر میں ہی رب کریم کا عارف ہو جاتا ہے اور یہ درجہ معرفت کے اعلیٰ درجات میں سے ہے اور روحوں کے لیے یہ تمام کارکردگی اللہ کی طرف سے ہوتی ہے تو وہ ظاہر میں ہی اپنے رب کو جاننے لگ جاتی ہے، باوجودیکہ روحیں صفائی میں متفق ہیں لیکن چھوٹے بڑے ہونے میں قدرے مختلف ہیں بے شک بعض روحیں ایسی ہیں جو اپنے حجم میں بڑی ہیں اور بعض روحیں اپنے حجم میں چھوٹی ہیں، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جس کا حجم بڑا ہوگا اس کے جواہر بہت زیادہ اور اپنے رب کی بارگاہ میں اس کے معارف بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ بلحاظ قدر و منزلت روحوں میں سب سے بڑی اور باعتبار حجم سب سے عظیم روح حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہے، آپ کی روح کی وسعت چودہ طبق سماوی اور عرضی کو محیط ہے اور ان کے خفیہ اسرار سے مطلع ہے اس کے باوجود سرکار کی ذات شریف بے موقع اختیار استعمال کرنے سے محتاط رہی اللہ کی بڑی شان ہے جس نے اپنے محبوب کو اس عرفان پر قادر کیا، روح کا تیسرا پہلو (تمیز) یعنی تمیز بھی اجزائے روح میں سے ہے شیخ نے کہا کہ وہ روح میں ایک نور ہوتا جس سے ہر ایک چیز کی نفس الامری حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے اور اس نور سے ہر شے کی مکمل جانچ پڑتال کر لی جاتی ہے اور اس نور کے ہوتے ہوئے تمیز کو سیکھنے کی ضرورت درپیش نہیں آتی بلکہ صرف اس چیز کو دیکھ لینے یا سُن لینے سے اس چیز اور اس کے مکمل احوال ابتدائی اور انتہائی کی تمیز اس حیثیت سے کر لی جاتی ہے کہ وہ کیوں اور کس لیے پیدا کی گئی، پھر روحیں بلحاظ اطلاع اس تمیز میں مختلف ہوتی ہیں، روحوں میں بعض روحیں ایسی ہوتی ہیں جو اطلاع میں قوی اور مضبوط ہوتی ہیں اور بعض ضعیف ہوتی ہیں۔ اطلاع میں سب سے قوی اور مضبوط روح حضرت رسول کریم کی روح ہے اس لیے کہ آپ کی روح سے تمام عالم کی کوئی شے درپردہ اور مخفی نہیں اور اس روح کو اللہ کے عرش کا نشیب و فراز دنیا اور آخرت دوزخ اور جنت کے احوال پہ مکمل اطلاع ہے کیونکہ ان سب کی علت غائیہ حضور کی ذات ہے

یعنی یہ سب چیزیں حضورؐ ہی کی وجہ سے معرضِ وجود میں آئیں، پھر حضور علیہ السلام کی تمیز اس کائنات کا مکمل تجزیہ کرتی ہے، اجرام فلکیہ میں آپ کے پاس ایسی تمیز ہے جس سے آپ جانتے ہیں کہ یہ آسمان کہاں سے پیدا کیے گئے کب پیدا کئے گئے اور کیوں پیدا کئے گئے اور ہر آسمان کس کس طرح بنایا گیا ہے۔ اور یونہی آپ کے پاس ہر آسمان کے فرشتوں کے متعلق تمیز ہے کہ وہ کہاں پیدا کئے گئے اور کب پیدا کئے گئے۔ اور ان کے مختلف مراتب و راتبانی درجات کی بھی حضور علیہ السلام تمیز رکھتے ہیں اور آپ کے پاس ستر پردوں کی تمیز ہے اور ہر پردہ کے ملائکہ کی صفت سابقہ پر آپ تمیز رکھتے ہیں اور آپ عالم علوی کے نورانیت بخش اجسام کی شناخت رکھتے ہیں، سورج، چاند، لوح اور قلم اور برزخ اور جو روحیں اس میں ہیں ان کی سابق وصف پر تمیز رکھتے ہیں اور یونہی آپ کے پاس ساتوں زمینیں اور ہر زمین کی مخلوقات خشکی اور سمندر کی ہر چیز صفت سابقہ پر تمیز ہے۔ اور یونہی آپ کے پاس جنت اور اس کے درجات اور اس کے رہنے والوں کی تعداد اور ان کے مقامات کی تمیز ہے اور ان کے علاوہ بقیہ جہانوں میں بھی آپ کی تمیز یونہی ہے۔ اور اس تمیز کو علم قدیم ازلی جس کے معلومات کی انتہا نہیں ہوتی سے تقابل نہیں ہے کیونکہ جو کچھ علم قدیم میں ہوتا ہے وہ اس عالم میں منحصر نہیں بے شک اسرار ربوبیت اور اوصاف الوہیت جن کی کوئی انتہا نہیں اس جہان میں کسی شے کے درجہ میں نہیں ہیں، پھر روح جب ذات سے محبت کرتی ہے تو محبت اس تمیز کی وجہ سے دیرپا ہو جاتی ہے تو اسی لیے حضورؐ کی ذات تمیز سابق جس سے کل عالم محو حیرت ہے سے ممتاز کر دی گئی۔ اس اللہ کی پاکیزگی ہے جس نے آپ کی ذات کو اس تمیز سے مشرف اور مکرم کیا اور اس کی قدرت بخشی، روح کا چوتھا پہلو (بصیرت)، یہ فہم کا تمام اجزائے روح میں اتر جانے سے تعبیر ہے جس طرح روح کے اجزا میں تمام حواس سرایت کرتے ہیں مثلاً دیکھنا، سننا، سونگھنا، چکھنا، چھونا پھر ان سب کے ساتھ علم بھی قائم ہوتا ہے اور دیکھنا تمام دیکھی جانے والی اشیا کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور سونگھنا تمام سونگھی جانے والی چیزوں کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور چکھنا تمام چکھی جانے والی اشیا سے قائم ہوتا ہے، اور چھونا تمام چھوئی جانے والی اشیا سے قائم ہوتا ہے یہاں تک کہ جز ہر حس سے ایسا جو ہر نہیں ہو کہ مگر اس کے ساتھ علم یعنی جاننا۔ سمع یعنی سننا۔ بصر یعنی دیکھنا، شم یعنی سونگھنا۔ ذوق یعنی چکھنا۔ لمس یعنی چھونا، پھر ایک دیکھنا بواقیہ اعراف و جوانب جہت سے اس طرح

باقی حواس کو بھی ہر طرف سے اپنے مناسب حال ادراک ہوتا ہے، پھر جب رُوح ذات سے محبت کرنے لگ جائے اور ان دونوں کے درمیان سے حجابات اُٹھ جائیں تو پھر ذات کی نظر دور دراز تک پھیل جاتی ہے اور یہ ذات اپنے آگے اور پیچھے نیچے اُوپر اور دائیں بائیں اپنے تمام جواہر سے دیکھ لیتی ہے اور اسی انداز سے ذات کا سُننا اور سونگھنا ہوتا ہے، آخر کار جب رُوح ذات ہی کی ہو کر رہ جائے تو ذات پاک اور رُوح شریف کے درمیان سے حجاب اُٹھ جاتے ہیں، حضور علیہ السلام کی عُمر ابھی بہت چھوٹی تھی کہ ملائکہ نے آپ کا سینہ مُبارک چاک کیا اس وقت آپ کی ذات اور رُوح کے درمیان مضبوط اور گہرا تعلق باقی تھا تو آپ کی ذات ہر اس چیز سے خبردار تھی جس چیز سے آپ کی رُوح مطلع تھی اسی لیے حضور علیہ السلام جس طرح اپنے آگے دیکھتے تھے اسی طرح اپنے پیچھے بھی دیکھتے تھے اور بے شک نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو فرمایا کہ تم رکوع اور سجود اچھی طرح کیا کرو بے شک میں تمہیں اپنے پیچھے ایسے ہی دیکھتا ہوں جس طرح تمہیں اپنے سامنے دیکھتا ہوں، اور یہی اس حدیث کا اصل راز ہے اللہ بزرگ برتر سب سے زیادہ جاننے والا ہے، رُوح کا پانچواں پہلو (عدم الغفلت) اور یہ تعبیر ہے صفات جہالت کی اس چیز سے مکمل نفی جس چیز کا رُوح کو علم ہو یا رُوح اسے دیکھے اور اسے معلوم چیز میں بھول چُوک اور غفلت لاحق نہیں ہوتی خواہ معلوم کیسا ہی ہو جسے روح پہنچ جائے، اور رُوح کے نزدیک حصول معلومات آہستہ آہستہ نہیں ہوتا بلکہ یہ آن واحد میں رُوح جس چیز کو دیکھے اس کا حصول فی الفور ہو جاتا ہے اور یہ نہیں ہوسکتا کہ روح جب ایک چیز کی طرف متوجہ ہو تو دوسری چیز بے خبر رہے بلکہ روح جب ایک چیز کی توجہ کرتی ہے تو ساتھ ہی ساتھ اسے اس چیز کے غیر کا حصول بھی ہوتا رہتا ہے بلکہ رُوح کو کسی ایک شے کی طرف توجہ دینے کی محتاجی نہیں کیونکہ رُوح میں علوم فطری پائے جاتے ہیں پھر رُوح پہلی فطرت میں اشیاء کے علوم کا حصول یکبارگی کر لیتی ہے پھر یہ حصُول علم اس کے لیے دائمی ہو جاتا ہے جس طرح رُوح کی ذات کو دوام ہے اور عدم غفلت سے یہی مُراد ہے اور یہ درجہ ہر رُوح کے لیے ثابت ہے، اندازہ علم میں رُوحیں مختلف ہوتی ہیں بعض کے علوم زیادہ اور بعض کے کم ہوتے ہیں بلحاظ علم سب رُوحوں سے بڑی اور بلحاظ نظر سب روحوں سے طاقتور رُوح ہمارے آقا و مولیٰ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے حضور کی رُوح مُبارک تمام روحوں کی یعسوب[1] ہے

---

[1] شہد کے پورے چھتے کی مکھیوں کے سردار مکھی یعسوب کہلاتی ہے۔ (لغت ابراہیمیہ)

یعنی بادشاہ اور سردار ہے اور آپ کی رُوح کائنات کی ہر چیز سے یکبارگی بغیر ترتیب اور بلا مُہلت باخبر ہے کیونکہ آپ کی رُوح اور ذات کا باہمی گہرا تعلق ہے وہ رُوح غافل نہ ہونے میں ذات کی مدد کرتی ہے یہاں تک کہ ذات غفلت لاحق ہوئے بغیر کائنات کی ہر چیز سے مطلع ہو جاتی ہے۔ لیکن اطلاعِ ذات اور اطلاعِ رُوح میں فرق ہے ذات کو اطلاع تدریج اور مُہلت سے ہوتی ہے جب کہ رُوح کو بلا ترتیب و تدریج یکبارگی اطلاع ہوتی ہے۔ درحقیقت اس کائنات میں کوئی چیز بھی جس کی طرف توجہ ہو اس کا علم ضرور حاصل ہو جاتا ہے لیکن حصولِ علم کے لیے توجہ ناگزیر ہے جب ذات کی توجہ دوسری شے کی ہو تو اس دوسری چیز کا علم حاصل ہوگا اور یُونہی ذات کو فرداً فرداً کائنات کی ہر چیز کا علم حاصل ہو جاتا ہے اور ذات کو کائنات کی ہر چیز کے علم پر تسلط اور وثوق ہو جاتا ہے لیکن بار بار توجہ ضروری ہوتی ہے۔ جسمانی ذات کی طاقت رُوحانی طاقت کے برابر یکبارگی ہر چیز کا حصولِ علم نہیں کر سکتی اور یُونہی ذات اور رُوح عدمِ غفلت میں مختلف ہیں، رُوح کی عدمِ غفلت کی تشریح تو ہو چکی اور ذات کی عدمِ غفلت کا مفہوم توجہ پر منحصر ہے یعنی جب ذات ایک چیز کی طرف توجہ کرتی ہے تو اس شے کا حصول ذات بے خطا ہو جاتا ہے اور ذات کو اس کی طرف توجہ کرنے میں بھُول چوک اور غفلت لاحق نہیں ہوتی، اور جب ذات شے کی طرف توجہ ہی نہ کرے تو ذات اس شے سے غافل ہو جاتی ہے۔ اور ذات کو اس شے کے ادراک میں سہو اور نسیان واقع ہو جاتا ہے اسی لیے حضور نے بروایت صحیح بخاری فرمایا ہے۔ کہ میں بشر ہوں اور میں تمھاری طرح بھُول سکتا ہُوں جب میں بھُول جاؤں مجھے یاد دلا دیا کروؐ[1]۔ رُوح کا چھٹا پہلو (قوتِ سَریان) یہ عبارت ہے رُوح کو اللہ تعالیٰ کا قدرت عطا کرنا کہ وہ اجسام کو پھاڑ کر ان کے اندر دھنس جائے، تو پہاڑوں اور سخت پتھروں اور دیواروں کو پھاڑ کر ان کی گہرائی میں چلی جاتی ہے اور ان کے اندر جہاں چاہے پھرتی رہتی ہے اور جب رُوح ذات میں سکونت اختیار کرے اور ذات سے مُحبت کرنے لگے اور ذات سے گہرا ربط قائم کرے تو رُوح اس قوتِ سَریان میں ذات کی مدد کرنے لگ جاتی ہے تو پھر ذات وہی کچھ کرتی ہے جو رُوح کی کارکردگی ہوتی ہے، مثلاً حضرت ذکریا علیٰ نبیّنا علیہ السّلام ان کی قوم نے ان کے قتل کا ارادہ کیا تو آپ ان سے بھاگ نکلے اور ایک درخت کے اندر داخل ہو گئے اس بنا پر کہ آپ کی رُوح نے آپ کی ذات کی مدد قوتِ سَریان سے کی کیونکہ آپ کی رُوح کو آپ کی ذات سے

---

[1] حضورؐ کا یہ فرمان بطورِ عاجزی و انکساری تھا اور عامۃ الناس کی عزتِ نفس کو ملحوظ رکھا ورنہ حضورؐ کی ذات سہو و نسیان و ذہول سے پاک تھی۔

والہانہ محبت تھی تو ذات ذکریا نے درخت کا جسم پھاڑ دیا اور اس میں داخل ہو گئی اسی وجہ سے اولیا کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا وجود بھی ایسی جگہ واقع ہو سکتا ہے کہ جس جگہ کا دروازہ نہ کھلا ہو، بنابریں اولیا اللہ اپنی رفتار کے ایک قدم سے مغرب اور دوسرے قدم سے مشرق کی طویل مسافت طے کر لیتے ہیں حالانکہ انسانی جسم چشم زدن میں مشرق و مغرب کی ہوا کو پھاڑنے کی ہمت نہیں رکھتا کیونکہ ہوا انسانی اعضا اور جوڑوں کو علیحدہ علیحدہ خون اور تمام رطوبتوں کو خشک کر سکتی ہے لیکن جب رُوح ذات کی مدد کرے تو ذات سے وہی واقع ہو جاتا ہے جو رُوح واقع کر سکتی ہے، اسی ضمن میں معراج اور اسرا کا قصہ بھی آتا ہے کہ بے شک نبی علیہ السلام مکان سے لامکان پر پہنچے پھر مدت قلیل میں لوٹ بھی آئے۔ یہ سب کچھ رُوح کے عمل سے تھا کہ اس نے آپ کی ذات کی قوتِ رُبانی سے مدد کی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ رُوح کا ساتواں پہلو (عدم الاحساس بمؤلمات الاجرام) یعنی جسمانی الیموں کو محسوس نہ کرنا مثلاً بھوک، پیاس، سردی اور گرمی وغیرہ، بے شک رُوح بھوک، پیاس سردی گرمی سے کچھ محسوس نہیں کرتی اور نہ ہی ان اشیا کی نسبت رُوح کی طرف ہوتی ہے، اور یوں جب کوئی گرم مادہ پھٹ جائے تو اس کی گزند اور تکلیف رُوح کو نہیں پہنچتی، اور یونہی جب رُوح کا گزر متعفن بدبُودار جگہ سے ہو تو اس گندی بُو سے رُوح کو کچھ ضرر نہیں پہنچتا، اور نہ ہی اسے کچھ کوفت ہوتی ہے، حالانکہ اس آخری امر میں مزاج کو سخت دشواری لاحق ہوتی ہے اور وہ خوشبُو کی طرف میلان کرتا اور بُری بُو سے بے حد نفرت کرتا ہے، اگر رُوح کو یہ قوّت برداشت نہ ہوتی تو وہ ذات میں ایک لمحہ کے لیے قرار و سکون کی متحمل نہ ہوتی اور اللہ بہتر جانتا ہے، یہ سات پہلو سب رُوحوں کے لیے ضروری ہیں، اسی لیے ہم نے رُوح کے متعلق کہا ہے کہ بے شک رُوح میں تقریباً کئی پہلو ہیں لیکن ان پہلوؤں میں رُوحیں مختلف ہیں یہ بیان پہلے ہو چکا ہے اور ان سب میں سے کون سی رُوح اعلیٰ ہے اس کا ذکر بھی پہلے کیا جا چکا ہے کہ وہ رُوح محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور یہ بھی پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ رُوح کی جتنی اوصاف ہیں وہ سب ذاتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثابت ہیں۔

سیدی عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ اپنے فرمودہ جواہر میں روح کی سات اقسام کے بعد علم اور اس کی اجزا کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں (العلم) یعنی علم سے ہماری مُراد وہ کامل

علم ہے جو صفائی اور پاکیزگی میں انتہا کو پہنچا ہوا ہو اور اس علم میں سات فاصلے جمع ہوتے ہیں جن کا ذکر آنے والا ہے دباغ فرماتے ہیں کہ جاننا چاہیے کہ علم عقل کا نور ہے اور عقل رُوح کا نور ہے اور رُوح ذات کا نور ہے اُوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ جس پاک ذات اور رُوح کے درمیان سے حجابات اُٹھ جائیں تو وہ ذات ہر اس چیز سے متصف ہوتی ہے جو رُوح کے لیے سابقہ انوار ذکر کئے گئے ہیں، نیز اسی طرح جب رُوح طہارت اور پاکیزگی میں مکمل ہو جائے تو رُوح اس سے متصف ہوتی ہے جو چیز نورِ عقل کے لیے ثابت ہو یہی اصل علم ہے اور یہ سات انوار جو علم میں پائے جاتے ہیں رُوح ان سے متصف ہوتی ہے یہ ایک صفت رُوح کی ماسبق سے زیادہ ہے، علم کی پہلی جز (الحمل للمعلومات) یعنی معلومات کو حاصل کرنے کی تیاری۔ دوسری جز، (عدم التضییع) یعنی کسی معلوم شے کا ساقط نہ ہونا، تیسری جز، معرفت اللغات واصوات الحیوانات والجمادات) یعنی زبانوں اور جاندار و غیر جاندار کی آوازوں کو پہچاننا، چوتھی جز (معرفت العواقب) یعنی نتائج کی پہچان۔ پانچویں جز (معرفت العلوم المتعلقہ باحوال الثقلین الانس والجن) یعنی انسانوں اور جنوں کے احوال سے متعلق علوم کی پہچان۔ چھٹی جز (معرفت العلوم المتعلقہ باحوال الکونین) یعنی عالم علوی اور عالم سفلی کے احوال سے متعلقہ علوم کی پہچان۔ ساتویں جز (انحصار الجہات فی جہۃ واحدہ وہی جہۃ امام) یعنی تمام جہتوں کا سامنے کی ایک جہت میں سما جانا۔

ان سب کی شرح نہایت عمدہ ہے۔ علم کی دوسری جز (عدم التضییع) کے متعلق دباغ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ علم میں ایک نور ہوتا ہے جو اس امر کا متقاضی ہے کہ اس کی معلومات سے کوئی چیز باقی نہ رہ جائے مگر جو باقی رہنے کا مستحق ہو، تو پھر یہ نور اس کے وصول کی نااہل سے حفاظت اور نااہل کی طرف وہ معلوم، ایسا نہیں پہنچتا فرض کیا جائے کہ وہ معلوم نااہل تک پہنچ گیا ہے تو پھر وہ معلوم [illegible] اہل سے واپس کر لیا جاتا ہے اور اسے مطلق نادان چھوڑ دیا جاتا ہے اور وہ معلوم اپنے اصل کی طرف عود کرتا ہے اور وہ علم اسی معلوم کی بجائے اس شخص سے حکایت کرتا ہے جس کا اہل نہ ہو۔ [illegible] علیہ السلام [illegible] علوم سے گفتگو فرماتے اور نیکوکار اور گنہگار، مومن و منافق برابر سنتے مگر وہ کلام فاجر اور منافق کے پاس نہ [illegible] تو قرار پکڑتی اور نہ ہی اس کے دل پر نقش ہوتی جس لیے کہ [illegible] اپنے اصل پاک اور روشن محل کی طرف لوٹائے جاتے اور وہ سرکار نبی علیہ السلام کی ذات ہوتی ہے بہرحال جب ایمان و محبت رضی اللہ عنہ [illegible] والے اور محبوب کو قبول کرنے کلام کو

ہوتے ہیں۔ جس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا[1] وہ اس کے زیادہ سزاوار اور اس کے اہل تھے۔

تو جب وہ ان انوار کو سُنتے ہیں تو ان کے باطن ہونے پر وہ کلام ان میں قرار پکڑ لیتی ہے۔

سیّدی عبدالعزیز دباغ اپنے فرمودہ جواہر میں اجزائے علم کے بعد رسالت کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس کی پہلی جز، رُوح کا ذات میں رضا و محبّت و قبول کے طور سکون اختیار کرنا، دوسری جز، حاضر و غائب کا مکمل علم، تیسری جز، ہر قول و فعل میں سچائی و راستی، چوتھی جز، اطمینان و وقار، پانچویں جز، پورا پورا مشاہدہ، چھٹی جز، موت کے باوجود زندگی، ساتواں جز، کہ وہ اہل بہشت کی طرح زندہ رہے۔ پانچویں جز مشاہدہ کے علاوہ سب کی تشریح کی ہے کیونکہ مشاہدہ عقل سے اونچا ہوتا ہے اس لیے اس کی شرح کی کوئی راہ نہیں نکلتی۔

دباغ رحمۃ اللہ علیہ نے رسالت کی جز اوّل پر کہا کہ وہ رُوح کا ذات میں بطریق رضا و محبّت و قبول و سکون ہوتا ہے اس لیے کہ پاک ذاتوں میں ان کے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے سبب انوار و تجلّیات بکھر جاتے ہیں اور ان انوار میں کمی اور زیادتی کے اعتبار سے رُوح کا ذات میں سکون کمزور یا قوی ہوتا ہے اس لیے کہ نُور نُور کی طرف زیادہ میلان و رغبت کرتا ہے اور رُوحیں ان انوار سے ہیں کہ اللہ پر ایمان لانے کے سبب سے علاوہ ذات کے نُور سے زیادہ مؤثر اور جلد بخش ہوتی ہے۔ پھر جب یہ نُور ذاتوں میں کسی ذات کے اندر دیکھا جائے تو رُوح اس کی طرف رغبت کرتی ہے۔ اور اسے شیرینی اور پسندیدہ مٹھاس سے بہرہ ور کر دیتی ہے، اور اس رُوح کا سکون اس ذات میں جس کا اندازہ ایک گز بھر ہو اس ذات کی طرح نہیں جس کا اندازہ دو گز کے برابر ہو، اسی طرح پھر یہ نور ایمان اجر و ثواب کی وجہ سے بلحاظ نعمت جنت میں بڑھتا ہے اس نور کی بدولت نیکو کار جنت میں انعام و اکرام پائیں گے، دباغ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اگر ہم فرض کریں کہ دو آدمی نورِ ایمان میں بالکل ایک ہیں ان میں سے ایک شخص دن بھر نیک عمل میں مصروف رہے پھر وہ دونوں رات کو ایک ہی وقت میں سو جائیں تو جس شخص نے دن بھر نیک عمل کیا دوسرے شخص جس نے کوئی عمل نہ کیا سے زیادہ نورانی رات بسر کرتا ہے، دباغ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ کسی عمل اجر و ثواب رسالت سے بڑھ کر نہیں ہے اسی لیے مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے برابر درجہ ایمان میں کوئی کبھی نہیں پہنچ سکتا۔

[1] پ ۲۶، س فتح، آیت ۲۶

پھر وہ مُرسلین اتباع کی کی زیادتی میں مختلف ہیں تمام مُرسلین میں سے کوئی ایسا رسُول نہیں ہے جو کثرتِ اتباع میں حضور علیہ السلام کا ہم پلہ ہو تو ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا تمام مُرسلین کے اجُور سے برتر ہے تو پھر حضور علیہ السلام کے نورِ ایمان کو عظمت دی گئی یہاں تک کہ وہ اس انتہا کو پہنچا جہاں نہ کیفیات ہیں اور نہ عقل وخرد کو رسائی، پھر لازم ہے کہ جو سکُون رُوح کو مُرسلین کی ذاتوں میں ہے وُہ سکون غیر مُرسل کی ذات میں رُوح کو نہیں ہوتا، اور یہ وہ سکُون خاص ہے جسے ہم نے رسالت کی اجزا سے شمار کیا ہے، بے شک وہ جان چکا ہوگا کہ رُوح کو جو سکون ہمارے نبی علیہ السلام کی ذات میں ہے وہ سکون تمام مرسلین کی ذاتوں سے بڑھ کر ہے تو یہ جُز بھی حضور علیہ السلام کی ذات میں علی وجہ الکمال موجود ہوا ۔

خواب میں حضور کی زیارت

سیدی عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ اپنے فرمودہ جواہر میں اپنے قول باب اوّل میں اس چیز کے دوران جو سونے والا اپنے خواب میں دیکھے، فرماتے ہیں، اور بہرحال جو شخص سید کل کائنات کو خواب میں دیکھے تو اس کا خواب دو قسم پر تقسیم ہوگا۔

پہلا قسم جس میں کوئی تعبیر نہیں ہوتی اور وہ یہ ہے کہ دیکھنے والا حضور علیہ السلام کو اس حالت میں دیکھے کہ جس حالت پر دنیا کے اندر صحابہ کرام سرکار کے رُخِ زیبا کا مشاہدہ کیا کرتے تھے پھر اگر دیکھنے والا صاحب فتح اور اہل عرفان وشہود ہے تو اس نے آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک ہی دیکھی ہے اور اگر دیکھنے والا صاحب فتح اور اہل عرفان وشہود نہ ہو تو اس شخص کو حضور کا ذاتی دیدار نادر الوقوع ہے اور کبھی زیادہ بھی ہو سکتا ہے بایں طور کہ حضور کی ذات شریفہ کی صورت دیکھے اور عین ذات نہ دیکھے اس لیے کہ حضور کی ذات مقدسہ کے لیے کئی صورتیں ہیں۔ جو بیداری اور خواب میں بہت سی جگہوں پر دیکھی جاتی ہیں اس لیے کہ حضور علیہ السلام کی ذات کے لیے ایسا نوُر ہے جو ذات سے برآمد ہوتا ہے اور بے شک اس نوُر سے کُل عالم پُر ہو جاتا ہے اور کوئی جگہ باقی نہیں رہتی جس میں سرکار کا پاک نوُر موجود نہ ہو، پھر یہی نوُر حضور علیہ السلام کی ذات میں ظاہر ہوتا ہے جس طرح آئینہ میں چہرے کی صورت نمودار ہوتی ہے، پھر وہ نوُر اتم

کر ایک آئینہ میں پہنچتا ہے اور کل کائنات اس نور سے بھر جاتی ہے اور اس آئینے میں حضور علیہ السلام کی ذاتِ کریمہ چھپی ہوئی ہوتی ہے پھر اس مقام سے حضور علیہ السلام کو جس نے دیکھا ہے ایک شخص مشرق میں ہوتا ہے اور دوسرا مغرب میں تیسرا جنوب اور چوتھا شمال میں اور کئی تو ہیں تعداد و شمار سے باہر ہیں جو ایک ہی وقت میں مختلف جگہوں پر حضور علیہ السلام کے دیدار سے مشرف ہوتی ہیں اور ان میں سے ہر ایک شخص حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس ہی دیکھتا ہے اور یہ اس لیے کہ جس نور کریم میں ذات چھپتی ہے وہ ان میں سب کے ساتھ ہوتا ہے، صاحب جب صورتِ پاک کو اپنے پاس دیکھتا ہے تو اپنی بصیرت سے ان کی اتباع کرتا ہے پھر اس صورت کے نور کو طے کر کے ذاتِ کریمہ کے مرکز تک رسائی حاصل کر لیتا ہے اور کبھی کبھی یہ کیفیت جس کے لیے فتح و عرفان نہ ہو محض اللہ تعالیٰ کے احسان سے واقع ہو جاتی ہے کہ وہ ذاتِ کریمہ کے دیدار سے مشرف ہو جاتا ہے، بایں طور کہ حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم اس شخص کے پاس اس کے گھر میں تشریف لاتے ہیں جس طرح حضور علیہ السلام جب اس شخص سے سچی محبت درجہ کمال میں معلوم کر لیتے ہیں تو پھر یہ معاملہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہوتا ہے جسے چاہیں اپنی ذاتِ کریمہ دکھا دیں اور جسے چاہیں اپنی صورت دکھا دیں اور نبی علیہ السلام کے ظہور کے لیے کئی صورتیں ہیں اور یہ صورتیں انبیأ اور مرسلین کی تعداد کے برابر اور اُمت مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے اولیا کرام حضور کے زمانہ اقدس سے لے کر قیامت تک کی تعداد کے مساوی ہیں اور تعداد مذکورہ کی صحت غیر معلوم ہے اور کہا گیا ہے کہ انبیأ اور مرسلین کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور نبی علیہ السلام کی وہ صورتیں جن میں آپ کی ذاتِ کریمہ کا ظہور ہوتا ہے ان کی تعداد بھی ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور اسی تعداد کے برابر اُمت محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کے اولیا کرام ہیں تو اس حساب سے حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات کا ظہور دو لاکھ اڑتالیس ہزار صورتوں میں ہوتا ہے اس لیے کہ تمام انبیأ و اولیا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور سے فیضیاب ہوتے ہیں اس مقام سے بعض اوقات مریدین کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دیدار اپنے شیوخ کی ذاتوں میں واقع ہوتا ہے۔

دوسری قسم، کہ ایک شخص نے حضور کو بعالم خواب میں دیکھا اور اس میں تعبیر ہو سکے اس جگہ تعبیر درجہ تاریکی کے لحاظ سے ہے نہ کہ تاویل خواب کی تعبیر کیونکہ حضور کو خواب میں دیکھنا

ایک حقیقت جس میں تاویل نہیں بے شک جو شخص سرکار کو بعالم خواب دیکھے یقیناً وہ حق دیکھتا ہے، دباغ رحمۃ اللہ علیہ تاریکی کے ان درجات کے متعلق وضاحت فرماتے ہیں جو خواب میں مختلف الوقوع ہیں۔
جس شخص نے حضور کو دیکھا اور سرکار اسے دنیا کی طرف رغبت دلا رہے ہوں یہ دیکھنے والے کی اپنی ذات میں پہلے درجہ کی تاریکی ہے، اور اسے سہو مکروہ کہتے ہیں اور ایسے خواب میں کئی تاریکیاں ہوتی ہیں کیونکہ نبی علیہ السلام کی ذاتِ کریمہ تو دائمی حق پر دلالت کرتی ہے نہ کہ فانی دُنیا پر، اور جو شخص حضور علیہ السلام کو اس حال میں دیکھے کہ سرکار اسے مال عطا فرما رہے ہیں تو یہ اس کی ذات میں دوسرے درجہ کی تاریکی ہے اور اسے سہو حرام کہا جاتا ہے اور اس مقام کی تاریکی بہت قوی ہے کیونکہ فانی چیز کا دے کر مالک بنا دینا اس کی طرف اشارہ کرنے سے زیادہ قوی ہوتا ہے، اور جس شخص نے سرکار کو گندی جگہ دیکھا یہ اس کی ذات میں تیسرے درجہ کی تاریکی ہے جسے مکروہ ارادہ کہا جاتا ہے، اور جس نے حضور پُر نور کو چھوٹے سے جوان کی صورت میں دیکھا یہ اس کی ذات میں چوتھے درجہ کی تاریکی ہے اور یہ ارادہ حرام ہے، اور جس نے نبی علیہ السلام کو بہت بڑی صورت میں بے ریش دیکھا یہ اس کی ذات میں پانچویں درجہ کی تاریکی ہے اور اسے خفیف عقیدہ میں جہل بسیط[1] کہا جاتا ہے، اور جس نے حضور علیہ السلام کو بہت کالا سیاہ دیکھا، یہ اس کی ذات میں چھٹے درجہ کی تاریکی ہے اور یہ حقیقت عقیدہ میں جہل مرکب[2]۔

تنبیہ درجات کی تاریکیوں میں کلام کرتے ہوئے عقیدۂ خفیفہ اور عقیدہ ثقلیہ کی حقیقت میں دباغ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عقیدہ خفیفہ میں پانچویں درجہ کی تاریکیاں ذات پر جہل بسیط کی وجہ سے داخل ہوتی ہیں اس لیے کہ عقیدہ دو قسم خفیفہ اور ثقیلہ۔

(عقیدۂ خفیفہ) اس امر کا اعتقاد کرنا کہ اللہ تعالیٰ کا آخرت میں دیدار ہو گا اور اللہ پر جزا یعنی ثواب وعقاب واجب نہیں بلکہ ثواب محض اللہ کے فضل سے ملے گا اور عذاب اس کے عدل و انصاف سے ہو گی اور بے شک اللہ تعالیٰ اپنے کام میں کسی واسطہ کا مطلقاً محتاج نہیں ہے، اور بے شک

---

[1] مطلقاً کسی شے کی حقیقت سے بے خبر ہونا جہل بسیط کہلاتا ہے۔ (مترجم)
[2] اعتقاد کرنا کہ ایک شے کی ماہیت اپنی خلاف شے کی ماہیت اختیار کرے جیسے ماہیت زر کو نقرئی ماہیت جاننا وغیرہ جہل مرکب کہلاتا ہے۔ (مترجم)

تمام واسطے اور ان کے لوازم سب کے سب اللہ تعالےٰ کے افعال سے ہیں مثلاً آگ اور اس کا جلانا، کھانا اور اس کا سیر کرنا، تلوار اور اس کا کاٹنا یہ سب کچھ اللہ تعالےٰ کے فعل سے ہے اور بے شک جنت ابھی سے موجود ہے اور دوزخ بھی ابھی سے موجود ہے، اور بے شک اللہ تعالیٰ کسی پر دنیا و آخرت میں ظلم نہیں کرتا، یہ عقیدہ صحیحہ ہے اس عقیدہ کا پابند درحقیقت مومن اور اس کا ایمان کامل ہوتا ہے۔
اور جو شخص اس عقیدہ سے بے خبر ہو اور یہ اعتقاد کرے کہ اللہ کا دیدار نہیں ہوگا اور جزا یعنی ثواب و عقاب اس پر واجب ہے اور وہ اپنے کاموں میں کسی نہ کسی واسطہ کا محتاج ہوتا ہے جنت اور دوزخ ابھی موجود نہیں ہیں۔ اس عقیدہ والے کو قیامت کے دن غیر عقیدہ کے جرم کی پاداش میں عقاب پر عقاب ہوگی۔

(عقیدہ ثقیلہ) یہ وہ عقیدہ ہے کہ جب کوئی شخص اس سے بے خبر ہو جائے، وہ آتش دوزخ میں ہمیشہ ٹھہرنے کا مستوجب ہوگا، مثلاً اعتقاد کرنا کہ اللہ تعالےٰ موجود ہے اور اس کا وجود قدیم ہے دنیا باقی رہے یا فنا ہو جائے اور بے شک اللہ تعالیٰ کا ہر فعل اختیاری ہوتا ہے اور اس کا کوئی کام طبع و علت سے نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ ہمارے سب کاموں کا خالق ہے اور ہمارے ان افعال کے متعلق کچھ بھی نہیں اور بڑے سے بڑا شخص اس کی زمین کے ملک میں اس کا شریک نہیں ہو سکتا جیسے بادشاہ اور وزراء اور نہ ہی کوئی اس کا آسمانوں میں شریک ہے جیسے سورج، چاند ستارے اور تمام فرشتے اور بے شک اللہ تعالےٰ سنتا ہے، دیکھتا ہے اور جانتا ہے۔ یہ عقیدہ ثقیلہ ہے۔ عقیدہ صحیحہ کے ساتھ ساتھ جب بندہ اس عقیدہ کو اپنا لیتا ہے تو اس کا ایمان مکمل ہو جاتا ہے اور جب کوئی شخص اس عقیدہ سے مطلقاً جاہل ہو یا اس میں سے کسی شے سے ناواقف ہو تو اس شخص پر جہنم کی آگ میں ہمیشہ ٹھہرنا لازم و ثابت ہو جاتا ہے۔ ہم جنت سے آتش دوزخ سے سلامتی چاہتے ہیں۔

جناب جبرائیل علیہ السلام کا ابتدائے سلوک میں کچھ تحیر ہونا

[illegible]

[illegible]

کر جب سید کل کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جناب جبریل علیہ السلام نے ابتداء وحی میں کچھ دیر کر دی تو نبی علیہ السلام نے پہاڑ کی چوٹی پر سے جبریل علیہ السلام کی شوق ملاقات کے لیے چھلانگ لگا دینے کا قصد فرمایا فی الفور حضرت جبریل ظاہر ہو کر عرض کرتے لگے کہ بے شک آپ رب العالمین کے محبوب رسول ہیں، پھر آپ کو اطمینان ہوا اور اپنے ارادہ کو ترک کیا، ابن مبارک کہتے ہیں میں نے اپنے شیخ دباغ رضی اللہ عنہٗ سے سوال کیا ؟

سوال پہاڑ کی چوٹی سے اپنے آپ کو گرانا خودکشی کے مترادف ہے اور کبیرہ گناہوں میں سے ہے اور ایسے فعل کا ارادہ گناہ ہے اور انبیا علیہم السلام بالعموم اور سید کل کائنات صلے اللہ علیہ وسلم بالخصوص بعثت سے پہلے اور بعد تمام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔

جواب سیدی عبدالعزیزؒ نے فرمایا، کہ میں ایک شخص کو اچھی طرح پہچانتا ہوں جس نے اپنی ابتدا ہی میں اپنے گھر کی چار دیواری سے نوے مرتبہ ایک ہی دن میں نیچے چھلانگیں لگائیں اور اس سے اس کا کچھ بھی نہ بگڑا جس طرح بستر پہ سونے سے سوتے والے کو کوئی گزند نہیں پہنچتی اور اس کیفیت کا اصل سبب یہ ہوتا ہے کہ بے شک روح کے لیے شروع ہی سے ذات پر دسترس اور غلبہ ہے اور موجود مخلوق کی نسبت روح کے لیے ایک حد پر برابر ہے۔ اور یہ ہوا میں اسی طرح آلتی پالتی لگا سکتی ہے جس طرح سطح زمین پر آلتی پالتی لگا کر بیٹھا جا سکتا ہے اور یہ ہوا میں چت سو سکتی ہے، جس طرح کوئی شخص اپنے بستر پر سو رہا ہو، نیز پتھر، ریشم، اُون، پانی روح کو تکلیف نہ دینے میں برابر ہیں، پھر اس چھلانگ لگاتے میں حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو معمولی خراش کا بھی اندیشہ نہ تھا چہ جائیکہ ارادہ قتل اور خودکشی، اور اس ارادے میں کچھ مواخذہ نہیں ہے۔ ابن مبارک کہتے ہیں کہ جس آدمی نے اپنے آپ کو نوے مرتبہ دیوار سے گرایا تھا وہ ہمارے شیخ سیدی عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے، یہ میں نے ان سے اس سوال کا جواب دیتے وقت سُنا۔

سیدی عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ کے فرمودہ جواہر میں جو صاحب ابریز نے اپنے اس قول پر ذکر کیا کہ میں نے شیخ رضی اللہ عنہٗ سے حضور کے اس قول پر سُنا کہ مجھ پر جبریل علیہ السلام کبھی مخفی نہیں رہے مگر اس مرتبہ اس حدیث کی تخریج امام مسلم قشیری نے کی ہے کہ جبریل نے حضورؐ سے

ایمان واسلام اور احسان کے متعلق سوال کیا اور سرکار نے فرمایا کہ سائل کو لوٹا دو پھر فرمایا کہ اسے تلاش کرو کہ وہ جبریل علیہ السلام ہیں اور وہ مجھ پر اس مرتبہ پوشیدہ رہے ہیں - دباغ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام کی اس پوشیدگی میں ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی بزرگی اور تکریم عیاں ہوتی ہے اور آپ کی بلندی شان کی تعظیم ہے، اور یہ ایسی شے ہے کہ کسی کو اس کی پہچان کی قدرت نہیں مگر جس کے حال پر اللہ تعالٰے اپنی رحمت ارزانی کر دے، اور یہ اس لیے ہے کہ حق سبحانہٗ کے مشاہدہ میں بعض اوقات حضور علیہ السلام کی ذات کو مکمل استغراق حاصل ہوتا ہے تو آپ کی ذات کی دوست داری اور رشتہ داری اور تمام رگہائے بدن اجزا جسم منقطع ہو جاتے ہیں، اور آپ کی ذات کا نور حق سبحانہٗ کے نور میں چھپ جاتا ہے پھر حضور کی ذات سے غیر اللہ سے منقطع لیکن محفوظ ہوتی ہے اور اس کا ہر کام اور گفتار حق ہوتی ہے، پھر جب فرشتوں نے حضور علیہ السلام کی اس حالت کو دیکھا تو انہیں علم ہوا کہ اس حالت کے حصول کی اللہ کی مخلوق میں کسی کو طاقت نہیں اور بے شک نبی علیہ السلام نے ملائکہ کی طرف سرے سے کوئی توجہ نہ دی اور انہوں نے آپ کی اس حالت کو غنیمت جان کر سرکار سے ایمان کے متعلق جلدی سے سوال کر دیا اور آپ سے انہوں نے ایمان لیا اور آپ کو ایمانیات میں اپنا شیخ تسلیم کیا، سرکار سے ایک فرشتے نے عرض کی، جو ایک اعرابی کے روپ میں آیا تھا، یا رسول اللہ میں آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوا کہ میں آپ پر ایمان لاؤں اور آپ کی تصدیق کروں، تو آپ مجھے بتائیں کہ میں اللہ اور اس کے رسول پر کس طرح ایمان لاؤں - پھر حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے تعلیم دی، ابن مبارک نے کہا کہ میں نے شیخ سے عرض کیا کہ ملائکہ حضور سے ایمان کی تعلیم کیوں لیتے تھے اور آپ سے ایمان کس لیے حاصل کرتے تھے جب وہ اللہ کے مکرم بندے اور مقرب فرشتے ہیں تو شیخ رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا دبدبہ اور مرتبہ بہت عظیم ہے جس نے آپ سے ایمان حاصل کرنے کے بعد کوئی تبدیلی اختیار نہ کی وہ پل صراط اور آتش دوزخ کو اپنی آنکھ سے نہ دیکھے گا، اور ملائکہ آپ کی اس علیحدگی کی حالت کو غنیمت جانتے تھے پھر میں نے عرض کیا کہ فرشتے حضور سے اس حالت کے علاوہ سوال کیوں نہیں کرتے تھے. تو شیخ رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا کہ جب حضور اپنی حس ظاہری میں لوٹ آتے اور آپ فرشتوں کو پہچان جاتے اور فرشتے معلوم کر لیتے کہ سرکار نے انہیں پہچان لیا ہے تو پھر انہیں آپ کے دبدبہ اور جلال

کی وجہ سے سوال کرنے کی قدرت نہ ہوتی تو پھر آپ کی اس ظاہری جس میں وہ اپنے آپ کو حقیقۃً اعرابیوں کے روپ میں پیش کرتے یہاں تک کہ انھیں حضور علیہ السلام کی ذات کریمہ کے نور اور مدد سے جواب مل جاتا لیکن جب آپ کی ذات حق سبحانہ کے ساتھ مشغول ہو جاتی تو پھر آپ متکلم سے صرف اس کی بات اور بولنا ہی سنتے اور اسی حالت مطلوبہ سے جواب نکلتا۔ پھر میں نے عرض کیا کہ کیا ملائکہ سرکار کی حالت ظاہری اور حالت مشغول الی اللہ کو پہچان لیتے تھے تو شیخ نے فرمایا یہ امر ملائکہ پر بھی مخفی نہیں اور ہر اس شخص پر بھی مخفی نہیں رہتا جس کی بصیرت کو اللہ تعالے کھول دے اور اللہ بہتر جانتا ہے۔

اللہ کی طرف سے آپ کو جو کچھ دیا گیا وہ آپ کی خصوصیت تھی

سیدی عبد العزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ اپنے فرمودہ جواہر میں ابریز شریف میں اپنے اس قول کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ابن مبارک کہتے ہیں کہ میں نے آپ رضی اللہ عنہ کو اس کے متعلق کہتے ہوئے سنا کہ کوئی نبی ایسا نہیں ہے مگر اسے اتنا کچھ کم از کم عطا کیا کہ اس پر آدمی ایمان لے آئے اور کچھ مجھے عنایت کیا گیا ہے میری زندگی کی قسم وہ منفرد اور مخصوص ہے۔ بے شک انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معجزات تو ان کی ذاتوں کی جنس سے تھے یا جو ان کے متعلق تھا، ان میں سے بعض معجزات ایسے تھے جو انہیں بڑی عمر میں عطا کئے گئے اور بعض وہ جو انھیں بچپن ہی سے دیئے گئے اور ساتھ ساتھ ان معجزات کی بھی تربیت ہوتی رہی یہاں تک کہ وہ انبیاؑ بڑی عمر کو پہنچے اور ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا معجزہ حق سبحانہٗ کی طرف سے اس کے نور اور مشاہدہ اور مکالمہ سے تھا اس کا سبب یہ تھا کہ نبی علیہ السلام میں ذاتی، عقلی، روحانی، اور سری قوت بے پناہ تھی یہاں تک کہ حضور، جیسے مشاہدہ کی تمام انبیاؑ میں تاب و طاقت نہ تھی، اسی لیے سرکار نے ارشاد فرمایا کہ جو کچھ مجھے عنایت کیا گیا ہے وہ مجھ ہی سے مخصوص ہے، یعنی حضور علیہ السلام کا معجزہ باقی انبیا علیہم السلام کے معجزات کی جنس سے نہیں ہے اگر یہ معجزات بزرگی اور مرتبہ کے لحاظ سے اس درجہ کو پہنچے کہ ان معجزات پر یا ان کے سبب سب آدمی ایمان لے آئیں، لیکن سرکار کا معجزہ ان سب معجزات پر فوقیت اور برتری رکھتا ہے کیونکہ آپ کا معجزہ آپ کی ذات سے نہ تھا بلکہ حق سبحانہٗ کی طرف سے تھا، پھر دباغ رحمۃ اللہ نے ایک

بادشاہ کی مثال بیان کی جس کے لڑکے زیادہ ہوں تو ایک لڑکے کو تربیت کے لیے دوسری جگہ منتقل کر دے اور انہیں زندگی کی بہترین مراعات بھی بہم پہنچائے تاکہ ان کے شہزادہ ہونے کا امتیاز باقی رہے اور ایک لڑکا اس کے اپنے پاس رہ جائے اور وہ خود اسے تربیت دے اور اسے تمام اُمور مملکت سونپ دے تو جو معرفت اس لڑکے کو اپنے باپ کے حالات و رموز کی ہوسکتی ہے وہ اس کے بھائیوں کو کبھی حاصل نہیں ہوسکتی جو کسی اور جگہ زیر تربیت رہے ہوں، اور دباغ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم آرزو کرتے کہ وہ حضور کے سامنے سابقہ انبیا کے بعض معجزات بیان کریں جب بیان کرنے کو تیار ہوتے تو سرکار کی وہ خصوصیت جو مولیٰ کریم نے آپ کو بخشی تھی سامنے آجاتی، پھر وہ بیان کرنے سے شرم رکھتے، پھر دباغ رحمۃ اللہ نے اس شخص کی مثال بیان کی جسے بادشاہ اپنے سارے ملک پر مقرر کر دے اور وسیع اختیارات دے دے کہ وہ جس طرح چاہے اپنا اختیار استعمال کرے اور بعض صحابہ کوشش کرتے اور ان کی خواہش ہوتی کہ سرکار کے لیے ایک ایسا مرکز ہو جہاں آپ احکام جاری فرمائیں، ابن مُبارک نے کہا کہ میں نے دباغ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مرتبہ سُنا کہ آپ مثال بیان کرتے ہوئے فرما رہے تھے کہ بے شک جتنے اسرار و انوار قرآن میں ہیں یا جن مقامات اور احوال پر قرآن شامل ہے یہ اس شخص کی شکل ہے جو کپڑے کا ایک تھان لے کر اس میں سے ایک ٹوپی بنائے اور قمیض تیار کرے، اور دستار منتخب کرے اور جو کچھ پہننے کی ضرورت ہو بنا لے اور خود اس پر نقش و نگار تیار کرے پھر جب تو ایک نظر سے اس پوشاک کو دیکھے اور ایک نظر سے تمام مخلوق کو دیکھے تو تُو جان جائے گا کہ ایسی خلعت و پوشاک کی برداشت و طاقت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور کی ذات پاک کو اس قوت سے خاص کر لیا ہوا ہے۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدہ جیسی کسی کو طاقت نہیں ہے

سیدی عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ ہیں بقول ابن مُبارک کہ میں نے آپ کو سُنا کہ آپ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے مشاہدہ کے بارے بیان فرما رہے تھے کہ حضور کا مشاہدہ اس درجہ کا ہے۔ کہ اس مشاہدہ کی کسی میں تاب نہیں ہے کیونکہ مشاہدہ اندازہ معرفت کے مطابق ہوتا ہے بے شک

نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو معرفت اس وقت حاصل ہوئی جب دوست اپنے دوست کے ساتھ تھا اور ان کے ساتھ کوئی تیسرا نہ تھا، تو آپ صلے اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق میں سب سے پہلے تھے تو اس مقام پر آپ کی فیاض رُوح کو انوار قدسی اور معارفِ ربّانی سے سیراب کر دیا گیا اور آپ ہی کی رُوح ہر آرزومند کے لیے اصل اور ہر روشنی کرنے کے لیے ایک جوہر خاص تھی، پھر جب آپ کی فیاض روح آپ کی ذات پاک میں داخل ہوئی تو وہ سکون رضا اور محبت قبول سے آپ کی ذات میں رہنے لگی اور اپنے خصوصی اسرار سے اس کی مدد کرتی رہی اور اپنے معارف سے اسے صاف وشفاف کر دیا، اور ذاتِ حضور بچپن ہی سے معارج ومعارف میں درجہ بدرجہ ترقی کرتی رہی یہاں تک کہ آپ چالیس سال کو پہنچ گئے اور اس وقت تمام حجاب دُور ہو چکے تھے جو ذات اور رُوح کے درمیان حائل تھے اور تمام حجابات مکمل مٹا دیئے گئے جو ذات اور رُوح کے مابین تھے، اور حضور علیہ السلام کو وہ مشاہدہ حاصل ہوا جس کی عام طاقت بشری متحمل نہیں ہو سکتی، یہاں تک کہ حضور علیہ السلام آنکھوں دیکھے جیسا مشاہدہ فرمایا کرتے تھے۔ بے شک حق سبحانہٗ تمام مخلوق کا محرک اور مخلوقات کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے والا ہے اور تمام مخلوقات مختلف برتنوں کے قائم مقام تھی اور اپنے نفع اور نقصان کی مالک نہ تھی تو اللہ تعالیٰ نے آپ حضور علیہ السلام کو اس مشاہدہ کی قوت سے بھیجا اور تمام مخلوقات سرکار کے سامنے خالی اور بیکار صورتیں تھیں، تاکہ آپ ان کے لیے سراپا رحمت بنیں، تو ان میں سے کوئی کارگزاری نہ دیکھی گئی یہاں تک کہ انہیں بددعا دی گئی اور وہ ہلاک ہو گئے جس طرح انبیائے آپ صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے اپنی اُمتوں کے ساتھ کیا اسی لیے ان انبیاء نے اپنی دعائیں جلدی جلدی کر لیں اور ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی دُعا کو موخر کر دیا گیا کہ آپ قیامت کے دن شفاعت فرمائیں تو آپ کی دُعا رحمت در رحمت ہو گئی، اللہ کے اس قول کا مصداق ظاہر ہو گیا۔

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ ترجمہ: اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر۔

اور حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا مصداق بھی ظاہر ہو گیا۔

اِنَّمَا اَنَا رَحْمَةٌ مُّهْدَاةٌ لِلْخَلْقِ۔ ترجمہ: میں بہرحال مخلوق کو راہ بتانے والی رحمت ہوں۔

اور یہ سب کچھ سرکار کے لیے آغاز مشاہدہ میں تھا پھر ہر گھڑی حضور علیہ السلام اپنے ان مقامات میں عروج و ترقی فرماتے رہے جو بیان کرنے سے بالا ہیں، ابن مبارک کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اس درجہ سے بلند بھی کوئی درجہ ہے تو دباغ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم حیاتِ ظاہری میں ہمارے اس زمانہ میں ہوتے اور آپ کو ترقی کرنے میں کوئی ٹھہراؤ ہرگز نہ ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کمالات ایسے ہیں جن کی کوئی انتہا نہیں، پھر میں نے عرض کیا کہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کو سابقہ مشاہدہ کرنے قوت نہ کیونکہ ان کے پاس ایمان بالغیب یعنے اللہ تعالے ہمارا خالق ہے اور ہمارے اعمال و افعال کا خالق کے سوا کچھ نہ تھا، تو یقیناً وہ انبیا کرام عام مومنین کی طرح ہوئے، دباغ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان انبیا کے حصول مشاہدہ میں کوئی شک نہیں لیکن ان کے مشاہدہ سے مکمل حجاب، نہ اٹھا تھا، اور ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے مشاہدہ میں ستر و حجاب مکمل دُور ہو چکا تھا۔

قرآن کو پالینے پر جناب موسیٰ و عیسیٰ علیہ السلام حضور کی اتباع کرتے

سیدی عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ نے فرمودہ جواہر میں اس قول پر کہ قرآن کریم میں ایک ایسی شے کہ اس پر ہر کس و ناکس کو طاقت نہیں بخشی گئی اور وہ ہیں انوار قدسی اور معارف ربانی اور اسرار ازلی اس حیثیت سے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام صاحب تورات ہیں اور جناب عیسیٰ علیہ السلام صاحب انجیل ہیں، اور سیدنا داؤد علیہ السلام صاحب زبور ہیں اگر وہ اپنی زندگی میں قرآن کو پا لیتے اور اسے سنتے تو انہیں قرآن کی اتباع کے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا اور حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال کی اقتدا کرتے اور آپ کی سیرت طیبہ سے راہنمائی حاصل کرتے اور ضرور سب سے پہلے وہی حضور کی دعوت قبول کرتے اور آپ پر ایمان لاتے اور آپ کی مدد کے لیے آپ کے سامنے تلوار کے ساتھ کفار سے جنگ کرتے، ابن مبارک نے کہا کہ اسی کلام کے ہم معنی حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بھی ہے جس میں سرکار نے فرمایا ہے۔

لَوْ کَانَا مُوْسٰی وَ عِیْسٰی حَیَّیْنِ لَا تَّبَعَانِیْ ۔	اگر موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام حیات ظاہری میں ہوتے وہ ضرور میری اتباع کرتے۔

اور ابن حجر نے کتاب التوحید کے آخر میں اس حدیث پر غور و فکر کیا ہے اور اس حدیث کی تخریج
کو کئی طرق سے بہت لمبا ذکر کیا ہے۔

تنبیہ میں نے کلام ابن حجر پر اس کی شرح بخاری میں حدیث مذکورہ کی تخریج پر کافی تحقیق کی
ہے اس کا ذکر مجھے کئی روایتوں سے ملا ہے ان میں سے ایک روایت امام احمد اور بزار
کی ہے جو جناب جابر رضی اللہ عنہ سے لفظ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے سرکار نے فرمایا کہ تم
اہل کتاب لوگوں سے کسی شے کے متعلق مت پوچھو بے شک وہ تمہیں ہرگز راہ نہ بتائیں گے کیونکہ وہ خود
گمراہ ہیں اور تم اگر ان کے پیچھے چلے یا تم حق کو جھٹلاؤ گے یا باطل کی تصدیق کر بیٹھو گے، اور اگر موسیٰ علیہ السلام
اب تمہارے سامنے ہوتے تو میری اتباع کے سوا سے کسی کی اتباع کرنا جائز نہ ہوتی، اور ایک
روایت میں احمد اور ابو یعلیٰ بھی جناب جابر رضی اللہ عنہ سے لفظ والذی نفسی بیدہ کے ساتھ
روایت کرتے ہیں یعنی قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جانِ عالم ہے یقیناً اگر
موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں میری اتباع کے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہوتا اور طبرانی میں ابو داؤد
کی روایت سے ہے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام تمہارے سامنے ہوتے اور تم مجھے چھوڑ کر اس کی اتباع
کرتے تو تم ضرور کھلے گمراہ ہو جاتے، اور ایک روایت میں احمد اور طبرانی عبد اللہ بن ثابت سے روایت
کرتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی جانِ عالم ہے اگر
تم میں موسیٰ علیہ السلام ہوتے اور تم اس کی اتباع کرتے اور مجھے چھوڑ دیتے تو ضرور تم گمراہ ہو جاتے
اور ابو یعلیٰ کی ایک روایت حضرت عمر سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے کہا کہ میں اہل کتاب سے
ان کی ایک کتاب کا نسخہ لینے جا رہا تھا پھر مجھے واپسی پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
یہ کیا ہے میں نے عرض کیا کہ یہ اہل کتاب کی ایک کتاب کا نسخہ لیا ہوں تاکہ ہمارے علم میں اضافہ
ہو جائے، حضور علیہ السلام خشمگیں ہوئے غضب کے مارے دونوں رخسار مبارک سرخ ہو گئے بعد
میں ذکر فرمایا کہ اے لوگو یقیناً مجھے جوامع الکلم عطا کئے گئے ہیں یعنی کلام مختصر اور معانی بہت
زیادہ اور میں تمہیں صاف ستھرا یعنی ایک روشن شریعت دیا ہے سو تم اس سے شک نہ کرنا، ابن حجر کہتے
ہیں ان روایات کے ذکر کے بعد جو میں نے اس مقام پر نقل کیا ہے وہ بہت بسیط ہے اس
حدیث کے سب طرق اگرچہ اس درجہ میں نہیں ہیں کہ ان کو حجت بنایا جائے لیکن ان سب کا

مجموعہ اس امر کا متقاضی ہے کہ ان کے لیے کوئی نہ کوئی اصل ضرور ہے۔

سیدی عبدالعزیز دباغ کے فرمودہ جواہر میں جو ابریز شریف میں مذکور ہیں ابن مبارک کہتے ہیں کہ میں نے دباغ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے متعلق دریافت کیا کہ قسم بخدا میں تمہیں کسی چیز کی ترغیب نہ دوں گا اور نہ ہی میرے پاس کوئی ترغیب دلانے کی چیز ہے اور یہ بات حضور نے اشعریین کو دوران خطاب کہی پھر اس خطاب کے بعد حضور نے اشعریین کو ترغیب دلائی۔ حالانکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم حق و صداقت کے سوا نہ کچھ کہتے تھے اور نہ ہی کچھ بولتے، دباغ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ واقعی نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے حق و صداقت کے بغیر کوئی بات نہ کہی لیکن آپ کا کلام ایک منہ سے باطن اور مشاہدہ کے اعتبار سے برآمد ہوتا تھا کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کبھی بہت اونچی ذات کے مشاہدہ میں ہوتے اور اس مشاہدہ کی لذتِ عظیم کسی کو اس کی کیفیت بیان کرنے کی طاقت نہیں اور دنیا میں اس کی ہم مثل کوئی لذت نہیں ہے اور یہ لذت جنت والوں کو جنت میں ہی میسر آئے گی آپ صلے اللہ علیہ وسلم کبھی ذات کا مشاہدہ مع اس کی قوت اور رعب کے فرماتے اور اس مشاہدہ میں ڈر کی کیفیت نمایاں ہوتی، کیونکہ جلال وہیبت مشاہدہ میں آتی، حضور ان دونوں مشاہدوں کی صورت میں مخلوق سے غائب رہتے اور کسی کا مشاہدہ نہ فرماتے اور کچھ نہ کچھ یہی مفہوم حدیث میں گزر چکا ہے کہ حضور پرُنور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر کبھی جبریل مخفی نہیں ہوئے مگر اس مرتبہ، اور کبھی آپ قوت ذات کا مشاہدہ کمالات کے ساتھ فرماتے تو یہ ایسی قوت ہے کہ اس کی سرایت ممکنات میں کارفرما ہوتی ہے اور اس مشاہدہ میں ذات برتر باطن سے غائب ہوتی ہے لیکن اس کے افعال باقی رہتے ہیں اور اس تیسرے مشاہدے سے احکامِ شریعت کا وضوح اور مخلوق کو تعلیم اور ان کا حق کو پہنچنا حاصل ہوتا ہے اور حضور پرُنور صلے اللہ علیہ وسلم کی جتنی بھی گفتگو ہوتی تھی وہ سب انہی مشاہدات سے ہوتی تھی بالترتیب کبھی پہلے کبھی دوسرے اور کبھی تیسرے مشاہدہ سے ہوا کرتی اور حدیث مذکورہ کی تخریج دوسرے مشاہدہ کے اعتبار سے ہے، دوسرے درجہ کے مشاہدہ میں محبوب خدا صلے اللہ علیہ وسلم مشاہدہ ذات اور اس کی قوت میں غائب ہوا کرتے تھے یعنی اپنے آپ کی خبر بھی نہ ہوتی تھی چہ جائیکہ آپ کو غیر کی خبر ہوتی، پھر جب انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم ہمیں ترغیب دلائیں اور آپ کو اس مشاہدہ میں مصروف پایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا اللہ کی قسم میں تمہیں ترغیب دلاؤں گا اور نہ ہی میرے پاس ترغیب دلانے کی کوئی چیز ہے، اور اس وقت آپ کا یہ کلام حق تھا، پھر جب آپ نے مشاہدہ کائنات کا رُخ کیا اور اونٹ کی رفتار کی طرح آہستہ آہستہ آپ کی توجہ مشاہدہ ذات سے ہٹ گئی تو آپ نے مشاہدہ کائنات اور اس کے لوازمات مثلاً امر کی اتباع و پیروی اور مخلوق کو اس کا حق دلانے کے لیے ڈٹ جانے کا حکم جاری کیا فرمایا کہ اشعریین قبیلہ کے لوگ کہاں ہیں تو انہیں بُلایا گیا اور حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم نے انہیں کچھ عطا فرما دیا تو وہ کہنے لگے یا رُسول اللہ! آپ نے تو قسم کھائی تھی کہ آپ ہمیں کچھ بھی عطا نہ فرمائیں گے اور اب آپ ہمیں عطا فرما رہے ہیں، تو حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم نے انہیں نہایت موزوں اور مناسب جواب دیا کہ پہلے جو قسم کھائی تھی وہ مشاہدہ ذات کے اعتبار سے تھی کہ میں تمہیں کچھ ترغیب نہ دُوں گا اور اب تمہیں میں نے کچھ ترغیب نہ دلائی بلکہ اللہ نے ہی ہمیں ترغیب دلائی ہے یعنے میں نے جو قسم کھائی تھی کہ میں تمہیں ترغیب نہ دلاؤں گا اور نہ ہی میرے پاس ترغیب دلانے کی کوئی چیز ہے یہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے بے شک ترغیب دلانے والا تو درحقیقت اللہ تعالیٰ ہے نہ کہ میری ذات اور یہ خبر ہے حضور کے سابقہ ارشاد کی یہ آپ نے کچھ نہ کہا مگر حق ہی کہا نہ گفتگو کی مگر سچ کہا، ابن مبارک نے کہا کہ میں نے دباغ رحمۃ اللہ سے عرض کی کہ حبیب خُدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اندریں صورت قسم کا کفارہ کیوں ادا کیا جب کہ سرکار کا ہی ارشاد ہے کہ بے شک میں کسی چیز پر کوئی قسم نہیں کھاتا پھر اگر میں اس چیز سے بہتر دیکھ لوں تو اپنی قسم کا کفارہ دے دیتا ہوں اور میں بہترین چیز لایا ہوں، تو شیخ دباغ رحمۃ اللہ نے کہا کہ اس قصہ میں سرکار نے اپنی قسم کا کفارہ نہیں کیا اور جو کچھ حدیث کے مابعد میں مذکور ہے۔ درحقیقت وہ کلام کی ابتدا اور حکم بنیاد ہے اور شرعی قانون کا عطا کرنا ہے اور سرکار سے مطلقاً اس قصہ میں تکفیر صادر نہیں ہوئی، ابن مُبارک نے کہا کہ میں نے عرض کی کہ بہت سے اکابر علماً مثلاً حسن بصری وغیرہ اس مسئلہ پر تحقیق کی لیکن شیخ دباغ رحمۃ اللہ کا عرفان سب سے زیادہ صحیح ہے پھر شیخ دباغ رحمۃ اللہ نے کہا کہ تیسرے مشاہدہ میں سرکار کے اس قول کی طرف اشارہ ہے کہ اس درجہ کا مشاہدہ میرے دل پر گراں گزرتا ہے تو میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔

یہ ایک حدیث کے الفاظ ہیں جسے صحیح مسلم میں بیان کیا گیا ہے اور اس پر عیاض، نووی، عراقی، رحمہم اللہ تعالٰی جیسے شیوخ حدیث نے ہمارے شیخ سے ملتی جلتی کلام کی ہے لیکن ہمارے شیخ کا کلام ایسا ہے کہ دیکھنے والا خود اندازہ کرلے گا کہ اس کا مقام منفرد ہے، آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمام مخلوق کے بس میں نہیں کہ وہ ہمیشہ پہلے یا دوسرے درجہ کے مشاہدہ پر قدرت رکھیں بلکہ اسے پہلے اور دوسرے درجہ سے اتر کر تیسرے درجہ پر آنا از بس ضروری ہوتا ہے ورنہ سکون و اطمینان میسر نہ ہو، لیکن حضور پُرنور کا یہ مقام ہے کہ اگر تیسرے درجہ کے مشاہدہ میں آئیں تو اسے گناہ شمار کرتے ہوئے اللہ سے استغفار کرتے ہیں۔

سرکار کا ہر قول اور کلام حق و صداقت پر مبنی ہوتا ہے

سیدی عبدالعزیز دباغ اپنے فرمودہ جواہر میں آپ نے ابریز میں اپنے اس قول کے بعد جو شرح مشاہدات میں گزر چکا ہے فرماتے ہیں ابن مبارک کہتے ہیں کہ جب میں نے ان تینوں مشاہدات کے متعلق شیخ رضی اللہ عنہ سے سنا اور آپ نے فرمایا کہ حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم کا کلام ان تینوں مشاہدوں سے تجاوز نہیں کرتا تھا یعنی آپ کا کلام اندرایں مشاہدات ہی ہوتا تھا، اور بے شک سرکار دوعالم کا کلام غیر عارف اور جاہل کے سوا کسی پر مشکل نہ تھا اس لیے کہ محبوب خدا صلے اللہ علیہ وسلم اپنے تمام حالات اور احکام حق و صداقت پر فرمایا کرتے تھے۔

ابن مبارک کہتے ہیں کہ حدیث کا جو مقام میری سمجھ سے درا ہوتا وہ میں دباغ رحمۃ اللہ سے دریافت کرلیا کرتا تھا میں نے آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مسلم شریف کی حدیث تابیر نخل کے متعلق سوال کیا، کہ جب حضور علیہ السلام نے کھجوروں کی دیکھ بھال کرنے والے مزارعین پر گزر فرمایا جب کہ وہ کھجوروں کی پیوندکاری میں مصروف تھے تو سرکار نے فرمایا یہ کیا کررہے ہو تو وہ کہنے لگے اس سے کھجوریں اچھی اور پھل بھی اچھا ہوجاتا ہے تو حبیب خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر آپ یہ کام نہ بھی کریں تو کھجوریں اچھی رہیں گی۔ تو انھوں نے کھجوروں کی پیوندی ترک کردی اور پھل ناقص اور معینہ مقدار سے کم اترا اس کے بعد حضور نے جب وہ پھل دیکھا تو فرمانے لگے کھجوروں کے پھل کو کیا ہوگیا تو وہ کہنے لگے حضور آپ نے ہمیں اس طرح کہا تھا تو سرکار نے

جواب میں فرمایا کہ تم اپنی دنیا داری میں بہت تجربہ رکھتے تھے، اس پر شیخ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور نے جو انہیں فرمایا کہ اگر تم ایسا نہ بھی کرو تو کھجوریں اچھی ہو جائیں گی آپ کا یہ کلام حق تھا اور آپ کی یہ بات سچی تھی اور آپ سے یہ بات اس وجہ سے ظاہر ہوئی کہ آپ کو اللہ کی ذات کے موثر حقیقی اور فاعل مطلق ہونے پر پورا یقین اور مکمل اعتماد تھا اور سرکار کا یہ یقین اس مشاہدہ پر مبنی تھا کہ حق تعالٰے جل شانہ، کا تمام ممکن الوجود اشیاء میں فاعل اور موثر بلا واسطہ و بلا سبب ہے کیونکہ کسی ذرّہ کا سکون اور بال کی حرکت اور دل کی دھڑکن اور پسینہ کا نکلنا اور آنکھ کا اپنے حلقہ میں گردش کرنا اور کسی آنکھ والے کا اشارہ کرنا ان تمام افعال میں حق تعالٰے کی قدرت کاملہ بلا واسطہ کارفرما اور فاعل ہوتی ہے اور حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم اسی امر کا مشاہدہ کر رہے تھے جس طرح اس کے سوا تمام محسوسات کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ مشاہدات عالم بیداری اور عالم خواب میں آپ سے مخفی نہ تھے کیونکہ یہ مشاہدات تو سرکار کا دل مبارک محسوس کرتا تھا جو کبھی نہ سویا، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس مشاہدے والا کی اک نظر میں تمام اسباب کو رام کر لیتا ہے اور ایمان بالغیب کی وجہ سے شہود اور ظاہر میں ترقی کرتا ہے اور ایسا شخص اللہ تعالٰی کے اس قول کا ہمیشہ مشاہدہ کرتا وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ - اور اللہ تعالٰی نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا ہے اور اسے اس مشاہدے کا مناسب یقین ہوتا ہے بایں طور کہ اس آیت کے معنی سے یقین کامل کیا جائے اور دل میں کسی فعل کی نسبت غیر کی طرف کرنے کا خدشہ نہ ہو۔ اگرچہ یہ کھٹکا چیونٹی کے سر برابر ہی کیوں نہ ہو، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس درجہ یقین سے فوائد اور منافع کا دامن چاک اور تمام چیزیں خاص متاثر ہوتی ہیں۔ اور وہ اللہ تعالٰی کا ایک راز ہوتا ہے جس کے ساتھ نہ کوئی سبب ہوتا ہے نہ واسطہ پھر اس مقام کا شخص جب تمام اسباب کے گرا دینے کا اشارہ کرے اور فعل کی نسبت رب الارباب کی طرف کرے تو اس کی ہر بات حق اور کلام سچی اور پکی ہوتی ہے اور جو شخص غیب پر ایمان رکھتا ہے اس کے نزدیک اللہ تعالٰے کے اس قول وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ - میں مشاہدہ نہیں ہے بلکہ وہ صرف افعال کی نسبت کا مشاہدہ کرتا ہے جس کے سامنے افعال ظاہر ہوں آیت کے معنی اور فعل کی نسبت اللہ کی طرف کرنے میں اس شخص کو صرف ایمان کہ جسے اللہ تعالٰی نے عطا کیا ہے رغبت دلاتا ہے۔

تو اس کے پاس کشش کی دو چیزیں ہیں ایک اللہ کی طرف وہ ایمان ہے جو صاحب ایمان کو حق کی طرف کھینچتا ہے اور دوسری چیز اس کی اپنی طبع اور مزاج ہے جو کسی غیر سے ایک فعل کا مشاہدہ کرتی ہے اور اسے باطل کی جاتی ہے پھر حق و باطل ان دونوں چیزوں کے درمیان ہمیشہ کار فرما رہتا ہے تو کبھی ایمانی کشش کا غلبہ ہوتا ہے اور سابقہ آیت کا معنی ایک دو لمحوں میں منکشف ہو جاتا ہے اور کبھی طبعی جاذب کو غلبہ ہوتا تو وہ طبع کو مذکورہ آیت کے معنی سے ایک دو دن کے لیے زائد اوقات میں غافل کر دیتا ہے خلاف عادت یقین کی نفی ہو جاتی ہے اسی لیے اس چیز کا وقوع نہ ہوا جو حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا تھا کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا خلاف عادت یقین فوت ہو چکا تھا جس پر سرکار علیہ السلام کا باطن شامل تھا اور اس کے مطابق حضور علیہ السلام کا کلام حق اور بات سچ تھی اور جب سرکار نے اپنے فرمان کے مطابق اس شے کے وقوع نہ ہونے کا اصل سبب دریافت کر لیا اور یہ بھی اچھی طرح جان لیا کہ اس سبب کا زائل ہونا ان کی طاقت سے باہر ہے تو انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا اور ارشاد فرمایا کہ تم اپنی دنیا کا بہت زیادہ علم اور مہارت رکھتے ہو۔ اس کلام کے بعد ابن مبارک نے کہا کہ میں نے بہت غور کرنے کے باوجود اصول حدیث کے بڑے بڑے علماً سے نہ یہ جواب سُنا اور نہ ہی کسی کتاب میں لکھا ہوا دیکھا، پھر میں نے دباغ رضی اللہ عنہُ سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا۔

[اِنِّیْ اَبِیْتُ عِنْدَ رَبِّیْ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِیْ ۔ الحدیث) ترجمہ: میں اپنے رب کے ہاں رات بسر کرتا ہوں جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

دباغ رضی اللہ عنہُ کہنے لگے کہ عِنْدَ بمعنی مَعَ ہے اور اس سے مُراد معیّت ہے اور کھانا کھلانے اور پانی پلانے سے مُراد حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے من جانب اللہ ایک خصوصی قوّت ہے۔

حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت

سیّدی عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ اپنے فرمودہ جواہر میں صاحب ابریز کے جواب میں فرماتے ہیں جب انہوں نے آپ سے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدت ولادت اور

اس کا سال اور مہینہ کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے بڑی کشف اور تحقیق سے جواب دیا، کہ محبوب خدا
صلے اللہ علیہ وسلم کی پیدائش رات کے آخری حصہ میں فجر سے پہلے شروع ہوئی اور طلوع فجر تک
سرکار کی والدہ ماجدہ سرکار کو جنم دے کر فارغ ہو چکی تھی اور اپنی والدہ کے شکم اطہر سے سرکار
کے باہر آنے کی مدت کی گھڑی بڑی مقبول ساعت تھی جس کی فضیلت احادیث میں مذکور ہے میں
نے سرکار کی ولادت کو امر عظیم جانا اور اس کا حکم قیامت تک طویل سمجھا، سیدی دباغ رحمۃ اللہ
نے کہا کہ سرکار کی ولادت کی گھڑی تمام اولیا اللہ روئے زمین سے حاضر خدمت ہوئے جن
میں غوث اور سات قطب اوتاد اور ابدال رضی اللہ عنہم تھے اور ان کا اجتماع مکہ سے باہر غار حرا
میں ہوا درآنحالیکہ وہ نور اسلام کی گرزیں اٹھائے ہوئے تھے اور بعض ان میں سے تمام اُمت
کی مدد کے لیے دعا مانگ رہے تھے تو اس وقت جس شخص نے اس گھڑی کو پالیا اور اس کی دُعا ان
کی دُعا میں شامل ہو گئی اسے اللہ نے قبول کر لیا اور اس کی حاجت پوری کر دی۔ ابن مُبارک
کہتے ہیں کہ دباغ رحمۃ اللہ علیہ ہمیں اس گھڑی قیام کرنے پر اکثر بتا دیا کرتے تھے، اور یُونہی میں
آپ کے ساتھ آملا اور آپ نے سورۃ کہف اس سے آخر سورۃ تک پڑھی۔

اِنَّ الَّذِیْ آمَنُوْا وَ عَمِلُوا	ترجمہ: بے شک جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے
الصّٰلِحَاتِ کَانَتْ لَھُمْ جَنّٰتُ	فردوس کے باغ میں ان کی مہمانی ہے وہ
الفِرْدَوْسِ نُزُلاً خَالِدِیْنَ	ہمیشہ انہی میں رہیں گے ان سے جگہ بدلنا نہ
فِیْھَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْھَا حِوَلاً[1]	چاہیں گے۔

میں یہ چاہتا تھا کہ قبولیت کی گھڑی میں میں آپ کے ساتھ شریک دُعا ہو جاؤں پھر میں نے اس
طریقہ کو پورے سترہ سال اپنایا یہاں تک کہ میں سن رسیدگی کو پہنچا، اور سونے سے پہلے اس آیت
کی تلاوت اس گھڑی میں قیام کے لیے مُجرّب ہے اور میں نے خود بھی تجربہ کیا اور میرے علاوہ
اور لوگوں نے بھی آزمایا اور آزمائش صحیح رہی۔ پھر ذکر کیا گیا کہ صاحب ابریز نے آپ سے سرکار
کی پیدائش کا ماہ و سال پوچھا جس پر آپ نے فرمایا کہ حبیب خدا صلے اللہ علیہ وسلم ربیع الاوّل

---

[1] پ ۱۶، سورۃ کہف، آیت ۱۰۷، ۱۰۸۔

شریف کی ساتویں تاریخ کو عام الفیل میں ہاتھیوں کے خانہ کعبہ پر حملہ کرنے سے پہلے پیدا ہوئے اور آپ کے وجود کی برکت سے اللہ تعالےٰ نے ہاتھیوں کا لشکر واپس لوٹا دیا اور سرکار کی مدت حمل تقریباً دس ماہ تھی۔

محبوب خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک

سیدی عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ اپنے فرمودہ جواہر میں صاحب ابریز کے جواب میں فرماتے ہیں۔ صاحب ابریز کہتے ہیں کہ میں نے آپ سے سرکار کی ڈاڑھی کے متعلق سوال کیا کیونکہ اس میں اختلاف روایات تھا تو آپ نے فرمایا کہ سرکار کی ڈاڑھی ٹھوڑی میں گھنی تھی اور لمبائی میں درمیانی تھی اور رخساروں کے بالائی حصہ پر ہلکی تھی اور آپ نے ایک دوسرے جواب میں فرمایا کہ حضور کی بغلوں میں بال نہ تھے کہ ان سے بو آئے بلکہ سرکار کے مبارک سینہ اور کندھوں پر ہلکے ہلکے بال تھے۔ اور سرکار کا سینہ نمایاں کشادہ اور سرکار کے کندھے موزوں تھے اس لیے آپ کی مبارک بغلوں میں بال بہت کم تھے اور آپ کی بھویں ملی ہوئی نہ تھیں، اور دباغ رحمۃ اللہ علیہ نے تیسرے جواب میں فرمایا کہ سرکار کے سر کے بالوں میں اختلاف ہے کبھی سرکار لمبے بال رکھتے تھے اور کبھی چھوٹے اور قربانی کے موقعہ آپ سر منڈواتے تھے اور آخری عمر شریف میں آپ کی گردن پر پانچ یا چھ بال سفید تھے چند بال کنپٹیوں پر بھی سفید تھے۔ اور ٹھوڑی مبارک پر بال کچھ زیادہ سفید تھے سرکار نے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے بالوں کو مہندی سے ہلکا سا سرخ رنگ کیا اور مدینہ طیبہ میں بھی چند مرتبہ مہندی کا استعمال کیا۔ اور آپ سر کے عین وسط سے مانگ نکالا کرتے تھے اور آپ کی مانگ ام المومنین حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی نکال دیا کرتی تھیں اللہ بہتر جانتا ہے۔

حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم کی رفتار پُروقار

سیدی عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ اپنے فرمودہ جواہر میں ابریز میں مذکور ہے کہ صاحب ابریز کہتا ہے کہ میں نے آپ رضی اللہ عنہ سے حبیب خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے چلنے کی رفتار کے

متعلق سوال کیا کہ کیا آپ چلتے وقت دائیں بائیں جھانکتے تھے جس طرح بعض روایات میں ہے یا آپ سامنے ہی توجہ رکھتے تھے جس طرح ایک روایت ہے کہ گویا حضور چلتے وقت اونچائی سے نیچے اتر رہے ہوں یا ٹیلے سے اتر رہے ہوں، تو مجھے آپ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ حضور چلتے وقت دائیں بائیں دیکھ لیا کرتے تھے۔ صاحب ابریز کہتے ہیں کہ اتفاق سے میں اور آپ رضی اللہ عنہ ایک مقام کی طرف جا رہے تھے اور ہمارے ساتھ کوئی تیسرا نہ تھا مجھے فرمانے لگے آؤ میں آپ کو دکھاؤں کہ محبوب خدا صلے اللہ علیہ وسلم اپنی ظاہری زندگی میں اس دنیا میں کس طرح چلا کرتے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ نے میرے سامنے ساٹھ قدم لیے اور دائیں بائیں دیکھ رہے تھے میں اس رفتار کے حسن وجمال یوں محسوس کرنے لگا کہ میری عقل کے طوطے اڑ رہے ہیں میری آنکھ نے قبل ازیں ایسی حسین وجمیل رفتار کبھی نہ دیکھی تھی جو عقول کو ورطۂ حیرت میں گم کر دے، اور آپ رضی اللہ عنہ نے بھی سرکار کے اس عمل کی کمال نقشہ کشی کی ہے۔

سرکار کے سینہ مبارک کا چاک ہونا

سیدی عبدالعزیز دباغ رحمہ اللہ اپنے جواہر میں ابریز کے اس قول پر کہ میں نے دباغ رضی اللہ عنہ سے سرکار کے شق صدر کے متعلق سوال کیا کہ وہ کب ہوا کیونکہ اس میں حدیثوں کا اختلاف ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تین مرتبہ، پہلی مرتبہ جنابہ حلیمہؓ کے پاس شق صدر ہوا اور حضور سے شیطان کا حصہ خارج کر دیا گیا جو مٹی کا عنصر چاہتا ہے کہ حکم کی مخالفت کی جائے اور خواہش کی پیروی کی جائے، اور دوسری مرتبہ جب آپ دس برس کے ہوئے آپ کے دل سے ردی اور فاسد مادہ سرے سے الگ کر دیا، اور تیسری مرتبہ قریب نبوت ہوا۔ صاحب ابریز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اکثر احادیث ظاہر میں اس طرف ہیں کہ شق صدر اسرا کی شب واقع ہوا، شیخ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایسے نہیں بلکہ شق صدر کسی آلہ اور خون خارج ہونے کے بغیر ہوا ہے اور سلائی سوزن اور دھاگہ کے بغیر اور حضور کو اس میں کسی درد والم کی زحمت سے نہ ہوئی کیونکہ یہ حق سبحانہ کا کام تھا اللہ ہر حال بہتر جانتا ہے۔

ابن مبارک نے کہا کہ حلیمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں شق صدر پر اتفاق ہے اور جب آپ

دس برس کے تھے اور شق صدر ہوا، اس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے جسے عبداللہ بن امام احمد نے زوائد مسند میں نکالا ہے اور جو شق صدر قریب نبوت واقع ہوا اسے ابو داؤد نے اپنی مسند میں اور ابو نعیم اور بیہقی نے دلائل نبوت میں ذکر کیا ہے اور شب اسریٰ شق صدر کا بعض نے انکار کیا ہے اور کہا کہ یہ رد نہیں کیا جا سکتا مگر شریک بن عبداللہ بن ابی نمر المدنی کی روایت سے جو روایت منکرہ ہے، ابن حجر نے کہا ہے صحیح بات یہ ہے کہ بے شک یہ بخاری مسلم میں روایت شریک کے بغیر ثابت ہے ابو ذر کی حدیث سے اور ابن حجر نے کتاب التوحید کے آخر میں یہی دیکھا ہے بے شک میں جانتا ہوں کہ شیخ رضی اللہ عنہ بالکل بے پڑھے ہیں اور آپ کا کلام فقط کشفاً اور روحانی مشاہدہ سے ہے تو درست یہی ہے کہ سرکار کو شق صدر شب اسریٰ میں نہیں ہوا، اور اللہ سب سے زیادہ علم والا ہے، ابن مبارک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے شیخ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ یہ ایک مشہور بات ہے کہ سرکار کی سبابہ انگلی آپ کی وسطی انگلی سے بڑی تھی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سرکار کے پاؤں مبارک کی سبابہ پاؤں مبارک کی وسطی انگلی سے بڑی تھی، اور دونوں مبارک ہاتھوں کی سبابہ وسطی کے برابر تھیں، اللہ بہتر جانتا ہے۔

نزول وحی کے آغاز میں سرکار سے جبریل بغلگیر ہوئے

سیدی عبدالعزیز دباغ رحمہ اللہ اپنے فرمودہ جواہر میں ابریز کے اس قول مذکور پر فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ رضی اللہ عنہ سے حضور کو تین مرتبہ جبریل کے ملنے کے متعلق پوچھا جب وہ۔

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ ۔ ترجمہ: اپنے رب کا نام پڑھیے۔

لے کر آئے، تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں پڑھنے والا نہیں ہوں تو جبریل نے معانقہ میں حضور علیہ السلام کو بھینچا اور اس سے سرکار کو بہت مشقت ہوئی، تو شیخ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پہلی مرتبہ جبریل کو بھینچنے میں یہ حکمت تھی کہ جبریل اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے محبوب خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی رضا کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وسیلہ بنا رہے تھے کہ جس کے بعد کوئی ملال باقی نہ رہے اور دوسری مرتبہ جبریل کا ملنا اس لیے تھا کہ وہ سرکار کے رعب میں داخل ہو کر اس کی پناہ لے اور تیسری مرتبہ ملنے میں جبریل آپ کے امتی ہونے کا شرف حاصل کرنا چاہتے تھے۔

اور شیخ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جبریل کا حضور کو لفظ (اِقْرَاْ) کہنے کا مطلب یہ تھا کہ کلام قدیم کی تبلیغ زبانِ حادث سے فرما دیجیے بے شک قرآن کریم سب کا سب حضور علیہ السلام پر اسی مقام پر اترا جہاں اقرأ سے شروع ہوا تھا، اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی مُراد بھی یہی ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ[1] رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اُترا لوگوں کے لیے
هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ہدایت اور راہنمائی اور فیصلہ کی روشن باتیں۔

شیخ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جبریل علیہ السلام حبیب خدا علیہ السلام سے یہ تمنا کر رہے تھے کہ آپ ان قدیم معنی اور ازلی مکالمات جو آپ کو یہاں حاصل ہوئے ہیں کی تبلیغ فرما دیں۔ تو حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم نے جبریل کو ارشاد فرمایا کہ میں پڑھنے والا نہیں یعنی مجھے یہ تاب نہیں کہ میں کلام قدیم اور ازلی بات چیت کو حادث زبان سے تبلیغ کروں تو پھر جبریل علیہ السلام نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو حادث زبان سے تبلیغ کرنے کی تعلیم دی اسی لیے حضور جبریل علیہ السلام سے بہت زیادہ محبت کیا کرتے تھے۔

یہ بھی سیدی عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ کے فرمودہ جواہر میں ہے جو میں نے دوسرے باب سے اولین فوائد سمجھ کر حاصل کیے اور اس میں بعض قرآنی آیات اور سریانی زبان کے متعلق ابن مبارک کے آپ سے سوالات ہیں، ابن مُبارک نے آپ سے سوال کیا کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اسمأ گرامی میں ایک اسم (مشفح) ہے کیا یہ کاف یا ق کے ساتھ ہے اس میں علما کا اختلاف رہتا ہے، تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا کہ یہ ف کے ساتھ ہے اور "شفح" سے مشتق ہے اور اس کا معنی حمد ہے اور یہ لفظ سریانی ہے۔ ابن مُبارک نے کہا کہ میں نے آپ رضی اللہ عنہ سے پکر کے اسم گرامی (المنحمنّا) کے متعلق سوال کیا کہ اس کے صحیح تلفظ اور ضبط میں بھی علما کا اختلاف ہے ان علما میں بعض کہتے ہیں کہ یہ لفظ پہلے میم کی رفع یعنی پیش اور دوسرے میم کی کسرہ یعنی زیر کے ساتھ ہے تلفظ یوں ہے (المُنحمِنّا) اور بعض علمأ یہ کہتے ہیں کہ پہلے میم کی فتح یعنی زبر اور دوسرے میم کی کسرہ یعنی زیر ہے تلفظ یوں ہے۔ (المَنحمِنّا) تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا

---

[1] پ ۲، سورۃ بقرہ، آیت ۱۸۵۔

اس اسم گرامی میں دونوں میموں کی فتح یعنی زبر ہے اور یہ دو کلموں سے مرکب ہے ایک کلمہ نہیں ہے تلفظ یوں ہے (المن حمنا) لفظ من میم کی فتح یعنی زبر اور نون کی کسرہ یعنی زیر کے ساتھ ایک الگ کلمہ ہے اور حمنا ح اور میم کی فتح یعنی زبر اور نون کی شد کے ساتھ ایک دوسرا کلمہ ہے اور پہلے کلمہ سے مراد وہ نعمت ہے جس کے ساتھ ظاہری اور باطنی نفع وابستہ ہو نفع ظاہری جو اشخاص کے لیے عالم مثال میں ہے اور نفع باطنی جو روحوں کے لیے عالم ارواح میں تھا گویا من ایسی نعمت ہے جس سے تمام مخلوقات اور سب جہان سیرابی حاصل کرتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم ایسے ہی تھے، اور دوسرے کلمہ سے مراد پہلے کلمہ کی صفت ہے۔ بیشک پہلی نعمت انتہا کو پہنچی اور حد درجہ تک بلند ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے گویا سرکار کے متعلق یوں کہا، آپ کی ذات ایک ایسی نعمت ہے جو حد درجہ کو پہنچی نہ اس سے پہلے کوئی ایسی نعمت تھی نہ بعد میں ہوگی اور یہ لفظ بھی سریانی ہے۔

یہ بھی سیدی عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ کے فرمودہ جواہر میں ہے کہ جب ان سے ابن مبارک نے قرآنی سورتوں کے آغاز میں حروف مقطعات کے متعلق سوال کیا مثلاً (کھیعص) ان کی تفسیر اس وقت تک سمجھ میں نہیں آتی جب تک تمام حروف کی الگ الگ تفسیر نہ کی جائے۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کاف مفتوحہ سے عبد کی طرف اشارہ بلکہ یہ وضع ہی اسی لیے کیا گیا ہے اور (ف) ساکن فائے مفتوحہ کے معنی کی تحقیق کے لیے ہے تو اس میں وہی کچھ ہے جو (ف) مفتوحہ میں تحقیق و تقریر کی زیادتی وغیرہ ہے اور (ف) مفتوحہ کا معنی وہ شے ہے جو طاقت بشری سے دور ہو اس لیے یہ ساکن ہے اور اس کی معنویت میں کوئی نہیں ہے۔ اور (الھا) مفتوحہ پاک صاف رحمت پر اشارہ کرنے کے لیے مقرر کی گئی ہے رحمت ہے جس میں کدورت وغیرہ شامل نہیں ہے اور (یا) ندا یعنی پکار کے لیے ہے اور (ع) مفتوحہ ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلنے پر دلالت کرتا ہے کے لیے وضع کی گئی ہے، اور (ی) ساکن ملنے ملانے اور گھل مل جانے پر دلالت کرتی ہے، اور (ن) ساکن نون مفتوحہ کے معنی کی تحقیق کے لیے ہے اور نون مفتوحہ کا معنی وہ بھلائی ہے جو ذات میں ہمیشہ برقرار رہے، اور (ص) مفتوحہ مکمل فراغت پر دلالت کرنے کے لیے ہے، اور (ص) ساکن صاد کے معنی کی تحقیق

کے لیے ہے کیونکہ صاد حروف اشارہ میں سے ہے اور حروف اشارہ اپنے ماقبل کے معانی کے لیے تحقیق فراہم کرتے ہیں اور یہ خاصہ ان حروف کا نہیں جو اشارہ کے لیے وضع نہیں کئے گئے تو پھر جب یہ ساکن ہو تو ان کے مفتوحات کے معنی متحقق ہو جاتے ہیں ان حروف کی یہ تفسیر بلحاظ وضع ہے اور ان حروف کا معنی مُراد ہے کہ اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ نے تمام مخلوق کو حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم کے مقام اور اپنے ہاں قدر و منزلت کی عظمت بتا دی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق پر احسان فرما دیا جب پوری مخلوق کی نورانیت کو حضور ہی سے مدد چاہنے والی بنادیا۔ اور اس کا بیان پہلی تفسیر میں مذکور ہے کہ بے شک (کاف) اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم عبد ہیں اور (ف) ساکن کی دلالت لایطاق پر ہے اور اس لایطاق میں ذرہ برابر شک نہیں اور اس کے لایطاق ہونے کا معنے یہ ہے کہ بے شک سرکار نے تمام مخلوق کو عاجز کر دیا نہ خُدا آپ کی حقیقت کو کسی نے پہلے پایا اور نہ آپ سا کوئی بعد میں ہوگا اس لحاظ سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سیدِ کل کائنات ہیں، اور (الھا) مفتوح کی دلالت غیر کو پاک وصاف کرنے والی رحمت پر ہے ۔ جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے ۔

وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔ ترجمہ: اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر ۔

اور محبوب خُدا نے ارشاد فرمایا کہ بہر حال میں ایسی رحمت ہوں جس سے خلق کو ہدایت ملتی رہتی ہے، اور (یا) سے مذکور عبد کو پکارا گیا کیونکہ اس پر انتقال کی عین (ع) دلالت کر رہی ہے اور وہ خود (ی) ساکن سے تاکید شُدہ ہے اس لیے کہ یہ حروف اشارہ میں سے ہے اور حروف اشارہ تاکید کے لیے لائے جاتے ہیں یہ پہلے ذکر بھی کیا جا چکا ہے اس سے انتقالی اور وصال کے سنگم کا فائدہ حاصل ہوتا انتقال شُدہ شے کا بیان نُون ساکن سے ہے یہ وُہ نُور ہے جس سے مخلوقات کا قیام و انتظام ہے اور جس کی طرف انتقال ہوتا ہے اس کا معنی (صاد) میں ہے تو معنی کلام اب یُوں ہوگا کہ میرے محبُوب بندے یقینی اور لازمی چال چلو ہر اس شخص کی طرف جو اپنے مقام اور موجود ہونے میں انوار کے ساتھ مشغول ہیں تاکہ وہ آپ سے مدد طلب کریں کیونکہ آپ سب کی اصل ہیں اور ان سب کا مادہ آپ ہی سے ہے، بے شک معانی حروف کو بہترین ترتیب

دے دی گئی ہے اور کلام کو اچھے سلیقہ سے منظم کر دیا گیا ہے اور یہ اس لیے کہ سریانی زبان کے حروف کے معانی بھی اسی طرح جس طرح دوسری زبانوں کے کلمات کے معنی ہوتے ہیں جس طرح کلام کو کسی زبان کے چند کلمات سے جمع کیا جاتا اور اس وقت تک وہ کلام صحیح نہیں ہوتی جب تک ان کلمات کے معانی کو ترتیب نہ دے دیا جائے۔ اور سریانی زبان میں بھی یونہی کلمات کو ترتیب دے دینے سے مفہوم واضح نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے معانی کی صحیح ترتیب نہ ہو جائے، اور بعض الفاظ کو بعض سے کسی مناسبت کے لحاظ سے لے لیا جاتا اور یونہی سریانی زبان کے علاوہ جب زبانوں کی کلام کو چند الفاظ سے اکٹھا کیا جاتا ہے تو ان الفاظ کے معنی کو مقدم مؤخر کرنے اور ہم معنی دو لفظوں میں اجنبی اور مشہور کا فرق کرنے اور جس چیز پر ایک معنی کی صحت موقوف ہو کو چھپانے کی ضرورت درپیش آتی ہے اسی طرح جب سریانی کلام کو کئی حروف سے جمع کیا جاتا ہے تو حروف کے معانی کو مقدم مؤخر کرنا کہیں معنی مخفی کرنا یا حذف کر دینا امر ناگزیر بن جاتا ہے۔

شیخ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جن اسرار و رموز کے معانی کو ہم نے بیان کیا ہے اس سے صاحبان کشف اور اہل مشاہدہ اچھی طرح باخبر ہوتے ہیں اللہ کے دوست یقیناً اس امر کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ سید کل کائنات کی کتنی بڑی حیثیت ہے کہ جو انعام واکرام سرکار کو عطا ہوئے وہ طاقت بشری سے باہر ہیں نیز اس امر کا بھی مشاہدہ کرتے ہیں کہ حضور کے علاوہ انبیا کرام اور ملائکہ اور انہیں اللہ نے کیا کیا اعزاز بخشا ہے اور اس مادے کا بھی مشاہدہ کرتے ہیں۔ جو سید کل کائنات کی طرف سے تمام مخلوق پر اثر انداز ہے گویا تمام مخلوق سرکار کے نوری ریشوں میں جکڑی ہوئی ہے۔

یہاں تک کہ ان ریشوں کا لامتناہی سلسلہ انبیا اور ملائکہ وغیرہم تک پھیلا ہوا ہے اور اس پھیلاؤ کے عجائب وغرائب سے محظوظ ہوتے رہتے ہیں، اور شیخ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک پرہیزگار شخص نے روٹی کا ایک ٹکڑا کھانے کے لیے اٹھایا اور اس میں جو نعمت بھی اولاد آدم کو نصیب ہوتی ہے اچھی طرح غور کیا تو اس روٹی کے ٹکڑے میں ایک نور کا ریشہ دیکھا اس نور کے پیچھے پیچھے دیکھتا رہا یہاں تک کہ وہ نوری ریشہ سرکار کے نور سے مل گیا پھر دیکھا کہ یہ ایک نوری ریشہ جو سرکار کے نور سے مل گیا تھا تھوڑا تھوڑا پھیلنا شروع ہو گیا یہاں تک کہ وہ ان تمام ریشوں سے مل گیا جو مخلوق پر فیضان وانعامات کا اصل ذریعہ اور سبب ہوتے ہیں ان

مبارک کہتے ہیں کہ شیخ ابھی کوئی بات کر رہے تھے میں نے کہا اللہ ہمیں ان کی جماعت میں داخل فرمائے پھر ہمارے اور ان کے درمیان کبھی جُدائی نہ ہو، شیخ رضی اللہ عنہٗ نے کہا کہ ایک رسوائے زمانہ شخص نے یونہی یا واگوئی سے کام لیتے ہوئے کہہ دیا کہ مجھے ہمارے سردار حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے ہدایت ایمان کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوا نُورِ ایمان تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے نبی کی طرف سے نہیں تو اسے کچھ خُدا رسیدہ بزرگ لوگوں نے کہا کہ اگر ہم تیرے نورِ ایمان اور سرکار کے نُور کے درمیانی رابطہ کو کاٹ دیں اور صرف تیرے نُورِ ایمان کی ہدایت باقی رہنے دیں جس کا ابھی تو ذکر کر رہا تھا تو اس بات پر خوش ہے تو اس نے ہاں سے جواب دیا کہ میں راضی ہوں، شیخ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابھی یہ بات پوری نہ ہوئی تھی کہ یکایک اس نے صلیب کو سجدہ کر دیا۔ اور اللہ تعالےٰ اور اس کے رسُول صلے اللہ علیہ وسلم کا منکر ہوگیا اور کفر کی حالت میں مرا ہم اللہ کے فضل وکرم سے سلامتی ایمان چاہتے ہیں، حاصل کلام یہ ہے کہ اولیا اللہ ذاتِ حق اور رسُول اللہ کی قدر ومنزلت سے پورے پورے واقف ہوئے ہیں اور جو کچھ ذکر کیا جا چکا ہے ان سب احوال وکیفیات کو آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ جس طرح کہ وہ محسوس کی جانے والی سب چیزوں کا مشاہدہ کرتے ہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کیونکہ نگاہ بصیرت آنکھ کی نگاہ سے کئی درجہ زیادہ طاقت رکھتی ہے اس کا ذکر عنقریب آئے گا، اور اب بھی اولیا اللہ تمام انبیائے کرام اور ان کے احوال ومقامات کا مشاہدہ کرتے ہیں مثلاً حضرت زکریا علیہ السلام کو مع ان کے حالات ومقامات جو ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور انعام ملے ہیں مشاہدہ کرتے ہیں کہ وہ سید کل کائنات کی طرف سے سیدنا زکریا علیہ السلام تک پھیلے ہوئے ہیں اور یونہی جو کچھ مذکورہ صورت میں ہے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے احوال ومقامات اور سیدہ مریم علیہا السلام کے حالات ومقامات اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے حالات ومقامات اور ہمارے سردار حضرت ابراھیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اور موسیٰ و ہارون اور ادریس وآدم علیہم السلام اور ہر نبی کو اللہ نے جو انعام بخشا ہے ان کی زیر نظر ہیں اور یہ مذکور تفسیر کچھ نہ کچھ انہی اسرار ورموز کی نشاندہی کرتی ہے، اگر مزید تفسیر کی جائے تو اس کا تعداد وشمار ممکن نہیں اسی لیے ہم نے کہا کہ جو کچھ اس سورت میں ہے وہ کچھ اسرار ورموز ہیں بے شک تمام موجوداشیائ بولنے والی اور خاموش اور عقل والی اور بے عقل اور رُوح والی اور بغیر

رُوح انہی رموز و اسرار میں سب کی سب داخل ہیں۔ ابن مُبارک کہتے ہیں کہ میں نے جب شیخ رضی اللہ عنہ سے بہترین تفسیر سُنی تو میں نے اُن سے ابو زید کے حاشیہ کے حوالہ سے سوال کیا جو انھوں نے سیدی مُحمد بن سلطان سے نقل کیا اور سیدی عبدالنور نے جو کچھ سیدی ابو عبداللہ بن سُلطان سے نقل کیا تھا اور یہ یعنی عبدالنور جناب شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھیوں میں ہیں اُنہوں نے کہا کہ میں نے خواب دیکھا کہ میں اللہ کے اس قول کہیٰعص اور حمٓعسٓق کے متعلق بعض فقہا سے اختلاف کر رہا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے میری زبان پر جاری فرما دیا یا یہ کہ میں نے کہا کہ یہ اسرار اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہی ہیں، پھر انہوں نے یوُں کہا کہ (کاف) کا مطلب کہ آپ ہستی کی جائے پناہ ہیں اور آپ تمام ہستی ہیں اور آپ سے ہر موجود پناہ لیتا ہے۔ (ھا) کا مطلب ہم نے آپ کو بادشاہت عطا کی اور آپ ہی کے لیے فرشتے تیار کئے (یا عین) کا مطلب اے آنکھوں کی آنکھ اور (صاد) کا مطلب کہ آپ میری تمام صفات کے مظہر اتم ہیں یعنی جو رسُول صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے بے شک اس نے اللہ ہی کی اطاعت اور فرمانبرداری کی اور (ح) کا مطلب ہم نے آپ کی حمایت کی اور (میم) کا مطلب ہم نے آپ کو بادشاہ بنا دیا (عین) کا مطلب ہم نے آپ کو علم عطا کیا، اور (سین) کا مطلب ہم نے آپ کا مقام بلند کیا اور (قاف) کا مطلب ہم نے آپ کو اپنا قُرب بخشا، پھر وہ فقہا مجھ سے جھگڑنے لگے تو میں نے کہا کہ ہم رُسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس چلیں آپ ہمارے درمیان بہتر فیصلہ فرما دیں گے ہم چلے اور رسول اللہ سے ملاقات کی تو سرکار نے ارشاد فرمایا کہ جو مُحمد بن سُلطان نے کہا ہے وہ حق ہے پھر شیخ رضی اللہ عنہ نے کہا جو کچھ سیدی مُحمد ابن سُلطان نے کہا ہے وہ حضور کے مقام کی نسبت سے بالکل صحیح ہے لیکن جو کچھ میں نے ان حروف کی تفسیر میں کہا ہے وہ ان حروف کی وضع اور اصل کے تقاضہ سے کہا ہے، پھر کہا کہ میں کہتا ہوں۔ تجھ پر شیخ رضی اللہ عنہ کی بلندی تفسیر مخفی نہیں رہی ہو گی کہ بے شک فرشتہ کا فرشتہ ہونا اور ملکوتیت کی تیاری یہ دونوں چیزیں حضور پر نوُر صلے اللہ علیہ وسلم سے دُوری کا تقاضہ کرتی ہیں اور نہ ہی آپ سے فرع واقع ہوتی ہیں تو فرشتہ اور فرشتگی اور تمام مخلوقات کہاں سے (صاد) کے تحت درج ہو سکتی ہیں پھر سب مخلوق پر یہی حکم ہو گا کہ تمام مخلوق کا مادہ اور اصل سید کل کائنات کے وجود

سے ہے حرف نون اور حرف عین اسی کا تقاضا کرتے ہیں اور اس کے قول وجود کی پناہ گاہ وہ جو جس کی طرف ہر موجود پناہ لیتا ہے کا یہی معنی ہے اور اس کی طرف سیدی محمد بن سلطان نے اشارہ کیا ہے اور یہ نون اور عین اور صاد کے تحت درج ہیں۔

سیدی عبدالعزیز دباغؒ کے ارشادات میں سے ہی ہے جو انہوں نے ابریز میں ذکر کیا ہے اپنی اس بات سے میں نے آپؒ سے اللہ کے اس قول کے متعلق سوال کیا۔

واذقالت الملئکۃ یامریم ترجمہ: اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم بے

ان اللہ اصطفاکِ۔(الآیۃ)[1] شک اللہ تعالےٰ نے تجھے چُن لیا ہے۔

دوسرے قول والوں کی دُرستی کے متعلق کہا اور وہ عورتوں سے نبوت کی نفی ہی ہے اور اللہ کے لیے اس نوعیت کی کوئی نبوت نہیں ہے جہاں تک جنابہ مریم کا تعلق ہے وہ صدیقہ اور سچی ضرور تھیں۔ پھر آپ نے نبوت اور ولایت کے درمیان فرق کرتے ہوئے ذکر کیا کہ بے شک نبوت کا نور اصلی ذاتی اور حقیقی ہے جو ذات کے ساتھ اپنی اصل حقیقت میں پیدا ہوا ہے اسی لیے نبی ہر حال میں معصوم ہوتا ہے اور ولایت کا نور اس سے ذرا ہٹ کر ہے پھر کہا جو کئی اور دوستوں نے نبی اور ولی کے درمیان عدم[2] وملکہ کے اعتبار سے فرق کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔ وہ صحیح نہیں ہے اس لیے کہ جس پر راز کھل جائیں خواہ وہ نبی ہو خواہ وہ ولی ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ فرشتوں کے حقائق کا مشاہدہ کرے وہ اپنے جس حال میں بھی ہوں اور یہ ان سے باتیں کرے اور وہ ان سے باتیں کرے پھر کہا اس سلسلے میں جو ہم نے اپنے شیخ سے سنا ہے اگر اسے ہم ظاہر کر دیں تو وہ ضرور طالبوں کے لیے نشانی اور شوق رکھنے والوں کے لیے ایک عمدہ چیز ثابت ہو لیکن وہ ایسا بھید ہے جسے ظاہر نہیں کیا جاتا مگر میں پسند کرتا ہوں کہ اس جگہ پر دو باتیں اپنے شیخ کے علوم میں سے ذکر کرتا جاؤں ان دونوں میں سے ایک تو یہ ہے اس لیے کہ اسے

---

[1] پ نمبر ۳، سورت آل عمران، آیت ۴۲۔

[2] علم منطق میں چار تقابل جن سے تیسرا تقابل عدم ملکہ ہے تضائف، تضاد، ایجاب وسلب دو چیزوں کا ایک جگہ میں ایک وقت میں ایک حیثیت سے اکٹھا ہونا منع ہو تقابل عدم ملکہ کہلاتا ہے (کتب منطق)

منکشف ہو جائے وہ اس کا مشاہدہ پہلے مقام میں کرتا ہے اس لیے کہ اسے کئی اُمور سے کشف ہوتا ہے ان میں سے بندوں کے افعال کو ان کی تنہائیوں میں جاننا ہے اور انہیں میں سے ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں کا مشاہدہ کرنا ہے اور اسی میں سے اس آگ کا مشاہدہ کرنا ہے جو پانچویں زمین میں ہے اور اس کے علاوہ جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے، اور کہا کہ یہ آگ وہ ہے جو برزخ کی آگ ہے اس لیے کہ برزخ ساتویں آسمان سے لے کر ساتویں زمین تک پھیلا ہوا ہے اور روحیں اس میں اپنی اشباح سے نکلنے کے بعد کئی درجوں پر ہوتی ہیں اور بدبختوں کی رُوحیں اللہ پناہ دے اسی آگ میں ہوں گی اور یہ تنگ تنگ جگہوں کی صورت میں ہوں گے جس طرح کہ کنویں اور غاروں اور پہاڑوں کی کھوہیں اور کہا کہ یہ آگ جہنم کی آگ نہیں ہے اس لیے کہ جہنم ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں کے کرّہ سے خارج ہے اور یوں ہی جنّت اور اس امر کا بھی ذکر کیا کہ بسا اوقات انشراحِ صدر والا شخص عالم علوی اور سفلی یعنی اُونچی اور نیچلی دنیا کا مشاہدہ کر لیتا ہے۔ جس طرح کہ آسمان سُورج چاند ستارے شیطان اور ڈراؤنی آوازیں، پھر کہا کہ اس شرحِ صدر والے شخص پر لازم ہے کہ وہ ان چیزوں میں سے بڑا نہ جانے اور وہ جو کچھ دیکھے حقیر جانے ورنہ اس کا حال رُکھا جائے گا اور اس کا کام مخمصے میں پڑ جائے گا اس لیے کہ ذات کشادگی کے وقت میں بے توجہ ہوتی ہے اور ہر ایک چیز کی طرف عدم توجہی برتتی ہے اور یہ مشاہدہ شُدہ چیزیں سب کی سب اندھیرے میں ہوتی ہیں۔ پھر کہا جو شخص ان پہلے اُمور میں سے کسی چیز سے واقف ہو جائے تو اس کے ساتھ تمام شیطان اور تمام جادُوگر اور نجومی وغیرہ بھی شامل ہونگے ہم اللہ سے ایسے کشف سے پناہ مانگتے ہیں جب پر اللہ رحم کر دے اسے اپنی طرف کشش کرتا ہے۔ اس میں شوق پیدا کرتا ہے اور اس کی دلی تمنا کو بڑھا دیتا ہے اور اس کے ساتھ یہ تمام پردے تار تار ہو جاتے ہیں، اور بہر حال وہ جو مشاہدہ کرے اس کا دوسرے مقام میں تو کشف ہوتا ہے۔ باقی رہنے والے انوار کی بدولت جس طرح کشف کر لیا جاتا ہے پہلے مقام میں ظلماتی اور فانی اُمور کے ساتھ پھر وہ مشاہدہ کر لیتا ہے اس مقام پر فرشتوں کا اور کراماً کاتبین کا اور اس کچہری کا جسے اولیاء اللہ تعبیر کرتے ہیں اور مشاہدہ کر لیتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقام کا اور جو بھی ان کی طرف منسوب ہیں اور وہ اپنے طور طریقے پر صحیح تھے پھر وہ حضرت مُوسیٰ علیہ السلام کے مقام

کا مشاہدہ کرلیتا ہے۔ اور جو آپ کے ساتھی ہوں۔ پھر وہ حضرت ادریس علیہ السلام کو بھی پہچانتا ہے اور
ان کو بھی پہچانتا ہے جو اس کے ساتھی ہوں۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام کے مقام کو بھی پہچانتا ہے
اور جو آپ کا ساتھی ہوا اسے بھی پہچانتا ہے پھر حضرت ادریس علیہ السلام سے پہلے والے تین پیغمبروں
کے مقام کو بھی پہچاننے لگ جاتا ہے جن کے نام عام لوگوں میں جانے پہچانے نہیں ہیں، پھر کہا کہ اگر
ہم کھول کھول کر انبیاء مذکور کے مقام کو بیان کرنا شروع کر دیں کس طرح دیکھے گا فرشتہ اپنی اصلی
حقیقت پر ضرور سنے گا سننے والا کچھ جب کہ اس کے دل پر کچھ نہ ہوگا اور جس پر راز عیاں ہو
جائے ان اُمور کے متعلق اس پر یہ بھی واجب ہے کہ وہ پہلی چیزوں میں سے کسی پر واقف نہ رہے
اس لیے کہ اس کی ذات اس وقت توجہ مرکوز کیے ہوئے ہوتی ہے تو جب ان میں سے کسی چیز
کے متعلق واقف ہو گی تو اس کی ذات پر اسرار کھل جاتے ہیں یہاں تک کہ جب حضرت سیدنا عیسیٰ
علیہ السلام کے مقام سے واقف ہوگا تو انہیں اچھا جاننے لگے گا اور ان کا رضا جویاں رہے گا
اور اسی وقت ان کے دین کی طرف لوٹے گا اور ملتِ اسلام سے نکل جائے گا ہم اللہ سے ایسے
کشف سے بھی سلامتی چاہتے ہیں اور ایسی صورت میں کشف والا شخص بہت بڑے خطرے سے دو
چار رہتا ہے اور ہلاکت اس کے سر پر منڈلانا شروع کر دیتی ہے تو ایسے میں ہمارے آقا و مولا حضرت
محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے مقام کا مشاہدہ کرلیتا ہے پھر جب وہ آپ کے مقام کا مشاہدہ کرتا ہے۔
تو اسے نیک شگون حاصل ہوتا ہے اور اسے مکمل سکون و اطمینان میسر آتا ہے اس لیے کہ آپ کی
ذات میں اللہ عزوجل کی طرف کشش کرنے کی ایک خاص قوت ہے جو آپ ہی کی ذات کا حصہ ہے۔
اور یہ کسی اور مخلوق کا خاصہ نہیں اسی لیے آپ سب مخلوق سے زیادہ عزت دار اور تمام جہانوں
سے افضل ہیں۔ جب صاحب کشف ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے مقام کی طرف بڑھتا ہے۔
تو اس کی کشش اللہ عزوجل کی طرف بڑھ جاتی ہے اور مقام کے کٹ جانے سے بے نیاز ہو جاتا ہے
اور اس میں کچھ اور راز بھی ہیں جنہیں بسط و کشاد والے پہچانتے ہیں ہمیں بھی اللہ انہیں میں سے
کرے اور ان کی برکتوں سے اللہ ہمیں محروم نہ رکھے۔ پھر اس کے علاوہ جو صاحب کشف دیکھتا رہتا
ہے جب ہمیں یہاں اس ذکر کرنے کی کچھ حاجت نہیں۔ جو شخص چاہے وہ اصل کتاب کی طرف
رجوع کر سکتا ہے۔

سیدی عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ کے بعض ارشادات میں سے جو انہوں نے ابریز میں اپنے اس قول کے ساتھ ذکر کیا ہے اور میں نے آپ سے سوال کیا اللہ کے اس قول کے متعلق ۔

وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَاهُ[1] — اور آپ لوگوں سے ڈرتے ہیں حالانکہ اللہ زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس سے ڈریں ۔

اللہ نے اپنے نبی کو کس طرح ڈانٹ پلائی حالانکہ وہ عارف لوگوں کے سردار ہیں اور نبیوں رسولوں کے راہنما و پیشوا ہیں تو آپ نے مجھے یوں جواب دیتے ہوئے کہا کہ بے شک نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے جب حضرت زید نے جنابہ زینب کی طلاق کے متعلق مشورہ کیا تو آپ نے حضرت زید کو حکم کیا کہ زینب کو اپنے پاس رکھیں اور اس کی حسن معاشرت کے لیے خدا سے ڈریں حالانکہ نبی علیہ السلام جانتے تھے کہ بے شک وہ زینب حضرت زیدؓ کی طرف صبر کر سکتیں ہیں اور آپ نے اس امر کو مخفی رکھا اور ظاہر نہ ہونے دیا اور اپنی ذات کی خود ہی ڈانٹ پلاتے ہوئے اپنے جی میں کہنے لگے کہ آپ لوگوں سے ڈرتے ہیں حالانکہ اللہ زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس سے ڈریں اور یہ ڈانٹ ڈپٹ در باطن اپنی ذات پر فرما رہے تھے تو اللہ جل شانہٗ نے آپ کے باطن کو ظاہر فرماتے ہوئے وحی کی صورت میں آپ کے ان الفاظ کو نازل فرما دیا، آپ نے کہا جس پر اللہ تعالیٰ سب کچھ عیاں کر دے اور وہ آسمانی کتابوں پر غور کرے تو وہ ان میں قدیم کلام الٰہی کے نور کو پائے گا اور جس پر نبوت کی طبعی حالت نزول وحی کے وقت ہو اس نور کو بھی پالیتا ہے پھر آپ نے کہا کہ اہل کشف جب قرآن کی تفسیر کے درپے ہوتے ہیں تو ان کے لیے اسباب نزول کے سوا کچھ سامنے نہیں ہوتا اور اسباب نزول سے مراد یہ نہیں جو ظاہر علم میں ہوتے ہیں بلکہ اسباب نزول سے مراد وہ حالات و تجلیات مراد ہیں جو نبی کی ذات میں نزول کے وقت موجود ہوتے ہیں تو اس حالت میں وہ ان سے ایسی چیز سُنے گا جس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ وہ ان سمندروں کی غوطہ خوری کرتے ہیں جو حضور علیہ السلام کے باطن میں ٹھاٹیں مار رہے ہیں۔ پھر کہا میں نے آپ سے اللہ کے اس قول کے متعلق بھی سوال کیا ۔

---

[1] پ ۲۲، سورت الاحزاب، آیت ۳۷ ۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ[۱]
اور تمہیں معاف کرے تم نے انہیں کیوں اذن دے دیا جب تک نہ کھلے تھے تم پر سچے اور ظاہر نہ ہوئے جھوٹے۔

تو آپ نے مجھے جواب دیتے ہوئے کہا جو اس حقیقت کے قریب ہے کہ بے شک نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا حکم ہوا کہ وہ معاف کر دیں اور درگذر فرمائیں اور حُسنِ معاشرت سے رہیں اور اللہ تعالیٰ نے یہاں تک کہہ دیا۔

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ[۲]
اور اگر تند مزاج سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہو جاتے تو تم انہیں معاف فرماؤ اور ان کی شفاعت کرو اور کاموں میں ان سے مشورہ لو۔

تو یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخلوق کے ساتھ عادتِ کریمہ تھی جب منافق جنگ سے پیچھے رہنے کے لیے آئے اور اپنی اپنی عذر داریاں ظاہر کیں تو حضور علیہ السلام نے انہیں بیٹھے رہنے کی اجازت دے دی حالانکہ آپ ان کے نفاق کو خوب اچھی طرح جانتے تھے اور آپکا اجازت دے دینا صرف رحمت پر مبنی تھا۔ جب حضور علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حُسنِ معاشرت کا حکم دیا اور آپ کو اس معاشرت کے لیے مخصوص کیا اور آپ کے قلبِ انور کو متوجہ کیا کہ ان کے ساتھ ظاہر کا چلنا چلیں پھر آپ کے باطن میں آیت کے نازل کرنے سے ایک جدت پیدا کی جو ان کی گھبراہٹ پر ایسی وجہ سے دلالت کر رہی تھی کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے نہ آپ کی طرف سے کیونکہ آپ بہت بڑے صاحبِ حیا میں مثلاً اللہ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ[۳]
بے شک اس میں نبی کو ایذا ہوتی تھی تو تمہارا لحاظ فرماتے تھے اور اللہ حق فرمانے میں نہیں شرماتا۔

---

[۱] پ ۱۰، سورت توبہ آیت ۴۳،
[۲] پ ۴، سورت آل عمران، آیت ۱۵۹۔
[۳] پ ۲۲، سورت الاحزاب، آیت ۵۳۔

تو اللہ نے پسند کیا کہ عتاب کی صورت میں آپ کے لیے ایک آیت نازل کرے تاکہ آپ تہمت سے دُور ہٹ جائیں اور خالصاً نصیحت میں داخل ہو جائیں اور ان لوگوں کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بار بار منافقت میں مصروف رہنے سے ڈانٹ دیا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ جو منافقت کرے اور آپ کا دشمن ہو اور آپ کے ساتھ جھگڑے اس کے خلاف وکالت کرتا ہے تو اب اس عتاب کی صورت اپنے ضمن میں بہت سی مصلحتیں رکھتی ہے جو کہ در باطن عتاب ہے ہی نہیں اور دوست اپنے دوست کی طرف سے جھگڑا مول لینے میں وکالت کرتا ہے لیکن یہ معاملہ ہر ایک کے ساتھ نہیں ہے آپ نے فرمایا کہ کسی کو ایسا گمان رکھنے کا حق حاصل نہیں ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سچے کو جھُوٹے سے نہیں پہچان سکتے۔ حالانکہ آپ پر یہ معمولی سا کام کیسے مخفی رہ سکتا ہے جب کہ آپ کے سامنے کل عالم کائنات کے حالات ظاہر ہیں اور آپ سچّے سے جھُوٹے کو اس وقت بھی پہچانتے تھے اور اب بھی پہچانتے ہیں اور آپ کے غلاموں جو اہلِ کشف ہیں ان کو بھی یہ مقام حاصل ہے اور وہ آپ کی مُحبت کی بدولت ہی اس مقام کو پہنچتے ہیں کیونکہ انہوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نورانیت سے ایک بال برابر سیرابی حاصل کی ہوتی ہے اور یہ ذکر گزر چکا ہے کہ یہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے تو پھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا علم کتنا ہوگا، ابن مُبارک نے کہا کہ میں آیت کی اس تقریر میں جو کچھ بہتر کہا گیا ہے میں کہوں گا کہ یہ بہتری وہی سمجھ سکتا ہے جو مفسرین کے کلام پر غور کر سکتا ہے اور بیضاوی نے کہا ہے اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اذن دینے میں غلطی کی ہے اور معافی دینا اسی کا نتیجہ ہے، اور شیخ الاسلام ذکریا نے اپنے حاشیہ میں کہا اور زمخشری نے بھی انہی کی تابعداری کی ہے جب کہ طیبی نے دعویٰ کیا ہے کہ زمخشری نے اس عبارت میں صریح غلطی کی ہے اور مجھے معلوم نہیں کہ یہ اس نے کیسے کر دی ہے۔ ان اشارات کی مثالوں میں یعنی معافی کا مقدم ذکر کرنا مخاطب کی تعظیم کی خبر دینا اور اس کی کمال تعظیم و توقیر کرنا ہے۔ وہ یونہی ہے کہ جس طرح اس کی مثال میں کہا ہے کہ یعنی ایسا ذکر کرنا گناہ کے پہلے ہونے کا تقاضا نہیں کرتا بلکہ اس کی تعظیم ثابت کرنے پر دلالت کرتا ہے جس طرح کہ ہم کسی کی تعظیم کرتے ہوئے اسے کہیں اللہ تجھے معاف کرے جو تُو نے میرے متعلق کیا ہے اللہ تجھ سے راضی ہو جائے جو میرے کلام کے متعلق تیرا جواب ہے اسی لیے علامہ تفتازانی

نے کہا کہ مصنف یعنی زمخشری کو ایسی بُری عبارت لائق نہ تھا کہ وہ ایسی بُری عبارت کو نقل کرے
جبکہ خود اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلے اللہ علیہ وسلم سے رعایت برتتا ہے کہ آپ کو اپنے کلام میں
اذن دینے سے پہلے ہی معافی دے دی اور آپکا اذن دے دینا بھی آپ کے بلند درجہ اور
اختیاری قوت کی خبر دیتا ہے ۔ استفہام کی صورت میں اس کلام کو وارد کرنے سے اگر ان کی
بات پر انکار کا ارادہ ہو تو تحقیق میں کہا جائے گا کہ یہ ایک اچھا کام چھوڑا اور افضل کام کو ترک کیا بلکہ
درحقیقت اس میں عزت اور تعظیم ہے مثلاً اللہ تجھے معاف کرے جو تو نے میرے کام میں کیا ہے۔
حافظ سیوطی نے بھی اپنے حاشیہ میں زمخشری کی اس عبارت کی تائید کی ہے اور صاحب انصاف
نے درمیان میں سے ایک صورت نکالی ہے کہ اگر زمخشری کی اصل مُراد یہ معنی نہ ہو تو پھر اس نے
غلطی کی ہے یا اس کی مُراد ہو گی لیکن اللہ نے اس سے حضور کے مقام کو مخفی رکھا ہے۔ اور رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں وہ آداب الٰہی سے واقف نہیں ہوا۔ پھر طیبیؒ اور تفتازانیؒ
کے کلام کو نقل کرتے ہوئے کہا اور قاضی عیاض نے شفا میں یوں کہا ہے کہ ابتدائے کلام میں معافی
کا ذکر کرنا اس معنی کے قائم مقام ہے کہ اللہ تیری اصلاح کرے اور اللہ تجھے عزت بخشے، اس مقام
پر حسن بن محمد بن صالح نابلسی نے زمخشری کے رد میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام جنۃ الناظر
وجنۃ المناظر فی انتصار لابی القاسم الطاہر صلی اللہ علیہ وسلم اور اسی وجہ سے بہت متقدمین اور
اہل تقویٰ پرہیزگار لوگوں نے تفسیر کشاف کے پڑھنے اور مطالعہ سے منع فرمایا۔ اور تقی الدین
سُبکی نے بھی اس کے خلاف ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام سبب الانکفاف عن اقراء الکشاف کے
حاشیہ میں آپ دیکھ لیں تو آپ کو زمخشری کی بہت سی غلطیاں ملاحظہ ہوں گی اللہ بہتر جانتا ہے۔
سیدی عبدالعزیز دباغؒ کے بعض وہ ارشادات جو ابریز میں ہیں اپنے اس قول کے ساتھ ذکر کیا
ہے میں نے آپ سے اللہ کے اس قول کی تعبیر کا سبب نبی علیہ السلام کے حق میں دریافت کیا۔

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ ؀[۱] ترجمہ: اور تمہارے صاحب مجنون نہیں۔

اور جبریل علیہ السلام کے متعلق اللہ کے اس قول رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ سے اللہ کے قول مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ۔

---

[۱] پ ۳۰، سورت التکویر، آیت ۲۲۔

تک دریافت کیا تو آپ نے جواب میں کہا کہ قرآن حضور علیہ السلام پر نورِ حق سے نازل ہوا اور جب تعبیر کی جاتی ہے تو نبی کی ذات کے قریب کی حالت تعبیر کی جاتی ہے یا یہ تواضع کی بنا پر ہوتا ہے یا کسی اور بنا پر ہوتی ہے لیکن یہ اس مقام پر آپ سے جبریل علیہ السلام کے ساتھ تعظیم ہے حالانکہ ذاتی طور پر وہ چھوٹے ہیں اور مجھے آپ نے ایک بار پھر کہا کہ اللہ کے اس قول کا ذکر ماصاحبکم بمجنون ماقبل کو برقرار رکھنے کے لیے اور جو چیز حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف منسوب کی گئی ہے اس کو صحیح رکھنے کے لیے تو وہ گویا کہہ رہا ہے جس کو ہم نے جبریل علیہ السلام کے حق میں کہا کہ لایا ہے وہ اس کے پاس سے جس کی سچائی، امانت اور معرفت کو تم اچھی طرح جانتے ہو کہ جو کچھ وہ کہتا ہے، اور مخبر جب اس صفت پر ہو کہ اسے اپنی خبر دینے پر اعتماد ہو اور وہ مجنون نہیں ہوتا کہ بے تکی باتیں کرتا رہے اور اللہ کے اس قول سے اصل غرض مخاطب لوگوں کی عقلوں کی اصلاح ہے۔ حضور علیہ السلام کی حالت کی تعریف نہیں ہے یہاں تک کہ کہہ دیا جائے کہ حضور علیہ السلام کی اس صفتِ سلبی سے تعریف چھوٹی کی ہے اور جبریل علیہ السلام کے حال کی تعریف بڑے بڑے اوصاف کے ساتھ اللہ تعالٰی زیادہ جاننے والا ہے (خبردار) میں ایک بڑی اچھی تحریر اپنی کتاب فضائلِ محمد میں لکھ رہا تھا جب ان واردشدہ آیات کا ذکر آیا حضور علیہ السلام کے فضائل میں اللہ کے اس قول پر۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ذِيْ قُوَّةٍ	ترجمہ: بے شک یہ عزت والے رسول کا پڑھا ہے
عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ مُّطَاعٍ	جو قوت والا ہے مالک عرش کے حضور عزت
ثَمَّ اَمِيْنٍ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ	والا وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے امانت دار
وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ وَمَا	ہے اور تمھارے صاحب مجنون نہیں اور
هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ وَمَا	بے شک انھوں نے اسے روشن کنارے
هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ فَاَيْنَ	پر دیکھا اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں
تَذْهَبُوْنَ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ	اور قرآن مردود شیطان کا پڑھا ہوا نہیں۔

لہ پ ۳۰ ، سورۃ التکویر، آیت ۱۹ تا ۲۷ ۔

لِلْعٰلَمِیْنَ ۔ پھر کدھر جا تے ہو وہ تو نصیحت ہی ہے
سارے جہان کے لیے ۔

یہ جو کچھ میں نے یہاں لکھا ہے یہ ایک نص تو ہے لیکن ان آیات سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور جبریل علیہ السلام کے فضائل کی تعداد بیان کرنا مقصود نہیں ہے یہاں تک کہ کہہ دیا جائے کہ جبریل کو بہت سی اچھی صفات کے ساتھ اللہ نے کیوں متصف کیا ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے جنون کی نفی پر ہی اختصار کر دیا گیا ہے ۔ دراصل یہاں مقصود قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے کی تصدیق کرنا ہے ۔ اللہ جل جلالہٗ نے جبریل علیہ السلام کو بہت سی اچھی صفات سے متصف کر کے قرآن کے متعلق جو لوگوں کا ایک اشتباہ تھا اس کا ازالہ کیا اور وہ یہ اشتباہ تھا کہ شائد قرآن فرشتہ ہی کی کلام ہے ۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن میں ان کی تردید فرمائی ۔ کہ نہ یہ کسی فرشتہ کی کلام ہے اور نہ ہی شیطان دھتکارے ہوئے کا قول ہے ۔ تو اب محتاجی اس امر کی تھی کہ جناب جبریل علیہ السلام میں بہت سی اچھی صفات بیان کر دی جائیں اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جنون کی نفی ہی از حد ضروری تھی کیونکہ مخالفین کا گمان تھا کہ یہ ایک سحر زدہ انسان ہے اس کا کلام کسی حد تک صحیح نہیں اور پھر نفی جنون اچھی یادداشت کے لیے ضروری ہے ۔ جو جبریل علیہ السلام سے حضور علیہ السلام سے حضور علیہ السلام قرآن مجید وصول کرتے تھے اور وہ مخالفین اس بات کا علم رکھنے کے باوجود کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا عقل بھی بہت زیادہ ہے اور اس کی تیزی بھی اپنے کمال پر ہے اور آپ کی فضیلت بھی بہت زیادہ ہے اور آپ ہر اچھی صفت سے متصف بھی ہیں تو دراصل ان کا شک اس قرآن میں شیطان دھتکارے ، کے قول سے تھا تو اللہ نے اس قول کی نفی فرما دی اور آپ کے لیے جنون کی نفی سے عقل ثابت ہوئی ہے اور عقل ایک ہی ایسی صفت ہے جو تمام اچھی صفات کا مجموعہ ہے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے وصف جنون کی نفی اس لیے کی ہے کہ اور صفاتِ جمیلہ کے ذکر کی ضرورت درپیش نہ آئے ۔ جس طرح کہ جبریل علیہ السلام کے لیے صفاتِ جمیلہ کا ذکر کر دیا گیا دراصل وہ لوگ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اوصافُ محامد سے واقف تھے اس لیے آپ کے متعدد اوصاف ذکر نہ کیے گئے بخلاف جبریل علیہ السلام کے کہ قبل ازیں وہ لوگ جبریل علیہ السلام کو نہ جانتے تھے جو شخص قرآن کریم میں غور و خوض کرتا ہے۔

تو اس کے سامنے بہت سے ایسے مقام آتے ہیں جن میں اللہ جلّ شانہٗ نے مشرکین کے گمان باطل ہٹ دھرمی اور جہالت کی تردید کی ہے مثلاً ان کا یہ گمان کہ قرآن پہلے لوگوں کی قصے کہانیاں یا شیطانوں کی نازل کردہ کلام ہے اور اس کے علاوہ ان کے مکروفریب اور غلط سلط باتیں سب کی اللہ نے تردید کی ہے اور قرآن مجید کو ایک مکمل معجزے سے تعبیر کیا بایں طور کہ اگر سب مخلوق بھی اکٹھی ہو کر کوشش کرنے لگ جائے کہ کلام اللہ جیسی ایک چھوٹی سی سورت بنا کر لے آئیں وہ ایسا کرنے سے عاجز ہی آئیں گے اور قادر نہ ہوں گے اور جبریل علیہ السلام کا مکمل اوصاف سے ذکر کیا جانا اس امر کا تقاضا کرتا ہے جو کچھ اسے ملا ہے وہ صحیح ہے جس طرح کہ سورہ التکویر میں اور اس کے علاوہ سورہ النجم میں اللہ کے اس قول میں ہے

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى[1] ۔ اس کو مضبوط قوت والے نے تعلیم دی۔

اور کچھ اس کے ساتھ ملی ہوئی دوسری آیات اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے ان اوصاف کی نفی کی ہے۔ جس سے کہ صحتِ کلام الٰہی مشتبہ ہو سکتی ہے وہ جو کہ جبریل علیہ السلام نے ملاحظہ کیا جس طرح کہ جنون اس کی نفی نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے سورہ التکویر اور سورۃ نون میں بھی اللہ کے اس قول کے ساتھ نفی کی ہے۔

مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ[2] آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں۔

اور اسی سورۃ میں آپ کے لیے سب سے اچھی وصف بھی اپنے اس قول کے ساتھ بیان کی۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ[3] ترجمہ: اور بے شک آپ کی خُو بُو بڑی شان کی ہے۔

اور سورۃ النجم میں گمراہی بھٹکنا اور اپنی خواہش سے بولنے جیسے کاموں کی نفی اپنے اس قول سے کی ہے۔

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى۔ تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے

---

[1] پ ۲۷، سورۃ النجم، آیت ۵۔ [2] پ ۲۹، سورۃ نون، آیت ۲۔

[3] پ ۲۹، سورۃ نون، آیت ۴۔

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی[1] ۔ اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتا۔

یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ ذات حق کی کامل توجہ قرآن مجید کو کلام قدیم ثابت کرنے کے لیے ہے۔

لَّا یَاْتِیْہِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْہِ وَلَا مِنْ خَلْفِہٖ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ[2] ترجمہ: باطل کو اس کی طرف راہ نہیں نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے اتارا ہوا ہے حکمت والے سب خوبیوں والے کا۔

تو یہاں سے پتہ چلا کہ اس مقام پر حضرت جبریل علیہ السلام کا اوصاف جمیلہ کی کثرت سے ذکر کیا جانا اور حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم سے صرف جنون کی نفی کیا جانا اس کو مانع نہیں کہ سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم جناب جبریل علیہ السلام اور تمام مخلوق سے افضل و اعلیٰ ہوں اور سرکار کی افضلیت پر تمام اُمت کا اتفاق ہے اور یہ اُمت بھی ایسی ہے جو گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی چند معتزلہ نے اگرچہ غیر معتبر سا اختلاف کیا ہے لیکن اس اختلاف کی لشکر کثیر اور جم غفیر کی تعداد کے سامنے کچھ حیثیت نہیں ہے اور بہت سے مفسرین اس طرف چلے ہیں۔ جس طرح کہ کشاف میں ہے کہ رسولِ کریم سے اس جگہ پر دوسری صفات اور محامد سے مُراد حضرت محمد الرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اور حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت جبریل علیہ السلام پر بے شمار دلائل سے ثابت ہے۔ اور ان سب میں سے قوی صحیح اور واضح دلیل یہ ہے کہ شب معراج جبریل علیہ السلام کا سدرہ پر رک جانا اور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا مع جسم شریف تنہا اعلیٰ مقامات سے آگے نکل جانا اور وہاں قلموں کی آواز کو سُننا اور بہت سی چیزوں کا جاننا اور پہچاننا اس سلسلے میں جو مجھ پر ظاہر اور عیاں ہوا ہے وہ یہ میں نے کسی پر نہیں دیکھا کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی افضلیت جبریل علیہ السلام پر بہت زیادہ ہے۔ بسا اوقات آنجناب صلے اللہ علیہ وسلم جبریل کو یا اخی یعنی اے برادر سے خطاب فرمایا کرتے تھے اور یہ سرکار کی خصوصی شفقت تھی اور یہ ایک اخلاقی عادت بھی ہے کہ جب چھوٹے کو بڑا بلائے تو مہربانی محبت بھلائی اور عاجزی کو پیش نظر رکھ کر مخاطب کرے۔ اگر حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم جبریل علیہ السلام سے کسی طور کم ہوتے تو یا اخی کی بجائے یا سیدی یا جبریل کہہ کر پکارتے جس طرح کہ

---

[1] پ ۲۷، سورہ النجم، آیت ۲، ۳، [2] پ ۲۴، سورہ حٰم سجدہ، آیت ۴۲۔

عام طور پر اچھی سوسائٹی کے لوگ باہمی گفتگو میں بڑے چھوٹے میں گفتگو کے آداب کو ملحوظ رکھا جاتا ہے اگر ان میں سے چھوٹا بڑے سے خطاب کرتے ہوئے قدر کی نگاہ سے یا اخی کہہ دیتا ہے یا فلاں کہہ دیتا ہے تو اس کو منہ پھٹ اور بے ادب تصور کیا جاتا ہے اس مقام میں شکوک و شبہات و ہم و گمان اور جو صاحب کشاف سے لغزش ہوئی ہے کو دُور کرنے کے لیے بات لمبی ہو جائے گی عقل کے پھسلنے سے ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں کیونکہ عقل کا پھسلنا قدموں کے پھسلنے سے زیادہ خطرناک ہے یہاں وہ بات ختم ہوگئی جس کو میں نے وہاں ذکر کیا تھا اور یہ دراصل اس بات کی تفصیل ہے جس کو سیدی عبدالعزیز نے دوسرے جواب میں اجمالاً ذکر کیا تھا۔ خُدا کا علم ہر حال میں بہتر ہے۔ سیدی عبدالعزیز دباغ کے بعض ارشادات میں سے جو انہوں نے ابریز میں اپنے اس قول کے ساتھ ذکر کیا ہے اور میں نے آپ سے اللہ تعالےٰ کے اس قول۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى[1]	ترجمہ: اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اترے تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے۔

کے متعلق سوال کیا کہ اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ کی رسالت کو صحیح ثابت کرنے کے لیے النجم یعنی ستارے کی قسم کیوں کھائی جب کہ نورِ رسالت اور نجم کے درمیان کوئی مناسبت ہی نہیں اس لیے کہ نجم تو پتھروں میں سے ایک پتھر ہے۔ تو آپ نے کہا کہ ستارے کی قسم اس حیثیت سے واقع نہیں ہوئی کہ وہ نجم پتھر ہے بلکہ اس حیثیت سے قسم ہے کہ اس میں نورِ حق ہے وہ نورِ حق جس کی مدد سے جنگلوں اور سمندروں کے اندھیرے کافور ہوتے ہیں اور راہ متعین ہوتی ہے۔ پھر ایک ضرب المثل بات کرتے ہوئے کہا کہ جب دو آدمی دوران سفر راستہ بھول جائیں اور بے خرچ ہو جائیں اور ان کا کوئی ساتھی بھی نہ ہے تو انھیں اپنی ہلاکت کا یقین ہوگا۔ آزادی اور نجات کا نہ ہونا بھی یقیناً سمجھتے ہوں گے تو ان دونوں میں سے اگر ایک کو ستاروں کی پہچان ہوگی جس کی مدد سے وہ اپنے سفر کا رُخ متعین کرے گا۔ اور رات کی تاریکی میں اسے حفاظت کے ساتھ اس کے پیچھے پیچھے جا کر اپنے ارادہ اور مُراد کے مطابق

---

[1] پ ۲۷، سورہ النجم، آیت ۱ ، ۲ -

پہنچ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے نجات دے دیتا ہے۔

ایک دوسرا شخص ستارے کی پہچان سے بالکل نابلد ہو اور اس سے بھی ناواقف ہو کہ ستارے سے کیسے راہنمائی لی جاتی ہے اور ستارے کی پہچان میں کسی ساتھی کی مدد بھی حاصل نہ کی۔ تو وہ گمراہی کی وادیوں میں حیران کبوتر کی طرح ہمیشہ ہمیشہ بھٹکتا رہے گا جس طرح کبوتر گرمی اور سردی سے متاثر ہو کر ہلاک ہو جاتا ہے یونہی اس شخص کا حال ہوگا۔

حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لوگوں کا یہی حال ہے گویا آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان مذکور دو شخصوں کے درمیان ہوں۔ یعنی ایک جماعت تو وہ جو آپ پر ایمان لائی اور آپ کی تصدیق کی اور آپ کی تابع فرمان رہی تو وہ اس کی برکت سے جنت میں داخل ہوئی، اور ایسے ایسے انعامات پائے جن کو بیان کرنا مشکل ہے جس طرح کہ پہلا شخص زادِ راہ اور رفیقِ سفر کے ساتھ چلے تو وہ اپنی حاجت اور مراد کو گھنے سایوں اور جنت کی آسائشوں میں پہنچا۔ اور ایک گروہ جس نے آپ کی تکذیب کی اور آپ کو جھٹلایا اور ہمیشہ اللہ کی ناراضگی اپنے سر لی اور اسی حالت میں مر گئے تو جہنم انھیں اپنی تپش اور ٹھنڈک سے جلاتا رہے گا جس طرح کہ وہ دوسرا آدمی گرمی اور ٹھنڈک سے جل جاتا ہے۔ تو اب درحقیقت مقسم بہ یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اور مقسم علیہ یعنی وہ دو شخصوں کے درمیان ایک تعلق واقع ہے یعنی ایک فرد تو اس قسم کے افراد میں سے ہے جو کہ نورِ حق کو پہچانتے ہیں تو ظاہر ہے کہ اس فرد کو اس دوسرے فرد پر ترجیح ہوگی جس کے افراد نورِ حق کو نہیں پہچانتے۔

اور سیدی عبدالعزیز دباغؒ کے بعض ارشادات میں سے جو انھوں نے ابریز میں اپنے اس قول کے ساتھ ذکر کیے اور میں نے آپ سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے متعلق سوال کیا۔

اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا ۝ لِّيَغۡفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ[1]

ترجمہ: بے شک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرما دی۔ تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔

---

[1] پ۲۶، سورہ فتح، آیت ۱، ۲۔

تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ اس فتح سے مُراد مشاہدۂ ذاتِ الٰہی ہے اس لیے کہ اللہ کے پہلے کام میں یہ بات تھی کہ سب مخلوق اسے نہیں پہچانتی تھی اور سب مخلوق اسے ایک جگہ کے سوا پہچان بھی نہیں سکتی تھی اور اللہ تعالیٰ فیصلہ کر چکا کہ مخلوق کے لیے دو جگہیں ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور خلق کے درمیان پردہ کیا اس شخص کے سوا جس پر اللہ رحم کرے تو اس پردے کی بنا پر اللہ نے انہیں ذاتی مشاہدے اور اس کی ذات کے مشاہدۂ بالفعل سے روکے رکھا کیونکہ اگر وہ اپنی ذات سے پردہ اٹھا لیتا تو سب لوگ اس کا مشاہدہ کر لیتے جس طرح کہ اللہ نے فرمایا۔

وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ[1] ترجمہ: اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔

وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ[2] ترجمہ: اور ہم اس کی طرف اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ[3] ترجمہ: اور اے محبوب جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں

وَلَا أَدْنَى مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا[4] ترجمہ: اور نہ اس سے کم اور نہ زیادہ مگر وہ ان کے ساتھ ہے وہ جہاں کہیں بھی ہوں۔

نیز وہ اپنے سب اعمال کا بھی مشاہدہ کر لیتے کہ یہ اللہ ہی کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور وہی ان کے اعمال کا فاعل ہے وہ خود نہیں ہیں وہ خود تو ایسے جسم ہیں جو ان افعال کا ظرف یا ٹھکانہ ہیں اللہ تعالیٰ انہیں حرکت دیتا ہے جیسے چاہے، اور پھر اس بات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں کہا بھی ہے۔

وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ[5] ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا ہے۔

---

[1] پ ۲۷، سورہ حدید، آیت ۴ [2] پ ۲۶، سورہ ق، آیت ۱۶۔

[3] پ ۲، سورہ البقرۃ، آیت ۱۸۶۔ [4] پ ۲۸، سورہ مجادلہ، آیت ۷۔

[5] پ ۲۳، سورہ الصفت، آیت ۹۶۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی آدمی کبھی بھی گناہ نہیں کرتا اس لیے کہ گناہ اپنے وقت میں اس شخص سے ہوگا جو اپنے رب سے غافل ہونے والا اور چھپا ہوا ہو تو آپ نے ابن مبارک کو جواب میں یہ کہا ایمان والے اگرچہ اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان کے اعمال کا اللہ ہی فاعل ہے معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے افعال کی ادائیگی کا ارادہ بخشنے والا ہے یہ اعتقاد کبھی موجود ہوگا اور کبھی غائب بھی ہو سکتا ہے۔ اور اس حاضری اور غائب ہونے کا سبب ایک پردہ ہوتا ہے تو ان کا اعتقاد صرف ایمان بالغیب پر قائم رہتا ہے اور ظاہری مشاہدے سے وہ بے نیاز ہوتے ہیں لیکن جس پر اللہ تعالیٰ فضل و کرم کر دے اس کے حجابات اٹھ جاتے ہیں اور مشاہدہ ذات سے وہ شخص مشرف ہو جاتا ہے۔ تو وہ نہیں دیکھے گا مگر حق سے حق تک اور فتح مبین سے اس کی طرف اشارہ ہے۔ تو میں نے کہا یہ حجابات کا اٹھنا کب واقع ہوا تھا تو آپ نے فرمایا کہ ذات حق حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بچپن میں ہی آپ سے مخفی نہ تھی، میں نے کہا یہ فتح تو ہر نبی بلکہ ہر عارف کے لیے ثابت ہے تو اس میں ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کیا ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ فتح طاقت اور کمزوری کے لحاظ سے مختلف ہے تو جو قوت اور طاقت عقل روح نفس ذات اور اتحاد و انظام کے اعتبار سے حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم میں ہے کسی دوسرے کے لیے ثابت نہیں ہے یہاں تک کہ تمام انبیاء اور عارف لوگوں کو جمع کر لیا جائے اور یہ فتح مبین کی قوت ان پر ڈال دی جائے تو وہ سب کے سب پانی بن کر بہہ جائیں گے اور بال پریشان ہو جائیں گے اور لفظ ذنب سے مراد اللہ کے اس قول مَا تَقَدَّمَ میں اس کا سبب ہے اور وہ غفلت ہے اور پردوں کی تاریکی ہے جو مٹی کی اصل فطرت میں داخل ہے پھر کہا کہ یہ غفلت اور حجابات گناہ کے لیے یوں ہی ہیں جس طرح کہ ایک بودار میلے کچیلے کپڑے پر مکھیاں بیٹھتی ہوں تو جب تک یہ کپڑا کسی کے بدن پر رہے گا مکھیاں مسلسل بیٹھتی رہیں گی اور جب وہ کپڑا اس سے ہٹا لیا جائے تو وہ مکھیاں بھی اڑ جائیں گی تو کپڑا احجاب کی مثال ہے اور مکھیاں گناہ کی مثال ہیں۔ تو جو شخص اس کپڑے کو مکھیوں کے لیے مقرر کر دے تو یہ نہایت مناسب ہوگا۔ یونہی یہاں گناہ سے مراد وہ حجابات ہیں اور مَا تَقَدَّمَ مَا تَأَخَّرَ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے ان حجابات کا مکمل طور غائب ہونے سے کنایہ ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کہہ رہا ہے کہ ہم نے آپ کو فتح مبین عطا کی تا کہ آپ کے

مکمل حجاب اُٹھ جائیں اور آپ پر ہماری نعمتیں پوری ہو جائیں آپ ہدایت اور مدد یافتہ ہو جائیں بہر حال حجاب کا اُٹھ جانا بھی ایک بہت بڑی نعمت ہے بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ پردے کے اُٹھ جانے سے بہتر کوئی نعمت نہیں اور ہدایت معرفت سے بڑھ کر کوئی ہدایت نہیں اور جس شخص کی یہ حالت ہو جائے اس سے بڑھ کر اور کوئی مدد نہیں تو میں نے کہا کیا یہ صورت ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہی کے ساتھ خاص ہے تو آپ نے فرمایا ہاں میں نے کہا کیوں تو آپ نے فرمایا کہ آپ ہر ایک چیز کی اصل ہیں اسی لیے تو تمام انبیا میدانِ محشر میں پکار اُٹھیں گے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو لاؤ وہ خدا کے ایسے بندے ہیں جن کے سبب اللہ پہلوں اور پچھلوں کو معاف کر دے گا" ابن مبارک نے کہا کہ میں کہتا ہوں کہ جو کچھ شیخ نے کہا ہے اعلیٰ قسم کی معرفت سے کہا ہے اور بہت بہترین کہا ہے جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کے لائق تھا اور عزت و تعظیم میں بالکل مناسب تھا۔ اور آپ کی پاکیزگی کے موافق تھا اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں بالکل صحیح تھا اور ترتیب آیت اور اس کی روانی کے لحاظ سے بھی مناسب ہے ہماری طرف سے اللہ تعالےٰ انہیں بہترین جزا عطا فرمائے اس آیت کے مفہوم میں بہت سی مخلوق نے کلام کیا جن کی کوئی معین تعداد نہیں ہے اور ان کے عقل و فہم میں بھی یہی معنی تھا جس کی طرف شیخ نے اشارہ کر دیا ان میں سے ایک سبکی کبیر اور ابو یحییٰ شریف تلمسانی انہوں نے اس سلسلے میں ایک مستقل تالیف کی ہے اور اسی طرح حافظ سیوطیؒ نے بھی اس مسئلہ پر ایک بہترین تالیف کی ہے جس میں بہت سے علماء کے اقوال ہیں اور ان دونوں تالیفوں کا مجموعہ الشیخ ابو العباس سیدی احمد باباسودانی نے پیش کیا اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔

سیدی عبد العزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ کے بعض ارشادات میں جو انہوں نے ابریز میں ذکر کیا اور میں آپ سے اللہ تعالیٰ کے اس قول:-

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ۝ ترجمہ: "غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا"

لہ پ ۲۹ ، سورہ جن ، آیت ۲۶۔

اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ[1] ترجمہ: بے شک اللہ کے پاس ہے قیامت کا علم۔

حضور علیہ السلام کے ارشاد مبارک۔

خمسٌ لا یعلمھُنَّ اِلاَّ اللّٰہ۔ یعنی پانچ چیزوں کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

ان آیات اور اس مذکورہ حدیث اور جو اخبار غیبیہ کشف وغیرہ عارف لوگوں اور اولیاء اللہ کو ہوتا ہے کیا مطابقت ہو گی اُمور غیبیہ اور کشف وغیرہ کرامات اولیاؐ میں ایک عام مشہور سی خبر ہے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کے کلام اور حدیثِ رسول میں جو حصر مذکور ہے اس سے نجومیوں اور شعبدہ بازوں اور وہ شخص جس کے جنّ تابع ہوتے ہیں کا نکالنا مقصود تھا اس لیے کہ دور جاہلیت میں عربوں کا یہ اعتقاد تھا کہ یہ لوگ بھی غیب کی خبر رکھتے ہیں اور اُمورِ غیبیہ کو پہچانتے ہیں یہاں تک کہ وہ اپنے فیصلے ان کی طرف لے جاتے اور ان کی ہر بات کو توجہ دیتے تو اللہ نے چاہا کہ ان کے اس غلط عقیدے کو ان کی عقلوں سے نکال باہر کرے تو اللہ تعالیٰ نے اس جیسی آیتیں نازل کیں جس طرح کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کی حفاظت کیے ہوئے ہے اور اسے ستاروں سے مزین کیا ہوا ہے اس سے مقصود بھی سب بندوں کو حق پر جمع کرنا ہے اور باطل سے روگردانی کرنا ہے اور اولیاؐ اللہ تو باطل سے نفرت کرنے والے ہوتے ہیں اور حق پرست ہوتے ہیں۔ تو اس آیت کا حصر اور اس کی مثل اور آیتوں کا حصر انہیں اُمورِ غیبیہ کے جاننے سے نہ نکالے گا۔ پھر میں نے شیخ سے سوال کیا کہ ہمارے محدثین اور علماؐ ظاہر نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پانچ چیزوں کو جاننے میں اختلاف کیا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ علم السَّاعَۃِ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ۔

ترجمہ: بے شک اللہ کے پاس ہے قیامت کا علم اور اتارتا ہے مینہ اور جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کل کیا کمائے گی اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین میں مرے گی بے شک اللہ جاننے والا بتانے والا ہے۔

---

[1] پ ۲۱، سورہ لقمان، آیت ۳۴۔

تو آپ نے اور ہمارے بعض جید علماء نے کہا ان پانچ چیزوں کا علم سرکار سے کیسے مخفی رہ سکتا ہے جب کہ سرکار کے ایک ادنیٰ سے اُمتی جو اہل تصرف ہو یہ امور مخفی نہیں ہوتے اگر یہ اُمور مخفی رہ جائیں تو تصرف ممکن نہیں ہے اور اہل تصرف اولیا کرام سے ان پانچ چیزوں کا علم تواتر سے ثابت ہے اور یوں ہی میں نے آپ سے علماء کے اس قول کے متعلق پوچھا کہ لیلۃ القدر کی پہچان حضور علیہ السلام سے مخفی رکھی گئی اسی لیے تو آپ نے کہا کہ اسے طلب کرو نویں میں ساتویں میں پانچویں میں اگر حضور علیہ السلام کو اس کی جان پہچان ہوتی تو لوگوں کے لیے اسے معین فرما دیتے تو شیخ نے غضبناک ہو کر کہا سُبحان اللہ پھر کہا کہ اللہ کی قسم میں لیلۃ القدر کی رات مَر جاؤں اور میری لاش پھُول جائے اور گدھے کے مُردار کی طرح پھول جائے اور میری ٹانگیں اوپر کو اُٹھ جائیں ضرور میں اس حال میں بھی پہچانا اور جانا جاؤں گا۔ تو حضور علیہ السلام سے یہ مسئلہ لیلۃ القدر کس طرح مخفی رہ سکتا ہے حالانکہ آپ نے ہی اسے مختلف سالوں میں معین کیا۔ ایک مرتبہ رجب المرجب میں ہمارے لیے مقرر کیا اور دوسرے سال میں شعبان میں مقرر کیا اور تیسرے سال میں رمضان میں مقرر کیا اور چوتھے سال میں عید الفطر کی رات کو مقرر کیا۔ آپ ہمارے لیے اسے معین کرتے اس سے قبل کہ ہم پائیں اور ہمیں اس کی حفاظت کا بھی حکم کرتے اور ہمیں فرمایا کرتے تھے کہ یہ منتقل ہوتی رہتی ہیں اور یوں ہی آپ ہمارے لیے جمعہ کا وقت بھی مقرر کرتے رہا کرتے تھے۔ سیدی عبد العزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ کے بعض ارشادات میں سے ہے اور یہ ان فوائد میں سے پہلا فائدہ ہے جس کو میں نے ابریز کے تیسرے باب میں سے لیا ہے آپ نے اپنے کلام کی عبارت کی روانی میں کہا کہ بندگی دو حال سے خالی نہیں یا وہ نیت اور ارادہ کے بغیر ہو گی یا اس میں اپنے ذاتی نفع کا ارادہ ہو گا اس کی مثال دو آدمی کی لیجیے جو دونوں ہی حضور علیہ السلام پر درود پڑھتے ہوں تو جو اپنے ذاتی نفع کو مدِ نظر رکھ کر حضورؐ پر درود پڑھے تو اس کا اجر و ثواب کمزور نہیں ہو گا اور جو شخص حضور پر درود صرف خوشنودیٔ خدا اور رسول کی خاطر پڑھے تو اس کے اجر و ثواب کی کوئی انتہا نہ رہے گی اور نہ ہی اس کا شمار کیا جا سکے گا اور اس کا ثواب ہم پہلے کہہ چکے ہیں پہلے آدمی کے منہ سے نبی علیہ السلام پر درود شریف نکلا لیکن غفلت اور دل میں کئی اور شغل اور موانع کی موجودگی سے تو گویا اس نے عام سرسری طور درود شریف پڑھا تو اسے اجر و ثواب بھی اتنا ملا اور دوسرا وہ شخص ہے جس کے منہ سے درود شریف

نکلا مگر محبت وتعظیم سے اور محبت کا سبب یہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور بزرگی محب کے
دل میں کارفرما ہوا اور حضور کی عظمت کا ہونا یہ ہر موجود کے موجود ہونے کا سبب ہے اور اسی
کے نور سے سب نور ہیں اور بے شک آپ لوگوں کو ہدایت بخشنے والی رحمت ہیں اور آپ پہلوں اور
پچھلوں کے لیے رحمت ہیں اور تمام مخلوق کے لیے رحمت ہیں اور یہ ہدایت آپ ہی کی طرف سے
ہے اور اسی وجہ سے وہ آپ پر درود شریف پڑھتا ہے کہ آپ اس عظمت پر فائز ہیں کسی اور وجہ
سے نہیں جو اس کے ذاتی فائدہ کی طرف لوٹے ، اور بہر حال تعظیم کرنے کا سبب یہ ہے کہ آپ کی
عظمت شان دیکھی جائے خواہ کسی چیز کے ساتھ ہو اور یہ کیسے مناسب ہے کہ اس عظمت شان والے
کی خصائل کی تعظیم بجا نہ لائی جائے اور بے شک تمام مخلوق میں آپ کی خصلت کے برداشت کرنے
کی تاب نہیں ہے اس لیے کہ آپ کی خصائل اپنی حقیقت میں حضور پُر نور صلے اللہ علیہ السلام کے ساتھ اس
حد تک ہیں کہ وہاں تک غور وفکر کی رسائی ممکن نہیں چہ جائیکہ ان کی برداشت کی بالفعل کوئی تاب
رکھے ، پھر جب کوئی شخص حضور علیہ السلام پر درود شریف پڑھتا ہے تو اس کا اجر وثواب رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم کے مقام اور رب جلیل کے کرم وعطا کے اندازے سے ہوتا ہے کیونکہ اس درود
عرض کرنے کی اصل محرک اور رغبت دلانے والی چیز صرف آپ کی عظمت شان ہی ہے۔ اور
اجر وثواب بھی اسی کے مطابق ہوگا پہلے شخص کے حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر درود شریف ذکر
کرنے میں اصل محرک اس کا نفس ہے اور اس کی ایک ذاتی غرض ہے اور اجر وثواب اس کے
اصل محرک اور باعث کے مطابق ہوگا اور حق تعالے کسی پر کچھ زیادتی نہیں کرتا یونہی بندے کا
عمل اس کے اور رب تعالیٰ کے درمیان ہے تو جب اس عمل کا اصل محرک اللہ کی کبریائی میں اس
کی عظمت اور بزرگی ہوگی تو اجر وثواب بھی اسی کے مطابق ہوگا ۔ والسلام ۔

ابن مبارکؒ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ ہمارے علما کا اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے کہ کیا
ہمارے درود شریف پڑھنے سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو کچھ فائدہ پہنچتا ہے یا نہیں تو آپ
رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے درود شریف کو اس لیے جائز نہیں کیا کہ اس میں ہم
حضور کو فائدہ پہنچانے کا سوچیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے درود شریف کو اس لیے روا رکھا ہے کہ
ہم بالخصوص حضور پر درود پڑھتے وقت اپنے فائدے کا ارادہ کریں، اس کی مثال یوں دی جا

سکتی ہے کہ ایک شخص کے کئی مملوک اور غلام ہوں تو وہ انہیں کاشت کرنے کے لیے ایک زرخیز اور مثالی زمین دے دے جس کی مثال زراعت اُگانے میں کہیں نہ ملتی ہو اور اس زمین میں سے خود بٹائی وغیرہ نہ لے بلکہ ساری کھیتی بطور عطیہ دے دے تاکہ وہ خوشحال ہو جائیں۔ بس یونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمارے درود شریف پڑھنے کا حال ہے کہ اس کا تمام اجر و ثواب ہمارے لیے ہے، اور جب کبھی اس کے اجر و ثواب کا نور چمک کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نور سے جا ملتا ہے تو آپ اس کو اس چیز کی طرح دیکھیں جو اپنے اصل مرکز کی طرف لوٹ رہی ہو اور مرکز ذرا بھی اِدھر اُدھر نہ ہو۔ اس لیے کہ جو اجر و ثواب اہلِ ایمان کے لیے مکمل ثابت ہے وہ ایمان ہی کی بدولت ہے جو ان میں جلوہ گر ہے اور اہل ایمان کا ایمان بہرحال حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم کے نور سے تو درحقیقت ہمیں جو اجر ثواب بھی ملتا وہ حضور ہی کے توسط اور وسیلہ سے ملتا ہے بلکہ آپ ہی سے ملتا ہے

اس عالمِ دنیا میں اکیلی مثال ایک بحرِ بیکراں سے دی جا سکتی جب بارش کا پانی سیلابی صورت میں سمندر تک پہنچتا ہے تو درحقیقت یہ کوئی نیا پانی نہیں ہوتا بلکہ بارش کا پانی بھی تو اسی سمندر کا تھا۔ جو اس میں لوٹ آیا اور اس پانی کے لوٹ آنے سے سمندر میں کچھ اضافہ نہیں ہوتا کیونکہ یہ پانی وہیں سے گیا اور وہیں سما گیا۔

پھر میں نے عرض کیا کہ بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ ہمارے درود پڑھنے سے حضور علیہ السلام کو کچھ فائدہ پہنچتا ہے بے شک بعض علماء نے آپ پر درود شریف پڑھنا اس نفع پر قیاس کیا ہے جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو جنت میں خادموں اور غلمانوں سے ہوگا جو جسطرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو نعمتوں اور ان پھلوں سے جو خوبصورت برتنوں میں رکھ کر آپ کو پیش کئے جائیں گے یوں ہی آپ کو ان انوار اور ان اجر سے ضرور فائدہ پہنچتا ہے جو ان حروف کے انوار رکھے ہوئے ہیں تو وہاں پر خدمت ہاتھوں سے ہوگی جو برتنوں میں پھل رکھ کر پیش کئے جائیں گے اور یہاں پر ان چہروں سے خدمت واقع ہوتی ہے جو ان حروف کے حامل ہیں اور نہ زیادہ ہوگا آپکا حال اس مثالی دنیا میں آپ کی جنت کے حال پر یہاں تک کہ قیاس کرنا منع ہو تو آپ نے فرمایا کہ وہ غلام اور غلمان کہاں سے آئے وہ بھی تو حضور علیہ السلام کے نور سے ہی ہیں بلکہ جنت اور جو کچھ اس میں ہے سب آپ کے نور ہی سے ہیں، اور بہرحال جو کچھ اس نے اس دنیا کے

حوالے سے کہا ہے وہ صحیح ہے اگر وہ خدام حضور علیہ السلام سے دور ہوں گے تو پھر ہمارا ایمان
بھی حضور علیہ السلام سے دور ہوگا جب کہ حقیقت یوں نہیں ہے اور کون جانتا ہے کہ نبی علیہ السلام
کو کیسے راحت ملتی ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے عزیز القدر آپ دیکھیں گے کہ جب کوئی شخص دلائل الخیرات
پڑھتا ہے تو وہ مستحکم ارادہ کرتا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مبارک تصور کو اپنے ذہن و فکر میں
لائے اور ذاکر کو جو امور مطلوب ہوتے ہیں ان کا تصور بھی قائم کرتا ہے مثلاً وسیلہ، درجہ رفیعہ
اور مقام محمود اور اس کے علاوہ جو ہر درود میں ذکر کیا جاتا ہے اور اس کا نفس اپنے مطلوب کو
اللہ کی طرف سے ہی تصور کرے گا اور اپنی سوچ میں فرض کرلے گا کہ یقیناً اللہ نے اسے قبول
کرلیا ہے اور اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو اس طالب کے ذریعے سے عطا کر رہا ہے تو طالب کے
ذہن میں یہ بات آجاتی ہے کہ اس کے درود پڑھنے سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو بہت فائدہ
پہنچ رہا ہے۔ پھر وہ خوش ہوتا ہے مسرور ہوتا ہے اور اپنے وظیفہ کو کثرت سے جاری رکھتا ہے
اور درود پڑھنے میں تسلسل قائم کرتا ہے اور اونچی اونچی آواز میں پڑھنا شروع کر دیتا ہے، اور
بزعم خویش یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ یہ سب کچھ اس کی دل کی رگوں سے برآمد ہو رہا ہے اس پر
خوف طاری ہو جاتا ہے اور دل موم ہو جاتا ہے اور پھر اسے گمان ہونے لگتا ہے کہ اس
حالت سے بڑھ کر کوئی اور حالت بھی ہے اور وہ ایسا گمان کرنے میں سراسر غلطی پر ہے اور
اسے ایسا درود پڑھنے سے اللہ کا وصال نہیں ہوگا اس لیے کہ اس کا یہ پڑھنا اس کے اپنے
تصور و فکر اور ظن سے متعلق ہے اور ایسے طالب کا ظن باطل ہے اور حق سبحانہٗ سے باطل کا کوئی
تعلق نہیں اور جو چیز حق تعالیٰ سے متصل ہوتی ہے وہ چیز خارج میں اس حیثیت سے ثابت ہوتی
ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی آنکھوں کو کھولے تو خارج میں اسے ضرور دیکھ لے تو جو چیز ایسی ہو
گی وہی حق تعالیٰ سے متعلق ہو سکتی ہے اور جس چیز سے آنکھیں کھلی ہوئی ہونے کے باوجود
کچھ نظر نہ آئے وہ باطل ہے اور باطل کا حق سبحانہٗ سے کچھ تعلق نہیں تو ہر درود پڑھنے والے
کو ایسی مصیبت سے بچنا چاہیے اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت سے لوگ غور و فکر کیے بغیر
گمان کرتے ہیں کہ جو حلاوت اور نرمی درود پڑھتے وقت حاصل ہو رہی ہوتی ہے وہ مظہر

سے ہے جب کہ حقیقتہً اس کے برعکس ہے وہ حلاوت شیطان کی طرف سے ہے تاکہ وہ انہیں حق سبحانہٗ سے دور رکھ سکے اور خالق و مخلوق کے درمیان مسلسل دُوری بڑھاتا رہے تو مناسب یہ ہے کہ درُود شریف پڑھتے وقت طالب کے دل میں حضور کی مُحبّت اور عظمت کے سوا کچھ نہ ہو تو ایسے میں حضور کی محبت کا شعلہ ضرور چمکے گا، اور اگر پڑھنے والے طالب کو اپنا نفع مقصود ہو تو وہ طالب حجاب میں رہے گا اور اسے ثواب بھی کم ہوگا اور یُوں ہی وہ طالب جو حضور کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے درود پڑھ رہا ہے تو ایسا درُود نہ حق سبحانہٗ کی بارگاہ میں پہنچتا ہے اور نہ ہی ایسے درُود کی حق تعالیٰ کو ضرورت ہے اللہ بہتر جانتا ہے۔

اللہ سے کٹ جانے کے اسباب میں سے ایک سبب بُغضِ صحابہ ہے۔

سیدی عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ کے بعض ارشادات میں سے آپ کا یہ ایک قول ہے جو آپ نے ان کا اسباب کا شمار کرتے ہوئے ذکر کیا جن سے بندہ اللہ جل جلالہٗ سے کٹ جاتا ہے اور وہ کل بیس۲۰ سبب ہیں ایک سبب چاروں خلفاء یعنی حضرت ابوبکر حضرت عُمر حضرت عثمان اور حضرت علی رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان فرق کرنا، آپ نے فرمایا کہ فرق کرنے کا معنی یہ ہے کہ بعض کے ساتھ مُحبّت اور بعض کے ساتھ بغض و عناد رکھے جس طرح کہ خارجیوں اور رافضیوں کی علامت ہے اور یہ تفریق ذاتِ مولیٰ سے کٹ جانے کا اصل سبب بنتی ہے۔ اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی کسی نہ کسی خصلت کا مکمل عامل ہو کر وارث بن جاتا ہے۔ تو اس خلیفہ کا بغض نبی کے بغض تک لے جائے گا اور نبی کا بغض مولا سے کٹ جانے کا سبب ہے۔ ابن مبارک نے کہا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی خصلتوں میں سے کون سی خصلت ہے۔ تو آپ نے کہا کہ وہ اللہ کے ساتھ ایمان کی خصلت ہے اور بے شک نبی صلے اللہ علیہ وسلم میں اللہ پر ایمان لانے کی ایک خاص کیفیت تھی کہ جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم میں تھی اور خصلت کو زمین والوں پر بشمول صحابہ کے اگر نازل کر دیا جائے تو وہ پگھل جائیں اور حضرت ابوبکر اس کیفیت میں سے اپنی جنّت کے مطابق تھوڑی سی چیز کے وارث ہیں اسی لیے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اُمّت میں سے اللہ پر ایمان لانے کی خصلت میں حضرت ابوبکر

کے کوئی بھی برابر نہیں ہے، اور اس خصلت میں نہ کوئی صحابی اور نہ تابعی اہل فتح میں سے ان کے ہم پلہ ہے اس لیے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم جب اسرار الوہیت میں پہنچے اور ربوبیت کے حقائق میں پہنچے اور عرفان کی باریکیوں میں پہنچے جہاں پہنچنے کی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی اور نہ ہی بیان کی تاب ہے تو نبی علیہ السلام ایسے مقامات پر ابوبکر سے سمندروں میں کلام کرتے رہے جن میں حضور علیہ السلام نے خوب اچھی طرح غوطہ خوری کی۔ اس لیے حضرت ابوبکر کا مقام و مرتبہ اونچا ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری تین سالوں میں ان خفیہ حقائق میں سے حضرت ابوبکر کے ساتھ کوئی کلام اس خوف سے نہیں کی کہ وہ پگھل نہ جائیں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ خصلت تھی کہ آپ اہل ایمان کو نصیحت فرمایا کرتے اور ان کی دیکھ بھال میں لگے رہتے اور انہیں اپنی ذات پر ترجیح دیتے اور ان کے لشکروں کو مرتب کیا کرتے اور عوام و خواص کی اصلاح کیا کرتے حضرت عمرؓ اس مبارک خصلت سے اپنی بساط کے مطابق بہرہ ور ہوئے، اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ میں نرم خوئی، تواضع، اور صلہ رحمی جیسی خصلت جو حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک انفرادی خصلت تھی سے اپنی شایان شان فیض یاب تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ میں حضور علیہ السلام کی ایک امتیازی خصلت شجاعت کے اپنی توفیق کے مطابق وارث بنے اور آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یونہی تمام صحابہ کرام سرکار کی کسی نہ کسی خصلت کے ضرور وارث تھے بایں لحاظ کسی بھی صحابی کا بغض و عداوت قہر خداوندی کو دعوت دینا ہے اور ذات حق سے مکمل کٹ جانا ہے۔

اولیاء اللہ کی روحانی مجالس

سیدی عبدالعزیز دباغ کے بعض ارشادات میں سے یہ بھی ہے جو میں نے ابریز شریف کے چوتھے باب کے پہلے فوائد میں سے حاصل کیا یہ چوتھا باب آپ نے صالح اور ابرار لوگوں کی مجالس محافل کے سلسلہ باندھا ہے اس کے مؤلف ابن مبارک کہتے ہیں کہ میں نے شیخ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ آپ نے فرمایا ایک مجلس غار حرا میں ہوئی یہ وہ غار ہے جس میں قبل از اعلان نبوت مشقت عبادت قیام و صیام برداشت کرتے تھے آپ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک غوث غار کے باہر یوں بیٹھا تھا کہ مکہ مکرمہ اس کے داہنے کندھے کے پیچھے اور مدینہ شریف اس کے بائیں گھٹنے

کے آگے واقع تھا اور چار قطب اس کے داہنے جو حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ کے مسلک پر تھے اور تین قطب اس غوث کے بائیں جانب تھے اور ان میں سے ہر ایک کا مسلک باقی تین مذاہب پر تھا یعنی حنفی شافعی حنبلی، اور صدر مجلس اس غوث کے آگے تھا جسے قاضیٔ دیوان کے نام سے یاد کیا جا رہا تھا اور وہ بھی مسلکاً مالکی تھا نبی خالد قبیلہ سے بصرہ کی طرف کا رہنے والا تھا اور اس کا نام سیدی محمد بن عبدالکریم اصرادی تھا اور وہ غوث صدر مجلس قاضیٔ دیوان کے ساتھ مصروف گفتگو تھا اور اس وکیل کو بنا بریں وکیل کے نام سے یاد کیا جا رہا تھا کہ تمام حاضرین کا ترجمان تھا۔

آپ رضی اللہ عنہ نے کہا ان سات قطبوں کو غوث کے حکم پر پورا پورا اختیار تھا اور ہر قطب کے ماتحت کچھ اور لوگ بھی مخصوص کئے ہوئے تھے جو قوت تصرف سے مشرف تھے پھر اس وکیل کے پیچھے چھ صفیں تھیں جو گولائی میں داہنی طرف کے چوتھے قطب سے لے کر بائیں جانب کے آخری قطب تک تھی اور یوں ساتوں کے سات قطب دائرے کی طرف بڑھ رہے تھے یہ صورت پہلی کی تھی اور دوسری صف بھی پہلی کی طرح دائرہ کی صورت میں تھی اور ایسے ہی تیسری صف تھی چھٹی اور آخری صف بھی باقاعدہ پہلی صفوں کی طرح تھی۔ اور آپ نے کہا کہ اس غوث کے پاس کچھ عورتیں بھی حاضر ہوئیں جن کی کل تین صفیں تھیں اور یہ صفیں ان تینوں قطبوں کی طرف واقع تھیں جو قطب صف اوّل کے دائرہ کے بائیں جانب بیٹھے تھے کیونکہ غوث اور تین قطبوں کے درمیان کچھ کشادگی تھی تو آپ نے کہا کہ اس غوث کے پاس بعض فوت شدہ کامل لوگ بھی حاضر ہوئے اور وہ زندوں کی صفوں میں شامل تھا اور ان کی تین نشانیاں نمایاں تھیں۔

(۱) ان کا لباس متغیر نہ ہوا تھا۔ زندوں کے برعکس اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ زندہ لوگ کبھی تو سر کے بال مونڈ لیتے ہیں اور کبھی نئے کپڑے پہن لیتے ہیں اور روزمرہ کے نت نئے حالات قبول کرتے رہتے ہیں اور جو فوت شدہ ہوتے ہیں، ان کی حالت نہیں بدلتی تو اس قسم کے آدمی کو کہ جس کی حالت بدلی ہوئی نہ ہو اگر تو کسی محفل میں دیکھے تو یقین جان لے کہ یہ فوت شدہ انسانوں میں سے ہے کیونکہ تو نے اسے سر منڈے دیکھا تھا اور ابھی تک اس کے سر میں کوئی بال نہیں اُگا تجھے جان لینا چاہیے کہ یہ اسی حالت پر فوت ہوا تھا اور اگر تو اس کے سر پہ بالوں کو دیکھے اور نہ وہ زیادہ ہوئے ہوں نہ کم ہوئے ہوں اور نہ منڈے ہوئے ہوں تو اس صورت میں بھی آپ کو

جاننا چاہیئے کہ یہ اسی حالت پر فوت ہوا تھا۔"

(۲) کہ وہ زندوں کے کاموں میں کوئی مشورہ نہیں دیتے اس لیے کہ انہیں زندوں کے کاموں میں کچھ تصرّف نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ وہ ایک دوسری دنیا میں منتقل ہو چکے ہوتے ہیں۔ اور وہ دنیا زندوں کی دنیا سے نہایت دُور ہے اور ان کا مشورہ عالمِ امور کے اُمور میں ہو سکتا ہے۔ آپ نے کہا قبروں کی زیارت کرنے والوں کے لیے یہ ادب ملحوظ خاطر رکھنا چاہیئے کہ جب وہ قبر والے کے لیے دُعا کرنے کا ارادہ کرے تو کسی نہ کسی ولی کو اپنی دُعا کی قبولیت کے لیے اللہ تک وسیلہ بنا لے اور پھر وہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہو جائے گا اور اپنی دُعا کو قبولیت کے قریب کر دے گا۔

(۳) میّت کی ذات کا کوئی سایہ نہیں ہوتا کیونکہ میّت اگر آگ اور سُورج کے درمیان رکے تو آپ اس کے سایہ کا مشاہدہ نہ کر سکیں گے کیونکہ وہ میّت اپنے جسدِ خاکی سے نہیں بلکہ رُوح سے حاضر ہوا ہے اور حقیقتِ رُوح میں ہلکا پن ہے بوجھ نہیں اور شفاف ہے کثیف نہیں۔ مجھے آپنے کہا کہ کئی مرتبہ میں مقام حضوری تک پہنچا ہوں اور مجالس اولیاء اللہ کا تو بہت ہی اتفاق ہوا ہے۔ اور سُورج طلوع ہو رہا ہوتا پھر جب وہ مجھے دور سے دیکھ لیتے تھے تو میرا استقبال کرتے تھے اور میں محسوس آنکھ سے دیکھتا تھا کہ ان میں سے کسی کا سایہ تک نہ ہوتا تھا۔ آپ نے کہا بندگانِ حق کی مجلس میں فوت شُدہ لوگ بھی برزخ سے حاضر ہوتے ہیں اور رُوحانی پرواز کرتے ہوئے آتے ہیں اور جب مجلس کی جگہ کے قریب کچھ فاصلے پر آتے ہیں تو اتر کر زمین پر پیدل چلتے ہیں اور پیدل چل کر مجلس تک پہنچتے ہیں۔ زندہ لوگوں کا ادب اور خوف ملحوظِ خاطر رکھتے ہیں۔ پھر کہا یُوں ہی رجال الغیب جب ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں تو ان کی ملاقات رُوحانی ہوتی ہے۔ تو جب ایک بندہ حق دوسرے کی جگہ کے قریب آتا ہے تو وہ باادب ہو جاتا ہے پھر مثالی رفتار سے پیدل چل کر آتا ہے پھر آپنے کہا کہ اس غوث کے پاس فرشتے بھی حاضر ہوتے ہیں لیکن وہ سب صفوں کے پیچھے بیٹھتے ہیں اور بڑے بڑے کامل جن بھی حاضری دیتے ہیں وہ روحانی طور پر سب کے پیچھے ہی بیٹھ جاتے ہیں اور ان کی تعداد ایک پوری صف کے برابر بھی نہیں ہوتی آپ نے کہا کہ فرشتوں اور جنوں کی حاضری کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ بے شک اولیاء اللہ اپنی شان کے

لائق کچھ ایسے امور ہوتے ہیں جن تک ان کی پہنچ ممکن نہیں ہوتی تو پھر وہ فرشتوں اور جنوں سے ان امور تک رسائی کے لیے مدد لے لیتے ہیں پھر آپ نے کہا کہ بعض اوقات اس غوث کے پاس حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لاتے ہیں اور تشریف لاتے ہی غوث کی جگہ پر بیٹھ جاتے ہیں اور غوث اور مجلس قاضی دیوان کی نشست پر بیٹھ جاتا ہے اب صدر مجلس پچھلی صف میں چلا جاتا ہے، اور جب سرکار تشریف لاتے ہیں تو ان کے ساتھ ایسے انوار ہوتے ہیں کہ ان کو دیکھنے کی تاب نہیں ہوتی اور یہ انوار اس وقت جلانے والے گھبرانے والے اور مار ڈالنے والے ہوتے ہیں ۔ اور انہیں انوار میں شان وشوکت اور بزرگی اور عظمت تھی۔ اگر ہم فرض کر لیں کہ ایک مشکل کام کو چالیس آدمی بڑی بے جگری سے سر کریں تو یہ ان کی دلیری پر مبنی ہوگا لیکن اگر انہیں ان انوار کے سامنے پیش کیا جائے تو اس وقت یہ حواس پریدہ ہو جائیں گے خبردار اللہ تعالیٰ اپنے اولیا کو ان انوار کے مشاہدہ کی طاقت دیتا ہے جس کی وجہ سے بعض اولیاء اللہ تو سرکار کے ارشادات کو اور آپ کے کلام کو جو اس غوث کی مجلس میں ہوتی ہے۔ ازبر اور یاد کر لیتے ہیں پھر آپ نے کہا کہ جب غوث کی مجلس سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریف لے جائیں تو آپ کے انوار اس غوث کے حال پر باقی رہتے ہیں اور وہ انوار خلافِ عادت ہوتے ہیں یہاں تک کہ مجلس میں کوئی بھی اس کی تاب نہیں رکھتا کہ اس کے پاس پھٹک جائیں بلکہ اس سے دُور ہٹ کر بیٹھتے ہیں اور جو چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتی ہے اس کی برداشت کی تاب نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو نہیں ہوتی ۔ جب ان کے پاس سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نکل جائیں تو آپ کے عطا کردہ انوار کی متحمل ذات وہی غوث ہوتا ہے اور پھر اس غوث سے سات قطبوں پر تجلیات کا بٹوارہ ہوتا ہے اور سات قطبوں سے پھر پوری مجلس پر اس کی تقسیم کار ہوتی ہے اور اس مجلس کا وقت اس کے متعلق کلام ہو چکی ہے۔

یہ وہ گھڑی ہے جس میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے جنم لیا اور یہ تہائی حصہ رات میں قبولیت کا وقت ہے اور اس وقت کی قبولیت پر بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں جس طرح کہ ایک حدیث میں ہے کہ ہمارے رب کی رحمت و تجلیات کا نزول آسمان دنیا پر ہوتا ہے یہاں تک کہ آخری رات کا تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے اور آواز آتی ہے۔

کہ کوئی شخص تجھ کو پکار کر دعا کرے میں اس کی فریاد کو سنوں۔ ابن مبارک نے کہا جو شخص اس گھڑی کو پا لینے کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ سوتے وقت یہ آیت پڑھے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا[1] ترجمہ: بے شک جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے فردوس کے باغ ان کی مہمانی ہے۔

آخر سورت تک اور یہ طلب رکھے کہ اللہ تعالیٰ اسے اس گھڑی میں جگا دے تو اللہ تعالیٰ اسے اس گھڑی میں بیدار ہونے کی توفیق بخشے گا۔ شیخ عبدالرحمن شابوئی کہتے ہیں کہ ہم نے اس چیز کا بے شمار مرتبہ تجربہ کیا ہے۔ کچھ اور بہت سے لوگوں نے بھی اس کا تجربہ کیا ہے یہاں تک کہ ایک مرتبہ ایک جماعت نے اس آیت کو پڑھا اور اللہ تعالیٰ سے اس گھڑی کی توفیق چاہی تو نتیجۃً سب کو اس گھڑی کو پا لینے کی توفیق ہو گئی۔ میں نے آپ سے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے کہ سب سے پہلے وہ مجلس فرشتوں سے آباد تھی جس وقت نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما دیا گیا تو پھر اس مجلس کی آبادی اس اُمت کے اولیائے کرام سے کر دی تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ فرشتے اس اُمت کے اولیائے کرام کے نائب تھے کیونکہ ہم نے دیکھا ہے کہ جب کوئی ولی دنیا کی طرف نکلتا ہے تو اللہ اس پر فتح و نصرت کے دروازے کھولتا ہے اور وہ پھر اہل مجلس میں سے بھی ہو جب وہ کسی مخصوص جگہ پر آئے گا تو پہلی یا دوسری صف میں رہے گا اور اس میں بیٹھ جائے گا تو جو فرشتہ اس جگہ پر بیٹھا ہوا ہو گا وہ اُٹھ کھڑا ہو گا اور جب کوئی دوسرا ولی تشریف لائے گا اور وہ دوسری جگہ پر بیٹھنے کا سوچے گا تو اس جگہ کا فرشتہ اُٹھ کھڑا ہو گا اور یوں اس مجلس کی آبادی کا آغاز ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ مکمل ہو جاتی ہے اور ہر حال میں اللہ کی ثنا ہے جب کوئی ولی ظاہر ہو جائے تو فرشتہ اُوپر چڑھ جاتا ہے اور بہر حال ملائکہ اس مجلس میں باقی رہتے ہیں اور تمام صفوں میں پیچھے رہتے ہیں جس طرح کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے تو یہ وہ فرشتے ہیں جو درحقیقت نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے دنیا میں محافظ ہیں جب آپ کی ذات کا نور اس مجلس سے الگ ہو جائے تو وہ فرشتے اس پاک نور کو لے کر اس محفل میں باقی رہتے ہیں آپ نے کہا جب نبی علیہ السلام کسی مجلس میں تشریف لاتے ہیں تو آپ کے ساتھ خوب انوار و تجلیات ہوتی ہیں جن کو

---

[1] پ ۱۶، سورہ الکہف، آیت ۱۰۷۔

برداشت کرنے کی تاب نہیں ہوتی۔ تو پھر اہلِ مجلس میں جو فرشتے ہوتے ہیں وہ سرکار دوعالم کے انوار کی طرف پیش قدمی کرتے ہیں اور سرکار کے نور میں چھپ جاتے ہیں جب تک سرکار اس مجلس میں تشریف رکھیں کوئی فرشتہ بھی ان میں سے ظاہر نہیں ہوتا اور جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم مجلس میں سے تشریف لے جائیں تو فرشتے اپنی اپنی نشستوں پر واپس لوٹ آتے ہیں۔ اللہ بہتر جانے۔ پھر آپ نے کہا کبھی کبھی سیدِ کل کائنات صلے اللہ علیہ وسلم اس غوث کی عدم موجودگی میں بھی تشریف لاتے ہیں تو ایسی صورت میں اہلِ مجلس کو ڈر اور گھبراہٹ محسوس ہوتی ہے کیونکہ وہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے یوں تشریف لانے کے نتیجہ سے بے خبر ہوتے ہیں اور یہی کیفیت ان کے اوسان خطا کر دیتی ہے یہاں تک کہ سرکار کی ایسی جلوہ گری اگر بہت سے دن ہوتی رہے تو بہت سے جہانوں کی بربادی کا اندیشہ ہے۔ آپ نے کہا کہ سیدِ کل کائنات صلے اللہ علیہ وسلم جب غوث کی عدم موجودگی میں تشریف لاتے ہیں تو پھر آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت حسن، حضرت حسین اور ان کی والدہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہم کبھی کبھی تو یہ مجموعی طور پر سبھی ہوتے ہیں اور کبھی کبھی ان میں سے بعض ہوتے ہیں، اور کہا کہ ہماری سردار فاطمہ رضی اللہ عنہا عورتوں کی اس جماعت میں تشریف فرما ہوتی ہیں جو مجلس کے بائیں جانب ہوتی ہے جس طرح کہ ذکر ہو چکا ہے اور جنابہ فاطمہ ان عورتوں کی امام ہوتی ہیں شیخ نے کہا کہ میں نے جنابہ فاطمہ الزہرا سے سنا کہ وہ ایک رات اپنے والد ماجد صلے اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھ رہی ہیں اور یہ یوں کہہ رہی تھیں کہ یا اللہ اس شخص پر رحمت بھیج جس کی روح روحوں اور فرشتوں اور عالمِ ایجاد کی محراب ہے اے اللہ اس پر رحمت بھیج جو نبیوں رسولوں کا امام ہے۔ اے اللہ اس پر رحمت بھیج جو اللہ کے مومن جنتی بندوں کا امام اور یوں ہی آپ درود پڑھتی رہیں میں نے آپ کے الفاظ کا خلاصہ ذکر کیا ہے۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔

انبیاء کے معجزات اور حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کا تصرف

اور سیدی عبدالعزیز دباغ رحمہ اللہ کے بعض ارشادات میں سے یہ بھی ہے جو صاحب ابریز نے اپنے اس قول سے ذکر کیا ہے کہ میں ایک دن آپ رضی اللہ عنہ سے گفتگو کرتے ہوئے

سیدنا سلیمان علیہ السلام کا ذکر کیا اور جو کچھ بھی آپ کا مسخر کردہ جنوں انسانوں اور شیطانوں اور ہواؤں میں سے تھا ان سب کے متعلق بات چیت کی نیز جو کچھ اللہ نے ان کے والد گرامی داؤد علیہ السلام کو لوہے کے اوزاروں کی بناوٹ اور سخت دھاتوں کو نرم کرلینا گویا ان کے ہاتھ میں سخت دھاتیں گوندھے آٹے کی مانند ہو جایا کرتی تھیں یہ ان کو اللہ کی طرح ایک خاص عطا تھی کا ذکر کیا اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کا نابینوں کو بینا کرنا اور کوڑھیوں کو شفا دلوانا اور مُردوں کا اللہ سبحانہٗ کے حکم سے زندہ کرنا اور اس طرح دوسرے انبیاؑ کے معجزات کا ذکر کیا تو میری طرف آپ رضی اللہ عنہٗ نے اس کا مفہوم یہ لیا گویا میں آپ سے یہ کہہ رہا ہوں کہ سیدِ کل کائنات سب نبیوں رسولوں سے اعلیٰ و برتر تو ہیں لیکن آپ کے ہاتھ پر ان کی طرح کوئی معجزہ ظاہر کیوں نہ ہوا اور اگر ہوا تو کسی دوسرے سے ظاہر ہوا ہے آپ رضی اللہ عنہٗ فرمانے لگے کہ جناب سلیمان علیہ السلام کو بادشاہت کا ملنا اور حضرت داؤد علیہ السلام آہنی صنعت میں ماہر ہونا اور جس چیز سے عیسٰی علیہ السلام مشرف تھے یہ سب کچھ خدائی دین تھا اور ان سے بڑھ کر تو اہلِ تصرف حضور کی اُمت پر موجود تھے اور ان کے لیے جن و انس شیاطین اور ہوائیں اور ملائکہ مطیع و منقاد تھے بلکہ مکمل نظامِ کائنات ان کی تحویل میں تھا اور انہیں اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو اچھا اور مُردوں کو زندہ کرنے کی قدرت بخشی چونکہ یہ چیزیں اُمورِ غیبیہ سے تھیں تو انہیں مخلوق پر صیغۂ راز میں رہنے دیا تاکہ مخلوق معجزات پر ہی نہ رہ جائے اور اپنے خدائے بزرگ و برتر کو بھول جائے اور یہ سب کچھ جس اہلِ تصرف اور صاحب اختیار کو ملا ہے حضور ہی کی برکت سے ہے اور درحقیقت یہ سب حضور ہی کے معجزات ہیں پھر آپ نے ایسے رموز و اسرار کا ذکر کیا جن کی ظاہری عقل کو تاب و طاقت نہیں ہے۔

اور یہ بات بھی سیدی عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ کے بعض ارشادات میں سے ہے جو میں نے ابریز شریف کے پانچویں باب سے لی ہے اور یہ بات شیخ نے بعض فقہا کے جواب میں کہی ہے فقہا میں یہ بات چل رہی تھی کہ شیوخ و مشائخ کا مُریدین کے لیے تربیت دینا ختم ہو چکا ہے اور آپ رضی اللہ عنہٗ سے پوچھا کیا یہ صحیح ہے یا نہیں اور اسی سلسلہ میں شیخ زروق سے ایک بات بھی نقل کی گئی کہ اصطلاحِ تصوف کی تربیت تو ختم ہو چکی ہے مگر تکلف

اور تصنع کی تربیت باقی رہ گئی ہے اور کتاب وسُنت پر بغیر کمی وزیادتی کئے مضبوطی سے عمل کرنا چاہیے۔
تو اس امر کا جواب آپ رضی اللہ عنہُ نے یوُں ارشاد فرمایا کہ شیخ زروق اور ان کے شیوخ کا کلام تو احتیاطاً اور نصیحت کے طور ہے جبکہ اس سے ان کا مقصد یہ نہیں ہے کہ تربیت حقیقی سرے سے ختم ہو چکی ہے اور نہ ہی وہ ایسی لایعنی بات کر سکتے ہیں کیونکہ حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم کے نوُر کی خیر و برکت ہر حال میں شامل اور قیامت تک عام ہے اور جس شیخ نے توجہ سے اس نوُر کی ملاقات کر لی وہ حضور کے حالات سے باخبر ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی ذات کو سرکار کے فیض نور سے مکمل سیرابی حاصل ہوتی رہتی ہے نتیجتاً وہ حضور علیہ السلام کا متبع اور مُطیع ہو جاتا ہے تو تکمیل ایمان اور نوُر عرفان میں تائید الٰہی ہوتی ہے اور یہ بات اسی کے ساتھ خاص ہے جو حضور کے نوُر کی طرف متوجہ رہے اس سے اس کی محبت بڑھ جاتی ہے۔
اور اس نور کی ملاقات سے فائدہ پہنچتا ہے ہوتا یہ ہے کہ بندہ اپنے رب سے جا ملتا ہے۔
اوہام اور وساوس از خود ختم ہو جاتے ہیں اور حضور کی محبت میں روز افزوں ترقی ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور شیخ موصوف کا شمار بھی ایسے اشخاص میں سے ہے اللہ کی حمد و تعریف ہر شہر اور ہر مجلس میں ہے آپ کو اہل سُنت والجماعت سے کبھی نہ نکلنا چاہیئے اور شب و روز اس کی طلب میں رہیں تو آپ اسے پالیں گے بے شک اللہ نیک اور پرہیزگار لوگوں کا ساتھی ہے۔
سیدی عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ کے بعض ارشادات میں سے ایک یہ بھی ہے جو آپ رضی اللہ عنہُ نے ایک شخص کے سوال کے جواب میں کہا سائل نے کہا جس نے یہ دعویٰ کیا کہ اسے بعالم بیداری حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی ہے اس کے متعلق آپ کا کیا ارشاد ہے۔
تو آپ رضی اللہ عنہُ سب سے پہلے ایسے شخص کے اوصاف ذکر کئے کہ ایسے شخص پر کائنات عالم کے مشاہدات کھل جاتے ہیں اور مشاہدات پر سیر حاصل تقریر فرمائی۔ پھر کہا کہ جب ایسے شخص کی بصیرت مکمل ہو جائے اور نظر صاف ہو جائے تو اللہ جل جلالہٗ اس کے حال پر ایسی رحمت کرتا ہے جس کے بعد کچھ بدبختی باقی نہیں رہ جاتی تو اسے خدائے بزرگ و برتر اولین وآخرین کے سردار صلے اللہ علیہ وسلم کی عینی زیارت سے مشرف فرما دیتا ہے اور وہ بیداری میں زیارت کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی ایسی چیز سے مدد فرماتا ہے جو باقی آنکھیں نہ دیکھ سکیں اور نہ ہی کوئی کان سُن

سکے اور نہ ہی اس کا احساس کسی دل میں ہوتا ہے تو اب جا کر اسے ایک کیف و سرور ملتا ہے اور اسے نیک بختی نصیب ہوتی ہے اور حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہے کہ آپ کی عاداتِ کریمہ اور اوصافِ حمیدہ اُمت پر مخفی نہیں ہیں بالخصوص علماء رضی اللہ عنہم کا یقین ان کو اس چیز کے قریب جا پہنچاتا ہے جو آپ کی ذات کے ساتھ ظاہری اور باطنی طور پر مخصوص ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت والی صلوٰۃ اور پاکیزہ سلام ہو۔

پس جو شخص آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی ظاہری زیارت کا دعویٰ کرے اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ حال کے متعلق پوچھ لینا چاہیے پھر اس کا جواب غور سے سُنا جائے تو جواب سننے سے آپ کے سامنے نقشہ بندھ جائے گا اور آپ کے وہ حالات کبھی کسی سے مماثل نہیں ہوتے ۔ فقط والسلام ۔

اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے کہا اس سلسلہ میں جو کچھ ذکر کیا جا چکا ہے اگر تم اس کو کافی سمجھو تو بہت اچھا اور کسی اور کلام کی اُمید کرتے ہو تو غور کیجیے یقیناً جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو کھولنا اور وسیع الظرف کرنا چاہے تو اس کی مدد انوارِ حق میں سے ایک نُور سے کر دیتا ہے اور وہ نور اس کی ذات پر تمام طرفوں سے داخل ہو کر اس کی ذات کو پھاڑ دیتا ہے یہاں تک کہ گوشت اور ہڈیاں بھی پھٹ جاتی ہیں اور وہ شخص اس نُور کی ٹھنڈک اور اس کے داخل ہونے کی مشقت کو یوں محسوس کرتا ہے جیسے وہ عالمِ نزع میں مبتلا ہو پھر اس نُورِ لُطفِ حق کی کارکردگی یہ ہوتی ہے کہ مخلوقات کے اس رازِ پنہاں میں مدد دیتا ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ بندے کو کائنات کے مشاہدہ میں وسیع الظرف کرتا ہوتا ہے پھر تمام مخلوق کا حاصل سیدِ کل کائنات جن کے حضور ہر علم حاضر ہے صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا اللہ تعالیٰ جب بندے سے وعدہ کر لیتا ہے تو آپ ذات کا مشاہدہ بندے کے حال پر منکشف کر دیتا پھر وہ نہ صرف مشاہدہ بلکہ سرکار کی ذات کے ہر ہر بھید میں ماہر ہو جاتا ہے اس کی مثال یوں دی جاسکتی ہے ہم فرض کریں کہ جس شخص پر سربستہ راز منکشف ہوئے وہ بسط و کشادے سے پہلے ایک اندھیرے والی چیز کی مانند تھا اور سرکار کی پاک ذات طرح طرح کے مراتب والے نُور کے قائم مقام جن کی انتہا ایک لاکھ سے بڑھ جاتی ہے اور جب ارادہ الٰہی بطور رحمت اس تاریک چیز کی طرف ہوتا ہے۔

توسرکار کے ان انوار وتجلیات سے ایک نُور اس چیز میں وسعت اور سیرابی کرتا چلا جاتا ہے اور اس تسلسل سے وہ تاریک چیز پھٹ جاتی ہے اسی طرح ہم اس نور کے شعبہ صبر کو فرض کرتے ہیں جس سے اس کے مقابل گھبراہٹ اور پریشانی کی تاریکی اور سیاہی ہوتی ہے پھر اس تاریک چیز میں نور کا ایک اور درجہ کار فرما ہوجاتا مثلاً ہم شعبۂ رحمت کو فرض کر لیتے ہیں تو اس سے اس کی ضد یعنی عدم رحمت (رحمت کا نہ ہونا) کی تاریکی اور سیاہی دور ہوجاتی ہے۔ پھر اس نور کا ایک دوسرا مرتبہ آتا ہے جس کو حلم کہتے ہیں اس کے مقابل کی تاریکی اور سیاہی دُور ہوجاتی ہے یہاں تک کہ اس تاریک چیز میں سرکار کے درجات نُورانیہ کے مسلسل آتے رہنے سے اس چیز کی تاریکی کے تمام اوصاف از خود ختم ہوجاتے ہیں۔ اس مقام تک رسائی کے بعد بندہ کو مشاہدہ ذات کی توفیق ہوجاتی ہے کیونکہ اس میں تاریکی اصلاً باقی نہیں رہتی اور یہ تاریکی بندے کی اپنی ذات کی طرف سے تھی جو اسے ذاتِ مطہرہ کے مشاہدہ سے مانع تھی جب سرے سے سیاہی دُور ہوگئی تو اب مشاہدہ ذات سے رکاوٹ بھی نہ ہوگی۔ اور بندے کو مشاہدۂ ذات سے ہماری مُراد یہ ہرگز نہیں کہ سرکار صلے اللہ علیہ وسلم کے جمیع اسرار کا علی وجہ الکمال احاطہ کر لیتا بلکہ بندہ کو اپنی قوت اور بساط کے لحاظ سے مشاہدہ ہوتا ہے اور جس قدر رُوحانیت ہوگی اتنا ہی مشاہدہ نکھر انکھرا ہوگا۔ اور حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم کے فیضانِ نور سے کہ جب وہ اپنے مختلف مراتب سے دوسری چیز کو سیراب کرتا ہے قطعاً یہ مراد نہیں ہے کہ حضور کی ذات بابرکات میں نور کا وہ درجہ کم ہوجاتا ہے یا سرے سے خالی ہوجاتا ہو جس سے دوسری چیز کو سیرابی ہوئی ہے کیونکہ اصل نُور سے روشنی لے لینے میں اس کا کچھ بھی نہیں بگڑتا۔ اس تقریر سے آپ پر کچھ مخفی نہیں رہا کہ یقیناً بندہ اس وقت تک حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہیں کرسکتا یہاں تک کہ سرکار کی طرف سے انوار لطیفہ اور انوار شریفہ بندے کے حال پر وارد ہوں اور ان انوار سے لاتعداد حجابات اُٹھ نہ جائیں اور اس کو علامہ بوصیری نے مقطع کی صورت ؎

فان فضل رسول اللہ لیس لہٗ

حد فیعرب عنہ ناطق بفم

ترجمہ: یعنی حضورؐ کی بزرگی کی کوئی حد بندی نہیں کہ سُوجھ بُوجھ کی گویائی والا اپنے منہ کو

عیب ناک کرتا پھرے۔

اور میں خلاصۃً اس شخص کے حال کی خبر دیتے ہوئے کہوں گا جس نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو بعالم بیداری ہزاروں مرتبہ دیکھا ہو اور جو کچھ اس پر بسط و کشاد کی کیفیت ہوتی یا کسی مشاہدہ سے محرومی ہوتی ہے جس سے کہ اسے مکمل سیرابی حاصل نہیں ہوتی اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ ایسی کوئی صورت نہیں کہ مشاہدہ سے مطلق محرومی ہو بلکہ کمال مشاہدہ کی نفی ہوتی ہے کیونکہ اس مشاہدہ کے کمال کا کوئی مرتبہ رہ جاتا بنابریں مشاہدہ حاصل تو ہوتا لیکن مکمل نہیں اور اللہ بہتر جانتا ہے۔ اور شیخ کے کلام سے پانچویں باب کی نقل جو ہماری مراد تھی اس کا اختتام ہوا اور نویں باب جو اس حقیقت پر مبنی تھا ذکر کیا جاچکا۔

اور میں نے آپ رضی اللہ عنہٗ کو کہتے ہوئے سنا کہ ہر چیز کی کوئی نہ کوئی علامت ہوتی ہے اور بندہ مومن کا بیداری میں حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم کے مشاہدہ کر لینے کی یہ علامت ہے۔ کہ اس کی تمام فکری[1] صلاحیتیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حضور کی ذات کی ہو کر رہ جاتی ہیں روزمرہ کے کام دھندے اور معمولاتِ زندگی اس شخص کی توجہ کو کبھی بٹا نہیں لگا سکتے آپ ایسے شخص کو دیکھیں گے کہ کھانا کھانے پانی پینے سونے جاگنے یہاں تک کہ جھگڑے میں بھی اس کی سوچ حضور پُرنور کی ذات بابرکات سے وابستہ رہتی ہے اور اسی کے اِردگرد وگردش کرتی رہتی ہے۔ اس پر میں نے شیخ سے عرض کیا کہ یہ کیفیت بندہ کو حیلہ وکسب سے ہوتی ہے تو آپ نے فرمایا ہرگز نہیں کیونکہ کسب وحیلہ سے بندہ کو جب مہم یا مُشکل کام درپیش آجائے تو غفلت اس وقت یقینی ہوگی درحقیقت یہ کیفیت بندہ کو من جانب اللہ یعنی اللہ کی طرف سے مرحمت ہوتی ہے جو بندے کو اس پر ہوشیار اور کاربند رہنے کی استعداد بخشتی ہے اندریں حالت بندہ اپنی ذات میں کچھ اختیار محسوس نہیں کرتا یہاں تک کہ بندے کو اگر کسی مشکل کا سامنا ہو جائے۔ تو اس

---

[1] روایت عبداللہ انصاری میں ہے کہ رُوح القدس نہ لہو لعب میں مشغول ہوتی نہ اس پر غفلت نسیان طاری ہوتا اور نہ ہی کچھ تغیر وتبدل اور انبیاء اس رُوح سے عرش علی اور تحت السریٰ تک کی باتیں جانتے ہیں اور ایسے اشخاص کی رُوحیں بھی رُوح القدس سے بہرہ ور ہوتی ہیں۔ (تحقیق الفاضل)

سے جلد نمٹ لیتا ہے اسی لیے مشاغل اور بے ترتیب مسائل اس کی اصل توجہ مرکز سے نہیں ہٹا سکتے
ہوتا یوں ہے کہ بندے کی دلی دنیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدس سے معمور رہتی ہے اور
ظاہرداری لوگوں سے متعلق ہوتی ہے اس کا کھانا پینا گفتگو کرنا غرضیکہ دنیا و مافیہا کا سب کچھ اس
کے لیے غیرارادی طور پر ہوتا اور جس دنیاوی چیز کا وہ مشاہدہ کرتا ہے اس میں اس کے ارادے
کو کچھ دخل نہیں ہوتا کیونکہ اصل اعتماد قلب وضمیر سے ہوتا ہے وہ ایک دوسری مقدس ذات
سے وابستہ ہے بندے کی یہ کیفیت جب دیرپا ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے رسولِ عظیم
اور نبی کریم کا بیداری میں مشاہدہ عطا فرما دیتا ہے اس فکر کی مدت میں اختلاف ہے بعض کہتے
ہیں کہ ایک ماہ صرف ہوتا ہے بعض کے نزدیک مہینہ سے زیادہ وقت لگتا ہے اور بعض کے
نزدیک چند دنوں میں ہی یہ فکر اپنے مدعا میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ حضور جانِ عالم صلی اللہ
علیہ وسلم کا مشاہدہ ایک مہتم بالشان اور اہم کام ہے تک اللہ کی طرف سے فیضان نہ ہو بندہ
اس کا یارا نہیں مثلاً ہم فرض کریں کہ ایک مضبوط جسم کا قوی ہیکل انسان جس میں چالیس مردوں
کی طاقت ہو تو دلیری اور جوانمردی سے حیوان مفترس شیر خزاں کے کان تو پکڑ سکتا ہے لیکن اگر کبھی ایسے
شخص پر حضور کا گزر ہو جائے تو اس کا جگر چھلنی ہو جائے گا اور جسم پگھل جائے گا اور اس کی روح
پرواز کر جائے گی یہ سب کچھ دبدبۂ ذاتِ محمدیہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہوتا ہے اور اس
پرشکوہ مقام سے آشنائی کے بعد جو لذتِ مشاہدہ ہوتی ہے نہ وہ کسی کیفیت میں آتی ہے نہ شمار
میں یہاں تک کہ یہ مشاہدہ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے نزدیک جنت میں جانے سے بھی افضل
ہوتا ہے اس لیے جو شخص بھی جنت میں جائے گا اس جنت کا ہر انعام عطا ہوگا سوائے خاص خاص
انعامات کے اور حضور کے مشاہدہ کا معاملہ کچھ اور ہے جس خوش نصیب کو مشاہدہ مذکور ہو جائے تو
اس کی ذات جنت کی تمام نعمتوں سے سیراب ہو جاتی ہے وہ ہر رنگ کی لذت اور ہر طرح کی
شیرینی یونہی پالیتا ہے جس طرح جنتی جنت میں پا رہا ہو اور یہ کام اس عظیم شخص کے لیے بہت
معمولی سا ہے جس کے نور سے جنت بنائی گئی ہے اس میں آپ کا شرف اور کمالِ بندگی ہے صلی
اللہ علیہ وسلم۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا نیک بخت کو مرد و مشاہدہ ہو جس میں اس طرح کی
سیرابی ہو اور اس کا یہ مشاہدہ پختہ ہو جائے تو پھر اس مشاہدہ میں سیرابی بھی ایک یقینی امر بن جاتی۔

ابن مبارک نے کہا کہ مجھے شمائل امام ترمذی اور اس کی بعض شرحوں میں مطالعہ کے دوران اگر حضور کی ذات سے متعلق کسی چیز میں اختلاف ہو جاتا مثلاً حضور کی رنگت، قد و قامت، بالوں کی لمبائی، رفتار پُر وقار اور بعض دیگر احوال تو میں سیدھا اپنے شیخ کے پاس جا کر واقع اور یقینی صورت دریافت کرتا تھا آپ عینی مشاہدہ سے برجستہ جواب عنایت فرما دیتے تھے۔ سیدی عبد العزیز دباغ کے ارشادات میں سے ہے اور صاحب ابریز کا یہ قول میں نے نویں سے یہاں کلام سابقہ کی مناسبت سے ذکر کیا ہے۔ سیدی عبد العزیز نے کہا ہے کہ حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم کے مشاہدہ کے بعد جب بندے کو اللہ تعالے کا مشاہدہ ہوتا ہے اس کی نشانی یہ ہے کہ بندے کے فکر میں اللہ جلّ جلالہٗ کی طرف سے پہلے کی طرح کہ اس شخص کا فکر حضور کی ذات میں کھو جاتا تھا اس طرح اس کا تعلق اپنے رب سے ہو جاتا ہے پھر یہ تسلسل جب قائم ہو جاتا ہے تو ذاتِ حق کا مشاہدہ اس شخص پر کھل جاتا ہے اور اس کے اثرات ایسے شخص کے نتیجہ فکر اور دل پر مرتب ہو رہتے ہیں تو جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مشاہدہ سے اس شخص کو جنت کی تمام نعمتوں سے سیرابی میسر آتی ہے۔ تو مشاہدہ ذاتِ حق کا حصول نعمت ہو گا جو جنت اور ذات نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا خالق ہے اور سب چیزیں اسی کی پیدا کردہ ہیں شیخ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں پر مشاہدۂ حق کی راہ کھل جاتی ہے ان کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک وہ جو ماسوائے اللہ سے بے نیاز ہو کر مشاہدہ حق میں کھو جاتے ہیں اور دوسرے وہ جو درجہ کمال پر فائز ہوتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کی رُوحیں مشاہدہ ذات میں کھوئی رہتی ہیں اور ان کی ذات حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مشاہدہ میں ہمہ تن گوش رہتی ہے نہ ان کا رُوحانی مشاہدہ ان کے ذاتی مشاہدہ کو ختم کرتا ہے اور نہ ذاتی مشاہدہ رُوحانی مشاہدہ پر غالب آتا ہے اور یہی مشاہدۂ کا درجہ کمال ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بجا طور پر دوسری قسم کے لوگوں کا مشاہدہ بہتر کمال رکھتا ہے اس لیے کہ ان کا مشاہدہ (فی الحق) ہوتا ہے اور یہ پہلی قسم کے لوگوں کے مشاہدہ سے اتم واکمل ہوتا ہے اور وجہ کمال یہ ہے کہ وہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدہ سے کبھی الگ نہیں ہوتے اور حضور کا ہی مشاہدہ۔ مشاہدہ حق کی ارتقا کا اصل سبب ہوتا ہے جو حضورؐ صلے اللہ علیہ وسلم کے مشاہدہ میں بڑھتا چلا جاتا ہے اس کا مشاہدۂ حق زیادہ کر دیا جاتا ہے اور جس کو مشاہدۂ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کم ہو اس کا مشاہدہ حق بھی

کم ہو جاتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ اگر بندے کے بس میں ہو اور اس کی عمر بھی نوّے برس تک کی ہو تو اس ساری مدت میں حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم کے مشاہدہ کے بغیر کوئی مشاہدہ پسند نہ کرے تو اس کے مرنے سے پہلے ایک نہ ایک دن ایسا ضرور آئے گا کہ اسے مشاہدۂ حق میں فتح حاصل ہو گی اور یہ مشاہدہ حق اسے مشاہدہ حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم میں مسلسل ثابت قدم رہنے کی بدولت نصیب ہوتا ہے۔ بسا اوقات ان دونوں مشاہدوں کا حصول بیک وقت ایک ہی ساتھ اول سے آخر تک ہو جاتا ہے پھر شیخ رضی اللہ عنہٗ اپنے سامنے شیشہ رکھ کر کچھ حروف دیکھنے لگے اندریں حال فرمانے لگے کہ ان حروف کی نوک پلک کا نکھار شیشے کے اُجلے پن کی تابع ہے جس شیشے کا جتنا پانی شفاف اور صاف ہو گا اتنا ہی اس کے سامنے آنے والے نقوش اور حروف میں اُبھار ہو گا میں نے عرض کیا ہاں بالکل درست ہے تو شیخ فرمانے لگے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ صاف شفاف شیشہ کے قائم مقام ہے اور مشاہدۂ حق حروف کی طرح ہے اس طرح جتنی مشاہدہ حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم میں صفائی ہو گی اتنی ہی مشاہدہ حق علائق اور عوائق سے دُوری ہو گی اور ذات ازلی کا مشاہدہ سہل اور آسان ہوتا ابن مُبارک کہتے ہیں کہ میں نے آپ رضی اللہ عنہ سے یہ کلام اس وقت سُنا جب آپ بعض بلند پایہ فقہا کے اس سوال کا جواب دے رہے تھے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ اللہ کا ولی نماز چھوڑ دے تو آپ نے فرمایا کہ ولی اللہ کے لیے نماز ترک کرنا ممکن نہیں اور امکان اس لیے نہیں ہے کہ ولی اللہ ہمہ وقت دو مشاہدوں کا پابند ہوتا ہے ولی اللہ کی ذات مشاہدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں مصروف ہوتی ہے اور اس کی رُوح مشاہدہ حق میں مشغول ہوتی ہے یہ دونوں مشاہدے اسے نماز پڑھنے اور دیگر اُمور شرعیہ سے غفلت نہیں برتنے دیتے بلکہ ہمیشہ یہی حکم کرتے ہیں کہ اُمور دینیہ کے تقدس کو بحال رکھا جائے ابن مبارک کہتے ہیں آپ رضی اللہ عنہٗ نے ایک دوسری تقریر میں فرمایا کہ ولی اللہ نماز کیسے ترک کر سکتا ہے جب کہ اسے اصل رشد و فلاح سے آشنائی تو انہی دو مشاہدوں کی برکت سے حاصل ہوئی ہیں اور یہ بھلائی اور بہتری اسے نبی کی ذات کے اسرار سے سیرابی کے بعد نصیب ہوتی ہے اور ذات بابرکات سے یہ سیرابی اس وقت تک کیسے ممکن ہو سکتی جب تک کہ وہ کام نہ کیا جائے جو حضور کی ذات نے پابندی سے کیا ہو۔ نویں باب کی عبارت

میں آپ کا کلام یہاں تک ہی ہے۔ اور آپ نے پانچویں باب میں فرمایا کہ اچھی طرح جاننا چاہیئے آپ کو اللہ تعالیٰ توفیق بخشے۔ کہ ولی رازداں راستی اور حق کو خوب جانتا پہچانتا ہے اور وہ کسی مذہب کا پابند نہیں ہوتا اگرچہ سرے سے تمام مذاہب کا شیرازہ بکھر جائے مگر شریعت مطہرہ کا احیاء ان کی اپنی زندگی کا لازمہ ہوتا ہے اور ایسا ہو بھی کیوں نہ ولی تو وہ ہوتا ہے جس کے سامنے سے لحہ بھر کے لیے بھی حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات غائب نہیں ہوتی اور ولی اللہ مشاہدہ حق سے ایک لحظہ بھی الگ نہیں ہوتا اس مقام پر وہ نبی کی مراد اور مراد حق سے کما حقہ واقف ہوتا ہے اور احکام الٰہی خواہ تکلیفی ہوں یا غیر تکلیفی ان کا پابند ہوتا ہے ایسا ولی اپنے پر حجت ہوتا ہے اور اس کا غیر اس پر حجت تمام نہیں کر سکتا کیونکہ غیر راز داں کی نسبت ذاتِ حق سے زیادہ قریب ہوتا ہے جس کی یہ صفات ہوں اس کے لیے انکار کی کوئی راہ باقی نہیں رہ جاتی۔ کہا جاتا ہے کہ آپ نے یہ کلام کر کے بعض مذاہب کی مخالفت کی ہے پھر آپ نے اس سلسلہ میں بہت لمبی تقریر کی اگر میں چاہتا تو شائد آپ اتنی طویل تقریر سے باز رہتے۔ سیدی عبدالعزیز دباغ کے بعض ارشادات میں سے ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ سے کئی سوالات پوچھے گئے کہ کیا حضور جانِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی صورت اور تشخص جو ذہن مومن میں آتا ہے وہ عالم ارواح سے ہے یا عالم مثال سے یا عالم خیال سے ہے اور کیا صورت ذہنیہ معہ اپنے مشمولات روزمرہ کے سامنے آنے والی چیزوں اور گفتگو سے ہوتی اور کیا خرابی دنیا میں آپ کی وہ صورت شیطان سے محفوظ ہوتی ہے جس طرح کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاٰنِیْ حَقًّا فَاِنَّ	ترجمہ: یعنی جس نے مجھے دیکھا اسے مجھے
الشَّیْطَانَ لَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یَّتَمَثَّلَ بِیْ	بے شک شیطان کو یہ قدرت نہیں کہ میری
اَوْ کَمَا قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ (الحدیث)	مثل بن جائے۔ یا جس طرح بھی حضور نے فرمایا ہے

یا وہ صورت اپنی مثل نہیں ہوتی جواب دے کر اللہ سے اجر پائیں اور آپ پر اللہ کی رحمت اور سلامتی ہو۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی صورت کا جلوہ گر ہوتا۔ یہ مشاہدہ کی روح اور عقل کے سبب سے ہے جو شخص اپنی مکمل توجہ حضور کی طرف متوجہ کر دے تو ایک دن اس کے ذہن میں حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم کی صورت چھپ جاتی ہے اگر تو یہ غور و فکر کیسے

شخص کی طرف سے ہو جو آپ کی ذات بابرکات سے واقف ہے جیسے صحابی یا وہ علمائے حق جو تحریری حُلیہ مُبارک سے کما حقہ، باخبر ہیں پھر ان کی اصل مراد بھی یہی امر ہوتا ہے ان کے فکر میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت واقعی اور اعیانی ہی ہو گی۔ صحابی اور علمائے حق کے علاوہ جن لوگوں کو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت کسی ایسے آدمی کی صورت مستحضر ہوتی ہے جو اپنی صورت و سیرت میں انتہائے کمال پر ہو اور خارج میں وہ صورت فکری صورت سے موافقت اور مطابقت بھی رکھتی ہو تو زیارت رُوحانی کہلائے گی۔ اگر اس کی فکری صورت سے مخالفت ہو گی تو وہ صورت آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتی صورت ہو گی رُوحانی نہیں ہو گی۔ اگر کوئی صحابی آں حضرت کے مشاہدہ کے متعلق بتائے یا علمائے حق میں سے کوئی حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم کی خبر دے تو وہ آپ کی ذات ہی ہوتی ہے روح نہیں ہوتی اور ہر مکر کو مجال نہیں کہ ذاتِ محمّد صلے اللہ علیہ وسلم کو جان جائے مگر اس شخص کا فکر جو آں حضرت کے تشخص سے اچھی آگاہ اور باخبر ہو۔ تمھاری یہ بات کہ کیا وہ عالم روح سے ہے اگر اس سے تمھاری مراد جلوہ زیبائی ہے تو یہ بھی مسلسل حضوری کی تمنا کرتے رہنے سے ہے اور یہ عالمِ ارواح سے ہے یعنے متفکر رُوحانی کی قوت کے اعتبار سے ہے، اگر اس سے تمھاری مُراد یہ ہے کہ جو صورت ہمارے فکر میں حاضر ہو وہ رُوح مُصطفےٰ ہے تو یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ وہ آپ کی روح نہیں ہو گی۔ اتفاقاً حضور علیہ السلام سے جب متفکر کو ملاقات یا شرف گفتگو حاصل ہو جائے تو پھر یہ امر خالی از دو حال نہ ہو گا، اگر متفکر کی ذات پاکیزہ ہے اور محمّد کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے اسے مُحبت خالص بھی ہے تو پھر سرکار کی مُبارک رُوح کے اسرار و رموز اور متفکر کی ذات کے درمیان کوئی خلیج باقی نہ رہے گی بلکہ حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم کی رُوح اور متفکر کی ذات باہمی دوستی کے مقدس ناطوں میں منسلک ہو جاتے ہیں یہ پاکیزہ مشاہدہ حق پر صحیح ہوتا ہے اور اگر متفکر کی ذات پاکیزہ نہ ہو تو معاملہ برعکس ہوتا۔ اللہ توفیق بخشنے والا ہے۔

---

[1] کیونکہ تمام ارواح کا مابہ الاشتراک امر ربی ہے (مترجم غفرلہ)

[2] کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مماثل ممکن (ایّکم مثلی) جہاں تک (انا بشر مثلکم) کا تعلق ہے وہ بلحاظِ آدمیت ہے

تو وہ محبوب ہے جس کو بنا کر خود خُدا کہہ دے
کہ اب تجھ سا حسین دنیا میں پیدا ہو نہیں سکتا

ابن مبارک رحمۃ اللہ نے کہا کہ میں نے ایک دن آپ رضی اللہ عنہ سے ایسے متقی اور پرہیزگار لوگوں کا ذکر کیا جو اپنی جماعت میں ساتھیوں کے ساتھ ذکر و فکر میں مشغول ہوتے ہیں پھر ان میں سے کسی ایک حالت اور رنگ اور بیٹھنے کا انداز یکایک بدلنے لگتا ہے پھر اسے کہا جاتا ہے کہ آپ یوں کیوں کر رہے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ غور کرو تم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں اس سے اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ ان کی اس محفل میں اس وقت حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں تقریباً یہ سب کچھ اس کا آنکھوں دیکھا ہوتا ہے اس بات کے پیش نظر میں نے شیخ سے عرض کیا کہ اس شخص کو جو یہ مشاہدہ حاصل ہوا ہے کیا یہ مشاہدہ فتح و کشادیعنی روحانیت کھل جانے سے ہے یا مشاہدہ فکر ہے۔ اس کے جواب میں آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ مشاہدہ فکر ہے مشاہدہ فتح نہیں ہے۔ اور مشاہدہ فکر اگرچہ مشاہدہ فتح سے کم درجہ کا ہے تاہم یہ بھی ان لوگوں کو نصیب ہوتا ہے جن کی محبت بے لاگ ایمان خالص اور نسبت صاف ہو آخر کار یہ مشاہدہ فکر بھی اس شخص کا مقدر بنتا ہے۔ جس کا تعلق اور وابستگی حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم سے خصوصی طور ہو جائے درحقیقت کئی لوگوں کو یہی مشاہدہ فکر ہی ہوتا ہے اور وہ اسے مشاہدہ فتح سمجھ لیتے ہیں یہ اس قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ جو خود آگاہ تو ضرور ہیں لیکن ابھی محرم راز نہیں ہوتے لیکن جب عامۃ المسلمین کا مشاہدہ قیاس کیا جائے تو وہ مذکور لوگوں کے مقابلہ میں نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے کیونکہ عام لوگوں کا ایمان ان کے ایمان کے مقابلہ میں کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔ اللہ سب سے بہتر جانتا ہے۔

ابن مبارک کہتے ہیں کہ میں نے بعض مستقل مزاج اور پختہ لوگوں میں سے ایک شخص سے سنا جو عالم بیداری میں حضور کی زیارت کر لیا کرتا تھا اور اپنے گاؤں (فاس) میں رہ کر مدینہ منورہ کی معطر ہواؤں کو سونگھا کرتا تھا وہ شخص کہتا ہے کہ ہم حج کے لیے چلے جب میں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کی مجھ پر کیف وجد طاری ہوا اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تمہارے مدینہ میں پہنچنے کے بعد عرب میں اپنے گاؤں (فاس) جانا نہیں چاہتا پھر میں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی طرف سے سنا کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ اگر تم مجھے یہاں مقید سمجھتے ہو تو یہیں رہو اور اگر تم مجھے میری امت کے ساتھ سمجھتے خواہ جہاں کہیں بھی ہے تو پھر اپنے اپنے شہروں میں لوٹ جاؤ پھر میں اپنے گاؤں (فاس) آگیا۔ پھر ابریز

کے چھٹے باب میں کہا یہاں ہم صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک مختصر دستے کا ذکر کر رہے ہیں۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے در اقدس پر حاضر ہو کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق اُمہاتُ المومنین رضی اللہ عنہن سے دریافت کرنے لگے اور قیام و صیام کے متعلق دریافت کرنے لگے اہل ایمان کی مائیں ازواج رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب آں حضرت کی عبادت کرنے کا ذکر کیا صحابہ کرام اسے بہت کم جاننے لگے پھر کہنے لگے کہ ہم حضور کی طرح تو نہیں ہو سکتے کیونکہ مقربِ خدا حق ہیں اور ان پہلی اور پچھلی خطائیں معاف ہو چکی ہیں۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا کہ میں تمام عمر روزے رکھوں گا اور دوسرے نے کہا کہ میں سویا نہیں کروں گا پوری پوری رات قیام و شب بیداری میں گزاروں گا تیسرا کہنے لگا کہ میں عورتوں سے شب باشی ترک کر دوں گا۔ اتنا کہہ کر صحابہ وہاں سے چلے گئے ابھی صحابہ کرام کچھ دور نہیں گئے تھے کہ حضور پُر نور بھی اپنے دولت سرا میں جلوہ گر ہوئے تو آپ سے اُمّ المومنین جنابہ حضرت عائشہ نے حال صحابہ سے آں حضرت کو خبر دی اور جو کچھ انہوں نے کہا سب کچھ بتا دیا تو آپ حضور نے انہیں واپس بلا کر فرمایا کہ میں تم سب سے زیادہ [illegible] والا اور پرہیزگار ہوں مگر [illegible] کا بھی سب سے زیادہ خیال رکھتا ہوں [illegible] بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی روزے ترک بھی کر دیتا ہوں عبادت و قیام بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے قربت بھی کرتا ہوں اور جو شخص میری سنت سے منہ پھیرے وہ مجھ سے نہیں ہے اور وہ صحابہ جو خوف و خشیت سے [illegible] حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ۔ حضرت [illegible] رضی اللہ عنہ [illegible] رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ تھے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اس آیت کا نزول ثابت بن قیس بن شماس سے متعلق ہے کیونکہ وہ کچھ بہرے تھے اور ویسے بھی بلند بانگ شخص تھے اور بات چیت بہت زور لگا کر کرتے تھے تو جب کبھی اسے حضور علیہ السلام سے بات کرنے کا اتفاق ہوتا تو آں حضرت کو اذیت ہوتی اس پر اللہ جل جلالہ نے یہ آیت حضور پر اتار دی تاکہ اسے تلقین آداب ہو اور دوسرے لوگ بھی عبرت سمجھیں۔ اس آیت کے سبب نزول میں ایک اور روایت بھی ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم کسی معاملہ میں حضور کے پاس بیٹھے جھگڑ رہے تھے تو اس آیت کا نزول ہوا۔ راوی کہتا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور کی خدمت میں حاضری کے وقت بہت آہستہ بات کیا کرتے تھے اور کبھی سننے والے کو بات سمجھنے میں دقت پیش آجاتی تھی اور کہا جاتا کہ جب آیت نازل ہوئی تو جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی کہ وہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بات نہ کریں گے مگر رازدار کی طرح اور ایک مرید کے لیے یہی مناسب اور بہتر ہے کہ وہ اپنے شیخ کے پاس یہی صورت اختیار کرے نہ اپنے شیخ کے پاس زیادہ کھلکھلا کر ہنسے اور نہ ہی اونچی آواز سے اظہار مسرت کرے مگر جب شیخ اسے خود خوش کرنا چاہے تو بلند آواز سے اظہار مسرت کر لینے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے مگر پھر بھی حیاً منہ کو ڈھک کر تاکہ شیخ کا وقار بحال رہے۔ جب خوشی سے جی بھر جائے زبان پر مہر سکوت لازم ہو جانی چاہیے اس میں شک نہیں کہ جن مریدین کو دیدار شیخ کے بغیر کسی پل چین نہ ہو اور اس امر کی استطاعت بھی نہ رکھتے ہوں تو وہ اپنے شیخ کی حرمت و وقار بحال رکھ کر بھی باطن شیخ سے مل جاتے ہیں، پھر سہروردی نے کہا کہ ابن عطا اللہ کے اس قول لا ترفعوا کے بارے یوں فرماتے ہیں کہ دراصل یہ کلام حکیمانہ طور ڈانٹ پلانے کے مترادف ہے کہ کوئی شخص بھی حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم کے مزاج نبوت سے ناگوار بات نہ کرے، اور جناب سہل نے یوں کہا ہے کہ آپ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طالب علم کی حیثیت سے بڑھ کر بات نہ کرو یعنی خود کو متواضع کر کے مسئلہ دریافت کیا کرو اور جناب ابوبکر بن طاہر فرماتے ہیں کہ کسی ایسی بات کے متعلق مت پوچھو نہ خود بات کرو جو آں حضرت کی شان کے زیبا نہ ہو مثلاً آپ سے شدت کے ساتھ بات نہ کرو اور نہ آپکا ذاتی نام لے کر پکارو یا محمد یا احمد جس طرح عوامی حلقوں میں تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو بلکہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عظمت و توقیر کے ساتھ کہو یا نبی اللہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

پھر ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں ایک دن باب الحدید کے پاس شیخ کے ساتھ تھا شیخ نے مجھے دیکھ کر فرمایا کہ کوئی شخص معرفتِ الٰہی کی خواہش نہ کرے جب تک کہ اسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے آشنائی نہ ہو اور کوئی شخص معرفت رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی خواہش نہ کرے جب تک اسے اپنے شیخ کی معرفت نہ ہو اور کوئی شخص معرفت شیخ کی تمنا نہ کرے جب تک کہ وہ لوگوں کی نماز جنازہ میں شریک نہ ہو۔

حضورؐ کا لوائُ الحمد اور مقام مشائخ

سیدی عبدالعزیز دباغ کے ارشادات میں سے ہے جو انہوں نے ابریز میں مشائخ پر بات کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ جلّ جلالہٗ نے مقام رضا کا وارث بنایا ہے بے شک حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھ میں قیامت کے دن لوائُ الحمد ہوگا اور وہ ایک نورِ ایمان ہے۔ اور تمام مخلوق آپ کے پیچھے پیچھے ہوگی۔ اس میں آپ کی اُمت بھی ہوگی اور دوسرے انبیاؑ کی اُمتیں اور تمام انبیاؑ و مرسلین بھی اور ہر ایک اُمت اپنے نبی کے جھنڈے تلے ہوگی اور ان کے نبی کا جھنڈا حضور کے لوائُ الحمد کا طفیلی ہوگا اور سب انبیاؑ اپنی اُمتوں سمیت حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مُبارک کندھے پر ہوں گے جب کہ آپ کی اُمت مطہرہ دوسرے کندھے پر ہوگی اس میں انبیاؑ کے بعد اولیائے کرام بھی ہوں گے اور اولیا انبیائے عظام کے ہم رُتبہ ہوں گے اور حضور کے پیچھے جس طرح انبیاؑ اور ان کے متبعین چل رہے ہوں گے اسی طرح اولیائے کرام بھی چل رہے ہوں گے اور سب کے سب حضورؐ کے فیضِ کمال سے مدد طلب کریں گے۔

اسمأ الحسنیٰ اور ان کے معانی وحقائق

سیدی عبدالعزیز کے ابریز میں مذکور ارشادمیں سے ہے میں نے آپ رضی اللہ عنہٗ کو فرماتے ہوئے سُنا کہ وہ اسمأ الحسنیٰ باری تعالیٰ کے متعلق کہہ رہے تھے کہ بے شک ان کے رموز و اسرار انبیاؑ کو مشاہداتی طور حاصل ہوتے ہیں تو جس کو ایک معنی کا مشاہدہ ہو اس کے لیے ایک اسم مقرر کر دیا جاتا ہے۔ پھر انبیاؑ کو جتنا مشاہدہ ذاتِ حق ہوتا ہے اتنا ہی ان پر اسمأ الحسنیٰ کو ظاہر کر دیا جاتا ہے۔

پھر اسی اعتبار سے ان کی اپنی ذات ہی سے اسمأ نکلتے رہتے ہیں۔ تمام اسمأ انبیا کو ایک پیرایہ میں حاصل ہوتے ہیں مثلاً سیدنا ادریس علیہ السلام وہ پہلے شخص ہیں جن کے لیے علیم۔ قوی، عظیم، منان جیسے اسمأ وضع کئے گئے اسی طرح ہر نبی کے لیے کچھ نہ کچھ ان اسمأ میں سے مقرر کیا ہوا ہے لیکن انبیأ نے ان کا استعمال اپنی اپنی زبانوں میں کیا جب کہ قرآن مجید کا طرۂ امتیاز ہے کہ ان تمام اسمأ کو مجموعی شکل میں پیش کیا اور ان اسمأ کو سابقہ انبیا کی زبانوں تک محدود نہ رہنے دیا بلکہ خالص عربی زبان میں پیش کیا آپ رضی اللہ عنہُ نے کہا کہ سب سے پہلا وہ شخص جس کے لیے اسم جلالت وضع کیا گیا وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں اسم جلالت کا حصول انہیں اس لیے ہوا کہ جب حق سبحانہٗ نے ان میں روح پھونکی تو وہ صحیح و سلامت اُٹھے اور ایک پاؤں پر کھڑے ہو گئے اور دوسرے پاؤں کے گھٹنے سے ٹیک لگائی، اندریں حالت انہیں رب جلیل کا ایک عظیم مشاہدہ ہوا، اور اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے ان کی زبان کو ایسی گویائی عطا کی کہ جس سے وہ من و عن ان اسرار و رموز کو بیان کرنے لگے جو انہوں نے ذات اقدس کے مشاہدہ سے پائے تھے اللہ نے اپنے علم میں یہ بات منظور کر رکھی تھی کہ ان اسمأ الحسنیٰ کو ناموں کی شکل دے دی جائے اسی لیے انہیں انبیا اور صوفیوں کی زبانوں پر جاری فرما دیا آپ رضی اللہ عنہُ فرماتے ہیں کہ اگر سید کل کائنات حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم کو ان اسرار و رموز کے لیے مقرر کر دیا جائے جو آپ کو ان مشاہدوں کے دوران حاصل ہوئے جن کو باقاعدہ ناموں کی شکل نہیں دی جا سکتی اور آپ بیان فرما دیں تو ہر سننے والا سننے کے ساتھ ہی پگھل جائے لیکن حق سبحانہٗ اپنے بندوں پر مہربان ہے اللہ بہتر جانتا ہے، ابن مبارک کہتے ہیں کہ مجھے شیخ رضی اللہ عنہُ نے خبردار کرتے ہوئے کہا کہ کہیں تو یہ گمان نہ کرنے لگے کہ اس کلام میں اختلاف عقیدہ لازم آیا ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام اسمأ الحسنیٰ تو قدیم ہیں، ان تمام اسمأ کے قدم سے مراد قدم معانی ہے قدم نظی نہیں کیونکہ الفاظ عرض ہوتے ہیں اور، عرض حادث ہوتے ہیں خصوصاً جب الفاظ کی ادائیگی آواز کی صورت میں کی جاتی ہے یہ امر بالکل واضح ہے اور اپنے کسی پہلو میں کوئی پیچیدگی نہیں رکھتا اللہ بہتر جانتا ہے۔

اولیأ اللہ پر اسمأ الحسنیٰ کے اثرات

پھر شیخ رضی اللہ عنہُ نے ذکر کیا کہ بے شک اولیائے کرام بھی ان اسمأ الحسنیٰ سے سیرابی

حاصل کرتے ہیں ان میں بعض ولی ایسے ہوتے ہیں جو صرف ایک ہی اسم سے سیرابی حاصل کرتے ہیں پھر اس ایک اسم کا ردِ عمل یہ ہوتا ہے کہ وہ ولی ہمیشہ ہنستا رہتا ہے یا روتا رہتا ہے یا اور عادت حسنہ کا اظہار اس ولی سے ہوتا رہتا ہے اور بعض دو اسمأ سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ اور بعض دو سے زیادہ اسمأ سے اکتساب فیض کرتے ہیں، ابن مُبارک کہتے ہیں میں نے شیخ رضی اللہ عنہُ سے عرض کیا کہ آپ کو کتنے اسمأ سے سیرابی حاصل ہے آپ رضی اللہ عنہُ نے بالکل صحیح فرما دیا کہ مجھے ایک صد ستانوے اسمأ سے مکمل سیرابی حاصل ہے آپ رضی اسمأ سے نہیں. میں نے عرض کیا کہ بالکل یہ اسمأ الحسنیٰ تو صرف ستانوے ہی ہیں تو آپ رضی اللہ عنہُ نے فرمایا ستانویں کو سو کے عدد سے اگر پورا کر دیا جائے تو اسے شمار نہیں کیا جاتا کیونکہ لوگوں ہیں اس کی تاب نہیں اور وہ اسم (اللہ) ہے جو اپنے ضمن میں بزرگی بلکہ بہت بزرگی رکھتا ہے یہ وہ اسم ہے جس کی برکت سے دعائیں قبول ہوتی ہیں اور جو سوال بھی اس کے وسیلہ سے کیا جائے تو سائل کو یقیناً عطاؤں سے نوازا جاتا ہے آخر کار شیخ رضی اللہ عنہُ سے سُنا کہ آپ کے باقی تین اسمأ کی کمی بھی پوری ہو گئی یعنی دوسرا سینکڑہ بھی پورا ہو گیا، اور آپ نے فرمایا کہ یہ سیرابی دو طرح کی ہوتی ہے، ایک سیرابی تو (مقام روح) میں ہوتی ہے اس درجہ کی سیرابی سے تو بعض اولیائے کرام ایک اسم سے فیضیاب ہوتے ہیں اور بعض وہ ہوتے جو سو سے کم اسمأ تک پہنچ جاتے ہیں لیکن پورے سو اسمأ سے سیرابی حاصل کرنا صرف (غوث) کا ہی حصہ ہے۔ اور دوسری سیرابی (مقامِ سر میں ہوتی ہے) اس پر آپ رضی اللہ عنہُ نے فرمایا کہ اس درجہ کی سیرابی ہیں سید کل کائنات حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا تمام مخلوقات میں کوئی بھی سو تک نہیں پہنچ سکا۔ پھر ابن مُبارک کہتے ہیں کہ میں نے اسما الحسنیٰ پر شیخ رضی اللہ عنہُ کو کہتے سُنا اور وہ لوگ جو ان اسمأ کا ورد وظیفہ کرتے ہیں ان کے متعلق بھی آپ فرما رہے تھے کہ جو عامل بھی ان اسمأ کی اجازت شیخ کامل سے حاصل کر کے پڑھے اسے کچھ نقصان نہیں پہنچتا اور یونہی کسی غیر کامل وعارف شخص کے کہنے پر کسی کامل نے اسمأ کا عمل شروع کیا اسے نقصان ہوگا، میں نے عرض کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے تو آپ رضی اللہ عنہُ نے فرمایا کہ اسمأ الحسنیٰ کے لیے من جانب اللہ حق سبحانہٗ کے انوار ہیں سے انوار ہیں پھر جب تو کسی اسم کے ذکر کرنے کا ارادہ کرے اور اس اسم کے ساتھ اس کا نور بھی موجود ہو تو تجھے ضرور کچھ نہ ہوگا۔ اور اگر خدانخواستہ اس اسم کے ساتھ وہ

نور نہ ہو جو بندے اور شیطان کے درمیان ایک مضبوط حجاب ہوتا ہے تو اس عامل کی محنت میں شیطنت کارفرما ہو جائے گی اور شیطان اس بندے کے لیے کسی بھی نقصان کا موجب ضرور بنے گا اور دائم حضوری شیخ عارف جب اپنے مُرید کو اسمأ الحسنیٰ میں سے کسی اسم کی عطا کر دے تو اسے اسم کے ساتھ وہ نُور بھی دیتا ہے جو بندۂ مرید اور شیطان کے درمیان آہنی دیوار کا کام دیتا ہے اور مرید اطمینان سے اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے اور شیطان اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، پھر اس اسم کا نتیجہ نیت شیخ پر موقوف ہے اگر شیخ نے طالب کو وہ اسم حصول دنیا کے لیے عطا کیا ہے تو مُرید یقیناً دنیا پالے گا اور اگر معرفت الٰہی کے لیے وہ اسم عطا کیا ہے تو اسے معرفت حق ضرور نصیب ہو گی، اگر شیخ خود ہی مستور الحال ہو اور وہ مُرید کو خالی کسی اسم کے ورد کرنے کی اجازت دے دے لیکن دفاع شیطان کی کچھ ہدایت ہو تو مُرید عامل ہلاک ہو جائے گا، ہم اللہ سے ہر وقت سلامتی چاہتے ہیں، میں نے عرض کیا کہ قرآن مجید میں بھی یہ اسمأ مذکور ہیں اور قرآن خواں ہمیشہ انہیں پڑھتے بھی رہتے ہیں انھیں تو کچھ ضرر نہیں ہوتا اس کی کیا وجہ ہے باوجودیکہ قرآن خواں نے تو باقاعدہ کسی شیخ سے اجازت بھی نہیں لی ہوئی ہوتی، اس پر شیخ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمارے سردار نبی اور ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو حق نے قرآن دے کر بھیجا ہے اور جس کو بھی آپ حضورؐ کے زمانے سے لے کر قیامت تک قرآن پہنچے گا آپ ہر قرآن خواں کے دوران قرآن خوانی شیخ ہوتے اور امر قرآن خوانوں کے لیے شیطان سے مکمل دفاع کی ضمانت ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ان کی طفیل ہمیں بھی اس کا صحیح نفع پہنچائے، پھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کے ہر قرآن خواں کو اس کی قدر کے مطابق قرآن عزیز عطا کیا ہے یعنی جتنی کسی میں قرآن فہمی کی اُمور ظاہر میں تاب و طاقت ہو اور وہ اچھی طرح اسے سمجھ سکیں، اور قرآن پر خواں کو قرآن مجید جمیع اسرار و رموز اور ہر ایک انوار خصوصاً وہ انوار جو ان اسمأ میں مخفی ہیں عطا نہ کیا اور اگر حضور علیہ السلام سب قرآن خوانوں کو قرآن مجید اپنے جمیع انوار و تجلیات سے عطا فرما دیتے تو سب کے سب قطب ہوتے، ضرور کسی نہ کسی سے کوئی غلطی بھی سرزد ہو سکتی تھی اور کبھی نہ کبھی کسی کو ان اسمائے سے کوئی زحمت ہو سکتی تھی اور یہ امر حضور کی رحمت کو مانع تھا۔

سیدی عبدالعزیز دباغ کے ارشادات میں سے یہ صاحب ابریز کا اپنا قول ہے میں

نے آپ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ میں ہمیشہ اس ولی کے متعلق حیران رہا ہوں جو کہے کہ وہ پوری (کون) یعنی وجودِ ہستی پر حاوی ہے اور اس حیرانی کا اصل سبب یہ ہے کہ (کون[1]) یعنی وجودِ ہستی کا ایک بڑا دروازہ ہے جس سے باقاعدہ داخل ہوا جاتا ہے اور وہ سیّدِ کل کائنات ہی کی ذات بابرکات ہے اور ساری مخلوقات میں کوئی مخلوق بھی حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت کی متحمل نہیں ہو سکتی تو جو شخص دروازے پر ہی ہمت ہار جائے وہ مکان کے اندر داخل ہو کر حاوی کیسے ہو سکتا ہے اگر کوئی چور دروازے سے داخل ہو جائے خواہ شیطان کی مدد سے یا ظلمتِ نفسانی کے سبب سے لیکن ایسی صورت سے ایک معمولی مکان نہیں بھرتا چہ جائیکہ اس کا آنگن یا کوئی دوسرا مقام بھر جائے، اس پر آپ خود ہی فرمانے لگے کہ جاننا چاہیے کہ وجودِ ہستی کے جتنے انوار خواہ عرش سے یا فرش سے آسمانوں سے ہوں یا زمینوں سے جنتوں سے ہوں یا جنتوں کے اوپر نیچے والے پردوں سے ہوں جب ان سب انوار کو یکجا کر دیا جائے تو حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم کے نور کا ایک تھوڑا سا حصّہ بنتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ مجموعہ نورِ محمّدی صلی اللہ علیہ وسلم اگر عرش پر رکھ دیا جائے تو حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم کے نور سے وہ پگھل جائے گا، اور اگر وہی نور عرش کے اوپر والے ساٹھ پردوں پر رکھا جائے تو وہ تار تار ہو جائیں اور اگر تمام مخلوقات کو اکٹھا کر کے آں حضرت کا وہی نور اس پر رکھا جائے تو کائنات پر سکتہ طاری ہو جائے اور سرے نظامِ کائنات تعطل کا شکار ہو جائے جن کے نور کی یہ شان ہے ان کے سامنے ایسا شخص کیسے ہو سکتا ہے جو وجودِ ہستی کی کائنات کو پر کر دے مثلاً اس کی ذات اس وقت کہاں ہو گی جب مدینہ منورہ پہنچی ہوئی ہو گی اور آپ کی قبر شریف کے قریب ہو گی یا اس کی ذات اس وقت کیسی ہو گی جب برزخ پر چڑھ رہی ہو گی اور اس جگہ کے قریب ہو گی جس میں وہ نورِ عظیم ہے جو رُوح کے ساتھ قائم ہے یا تو اس کی ذات اس نور کی متحمل ہو گی اور یہ بات مسلّم ہے کہ جملہ مخلوق اس نورِ ازلی سے عاجز ہے۔ یا وہ اس جگہ سے چوک جائے گا پھر وہ (کون) یعنی وجودِ ہستی کو نہ بھر سکے گا، آپ خود اس اشکال کو لازماً جواب دیتے ہیں کہ وہ نورِ عظیم کی جگہ جسے برزخ سے تعبیر کیا گیا ہے وہ ماتحت عرش ہو اور

---

[1] وجود ثبوت کون حدوث فلاسفہ کا معرکۃ الآرا ایک مسئلہ بھی ہے۔ (امیر محمّد شاہ غفرلہٗ)

اور ہوسکتا ہے کہ کون سے مُراد زمین و آسمان کے مابین کا حصہ ہو اور برزخ کی جگہ جہاں نورِ عظیم موجود ہے اس کے علاوہ ہو، میں کہتا ہوں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو ولی کون کو بھرتا ہے وہ اس نور کی حیثیت سے بھرتا ہو جس کو حضور کے نور سے سیرابی ہو اور بذاتِ خود نہ بھرتا ہو اور ولی کی مثال سورج کی سی ہے جو زمین و آسمان کو چمکا دیتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہُ نے فرمایا کہ اس ولی کی مُراد کون پُر کرنے اپنی ذات نہیں بلکہ نورِ مصطفیٰ ہے لیکن اس ولی کا نور نورِ محمدی کے سامنے نصف النہار سورج کے سامنے چراغ کی مانند ہوتا ہے اور کہنا بالکل درست نہیں ہے کہ چراغ کی روشنی سے سورج بے نور ہو جائے گا اور سورج کا نور بھی تو حضور کے مقدس نور سے ایک کرن ہے تو وہ اکوان کو پر کرنے میں کس حد تک کامیاب ہو گا، آپ رضی اللہ عنہُ نے فرمایا کہ (اکوان) پر کرنے سے مراد یہ نہیں کہ نورِ مکرم اس ولی کی وجہ سے کہیں غائب ہو جاتا ہے یا ماند پڑ جاتا ہے اور کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ آفتاب کا نور مومنین کی رُوحوں کے نور سے ہے اور ان کی ارواح کے نور حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم کے نور سے ہیں، اس اُلجھن کا اصل سبب یہ ہے کہ جس طرح ہم سے اولیائے کرام کا نور درپردہ رہ جاتا ہے اسی طرح نورِ مکرم محمدؐ سے بھی حجاب میں رہ جاتے ہیں اگر پردہ اُٹھ جائے تو بلا مبالغہ ہر قسم کے انوار نورِ محترم کے مقابلہ میں اس طرح نصف النہار کے آفتاب کے ساتھ ٹمٹماتے چراغ رکھے ہوئے ہوں اور آسمانی سورج اور چاند ستارے بھی اسی طرح معلوم ہونے لگیں۔

سیّدِ عالم کا علم اور علمِ جبریل

سیدی عبدالعزیز دباغ رضی اللہ عنہُ نے صاحبِ احیا کے کلام کے جواب میں ارشاد فرمایا۔

جب اس نے یہ کہا کہ سیدالاولین کے علم سے جنابِ جبریل کا علم زیادہ ہے آپ نے فرمایا۔ کہ جبریل علیہ السلام اگر کروڑوں سال بلکہ لامحدود عمر پائیں پھر بھی اللہ اور رسول کے علم و معرفت کی ۱/۴ چوتھائی تک بھی نہیں پہنچ سکتے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ان کا علم حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہو جائے کہ جب کہ جبریل اور عام ملائکہ حضور کے نور کی ایک کرن سے پیدا ہوئے ہیں اور تمام مخلوقات اور سب فرشتے آپ کی طفیل حصولِ علم و معرفت کرتے ہیں اور محبوبِ خدا

صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پروردگار سے وہاں علم ومعرفت حاصل کیا جہاں نہ جبریل جا سکتا ہے نہ کوئی دوسرا پہنچ سکتا ہے اور جب حضور علیہ السلام اپنے ربّ کے ہاں سے علم ومعرفت کا حصول مکمل کر چکے تھے اس سے طویل مدت کے بعد اللہ نے حضور کے نور سے جناب جبریل اور دیگر فرشتوں کو ابھی پیدا فرمانے کا ارادہ کیا تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خود جناب جبریل اور تمام فرشتے اور صاحب کشف واہل معرفت اولیائے کرام بلکہ جن بھی اس مسئلہ سے اچھی طرح آگاہ ہیں کہ جناب جبریل کو علم ومعرفت کے جتنے مقامات حاصل ہوئے ہیں یہ سب حضور کی فیض صحبت کی برکت تھی اگر جبریل علیہ السلام حضور کی نیاز حاصل کرنے سے بے بہرہ رہتے اور جہد مسلسل اور اپنی ذاتی محبت پر عمر صرف کر دیتے پھر بھی انہیں علم ومعرفت کا ایک مقام بھی حاصل نہ ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جو مقام بھی جناب جبریل کو حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم سے ملا ہے وہ خود جبریل بھی جانتے ہیں اور یہ امر اہل معرفت پر بھی مخفی نہیں۔

جبرائیل کو خدمت مصطفےٰ کے لیے پیدا کیا گیا ہے

حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات اللہ جل شانہ کا مخفی راز ہے جس کے لیے مولائے ذوالجلال نے حضرت جبریل علیہ السلام کو آپ کی ذات کے حفاظتی دستے میں شامل کر دیا تاکہ وہ دوسرے ملائکہ کے ساتھ تھا آپ کی نگرانی پر لگا رہے پھر جبریل تمام کائنات کے مشاہدہ سے بھی قاصر تھا آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی برکت اور وسیلہ سے جبریل علیہ السلام کو تمام کائنات کا مشاہدہ ہوا کیونکہ تمام مخلوق آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات سے مدد طلب کرتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات بھی باقی اولادِ آدم علیہ السلام کی طرح بشریت سے آراستہ کرکے پیدا کیا گیا کیونکہ اولادِ آدم اپنے جیسی شکل وصورت والے پر ہی کچھ میلان کر سکتی تھی۔ اور اس کے علاوہ ان کو کوئی رغبت نہ ہو سکتی تھی اگر حضور ملکی اوصاف سے ظاہر ہوتے تو شیخ فرماتے ہیں کہ یقیناً ابنائے آدم ملائکہ کی صورت سے دہشت زدہ ہو کر گھبرا جائے کیونکہ ان کی صورتیں ایسی ہیں کہ بہت سے سر منہ اور ہاتھ پاؤں رکھتے ہیں اور ایک ایک کا وجود مشرق ومغرب کو پُر کر دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

حضرت جبریل علیہ السلام کو مخلوق کی رُشد و ہدایت کی بجائے سرکار کی غلامی کا شرف عنایت کر دیا گیا
شیخ رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ اس سربستہ راز کو اہلِ کشف کے سوا کوئی نہیں جانتا، سید جبریل علیہ
السلام صرف آپ کی ذات بشریہ کے لیے حفاظتی کام سرانجام دیتے اور یہ کام بھی صرف اس مثالی
دنیا تک ہے جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح کا تعلق ہے اس سے کائنات کی ہر چیز چمک
رہی ہے اور آپ کی رُوح مقدس ہر ایک چیز سے باخبر اور آگاہ ہے، ابنِ مبارک کہتے ہیں کہ میں نے
عرض کیا کہ کیا آپ کی رُوح ہی آپ کی ذات کے لیے حفاظتی کا کام سرانجام نہ دے سکتی تھی تو آپ
رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات آپ کی رُوح سے الگ مشاہدہ نہیں کی جاسکتی
اور ذات کبریا کی واحدنیت ایک ایسا امر ہے کہ اس پر دوام اور ہمیشگی کی قدرت وہمت اس کو زیبا
ہے جو شخص اس کو قریب جانے اور اس کی ہمسائیگی پسند کرے تو ایک نہ ایک دن اس کا میلان طبعی
مکمل اسی طرف ہو جاتا ہے۔

مُصطفےٰ سدرہ سے آگے اور جبریل وہیں رہ گئے

شیخ رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ آپ کی ذات کے لیے جبریل کی حفاظتی خدمات بھی اس حد
تک ہیں جو اس کی تاب وطاقت میں ہے اور سدرۃ المنتہیٰ کے نیچے جو کچھ وہ جانتا اور پہچانتا ہے۔
اور جو کچھ سدرۃ المنتہیٰ سے اُوپر ہے یعنی ستر پردے اور وہ ملائکہ جو ان پردوں میں رہتے ہیں وہاں
پر جبریل کی رسائی ممکن نہیں اور اس مقام پر جبریل علیہ السلام کو مشاہدہ کی مطلق طاقت نہیں ہے۔
کیونکہ وہاں کے انوار تجلیات بھاری ہیں، اسی لیے حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان حجابات
کو تنہا طے کیا اور آپ کے ساتھ جبریل علیہ السلام نہ جا سکے حالانکہ حضور نے جبریل علیہ السلام کو اپنے
ساتھ چلنے کو کہا تو جبریل نے صاف صاف اقرار کر لیا کہ مجھ میں اوپر جانے کی ہمت نہیں ہے اور
اس سے آگے جانا صرف آپکا ہی کام ہے کیونکہ قادرِ مطلق آپ کو اس کی طاقت بخشی ہے، پھر
میں نے آپ رضی اللہ عنہٗ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امور وحی پر بات چیت کی اور ذات حق کی
آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کیا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدا سے ملاقات

بواسطہ جبریل علیہ السلام ہوئی جس طرح بہت سی قرآنی آیتوں میں مذکور ہے یا نہیں، تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ عقلیں اس تقریر کی متحمل نہیں ہیں اور اس پر تحریر بھی نہیں کرنا چاہیئے۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔

صلاتِ مشیشیہ

سیدی عبدالعزیز دباغ رحمہ اللہ کے ارشادات میں ہے جو انھوں نے قطبِ کامل وارث واصلُ موصل مولانا عبدالسلام بن مشیش رضی اللہ عنہُ کی صلاتِ مشیشیہ کی شرح میں فرمایا اور وہ یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مَنْ مِنْہُ انْشَقَّتِ	ترجمہ: یا اللہ اس کامل ترین شخصیت پر رحمت کاملہ
الْاَسْرَارُ وَانْفَلَقَتِ الْاَنْوَارُ	نازل فرما جس کی بدولت مخفی راز کھلتے ہیں اور
وَفِیْہِ ارْتَقَتِ الْحَقَائِقُ وَتَنَزَّلَتْ	انوار و تجلیات بکھرتے ہیں جن سے حقائق بلند
عُلُوْمُ آدَمَ فَاَعْجَزَ الْخَلَائِقُ	ہوتے ہیں اور آدمیت پر ایسے علوم و فنون
وَلَہُ تَضَاءَلَتِ الْفُھُوْمُ فَلَمْ	نازل ہوتے ہیں جو مخلوق کو حیران کر دیتے
یُدْرِکْہُ مِنَّا سَابِقٌ وَلَا لَاحِقٌ	ہیں اور ان کے سامنے ذہن کند ہو جاتے ہیں۔
فَرِیَاضُ الْمَلَکُوْتِ بِزَھْرِ جَمَالِہٖ	ہم میں سے پہلے اور بعد میں آنے والے اسے
مُوْنِقَۃٌ وَحِیَاضُ الْجَبَرُوْتِ	نہیں پا سکتے اور ملکوتی دنیا کے باغات ان
بِفَیْضِ اَنْوَارِہٖ مُتَدَفِّقَۃٌ	کے حسن و جمال کی وجہ سے پرکیف منظر پیش
وَلَا شَیْئَ اِلَّا وَھُوَ بِہٖ مَنُوْطٌ	کر رہے ہیں اور عالم جبروت کے حوض
اِذْ لَوْلَا الْوَاسِطَۃُ لَذَھَبَ	آپ کے فیضان نور سے پرجوش ہیں اور
کَمَا قِیْلَ الْمَوْسُوْطُ صَلٰوۃً	کائنات کی ہر چیز انھی کے دامن رحمت سے
تَلِیْقُ بِکَ مِنْکَ اِلَیْہِ کَمَا ھُوَ اَھْلُہٗ۔	لپٹی ہوئی ہے اگر آپ کا مبارک واسطہ نہ ہو تو پوری کائنات کا چراغ گل ہو جائے جس طرح کہا گیا ہے کہ آپ کی طرف صلوٰۃ کا ہدیہ بھیجا جاتا ہے اور یہی ایک کامیاب وسیلہ ہے

اور آپ اس کے لائق ہیں۔

یہ الفاظ بھی ہیں :۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّہٗ سِرُّکَ الجَامِعُ الدَّال عَلَیْکَ وَحِجَابُکَ الاَعْظَمُ القَائِمُ لَکَ بَیْنَ یَدَیْکَ۔

ترجمہ: یاالٰہی حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہیں جو تیری ذات کا ایک مخفی اور جامع اصفات راز ہیں جو تیری ذات اور تیرے حجاب پر رہنمائی فرماتے ہیں۔

یہ الفاظ بھی ہیں :۔

اَللّٰھُمَّ اَلحِقْنِیْ بِنَسَبِہٖ وَ حَقِّقْنِیْ بِحَسَبِہٖ وَعَرِّفْنِیْ اِیَّاہُ مَعْرِفَۃً اَسْلَمُ بِھَا مِنْ مَوَارِدِ الجَھْلِ وَاَکْرَعُ بِھَا مِنْ مَوَارِدِ الفَضْلِ وَاَحْمِلْنِیْ عَلٰی سَبِیْلِہٖ اِلٰی حَضْرَتِکَ حَمْلاً مَحْفُوْفًا بِنُصْرَتِکَ وَاَقْذِفْ بِیْ عَلَی البَاطِلِ فَاَدْمَغُہٗ وَزُجَّ بِیْ فِیْ بِحَارِ الاَحَدِیَّۃِ وَانْشُلْنِیْ مِنْ اَوْحَالِ التَّوْحِیْدِ وَاَغْرِقْنِیْ فِیْ عَیْنِ بَحْرِ الوَحْدَۃِ حَتّٰی لَا اَرٰی وَلَا اَسْمَعُ وَلَا اَجِدُ وَلَا اُحِسُّ اِلَّا بِھَا وَاجْعَلِ

ترجمہ: بارالٰہ مجھے حضور پرنور صلے اللہ علیہ سلم کے حسب ونسب کی حقہ' واقف کر دے اور بالخصوص مجھے آپ سرکار کی پہچان کرا دے تاکہ میں آپ کی معرفت جہالت کی اندھی غاروں میں واقع ہونے سے بچ جاؤں اور آپ کی وساطت سے فضیلت اور بزرگی کی چوٹیوں پر چڑھ جاؤں اور مجھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی پر چلنے کی استعداد عطا فرما دے اور ایسی استعداد عطا فرما کہ اس میں تیری تائید بھی شامل ہو اور مجھے باطل کے سامنے لا تو میں اسے روند ڈالوں اور مجھے توحید کے سمندر میں تیراک بنا دے اور مجھ سے حصول توحید میں مانع آلائشوں کو دور رکھ اور وحدت کے سمندر کے درمیان ڈبو دے تاکہ میں اس کی مدد کے بغیر نہ دیکھ سکوں نہ

الحِجَابَ الاَعْظَمُ حَيَاةَ	سُن سکوں اور نہ کچھ پاسکوں اور نہ ہی محسوس
رُوحِيِ وَرُوحُهُ سِرُّ	کرسکوں اور میری رُوحانی دُنیا کے لیے اپنے
حَقِيقَتِيِ وَ حَقِيقَتُهُ	حجابِ اعظم کو تریاق حیات بنادے اور آں حضرت
جَامِعُ عوالمِيِ بِتَحْقِيقِ	صلے اللہ علیہ وسلم کی رُوح میری حقیقت کا
الاوّلِ يَا اَوّلُ يَا آخِرُ	اصل راز ہے اور پہلی تحقیق میں آپ صلے اللہ
يَا ظَاهِرُ يَا بَاطِنُ اِسْمَعْ	علیہ وسلم کی حقیقت میری ہر دنیا کو محیط ہے
نِدَائِي بِمَا سَمِعْتَ بِهِ	اے اوّل و آخر اے ظاہر و باطن میری پکار
نِدَاءَ عَبْدِكَ ذَكَرِيَا	اسی طرح سُن لے جس طرح تُو نے اپنے بندۂ
وَانصُرْنِي بِكَ لَكَ وَ	خاص حضرت ذکریا علیہ السلام کی پکار سُنی
اِجْمَعْ بَيْنِي وَبَيْنَكَ وَ	اور تیری ذات کی معرفت تو خود ہی میری
حَلْ بَيْنِي بَيْنَ غَيْرِكَ	مدد فرما یا اللہ تو میرے اور اپنے درمیان
الله الله الله الَّذِي	وصال فرما دے میرے اور تیری ذات کے غیر
فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآن	پردہ ڈال دے اللہ کی وہ ذات ہے جس
لَرَادُكَ اِلَى مَعَادٍ	نے اے نبی قرآن آپ کے سپرد کیا جو تجھے تیرے
رَبَّنَا اٰتِنَا مِنَ لَدُنْكَ	اصل ٹھکانہ کی طرف لے جانے والا ہے۔
وَهَيِّئْ لَنَا مِنَ اَمْرِنَا	یا اللہ ہمیں اپنا قُرب نصیب فرما یا الٰہی
رَشَدًا ۔	ہمیں اس قابل کر دے کہ ہمارے سب کام
	خوش اسلوبی سے انجام پائیں۔

ذکرِ مُصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کی برکت سے کائنات وجود میں آئی۔

ابن مبارک رحمہ اللہ نے کہا کہ میں نے شیخ رضی اللہ عنہ کو اللّٰھُمَّ صلی علیٰ س۔ ۔ ۔ ہ انشقت

الاسرا کی شرح میں سیدی محمد بن عبدالکریم بصری رضی اللہ عنہ سے حکایت کرتے ہوئے سنا،
اس میں کوئی شک نہیں کہ جب مولائے ذوالجلال نے زمین کی تمام برکات کو نکالنے کا ارادہ کیا اور اس
کے دفینوں کو برآمد کرنا چاہا مثلاً چشمے کنوئیں اور نہریں درخت پھل اور پھول کلیاں تو دولاکھ دس
ہزار فرشتے بھیجے انہوں نے زمین پر اتر کر پوری پوری گردش کی پھر وہ ستر ستر ہزار کی تعداد میں بٹ
گئے یعنی ان کی تین جماعتیں بن گئیں ایک جماعت کو حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم کا اسم عالی جس کی
شرح وتنزلت علوم آدم میں عنقریب آئے گی ذکر کرنے لگی اور دوسری جماعت نے آں حضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کے قربِ خداوندی کا ذکر چھیڑا اور آپ کے بلند مقامات پر گفتگو کرنے لگے اور
تیسری جماعت نورِ مجسم حضرت رسول برحق پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے لگی اندریں حال حضور کا مبارک
نُوران ملائکہ کے ساتھ ہوگیا تو آپ کے اسم گرامی کی برکت سے کائنات وجود میں آگئی اور اس وقت
آپ کی ذات کو کائنات اور مشاہدہ کائنات کی حضوری قربِ خداوندی سے تھی، شیخ رضی اللہ عنہ
نے کہا کہ جب ملائکہ نے آپ کا ذکر خیر زمین پر کیا تو وہ حرکت سے سکون میں آگئی اور آسمان پر
ذکر مصطفےٰ کیا تو وہ طنابوں اور ستونوں کے بغیر تن گیا اور اولاد آدم کے جوڑوں اور جسمانی ساخت
پر ذکر رسول کیا تو بحکم الٰہی اولادِ آدم صحیح الجسامت ہونے گی اور آدم کی آنکھوں کے درمیان جب ذکر
نبی ہوا تو وہ کھل کر چمکنے لگیں۔ انشقت الاسراس کا یہی معنےٰ ہے میں نے عرض کیا کہ دلائل
الخیرات میں بھی یہی مذکور ہے، یعنی اس اسم پاک کو میں نے رات پر رکھا تو اس میں اندھیرا چھا گیا
اور دن پر رکھا تو روشن ہوگیا آسمانوں پر رکھا تو وہ مستقل ہو گئے اور زمین پر رکھا تو وہ ساکن[1]
ہوگئی، پہاڑوں پر رکھا تو گڑ گئے۔ دریاؤں پر رکھا تو وہ جاری ہوگئے اور چشموں پر رکھا تو اُبلنے
لگے اور بادلوں پر رکھا تو وہ مینہ برسانے لگے شیخ رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں یہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ

---

[1] اس میں جدید سائنس کی تردید ہے، سائنسدانوں کے نزدیک زمین متحرک ہے ترمذی شریف کی حدیث
کی حدیث سے بھی ثابت ہے باب الصدقات میں ہے زمین کے دامن میں پہاڑ گاڑ دیئے تو وہ ساکن ہوگئی۔
(مترجم)

وسلم کا ہی اسم گرامی تھا جس کی برکات سے کائنات وجود میں آئی اللہ سب سے بہتر جانتا ہے۔
سیدی احمد بن عبداللہ الغوث رضی اللہ عنہ کا کلام پہلے ذکر کیا جا چکا ہے جو انھوں نے اپنے ایک مرید سے بات کرتے ہوئے کہا کہ اے بیٹا اگر ہمارے سردار نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا نور نہ ہوتا تو زمین پر قدرت کا کوئی راز آشکار نہ ہوتا یہ کلام آخر تک کی گئی، ابن مبارک نے کہا کہ میں نے شیخ رضی اللہ عنہ کو انشقت الاسرار پر ایک اور تقریر کرتے ہوئے سنا آپ نے فرمایا۔ کہ اگر رسول مقبول کی ذات نہ ہوتی تو جنتی اور دوزخی لوگوں کا امتیاز باقی نہ رہتا۔ اور سب کے سب جنت و دوزخ میں ایک ہی درجہ پر ہوتے یہ اس لیے کہ جب ذات حق نے نور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا تو اس کے علم اول میں یہ منظور رہا کہ جنت و دوزخ میں لوگوں کے درمیان درجہ بندی کی جائے، کیونکہ کچھ لوگ آپ کے نور کو قبول کریں گے اور کچھ نظر انداز کریں گے، پھر جب اللہ نے اس نور کو پیدا کر دیا تو ان پر یہ ظاہر ہوا کہ وہاں جا کر ان میں سے بعض وہ ہوں گے جو عجز اور خشوع کا اتنا درجہ پائیں گے۔ اور معرفت سے اتنا درجہ پائیں گے اور خوف خداوندی کا اتنا درجہ حاصل کریں گے ایسا ایسا رنگ اور ایسی ایسی قسم پائیں گے اور کوئی دوسرا ایک دوسری قسم سے سیراب ہو گا ان کے ظاہر ہونے سے پہلے پہل اور دوسرے لوگ ابھی عرصۂ عدم میں ہی ہوں گے، شیخ رضی اللہ عنہ نے کہا درجات ومراتب کا فرق و امتیاز ہی انشقاق الاسرار کا معنے ہے۔ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے شیخ رضی اللہ عنہ کو انشقاق الاسرار کی اور تشریح کرتے ہوئے سنا آپ نے فرمایا کہ بے شک انبیاء و اولیاء وغیرہم کے اسرار و رموز مجموعی طور پر ہمارے سردار نبی حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے سر مخفی سے حاصل کردہ ہیں۔ کیونکہ آپ کی ذات کے دو راز ہیں ایک سر تو مشاہداتی ہے جو اللہ کی عطا ہے اور دوسرا راز اسی سر مشاہدہ سے حاصل شدہ ہے اور یہ سر کسبی ہے، سر مشاہدہ کو ہم اس کپڑے کی طرح فرض کرتے ہیں جس میں کاریگر نے کوئی فنی دقیقہ چھوڑ دیا ہو، اور صاحب مشاہدہ کو ہم کپڑے کی صنعت محقق تصور کر لیں جب وہ کپڑے کی بنتی میں ریشمی دھاگہ ملاحظہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ صنعت ریشم میں اس کی مدد فرمائے گا اور صنعت ریشمیں کے تمام احوال و امور سے واقف ہو جائے گا۔ مثلاً اگر وہ بنتی پر غور کرے گا تو اللہ تعالیٰ بنتی کے تمام انواع و اقسام پر اس کی مدد فرما دیتا ہے۔

اور ان اوزاروں اور آلات سے بھی واقف کر دیتا ہے جن پر صنعت پارچہ جات موقوف ہوتی ہے۔
اس طرح وہ ہر فن مولا بن جاتا ہے اور وہ ایسے فنون جان جاتا ہے جن کو ہم پہچانتے ہیں یا نہیں
پہچانتے، اسی طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ بھی تمام معارف کو شامل تھا جو مشیتِ ایزدی
میں مقرر کئے جا چکے تھے، ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں نے عرض کیا کہ کپڑے مذکور اور
سرکار کے مشاہدہ کے درمیان وجہ تشبیہ، اُمور مختلفہ میں، کپڑے مذکور میں تو مختلف کاریگری، اور مختلف
اوزاروں کا فرق ہوتا ہے اور مشاہدہ آں حضرت میں اسمأ الحسنیٰ سے امتیاز ہوتا ہے جن میں اسرار و انوار
ظاہر ہوتے رہتے ہیں، اور ایک دوسری وجہ بھی ہے کہ جس طرح کپڑے مذکور میں پارچہ بافی کے
مختلف طریقے سب کے سب پائے جاتے ہیں اسی طرح اسمأ الحسنیٰ کے سب انوار و تجلّیات
مشاہدۂ رسول کریم میں کارفرما ہوتے ہیں، ایک تیسری وجہ بھی ہے کہ جس طرح یہ صنعتیں اپنی
پہچان میں مختلف ہیں لیکن ضرورت کے پیشِ نظر ان کی ایجاد وجود میں آتی ہے تو ان کا استعمال
ہونے لگتا ہے اسی طرح اسمأ الحسنیٰ اپنے انوار کی سیرابی کے بعد اس دنیا میں استعمال ہوتے ہیں۔
تو وجہ تشبیہ ان تین چیزوں کے مجموعہ سے مرکب ہے، اور وہ یہ ہے کہ کسی چیز کی تکمیل میں امور کا
مختلف ہونا اور استعمال ہونے کی نسبت بھی اشیأ کی طرف ہو، اللہ سب سے بہتر جانتا ہے۔

پھر شیخ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات اس
مشاہدہ کے تمام لوازمات کو شامل ہوتی ہے اور اس مشاہدہ کے تمام اسرار پر اسے اللہ کی تائید
حاصل ہوتی ہے مثلاً خلق پر رحم کرنا ان سے محبّت کرنا اور انھیں معاف کرنا اور ان سے درگزر کرنا
طبعاً خلاف ورزی کی صورت میں برداشت کرنا اور ان کے لیے دعائے خیر کرنا تاکہ انہیں اللہ
تعالیٰ پر ایمان لانے کی توفیق ہو۔ شیخ رضی اللہ عنہ نے فرمایا نبی مختار حبیب کردگار نے جناب ابوبکر
صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے دُعا فرمایا کرتے تھے اور لوگ آج تک اس دُعا کی قدر و قیمت نہیں
پہچانتے، ابن مُبارک رحمۃ اللہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا کہ جب ہم مشاہدہ کو تمام اسمأ الحسنیٰ پر مشتمل
تصور کر لیں اور صاحب مشاہدہ حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم کو سابق اور مذکور کپڑے کا محقق
فرض کریں تو یہ امر قطعی اور یقینی ہوگا حضور صلے اللہ علیہ وسلم اسمأ الحسنیٰ کے تمام انوار سے مکمل
سیراب ہوں اور اسمأ الحسنیٰ کے تمام اسرار و رموز سے کلیتاً اللہ کی تمہید سے واقف ہوں، اس

صورت میں حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات نورِ صبر تو رحمت نورِ حلم یعنی دبرداشت، نورِ عفو یعنی درگذر کرنا نورِ مغفرت یعنی خطاکاروں کو معاف کر دینا، نورِ علم اور قدرت کا نور، سُننے کا نور دیکھنے کا نور اور گفتگو کرنے کا نور، اسی طرح تمام اسمآالحسنیٰ کا نور آں حضرت کی ذات میں علی وجہ الکمال یقیناً تسلیم کئے جائیں گے۔ پھر شیخ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب ہم حضور علیہ السلام کے علاوہ مثلاً فرشتے اور انبیأ اور اولیأ کی طرف دیکھتے ہیں تو ہم انہیں حضور علیہ السلام سے بعض صورتوں میں مختلف پاتے ہیں باوجودیکہ ان انبیأ کی سیرابی اور وصل حضو کی بدولت ہے اور ان انبیأ کی ذات میں جو اسرار پنہاں ہیں وہ بھی ذات سے ہی برآمد شدہ ہیں یہاں تک کہ میں نے آپ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے بھی سُنا کہ اگر ذاتِ حضوؐ صلے اللہ علیہ وسلم میں وہ خون اور گوشت اور وریدیں رگیں نہ ہوتیں تو حقائق امور کی معرفت میں رکاوٹ ہوتی ہیں تو انبیا علیہم السلام بات بھی نہ کر پاتے، مگر ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق امر سے بات کرتے، جب انہیں خبر ہوئی کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر ہو چکے ہیں تو ان انبیأ کا کوئی اشارہ اور دلالت ایسی نہ ہوتی جس میں سرکار حضور پُرنور مُراد نہ لیے جاتے یہاں تک کہ وہ انبیأ اور متبعیں کو صاف صاف بتلا دیتے کہ وہ حضور علیہ السلام کے فیضان اور مدد سے فیض یافتہ ہیں اور درحقیقت وہ خود مستقل نبی نہیں ہیں بلکہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نائب ہیں اور وہ سب کے سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کے حکم میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے باپ کے حکم میں ہیں اگرچہ آپ خارج میں بھی ہوتے تو سب مخلوق کا تعلق آپ سے بھی ہوتا اور سب مخلوق اس دعویٰ میں بھی متحد ہوتی، سابقہ اُمتیں اپنی اس دنیا سے علیحدگی اور موت کے باوجود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو درجہ یقین سے جانتی ہیں اور آخرت میں آپ کا مقام ان پر روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو جائے گا، سابقہ اُمتوں کا آخرت میں یہ عالم ہوگا۔ کہ انھیں بچھڑ دھکڑ ہوگی ان کے اور جنت کے درمیان کچھ فاصلہ ہوگا اور انہیں آواز آئے گی کہ میں تمہیں نہیں پہچانتا کہ تم نورِ محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہو اور فاصلہ اور بڑھ جائے گا اگرچہ وہ لوگ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے گذر چکے ہوں گے اس بیقراری اور عدم اطمینان کے عالم میں سب کے سب اپنے انبیائے کرام سے مدد طلب کریں گے اور ان کے انبیأ محبوب خُدا حضرت محمد مصطفےٰ سے مدد طلب کر رہے ہوں گے درحقیقت سب کو آپ ہی کی مدد پہنچے گی، شیخ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر

خون اور وہ کچھ جو مشیتِ ایزدی میں عالم ازل کے اندر تھا نہ ہوتا تو یہ سب کچھ اس عالم مثال میں ہی واقع ہو جاتا، پھر میں نے عرض کیا کہ دموی کیفیت کو معرفت حق کے لیے رکاوٹ کیوں بتایا گیا ہے۔ شیخ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیفیت ذات کو اپنے اصل مٹیالے پن کی طرف کھینچتی ہے اور اس سے ذات کا میلان طبع امور فانیہ کی طرف ہو جاتا ہے مثلاً تعمیر کرنا، درخت لگانا، اور مال جمع کرنا وغیرہ اس دموی کیفیت سے ان فانی چیزوں کی طرف ہر آن توجہ ہو جاتی ہے اور یہی معرفت حق سے حجاب اور غفلت کا اصل سبب ہے اور اگر یہ دموی کیفیت نہ ہوتی تو ذات کو ان فانی اُمور کی طرف مطلق توجہ نہ رہتی، ابن مُبارک کہتے ہیں میں نے عرض کیا کہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ حجابیت کے بھی کئی درجے ہیں عوام کے لیے سخت رکاوٹ۔ (نمبر ۲) خواص کے لیے کمزور درجہ کی رکاوٹ۔ (۳) اور دیگر انبیاءؑ کے لیے یہ رکاوٹ نہ ہونے کے برابر۔ (۴) سیدالاولین والآخرین صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ رکاوٹ سرے سے ہے ہی نہیں، میں نے آپ رضی اللہ عنہ سے سُنا کہ سیدی عبدالسلام بن مشیش کے قول انفلقت الانوار کی شرح میں فرمانے لگے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ہمارے سردار حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے نور کو پیدا کیا پھر اس نور سے قلم اور ستر پردے اور وہ ملائکہ پیدا کیے جنہوں نے ان پردوں پر رہائش پذیر ہونا تھا پھر لوح کو پیدا کیا پھر لوح کی تکمیل اور اس پر حکم جاری کرنے سے پہلے عرش اور رُوحیں جنت اور برزخ کو پیدا کیا، بہر حال حق تعالےٰ جل شانہٗ نے عرش کو نور سے پیدا کیا اور یہ نور نورِ مکرم سے پیدا کیا اور نورِ مکرم ہمارے پیارے نبی آقاو مولیٰ حضرت محمد رسول اللہ کا نور ہے اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے عرش کے لیے ایک بڑا یاقوت بنایا جس کے مقام عظمت اندازہ اور قیاس سے باہر ہے اور اس یاقوت کے عین درمیان میں ایک جوہر پیدا کیا تو دونوں کے باہمی ربط سے ایک سفیدی ظاہر ہوئی جو مثالی یاقوت میں چمکتی ہے اور ایک زردی ظاہر ہوئی جو جواہر کو ابدار کئے ہوئے ہے پھر اللہ جل شانہٗ نے اس جوہر کو پھیلا کر نور مصطفےٰ سے سیراب کر دیا پھر وہ یاقوت پھٹ کر جوہر کو سیراب کرنے لگا اور جوہر کو یہ سیرابی یاقوت سے سات مرتبہ ہوئی پھر وہ جوہر بحکم الٰہی بہنے لگا اور پانی کی شکل اختیار کر کے یاقوت کی نچلی طرف اُتر آیا اور نچلی طرف ہی عرش ہے پھر بے شک وہ نورِ مکرم جس سے عرش سینچا گیا تھا ایسا جوہر بنا جو جمے ہوئے پانی کی مانند تھا اس کے نچلے اور شفاف حصہ سے آٹھ فرشتے

عرش اٹھانے والے پیدا کیے اور ثقیل اور بھاری حصّہ سے ہوا پیدا کر کے اس میں ایک بڑی طاقت پیدا کر دی اور اسے حکم دیا کہ پانی کے نیچے اتر جائے تو اس نے پانی کے نیچے رہ کر پانی کا بوجھ اٹھا لیا پھر وہ اسی خدمت پر مامور ہوئی، پھر ٹھنڈک پانی میں مضبوط ہونے اور جمنے لگی تو پانی نے ارادہ کیا کہ وہ اپنی اصل پر آئے ہوا نے پانی کا ساتھ دیا اور دراڑیں پانی پر ٹھنڈک جمنے سے واقع ہوئی ہوا انہیں پُر کرنے لگی جب دراڑیں پُر ہو چکی تو ان کے اندر تعفّن پیدا ہونے لگا۔ بھاری اور غلیظ بُو پیدا ہو گئی۔ جس سے دراڑیں اندر ہی اندر مزید بڑھنے لگیں اور اس قدر وسیع ہوئیں کہ سات طرفوں کا محاصرہ کر لیا پھر ان سے اللہ تعالیٰ نے سات زمینیں پیدا کر دیں اور زمینوں کے اندر پانی اور دریا پیدا کر دیئے پھر پانی کے اُوپر جھاگ کی تہیں بیٹھنے لگیں تو اللہ جل شانہٗ نے اس سے سات آسمان بنا دیئے پھر ہوا حسبِ معمول مسلسل خدمت سرانجام دیتی رہی پھر پانی اور تیز ہوا کی آمیزش سے آگ بن گئی تیز ہوا کے جھونکوں سے آگ پھیلنے لگی اسی دن سے ملائکہ نے اسے پکڑ کر جہنّم میں دبا دیا اور یہی اصل جہنّم ہے، پھر وہ دراڑیں جن سے زمینیں بنی تھیں ان کو ان کی حالت پر رہنے دیا اور وہ جھاگ جس سے آسمان بنائے گئے ان کو بھی ان کے حال پر رہنے دیا اور وہ آگ جو ہوا میں پھیل رہی تھی اسے دوسری جگہ منتقل کر دیا اگر اسے پہلی جگہ رہنے دیا جاتا تو وہ دراڑوں اور جھاگ کو کھا جاتی جن سے ارضی و سماوی نظام وابستہ تھا۔ بلکہ اس آگ نے سارا پانی بھی پی لیا ہوتا۔

پھر اللہ جل شانہٗ نے حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم کے نُور سے زمینوں پر عبادت کرنے والے فرشتے پیدا کئے اور آپ کے ہی نُور سے آسمانوں کے فرشتے پیدا کئے کہ وہ آسمانوں پر عبادت کریں۔ پھر حُوریں اور جنّت کی بعض جگہوں کے سوا جنّت کو ایک نُور سے پیدا کیا اور اس نُور کو نُورِ مُصطفےٰ سے پیدا کیا اور برزخ کا آدھا حصّہ جو اعلیٰ تھا وہ بھی نُورِ محبُوبِ خدا سے ہی پیدا ہوا، حاصل کلام یہ ہے کہ لوح و قلم اور برزخ کا نصف حصّہ اور ستر پردے اور ان کے تمام فرشتے اور زمین و آسمان کے فرشتے بلاواسطہ حضورؐ کے نُور سے پیدا ہوئے، عرش اور پانی جنّت اور حُوریں اس نُور کے واسطہ سے بنی جو نُورِ نُورِ مُصطفےٰ برآمد ہوا پھر اس ترکیب تخلیق کے بعد تمام مخلوق نے حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم کے نُور سے سیرابی حاصل کی، بہرحال قلم نے حضور کے نُور سے سات مرتبہ سیرابی حاصل کی، اور یہ قلم اعظم المخلوق کہلاتی ہے اس کی عظمت اس قدر ہے کہ اگر اس کے نُور کو کھولا جائے۔

تو زمین پھٹ کر ریت بن جائے، اور یونہی پانی نے بھی سات مرتبہ سرکار کے نور سے سیرابی حاصل کی لیکن قلم کی طرح نہیں، اور دستر پردوں کو تو حضور کے نور سے سیرابی حاصل ہوتی رہتی ہے اور عرش نے حضور کے نور سے دو مرتبہ سیرابی حاصل کی ایک ابتدا خلق میں اور دوسری تمام خلق کے بعد اس سے اس کو بے حد مضبوطی ہوئی، اور یونہی جنت بھی دو مرتبہ سرکار کے نور سے سیراب کی گئی بہرحال انبیا علیہم السلام اور سابقہ امتوں کے اہلِ ایمان اور اس اُمت کے مومنین نے سرکار کے نور سے آٹھ مرتبہ سیرابی حاصل کی۔

پہلی مرتبہ عالم ارواح میں جب اللہ تعالیٰ نے تمام رُوحوں کے نور کو پیدا کیا تو انہیں نورِ مصطفےٰ سے سیراب کیا۔

دوسری مرتبہ جب اللہ تعالیٰ نے رُوحوں کی تصویریں بنائی تو ہر رُوح کی تصویر بناتے وقت اسے نورِ مصطفےٰ سے سیراب کیا۔

تیسری مرتبہ روزِ الست کے دن جب انبیا اور مومنین کی رُوحوں نے جواب بلیٰ دیا تو ان کو بھی نور حبیب خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے سرشار کر دیا گیا لیکن بعض نے زیادہ سیرابی حاصل کی اور بعض نے کم مومنین کے زمرہ میں امتیاز رہا، بعض اولیا بن گئے اور عامۃ المومنین مسلمان، مگر کفار کی رُوحوں نے اس نور سے سیرابی پسند نہ کی تو ان کی رُوحوں کو اس سیرابی سے روک دیا گیا لیکن جب کفار کی روحوں نے دیکھا کہ جن رُوحوں کو نورِ نبی سے سیراب ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے ان میں نیک بختی اور عروج پایا جا رہا تھا تو وہ حرقِ ندامت سے شرابور ہو کر آفتابِ رسالت کے نور سے سیرابی چاہنے لگیں تو انہیں نور اور اُجالے کی بجائے ظلمتیں اور تاریکیاں پلا دی گئیں۔

چوتھی مرتبہ جب مردِ مومن کے شکم مادر میں تصویر اور اعضا اور جوڑ وغیرہ ترتیب دیئے گئے اور اس کی آنکھیں کھلیں تو اس کی ذات کو نورِ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے سیراب کیا گیا تاکہ شکم مادر میں اس کے جوڑ ملائم اور نرم ہوں کانوں اور آنکھوں کے پردے کھلنے میں آسانی ہو اگر آپ کے نور سے شکم مادر میں سیرابی نہ ہوتی۔ تو اس کے جوڑوں اور اعضا میں نرمی نہ ہوتی۔

پانچویں مرتبہ شکم مادر سے برآمد ہونے پر اسے نورِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے نور سے سیراب کیا گیا تاکہ اس کے دل پر یہ بات آ جائے کہ اس نے منہ کی طرح کھانا پینا ہے اگر

ایسا نہ ہوتا تو وہ منہ کی طرف کبھی نہ کھا پیتا۔

چھٹی مرتبہ جب وہ اپنی ماں کے پستانوں سے دودھ کی پہلی چسکی لیتا ہے تو اس وقت بھی نُور محمدؐ عربی صلے اللہ علیہ وسلم سے پیتا ہے۔

ساتویں مرتبہ جب اس میں رُوح پھونکی جاتی ہے تو اسے نُورِ رسُولِ کریم سے سیراب کیا جاتا ہے اگر نورِ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے جسم کو سیرابی نہ ہوتی تو اس میں رُوح کبھی داخل ہی نہ ہوتی۔ اور اس سیرابی کے باوجود بھی ملائکہ رُوح کو جسم میں داخل کرتے وقت بہت مشقت اٹھاتے ہیں۔ پھر اگر رُوح کو جسم میں داخل ہونے کا حکم اللہ کی طرف سے نہ ہوتا تو فرشتے رُوح کو جسم میں داخل کرنے پر کبھی قادر نہ ہوتے اور میں نے ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہٗ سے سُنا کہ آپ نے فرمایا وہ فرشتے جو رُوح کو ذات میں داخل کرتے ہیں وہ اس فرشتہ حاکم کے مقابل چھوٹے چھوٹے بچوں کی مانند ہوتے ہیں اور یہ وہ فرشتہ ہے جو ان کو اللہ کے امر سے حکم کرتا ہے ذات میں داخل ہو جاؤ جب ہم غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ چھوٹے چھوٹے فرشتے ذات میں رُوح کو کسی طور بھی داخل کرنے پر قادر نہ ہوں گے، پھر ہم اس حاکم فرشتہ پر غور کرتے ہیں جو ذات میں روح کو داخل کروانے پر پورا پورا متصرف ہوتا ہے تو ہم فیصلہ کر لیتے ہیں کہ یہ فرشتہ ذات کو رُوح کے داخل کرنے میں ضرور رام کرلے گا لیکن جب وہ فرشتے رُوح کو جسم میں داخل کرنے لگتے ہیں تو انھیں بے حد مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور وہ گھبرا جاتے ہیں یہاں تک کہ ان کی چیخیں نکل جاتی ہیں پھر نہ جانے ان پر کیا گزرتی ہے، اللہ بہتر جانتا ہے۔

آٹھویں مرتبہ جب اس کی صورت دوبارہ قبر سے اٹھانے کے لیے قائم کی جاتی ہے تو اسے نورِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سیراب کیا جاتا ہے جس سے وہ صورت پختہ ہو جاتی ہے، آپ رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ اس آٹھ مرتبہ کی سیرابی میں انبیا مومن اور تمام اُمتیں اور اُمّت مسلمہ حضور کی یہ اُمت شریک ہیں۔ لیکن فرق ظاہر ہے یعنی جو سیرابی انبیا کو حاصل ہوئی اس پر اور کسی کو قدرت نہیں اسی لیے تمام انبیا درجہ نبوت و رسالت میں مساوی ہیں اور ان کے علاوہ انھوں نے اپنی قدرت سے سیرابی حاصل کی ہاں سابقہ اُمتوں اور اس اُمّت مرحومہ کی سیرابی میں فرق نمایاں ہے، وہ فرق کچھ اس طرح ہے کہ بے شک اس اُمّت مقدسہ کو جو سیرابی ہوتی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نُور سے تھی۔

جوآپ کی مقدس ذات میں تھا اور اس نور سے آپ کو وہ کمال حاصل ہوا جو حد بیان سے باہر ہے۔ اور یہ وہ نور تھا جس نے آپ کی ذات اور روح کا اصل راز پالیا تھا بخلاف دوسری اُمتوں کے ان کو یہ سیرابی صرف اس نور سے ہوئی جسے فقط آپ کی رُوح کا راز حاصل تھا اسی لیے اس اُمت مسلمہ کے مومنین سچے راست باز پختہ عقیدے والے میانہ روی کے حامل ہیں اور یہ اُمت سابقہ اُمم کے لیے نمونہ اور بہترین اُمت ہونے کی آئینہ دار ہے اس پر اللہ کی بیحد تعریف اور شکر ہے شیخ رضی اللہ عنہُ نے فرمایا کہ یونہی تمام مخلوقات کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مقدس نورِ کریم سے سیراب کیا گیا اگر مخلوقات میں حضور کا نور جلوہ گر نہ ہوتا تو کوئی شخص بھی کسی چیز سے کچھ مفاد حاصل نہ کرسکتا۔
شیخ رضی اللہ عنہُ نے فرمایا جب حضرت آدم علیہ السلام زمین پر نازل ہوئے اس وقت درختوں پر کوئی پھل نہ تھا اللہ نے درختوں کو پھلدار بنانے کا ارادہ کیا تو انہیں حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم کے نور سے سیراب کر دیا تو اسی دن سے پھل لگنے لگے جب کہ اس سے پہلے درخت شگوفے نکالتے تھے۔ اور تھوڑے عرصہ بعد خشک ہو کر گر جاتے تھے۔

سرکار کی نورانیّت کافروں تک اثر رکھتی ہے

اگر کافروں میں سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا وہ نور نہ ہوتا جس سے انہیں شکم مادر میں تصویر بننے اور رُوح پھونکے جانے اور شکم مادر سے برآمدگی اور دودھ پینے کے مواقع پر مدد ملی تو یکایک ان کی طرف جہنم کی آگ نکل کر انہیں کھا کر ان کا مکمل صفایا کر دیتی اور کافروں پر آخرت میں بھی اس وقت تک آتش دوزخ انہیں کھانے کے لیے نہ نکلے گی یہاں تک کہ ان سے سرکارِ دوعالم کا وہ نور چھین لیا جائے گا جس سے وہ دنیا میں صحیح وتندرست چلتے پھرتے رہے۔
ابنِ مبارک نے کہا پھر میں نے شیخ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سُنا کہ جب اللہ تعالیٰ شانہٗ نے نورِ مکرّم پیدا کیا تو اس کے بعد قلم اور عرش لوح اور برزخ اور جنت کو پیدا کیا پھر ان فرشتوں کو پیدا کیا جو جنّت اور عرش اور پردوں میں رہتے ہیں، عرش نے اللہ تعالیٰ شانہٗ سے عرض کیا یا اللہ تو نے مجھے کیوں پیدا کیا ہے تو ذاتِ حق نے عرش کو جواب دیا کہ میں نے تجھے اپنے محبوب بندوں کے لیے ان انوار سے پردہ کا کام لینے کے لیے پیدا کیا جو تیرے اُوپر ہیں میرے وہ محبوب

بندے خاکی ہونے کے سبب سے ان کی تاب نہیں رکھتے اس وقت تک نہ کوئی کافر پیدا ہوا تھا نہ اس کا اصل ٹھکانہ جہنم پیدا ہوا تھا، پھر فرشتوں نے باور کر لیا کہ اللہ کے وہ محبوب بندے جنہیں اس نے مٹی سے پیدا کرے گا انھیں جنت میں رہائش دے کر عرش کا پردہ دے گا، پھر اللہ تعالیٰ نے تمام گنہگاروں کی روحوں کے نور کو نورِ مکرم سے پیدا کیا، پھر اس نور کی درجہ بندی فرما کر اسے کئی ٹکڑوں میں بانٹ دیا اور ہر ایک ٹکڑے سے کوئی نہ کوئی روح پیدا کر کے انہیں بھی صورت سے پر حضور کے نور سے کچھ نہ کچھ سیراب کر دیا اور اس حالت پر کچھ دیر روحیں قائم رہیں تو بعض روحوں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے سیراب ہونے پر حلاوت محسوس کی اور بعض نے کوئی چاشنی محسوس نہ کی پھر جب اللہ نے اس امر کا ارادہ کیا کہ وہ اپنے دوستوں اور دشمنوں کے درمیان امتیاز کرے اور اپنے دشمنوں کا اصل ٹھکانہ جہنم بنانے تو تمام روحوں کو جمع کر لیا اور کہا کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں تو جس نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نور سے مٹھاس محسوس کی تھی اور اس نور کے لیے اس کی طبیعت نرم اور میلان کئے ہوئی تھی اس نے تو بطیب خاطر اللہ کو ہاں میں جواب دیا اور جس نے اس نور سے کچھ چاشنی نہ پائی تھی اس نے بادل نخواستہ ہاں کہہ دیا لیکن اس کے ہاں کرنے میں کچھ ڈر کا اثر اور کچھ مجبوری پائی جاتی تھی پھر بعد ازاں وہ اندھیر ظاہر ہونے لگا جو جہنم کا اصل ہے پھر ہر ساعت برابر بڑھنے لگا اور نور بھی بدستور ہر لحظہ بڑھنے لگا اس پر ان لوگوں کو نورِ مکرم کی قدر و قیمت معلوم ہوئی جنہوں نے اس سے کچھ مٹھاس محسوس نہ کر کے قہر خداوندی مول لیا اور اللہ نے جہنم انہی لوگوں کے لیے پیدا کر رکھا ہے اور اللہ بہتر جانتا ہے، اور میں نے آپ رضی اللہ عنہ سے دوبارہ سنا آپ فرمانے لگے اگرچہ انبیائے کرام علیہم السلام نے حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم کے نور سے کچھ سیرابی حاصل کی ہے تاہم مکمل نہیں ہر ایک نے اس میں سے اتنا ہی پیا جو اس کے مناسب حال تھا اور جو اس کے لیے مقرر تھا۔ بے شک نورِ مکرم کے مختلف رنگ طرح طرح کے احوال اور بہت زیادہ اقسام تھے تو ہر ایک نبی نے خاص رنگ اور خاص قسم سے پیا۔ شیخ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام نے نورِ مکرم پیا تو انہیں مقام سیاحت و سیر و تفریح حاصل ہوا، اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے نورِ مکرم پیا تو انہیں مشاہدہ کامل کے ساتھ ساتھ مقامِ رحمت اور تواضع سے نوازا گیا اسی لیے آپ جب بھی کسی سے بات چیت کرتے تھے تو بڑی نرمی اور انکساری سے گفتگو فرماتے اور سننے والے کو گمان ہوتا کہ

شاید یہ میرے لیے انکساری فرما رہے ہیں لیکن آپ صرف اللہ کے لیے تواضع اور انکساری فرماتے تھے۔
اور پھر ان کی قوت مشاہدہ بھی تو اسی درجہ ہی کی تھی اور جناب موسیٰ علیہ السلام نے اس نورِ مکرم سے پیا تو
انہیں بے شمار عطاؤں اور نعمتوں کے ساتھ ساتھ مشاہدہ حق ہوا اور بھلائیاں نصیب ہوئیں جن کا اندازہ
نہیں کیا جا سکتا، اور یونہی تمام انبیاؑ اور ملائکہ کرام کو نوازا گیا، اللہ سب سے بہتر جانتا ہے۔ ہم نے
آپ رضی اللہ عنہٗ سے سنا آپ نے فرمایا کہ جو کمال بھی کسی صاحب کمال کو نصیب ہوا خواہ وہ فرشتے ہوں
یا انبیاؑ خواہ وہ اولیا ہوں یا عام مومنین سب حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم ہی کی برکت سے باکمال ہوئے
بن مبارک نے کہا کہ میں نے عرض کیا کہ تمام لوگوں میں فرق کیسے کیا جا سکے گا اس پر آپ رضی
اللہ عنہٗ نے فرمایا کہ جہاں تک فرشتوں کا تعلق ہے ان کی جسمانیت اور روح نور سے بنا ہے اور انبیاؑ
علیہم السلام کے اجسام خاک سے اور روح نور سے بنے ہیں لیکن انبیاؑ کی ذوات اور ارواح کے
درمیان ایک اور نور ہوتا جسے نورانیتِ مصطفےٰ کی سیڑھی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور اولیائے کرام کی
پیدائش بھی انبیاؑ کی مانند ہی ہوتی ہے لیکن انبیاؑ عظام ان سے درجہ نبوت میں وہ فوقیت اور برتری
رکھتے جو طاقت سے باہر ہے اور اس کی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی، اور عام اہلِ ایمان جسدِ خاکی
اور ارواحِ نورانی رکھتے ہیں اور جس نور سے اولیاؑ اور انبیاؑ ہیں اسی نور سے عام اہل ایمان کا تعلق بھی ہے
اگرچہ باریک دھاگے کی مانند ہے، ابن مبارک نے کہا میں نے عرض کیا انبیاؑ و اولیا اور عام اہلِ ایمان
کی انوار کا حضورؐ کے نور سے کیا تعلق ہے اور یہ انوار آں حضرت کے نور سے فائدہ کیسے حاصل کرتے
ہیں اس پر آپ رضی اللہ عنہٗ نے ایک عام سی مثال اچھی عادت کے مطابق ذکر کرتے ہوئے کہا
کہ ان کے انوار استفادہ کی مثال اس بھوکی جماعت کی سی ہے جسے بھوک نے ستا رکھا ہو اور انہیں
بے کل کر رکھا ہو اور کھانا کھانے کا شوق بڑھ رہا ہو تو ان کے سامنے ایک روٹی رکھ دی جائے اور
ساری جماعت جی بھر کر کھائے اور روٹی میں ناخن کے معمولی تراشے جیسی بھی کمی واقع نہ ہو، اسی طرح
حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم کے نور سے کل عالم کو فائدہ پہنچ رہا ہے اور آپ کے نور میں کچھ کمی
واقع نہیں ہو رہی اور حق سبحانہٗ روز افزوں ہمیشہ ہمیشہ اس نور کو پھیلاتا رہے گا لیکن آں حضرت
کے نور کی یہ افزائش حسی نہیں بلکہ باطنی ہے جس طرح نقص ظاہر نہیں ہوگا اسی طرح اس باطنی
نور کا اظہار بھی نہیں ہوگا، حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نور سے فرشتے اور انبیاؑ

عظام اور اولیائے کرام اور عام اہلِ ایمان کو بے حد فائدہ پہنچ رہا ہے لیکن یہ مدد درجات کے اعتبار سے ہوئی ہے اور اللہ بہتر جانتا ہے۔

لیلۃ القدر کا سبب

میں نے آپ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سُنا کہ سورج چاند اور ستاروں کا نور نورِ برزخ سے مدد لیتا ہے اور نور برزخ نورِ مکرم اور نور ارواح سے مدد لیتا ہے اور نورِ ارواح براہِ راست حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم کے نور سے مدد لیتا ہے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پیدائش آدم علیہ السلام سے ذرا پہلے کچھ انوار ظاہر ہوئے اور پیدائش آدم کے بعد زمین اور پہاڑ پیدا کئے گئے اس وقت روحیں اور ملائکہ بارگاہِ حق میں مصروف عبادت تھے ابھی فارغ نہ ہونے تھے کہ یکایک سورج چاند اور ستاروں میں انوار ظاہر ہونے لگے تو زمین کے تمام فرشتے رات کی تاریکی کا رُخ سورج کی روشنی میں تلاش کرنے لگے اور سورج اپنی روشنی پھیلا کر چلتا رہا اور فرشتے اس کے ساتھ ساتھ مسافت طے کرتے رہے یہاں تک کہ اسی مقام پر لوٹ آئے جہاں سے آغاز سفر کیا تھا اور یہاں پہنچ کر دہشت زدہ ہو گئے اور محسوس کرنے لگے کہ یہ کوئی آفت ناگہانی ہے اور ان فرشتوں نے تمام زمین کے فرشتوں کو اپنی اس جگہ پر بلا لیا جہاں وہ آکر رکے تھے پھر پہلے کی طرح طویل سوچوں میں کھو گئے، جب برزخی روحوں اور آسمانی فرشتوں نے زمین کے فرشتوں کو مبتلائے کرب اور گھبرائے ہوئے دیکھا تو آسمان سے اُترآئے تو اولادِ آدم کی روحیں زمین کے فرشتوں کے ساتھ ہولیں رات کا وقت ہو گیا تو زمین و آسمان کے فرشتے اور تمام روحیں یکجا ہو گئے سورج اپنی پہلی جگہ لوٹ آیا پھر انہیں کوئی نئی بات دیکھنے میں نہ آئی پھر سب کے سب بے خطر اپنے اپنے مقامات پر چلے گئے پھر ایک سال کے بعد اس نظام سے بے تکلف ہو گئے، جس رات زمین آسمان کے فرشتوں اور روحوں کا اجتماع ہوا تھا یہی لیلۃ القدر تھی۔ اور اللہ بہتر جانتا ہے۔

کائنات کے تمام اسرار نورانیت مصطفےٰ کی تجلّی ہیں

ابن مُبارک رحمۃ اللہ نے کہا کہ میں نے شیخ رضی اللہ عنہ کو ابن مشیش کے اس قول (وفیہ ارتقت الحقائق) کی شرح بیان کرتے سُنا کہ حقائق سے مُراد حق سبحانہ کے وہ اسرار و رموز ہیں جو اس نے

اپنی مخلوق میں بکھیر رکھے ہیں اور ان اسرار کی کل تعداد تین صد چھیاسٹھ ہے جو حیوانات میں ارادہ الٰہی کے مطابق ظاہر ہوتے ہیں اور یونہی جماعات میں ظاہر ہوتے اور اسی طرح تمام مخلوقات میں ظاہر ہوتے ہیں آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نباتات میں نفع کا راز حقیقۃً حق سبحانہٗ تعالیٰ کے حقائق سے ہے اس لیے کہ ہر حقیقت ذات حق سے ہی متعلق ہے اس بات کا بیان انشاء اللہ عنقریب آ جائے گا۔ پھر یہ نفع ترقی کرتے کرتے بارگاہ رسالت میں اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ حضور کے علاوہ اس نفع کا کسی کو مشاہدہ نہیں ہو سکتا کیا آپ نے اس سے پہلے نفع کو نہ دیکھا جو کل کائنات کی مدد طلب کرنے میں تھا یہ وجود ثبوت کون حدوث سب کچھ حضور ہی کے نور سے ہے ورنہ مخلوق میں کچھ پائیداری نہ ہوتی، آپ رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا، زمین میں بھی ایک راز ہے اور وہ یہ کہ جو کچھ اس میں ہے اس کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے اور یہ حق سبحانہٗ کے حقائق میں سے ایک حقیقت ہے پھر زمین کا فائدہ ترقی کرتے کرتے بارگاہِ نبوت میں اس حد تک پہنچ گیا جس کی تاب نہیں ہے یہاں تک کہ جتنے اسرار و معارف زمین میں ہیں مخلوقات پر عیاں کر دیئے جائیں تو مخلوق کے اوسان خطا ہو جائیں، اور اہل مشاہدہ میں قدرتِ حق کا ایک راز ہے اور وہ یہ ہے کہ حق سبحانہٗ سے چشم زدن کے لیے بھی غافل نہیں ہوتے اور یہ حقیقت بھی ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی ذاتِ محبوب کبریا میں اس حد تک پہنچ جاتی ہے۔ جو بشری طاقت سے باہر ہے اور اس کا بیان حضور پُرنور کے مشاہدہ میں گزر چکا ہے، اور سچے لوگوں میں بھی ایک قدرتی راز ہے اور وہ یہ کہ وہ ہمیشہ راستی پر قائم رہتے ہیں اور یہ حقیقت بھی حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم میں حدِ امکان سے بڑھ کر پہنچ جاتی ہے، اور اہل کشف لوگ بھی اللہ کے اسرار میں سے ایک راز ہیں اور وہ یہ کہ انہیں کماحقہٗ معرفت حق نصیب ہوتی ہے اور یہ حقیقت بھی حضور رسالت مآب میں اس حد تک پہنچتی ہے جس کی اصل حقیقت تک رسائی ممکن نہیں رہتی، نتیجۃً حقائق کا ارتقاء حق سبحانہٗ کے انوار سے سیرابی کے مطابق ہوتا ہے، جب حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم انوار و تجلیات کا اصل ہیں اور آپ ہی سے انوار پھوٹتے ہیں تو ایک یقینی امر ہو گا کہ آپ کی ذات میں حقائق آپ کی نورانیت کے مطابق ہوں گے اور آپ کی نورانیت حدِ طاقت سے بھاری ہے تو آپ میں جو حقائق ہوں گے ان تک رسائی بھی کسی کے بس کی بات نہیں ہے اور اللہ بہتر جانتا ہے۔

علومِ آدم کا نزول

ابن مبارک نے کہ میں نے آپ رضی اللہ عنہ کو شیش کے اس قول پر کہتے ہوئے سنا کہ علوم آدم سے مُراد وہ کچھ ہے جو انہیں ان اسمأ سے حاصل ہوا تھا اور جو انہوں نے ان اسمأ سے سیکھا تھا، اس کے کلام میں اسی طرف اشارہ ہے۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا[1] ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام بتا دیئے۔

ان اسمأ سے مُراد اسمأ علوی ہیں نہ کہ سفلی، کیونکہ ہر مخلوق کے دو نام ہوتے ہیں ایک علوی اور ایک سفلی، سفلی نام مسمّٰی کی اجمالاً خبر دیتا ہے جب کہ علوی نام سے مسمّٰی کی اصل حقیقت و کنہ اور غرض و غایت کا پتہ چلتا ہے مثلاً (کلہاڑا) کے نام سے آدم علیہ السلام نے اچھی طرح جان لیا کہ یہ کس مقصد کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اس لوہار کی کاریگری سے بھی واقف ہو گئے کہ اس نے کس فائدہ کے حصول کے لیے یہ تیار کیا ہے محض کلہاڑا کا لفظ سن لینے سے آپ کو اس کے تمام لوازمات و متعلقات کا علم ہو گیا اسی لیے آدم علیہ السلام نے سب مخلوق کو جان لیا اللہ کے اس اسمأ کلہا سے مُراد وہ اسمأ ہیں جو طاقت آدم میں تھے اور تمام انسانوں کو اس کی ضرورت تھی یا انہیں ان اسمأ سے کوئی نہ کوئی تعلق تھا اور یہ اسمأ سب مخلوق کو شامل ہیں خواہ مخلوق عرش عُلیٰ کی ہو یا تحت الثریٰ کی ان میں جنّت دوزخ اور ساتوں آسمان اور جو کچھ ان میں ہے اور ان کے درمیان ہے اور جو کچھ آسمان و زمین کے درمیان اور جو کچھ زمین میں یا اس کی خارجی سطح پر ہے ناہموار جگہ ٹیلے جنگلات دریا اور درخت متحرک و ساکن ہر قسم کی مخلوق کے اسمأ اور ان کی اصل۔ فائدہ طبعی شکل اور ترکیبی عناصر جناب آدم علیہ السلام اچھی طرح جانتے تھے، اسم جنّت سے سیدنا آدم علیہ السلام نے یہ جانا کہ جنّت کہاں واقع ہے اور کس چیز کے لیے جنّت پیدا کی گئی اور جنّت کے تمام درجات کی ترتیب اور بعد بعثت سکّان جنّت حور و غلمان ملائکہ و انسان وغیرہ کی تعداد بھی معلوم کر لی، اسی طرح دوزخ اور ہر آسمان کے متعلق بھی جان لیا، اور لفظ ملائکہ سے آدم علیہ السلام نے یہ جانا کہ فرشتے کس چیز سے پیدا ہوئے اور کس کام کے لیے پیدا کئے گئے ملائکہ کی کیفیت تخلیق اور ان کے مراتب

---

[1] پ ۱، البقرہ، آیت ۳۱۔

درجات کسی بھی مقام پر کسی فرشتہ کا استحقاق کس وجہ سے ہے اور دوسرے ملائک جن مقامات پر بھی ہیں کا استحقاق اسی طرح عرش سے زمین کی گہرائیوں تک کے فرشتوں کے حالات معلوم کرلیے یہ ہیں علوم آدم اور اولادِ آدم انبیا و اولیا کاملین کے علوم رضی اللہ عنہم اجمعین، علوم جاننے میں ذکر آدم کی تخصیص اس لیے ہے کہ انھوں نے ان علوم کو سب سے پہلے جانا اور ان کی اولاد نے ان علوم کو بعد میں جانا اور وہ علوم جن میں آدم اور اولادِ آدم کو ضرورت تھی اور ان کی طاقت میں بھی تھے کہ تخصیص کرنے میں یہ راز ہے کہ معلوماتِ الٰہی کا احاطہ لازم نہ آئے۔

حضور علیہ السلام اور آدم و دیگر انبیا علیہم السلام کے علوم کا امتیاز

شیخ رضی اللہ عنہ نے کہا تنزلت سے مُراد آدم علیہ السلام اور دیگر انبیائے عظام کے کلام اور خدا کے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں فرق قائم کرنا ہے کہ سب انبیا ان علوم کو کس طرح جانتے ہیں اور ہمارے نبی حضور پرُ نور صلی اللہ علیہ وسلم کیسے جانتے ہیں آدم علیہ السلام اور دیگر انبیا علیہم السلام نے جب ان عُلوم کی طرف توجہ کی تو انھیں مشاہدۂ حق سے ایک خواب کی مانند کیفیت حاصل ہوئی اور جب مشاہدۂ حق پر غور کیا تو ان علوم کو بمانند خواب جانا لیکن ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو خداداد طاقت کی بنا پر کوئی چیز رکاوٹ نہ بن سکی جب آپ نے حق سبحانہٗ کی طرف توجہ کی تو آپ نے پورا پورا مشاہدہ تام کیا اور مشاہدہ حق کی بدولت ان علوم اور دیگر اشیا جو عام طاقت بشری سے باہر ہیں کا مشاہدہ ہوا اور جب ان علوم کی طرف توجہ فرمائی تو ان علوم کے مشاہدہ کے ساتھ ساتھ آپ نے مشاہدہ حق سبحانہٗ بھی کر لیا اور درمیان میں کوئی چیز رکاوٹ نہ بن سکی یعنی مشاہدۂ حق سبحانہٗ مشاہدۂ خلق کو مانع نہ ہوا اور مشاہدۂ خلق مشاہدہ حق کو مانع نہ ہوا۔

آپ رضی اللہ عنہ نے ابن مشیش کے قول (وتضاءلت الفھوم) پر کہا کہ حضور شافع یوم النشور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات میں عقل و فہم حیرت زدہ ہوگئیں، نہ کوئی سابق یعنی انبیاء علیہم السلام اور نہ کوئی لاحق یعنی اولیائے کرام آپ کی ذات تک پہنچ سکا، ابنِ مشیش کے قول (فریاض الملکوت بزھر جمالہ مونقۃ) پر آپ نے کہا کہ عالم بالا اور اس کے تمام رہنے والوں فرشتے وغیرہم کے اسرار سب آپ کے نور سے چمک رہے ہیں۔

عالم بالا کے درجات و تشریح

ابن مشیش کے قول (وَحِيَاضُ الْجَبَرُوْتِ بِفَيْضِ أَنْوَارِهِ مُتَدَفِّقَةٌ) پر آپ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عالم بالا کو مختلف اعتبارات سے عالم الملک، عالم الملکوت اور عالم الجبروت کہا جاتا ہے عالم الملک کے رہنے والے خواہ بولنے والے ہوں یا خاموش متحرک ہوں یا ساکن عاقل ہوں یا بے ہوش سب کے سب ایک نظر اور ایک توجہ سے ایک ہی معبود پر متفق ہیں اور وہ ایک معبود حق سبحانہ تعالیٰ ہے نیز وہ حق سبحانہ کی معرفت و مشاہدہ اور ان سے حق سبحانہ اختیارات چھین سکتا ہے پر متفق ہیں نچلی دنیا اور اہل زمین کا معاملہ ان سے کچھ برعکس ہے اہل زمین میں سے بعض اپنی اختلافِ نظری اور گمراہی کی وجہ سے سورج چاند ستاروں صلیب اور بتوں وغیرہ کی عبادت کرنے لگے اور یہ بات عالم بالا والے ہرگز قبول نہیں کرتے اور نہ ہی وہ اپنی لائق شان سمجھتے ہیں کہ ایک معبود کو چھوڑ کر کئی خداؤں کی پرستش کریں، اور ہر ایسی دنیا جس کے باشندے کلمہ حق پر متفق ہوں تو عالم الملک ہی ہے اور یہ عالم بالخصوص عالم بالا ہے۔ عالم ملکوت اپنے تمام باشندوں کے انوار اور احوال و مقامات کے اختلاف کے اعتبار سے ہے۔ عالم جبروت ان انوار کے اعتبار سے جو وہاں کے باشندوں پر یوں چلتے رہتے ہیں جس طرح ہم پر ہماری اس مثالی دنیا میں ہوا چلتی رہتی ہے، یہ انوار ان پر اس لیے چلتے ہیں تاکہ ان ذوات اور ارواح اور معارف کو برابر سیرابی ملتی رہے اور ان انوار کی برکت سے وہ اپنے مقامات پر قائم رہ سکیں یہ انوار جو ان پر ہوا کی طرح چلتے ہیں اسی سے ان کے گزرے ہوئے احوال کی حفاظت ہوتی ہے اور حیاض جبروت سے انہی انوار کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، شیخ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب یہ انوار حضور علیہ السلام کے نور سے مدد طلب کرتے ہیں تو لامحالہ جبروت کے حوض بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے ہی جوش مار رہے ہیں۔

ابن مبارک نے کہا کہ شیخ نے ان تین عالموں کا جو ذکر کیا ہے نہایت ہی بہترین ہے بعض لوگوں نے ان عالموں کی تشریح کچھ اس طرح کی ہے کہ عالم الملک وہ ہے جو حواس سے معلوم کیا جاتا ہے اور عالم ملکوت عقلوں کی مدد سے دریافت کیا جاتا ہے، اور عالم جبروت اللہ کی عطاؤں سے پایا جاسکتا ہے۔ اور بعض نے اس طرح کہا ہے۔ کہ عالم الملک محسوس میں ظاہر ہے۔ اور عالم ملکوت

عقلوں میں چھپا ہوا ہے اور عالم جبروت ان دونوں کے وسط میں ہے جسے عالم الملک اور عالم ملکوت کی طرف سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

شیخ رضی اللہ عنہ نے ابن مشیش کے اس قول "ولا شیئ الا وھو بہ منوط اذ لو لا الواسطۃ لذھب کما قیل الموسوط" پر یوں کہا ہے کہ بے شک کائنات کی ہر چیز حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم سے مدد مانگتی ہے اور آپ پر ہی کائنات کی ہر شی مکمل اعتبار اور کامل بھروسہ کئے ہوئے ہے اور حقیقت بھی اسی طرح ہے، آپ حضور کی ذات ہر ایک شی کے موجود ہونے کا واسطہ ہیں اور ہر ایک چیز آپ ہی کی وجہ سے موجود ہے اس لیے آپ حضور ہر ایک شی کے لیے وسیلہ عظمیٰ ہیں اور موسوط سے مراد حضور علیہ السلام کے علاوہ ہر ایک چیز ہے، کما قیل سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دراصل اس قول کا قائل کوئی ہے اور ابن مشیش نے شہرت کی بنا پر کما قیل سے ایک زبان زد عام چیز مراد لی کہ اگر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو نہ جنت ہوتی نہ دوزخ نہ آسمان ہوتا نہ زمین، نہ زمان ہوتا نہ مکان، نہ رات ہوتی نہ دن، اور نہ ہی کوئی اور چیز معرض وجود میں آتی۔

حضور کا علم تمام اہل علم سے زیادہ ہے

شیخ رضی اللہ عنہ نے ابن مشیش کے اس قول "اللھم انہ سرک الجامع" پر کہا کہ حق سبحانہ کی وہ ذات ہے جس نے اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنا راز ٹھہرایا اور اس راز میں وہ کچھ جمع فرما جو کسی دوسرے میں جمع نہ کیا، اس میں کوئی شک نہیں کہ جتنا کسی کے مشاہدہ کا دائرہ کار وسیع ہوتا ہے اتنے ہی اس کے معلومات وسیع ہوتے ہیں اور ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کا مشاہدہ نہیں ہے لہذا مخلوق میں آپ کے علم سے بڑھ کر کسی کا علم بھی نہیں ہے اور ہمیں اس بات میں تامل نہیں ہے کہ عرش و فرش اور عرش کے اوپر اور زیر زمین کے سب معلومات حضور علیہ السلام کے بے شمار علوم میں سے ایک علم کا ہزارواں حصہ ہے جب کہ ساٹھ حصص پر قرآن مجید مشتمل ہے۔

ابن مشیش کے اس قول پر شیخ رضی اللہ عنہ نے کہا "اللھم الحقنی بنسبہ و حققنی بحسبہ" کہ نسب سے مراد حضور کا وہ باطنی مشاہدہ ہے جس سے سب مخلوق قاصر

وعاجز ہے اور حسب سے مُراد سرکار دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ حمیدہ ہیں مثلاً رحمت علم، حلم اور آپ کے دیگر اخلاق کریمہ ہیں جب آپ کے مشاہدہ کے تحقق کی کسی میں تاب نہیں رہتی۔ تو پھر وہ اس مشاہدہ کے وسائل تلاش کرتا ہے اس طرح وہ اپنی پریشانی کا دور کر لیتا ہے، شیخ رضی اللہ عنہُ نے کہا ہے کہ آپ ہر ممکن اس وہمے سے بچیں کہ شیخ کامل کی نظر جب کسی امر کام کا عزم بالجزم اور ارادہ مصمّم کرتا ہے تو سرِّ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم سے یا کشف، تصرّف اور ولایت سے ہٹ جاتی ہے نہیں نہیں بلکہ شیخ کامل کی نظر کا مرکز و محور حضور ہی کی ذات ہوتی ہے، سیدی عبدالسلام بن مشیش کے کلام کی شرح جو سیدی عبدالعزیز فرما رہے تھے یہاں اختتام کو پہنچی اور عبدالسلام بن مشیش ایک قطب کامل اور حضور علیہ السلام کے دین کے مکمل وارث تھے۔

پیدائش آدم علیہ السلام کا عجیب واقعہ

یہ واقعہ بھی سیدی عبدالعزیز کے فرمودہ ارشادات میں سے ہے اور یہ واقعہ ان فوائد میں پہلا ہے جسے میں نے آٹھویں باب سے لیا ہے ابن مُبارک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے شیخ رضی اللہ عنہُ کو فرماتے ہوئے سُنا کہ جب اللہ تعالیٰ شانہُ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو دس دن میں ان کی مٹی جمع فرمائی اور اسے بیس دن تک پانی میں چھوڑ دیا پھر آدم کی تصویر چالیس دن میں بنائی اور تصویر بنانے کے بعد بیس دن پھر چھوڑ دیا یہاں تک کہ آدم علیہ السلام مٹی سے جسم کی طرف منتقل ہو گئے اور یہ مجموعی مدت تین ماہ بنتی ہے اور یہ مہینے رجب، شعبان اور رمضان ہی تھے پھر انہیں ذات حق نے جنت کی طرف اٹھا کر ان میں اپنی رُوح پھونک دی ابھی آپ جنت میں ہی تھے ان سے حوا علیہا السلام پیدا ہوئیں اور حوا کو جنت میں جنم لیے ابھی دو ماہ پورے ہونے ہی تھے کہ آدم حوا پر شہوت نے غلبہ کیا تو آدم علیہ السلام نے حوا سے قربت کی وہ حاملہ ہو گئیں اور جنت سے اُترنے کے تیسرے ماہ بعد زمین پر پہلوٹے بچوں کو جنم دیا پھر اس کے بعد زمین پر حاملہ ہوئیں تو نویں ماہ جنم دیا، اور آج تک ان کی یہی رسم عورتوں میں چلی آرہی ہے کہ قانونِ تخلیق کے مطابق وہ نو ماہ مکمل ہونے پر بچہ دیتی ہے۔ ابن مُبارک کہتے ہیں میں نے عرض کیا کہ جس مٹی سے آدم علیہ السلام پیدا ہوئے وہ کیا تھی تو آپ رضی اللہ عنہُ نے کہا کہ وہ ہر ایک کان کی مٹی تھی۔ سونے کی کان، چاندی

کی کان، تانبے کی کان اور دیگر کانوں سے مٹی ایک جگہ اکٹھی کر کے آدم کو پیدا کیا گیا، پھر میں نے عرض کیا کہ یہ مٹی جمع کس نے کی تھی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ مٹی فرشتوں نے یا جسے اللہ نے اس کام کے لیے پسند کیا اور ان سب میں سے حضرت جبریل علیہ السلام نے آدم کی مٹی اُٹھائی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ اے جبریل تجھ سے بھی زیادہ عزیز ایک مخلوق مٹی سے پیدا کروں گا تو جبریل علیہ السلام تیار تھے کہ اس مخلوق کی تخلیق میں میری خدمات بھی شامل ہوں تاکہ مجھے بھی عظیم مخلوق سے حصول برکت ہو در حقیقت اس وعدہ سے مُراد سید کل کائنات حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

جناب آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے کلمہ طیبہ پڑھا تھا

پھر شیخ رضی اللہ عنہ نے کلام جاری رکھتے ہوئے یہاں تک ذکر کیا کہ بے شک آدم علیہ السلام نے اپنے بولنے کا آغاز اور بسم اللہ، اپنی پیدائشی تکمیل کے بعد اللہ اللہ اللہ تین مرتبہ کہہ کر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ کہا، پھر ابن مُبارک نے کہا کہ میں نے آپ رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سُنا کہ اللہ کی تمام مخلوق میں سے اولاد آدم جیسی کوئی چیز خوبصورت نہیں ہے اور خوبصورتی کے ساتھ ساتھ اولاد آدم تمام مخلوقات سے افضل ہے اور قدر و قیمت میں بھی زیادہ اور عقل و فراست میں اعلیٰ اور جسمانیت میں موزوں اور مضبوط اگر آدمی پر تفصیلاً غور کیا جائے، اور ذاتِ آدمی کے اجزائے ترکیبی، رگ و ریشہ اور جوڑوں کی ترتیب اور ان محاسن پر جو آدمی کے ظاہر و باطن میں پنہاں ہیں تو ذاتِ آدمی کے خالق و مصور سبحانہٗ کی خبر ہو جاتی ہے۔ ابن مُبارک کہتے ہیں میں نے عرض کیا کہ ذات آدمی کو ذاتِ ملک یعنی فرشتوں پر کس چیز کی وجہ سے فضیلت ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ذاتِ آدمی بیک وقت بہت سی مخلوقات کی جامع ہے جو ذات ملک میں یہ جامعیت نہیں پائی جاتی اور ذات آدمی کو اس لیے بھی فضیلت ہے کہ جو کچھ ذات ملک میں پایا جاتا ہے وہ آدمی میں بھی موجود ہے کیونکہ ذاتِ ملک نور سے ہوتی ہے اور اس نور میں عقل کی آمیزش کر دی جاتی ہے یہ صرف ذات ملک ہی کی خصوصیت ہے اور کوئی دوسری مخلوق ایسی نہیں ہے جب کہ ذات آدمی میں یہ ملکی نور بھی ہے عقل اور روح بھی مختلف رنگتیں مٹی، آگ، ہوا، اور پانی اور ان میں سے ہر ایک قدرتِ حق کا راز ہے۔

یہ راز مجموعی طور ایک ذات میں جمع ہو جائیں تو اس ذات میں قدرت حق کے اسرار مضبوط ہو جاتے ہیں بلکہ وہ ذات قدرت کا شاہکار بن جاتی ہے بالآخر آدمیت بہت سی مخلوق کے مجموعہ کا دوسرا نام ہے۔ جبکہ دوسری کسی مخلوق میں یہ چیز نہیں پائی جاتی اس اعتبار سے آدمی کی ذات اقوی الذوات کہلائے گی اسی لیے ذاتِ آدمی کو اسرار و رموز جاننے کی وہ طاقت بخش دی گئی ہے جس کی فرشتوں میں بھی تاب و طاقت نہیں ہے اور اسی لیے ہی ہمارے سردار آقا و مولیٰ حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم کو آدمی کی صورت میں پیدا کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم، رموزِ یزدانی اور اسرارِ ربّانی برداشت کرنے میں تمام مخلوق سے زیادہ قوی اور مضبوط ہیں یقیناً اگر عالم بالا میں آدمی سے زیادہ کوئی ذات طاقتور ہوتی تو حضورؐ کی تصویر اسی پر تیار کی جاتی۔

قدیم فلاسفہ کے علوم کے بارے دباغؒ کی رائے

یہ بات بھی سیدی عبدالعزیز دباغؒ کے فرمودہ ارشادات میں سے ہے جو انہوں نے کافر فلسفیوں کے مذکور کلام پر سوال کے جواب میں کہا، مثلاً سقراط، بقراط، افلاطون، جالینوس اور یہ بات پہلے ان فوائد میں سے جسے میں نے نویں باب سے لیا ہے، ان حکما نے ستاروں اور ان کی گردش عالم علوی سے متعلق کچھ کہا اس پر سوال ہوا کہ ستارے اور ان کی گردش امر غیب ہے اور ان حکما کو اس غیب امر کا حصول کہاں سے ہوا اس بات کا جواب دیتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے حق اور نور کو پیدا کر کے ان کے اہل اور عارف لوگ پیدا کئے اور یونہی باطل اور ظلمت کو پیدا کر کے ان کے اہل اور عارف بھی پیدا کئے تو اہل ظلمت و باطل پر ظلمتوں اور ان سے متعلق تمام اُمور کی پہچان کھل جاتی ہے اور اہل حق پر حق اور حق کے جمیع متعلقات کی پہچان بالکل آسان ہو جاتی ہے، اور حق یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور اس کی ربوبیت کا اقرار کرنا اور اس کی تصدیق کرنا کہ جو وہ پسند کرے اور چاہے اسے وہ پیدا کر سکتا ہے اس کے ساتھ ساتھ انبیا اور ملائکہ اور ہر اس چیز کے ساتھ ایمان رکھنا جو رضائے مولیٰ سے متعلق ہو ایمان بالحق کہلاتا ہے۔

کفر و حق کی وضاحت

ظلمت وہ کفر ہے اور ہر وہ چیز جو ذات حق سے تعلق کاٹ دے ان چیزوں میں سر فہرست دنیا اور دنیا کے فانی اُمور اور جو حوادث اور نئی نئی غلط سلط اختراعیں جو نت نئے انداز میں رونما ہوتی رہتیں ہیں اس پر یہی دلیل کافی ہے کہ دنیا ئے دوں پر حضور علیہ السلام نے لعنت فرمائی ہے حضور پُر نُور صلی اللہ علیہ وسلم یُوں فرمایا کرتے تھے کہ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے ذکر الٰہی یا جو چیز اس کے قریب ہے[1] کے علاوہ وہ ملعون ہے، اور بے شک حق انوار الٰہیہ میں سے ایک نور ہے اہل حق اس سے سیراب ہوتے ہیں اور اس سیرابی سے ان معارف الٰہی کے انوار روشن ہو جاتے ہیں اور بلا شبہ باطل ایک ظلمت ہے جسے اہل باطل نوش کرتے ہیں تو ان پر مشاہدہ کرتے وقت اس دنیا میں آسمان و زمین کے حالات منکشف ہو جاتے ہیں اور یہ انکشاف بھی ہو جاتے ہیں سے ہوتا ہے جن کا تعلق ان اجسام یا ان کی ہیئت سے ہے جو حادث[2] ہوتے ہیں مثلاً قدیم فلاسفہ کا ستاروں کے متعلق یہ کہنا فلاں ستارے کا مقام فلاں آسمان میں ہے اور جب فلاں ستارہ فلاں ستارے سے مل جائے تو یُوں یُوں ہو جاتا ہے۔

قدیم فلاسفہ منجم اور کہنہ شعائر اللہ کے متعلق

روضۂ رسُول صلے اللہ علیہ وسلم اور وہ نُور جو آپ کی قبر منور سے پھیل کر عالم برزخ بلکہ قبہ برزخ عالم علوی تک پہنچا ہوا ہے اور اللہ کے عارف اولیا کرام اور اہل ایمان کی وہ رُوحیں جو عالم برزخ میں منتقل ہو چکی ہیں نیکیاں لکھنے والے فرشتوں یا وہ فرشتے جو ہماری حفاظت پر مامور ہیں یا اس کے علاوہ وہ اسرار حق جن کا تعلق بارگاہ قدس سے ہے یا وہ رموز حق جو سطح زمین پر پھیلے ہوئے ہیں کے متعلق حکما قدیم اور منجم کچھ نہیں جانتے کیونکہ ان اسرار کی دریافت سے ہمیشہ کے لیے ان

---

[1] مثلاً محفل میلاد، محفل اعراس بزرگانِ دین، محافل نعت و قرأت قرآن کریم۔
(سید امیر محمد شاہ)

[2] "دگرگوں ہونے والی شے"

کی عقلیں قاصر اور عاجز ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں باطل اور ظلمت سے سیراب کر رکھا ہے اور وہ ان اُمور کی پہچان سے مکمل کٹ چکے ہوئے ہیں اور یونہی اہل باطل آسمانی رموز الٰہی کا مشاہدہ بھی نہیں کر سکتے مثلاً فرشتے جنت لوح وقلم وغیرہ اور نہ ہی وہ حق سبحانہٗ کو پہچانتے ہیں کہ وہ ان کا خالق ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور ہر وہ چیز جو وصالِ الٰہی کا سبب بن سکتی ہو کے حصول سے ان پر پردہ ڈال رکھا ہے ان پر اس شے کی دریافت کھل جاتی ہے جس سے انہیں کچھ فائدہ نہیں ہوتا بلکہ نقصان ہوتا ہے، فلاسفہ کی خبروں پر اللہ نے عالم علوی میں لعنت فرمائی ہے اور اکثر اوقات پیشین گوئیوں کی وادی میں غلطیاں کرتے رہتے ہیں، بہر حال اہل حق کو ہر کام کے ظاہر و باطن کا کشف تام ہوتا ہے لیکن اہل باطل کو اُمور ظاہرہ میں کچھ درک ہوتا ہے جس سے وہ زمین وآسمان اور ان کے مابین کی چیزوں اور لوگوں کے افعال و احوال ان کے زمان اور مکانوں میں جان لیتے ہیں اور یہ سب کچھ انہیں ظاہری نظر سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ بصیرتِ قیافہ سے معلوم ہوتا ہے اور بصیرت ایک ایسی چیز ہے جس کے سامنے پردے اور دیواریں حائل نہیں ہوتیں اور یُونہی اہل باطل مستقبل میں آنے والے اُمور کا بھی مشاہدہ کر لیتے ہیں کہ فلاں ماہ اور فلاں سال میں یہ یہ واقعات رُونما ہوں گے، اہل حق اور اہل باطل اُمورِ ظاہرہ کے کشف میں مساوی اور برابر رہتے ہیں اسی لیے درجات ولایت میں درجہ کشف کو کمزور ترین درجہ تصور کیا جاتا ہے کہ یہ درجہ اہل حق اور اہل باطل دونوں میں پایا جاتا ہے صاحبِ کشف اگرچہ اہل حق میں سے ہی کیوں نہ ہو وہ اپنے آپ کو اہل باطل کے ساتھ مل جانے سے بے خطر محسوس نہیں کر سکتا بلکہ اس کا درجہ اور مقام بھی اس سے چھین لیا جاتا ہے جہاں تک امورِ غیبیہ کا تعلق ہے وہ صرف مردِ حق پہ ہی کھلتے ہیں اور اہل باطل سے وہ اُمور در پردہ رکھتے ہیں پھر وہ مردِ حق امورِ غیبیہ کے ذریعہ اولیاء اللہ اور عارف لوگوں سے دور کی مسافت سے جس طرح ایک ہی مجلس کے لوگ گھل مل کر باتیں کرتے ہیں بات چیت کرتے ہیں اور یُونہی قبروں پر اہل ایمان کی رُوحوں کا مشاہدہ اور کراماً کاتبین اور دیگر فرشتوں اور عالم قبر اور مرنے والوں کے احوال جان لیتا ہے پھر وہ بندۂ خُدا روضۂ رسول صلے اللہ علیہ وسلم سے وہ نُور نکلتا ہوا مشاہدہ کرتا ہے جو پورے عالمِ برزخ میں پھیلا ہوا ہے جب اسے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کا عالم بیداری میں دیدار ہو جائے تو وہ شیطانی داؤں سے بے خطر ہو جاتا ہے کیونکہ آں حضرت کا دیدار رحمت خداوندی سے مل جانا

ہوتا ہے اور رحمت حق سے مل جاتا معرفت حق سُبحانہٗ کا اصل سبب ہے اور ذاتِ ازلی کا مشاہدہ بھی اسی رحمت حق سے ہی ہوتا ہے کیونکہ وہ مردِ حق آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کو ذات حق میں کھوئی ہوئی اور محو مشاہدہ پائے گا، تو وہ بندۂ مومن حضور کی ذاتِ گرامی کے سبب اور وسیلہ سے حق سبحانہٗ کے ساتھ ہمیشہ وابستہ رہنے لگے گا جس سے وہ معرفتِ حق ہر ساعت برھتا رہے گا۔ یہاں تک کہ اسے مشاہدہ حق اور اسرارِ معرفت اور انوارِ محبت جیسی دولتیں مرحمت ہوتی رہیں گی۔ یہ اُمور باطنہ ہیں جن سے اہلِ حق اور اہلِ باطل کے درمیان فرق کیا جاسکتا ہے۔

حضور کی زیارت کی فضیلت

پھر علامہ نے بندۂ مومن کا عالمِ بیداری میں حضور کی ذات کے مشاہدہ کے متعلق یُوں ذکر کیا ہے کہ بندۂ مومن کا فکر حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ ہمیشہ مصروف رہتا ہے اور یہ ذکر آخر عبارت تک ہے جو پہلے نقل کی جاچکی ہے ناویں باب کی مناسبت اور چوتھے باب کے فوائد کے تحت، پھر ابن مُبارک نے کہا کہ میں نے شیخ رضی اللہ عنہٗ سے سُنا کہ مجھ سے ایک دن سیدی عبداللہ برناوی نے شیخ کے مشائخ میں سے بھی ہیں نے پوچھا کہ کیا آپ ایسی چیز کو جانتے ہیں جو جنت میں داخل ہونے پر بھی فوقیت رکھتی ہو اور دنیا میں کسی ایسی چیز کا علم آپ کو ہے جو دوزخ کے عذاب سے بھی بدترین ہو، میں نے عرض کیا کہ جس چیز کے بارے پوچھا گیا ہے اسے جانتا اور پہچانتا ہوں۔ جو چیز دخول پر بھی فضیلت اور عزت رکھتی ہے وہ عالم بیداری میں زیارت حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک ولی اللہ آج بھی اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح آپ کو ظاہری حیات میں صحابہ کرام دیکھا کرتے تھے یہ چیز جنت میں داخل ہونے سے افضل ہے اور جو چیز دوزخ میں داخل ہونے سے بھی بدتر ہے وہ ہے کسی عارف حق معرفت کا سلب ہو جانا چھین لیا جانا، آپ رضی اللہ عنہٗ نے کہا کہ میں اپنے خیال میں شیخ عبداللہ برناوی کو جواب عرض کر رہا تھا کہ وہ یکایک میرے پاؤں پر منہ کے گر پڑے اور میرے پاؤں چومنے لگے میں نے عرض کیا کہ جناب آپ نے میرے پاؤں کیوں چومے ہیں تو شیخ عبداللہ برناوی نے فرمایا کہ دراصل یہی سوال میں نے اپنی قسم کے مشائخ سے کیا تھا ان میں سے کسی نے بھی

آپ کی طرح جواب نہیں دیا میں نے اس خوشی میں فرطِ محبت سے آپ کے قدم چُوم لیے ہیں۔

حالاتِ عالمِ برزخ طول و عرض اور دیگر کیفیات کے لحاظ سے

سیدی عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ کے فرمودہ ارشادات میں سے یہ وہ ارشاد ہے جسے میں نے دسویں باب کے پہلے فوائد سے لیا ہے اس باب میں برزخ اور اس کی صفات اور کیفیات اور اس میں رُوحوں کا داخلہ ابن مُبارک کے قول کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے، ابن مُبارک رحمہ اللہ نے کہا کہ میں نے شیخ رضی اللہ عنہ سے سُنا وہ برزخ کے بارے فرمار ہے تھے کہ وہ اپنے نیچے سے ایک تنگ مکان کی طرح ہے پھر وہ اُوپر کی طرف اُٹھنا اور پھیلنا شروع کر دیتا ہے جب وہ اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو اس کے اوپر والے سرے پر ایک گنبد ہے اس کی حدود کے مطابق بنا دیا جاتا ہے، یقیناً برزخ کی اصل اور بُنیاد پہلے آسمان پر ہے اپنی مرکزی سطح سے ہماری طرف کبھی نہیں نکلتا بلکہ بلندیوں کی طرف چڑھنا شروع کر دیتا ہے یہاں تک کہ ساتوں آسمان گزر کر لامتناہی بلندیوں پر چڑھ جاتا ہے اور ان بلندیوں پر اس کا ایک گنبد قائم کر دیا جاتا اتنا بڑا اس گنبد کا طول ہے اور اس برزخی گنبد کو سیدالاولین والآخرین کی مقدس رُوح نے رونق بخشی ہوئی ہے یا وہ شخص جسے اللہ نے عزت دے دی اس کی رُوح بھی گنبد برزخ کی زینت کا باعث ہے مثلاً اُمہات المؤمنین حضور کی پاکدامن بیویاں سلام اللہ علیہن، اور آپ کے زمانے میں آپ کی آل و اولاد اور آپ کی اولاد میں سے ہر وہ شخص جو قیامت تک ہوگا بشرطیکہ وہ نیک کام کرتا رہا اور چاروں خلفاء کی رُوحیں اور ان شہیدوں کی ارواح جنہوں نے آں حضرت کے سامنے جامِ شہادت نوش کیا صرف اس لیے کہ حضور علیہ السلام کا مقام اور عزت و ناموس تا قیامِ قیامت باقی رہے ایسے لوگوں کی رُوحوں میں وہ بے پناہ قوت اور طاقت ہوتی ہے جو دوسرے عام لوگوں کی ارواح میں ہو ہی نہیں سکتی اور اس قوت اور حُسنِ کارکردگی کی بدولت انہیں برزخی گنبد تک رسائی ہوتی ہے۔ رضی اللہ عنہم۔ اور جو لوگ دینِ مُصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے مکمل وارث ہیں مثلاً غوث اور قُطب رضی اللہ عنہم کی رُوحیں بھی اس گنبد برزخ کے محل سے مشرف ہیں، اور اس برزخ کا عرض جاننے کے لیے آپ کو سُورج کی مثال کافی ہے جو چوتھے آسمان پر ہے اور وہ مشرق و مغرب کی بعید مسافت کو تو چند گھنٹوں میں

طے کرلیتا ہے لیکن اس گنبد برزخ کے گرد مسلسل ایک سال تک گردش کرنے سے احاطہ کر سکتا ہے پھر اس
گنبد برزخ کے سوراخوں میں رُوحیں قیام پذیر ہیں، سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم کی مُبارک روح یا اس
شخص کی رُوح جس کی اللہ نے عزت افزائی فرما دی ہو اس گنبد برزخ میں رہتی ہیں جس طرح کہ ابھی
ذکر بھی کیا جا چکا ہے لیکن حضور علیہ السلام کی مقدس رُوح اس گنبد برزخ میں ہمیشہ قیام پذیر نہیں فرماتی
کیونکہ دوسری مخلوقات کی رُوحیں سرکار کی رُوح پاک کو وہاں برداشت کرنے کی تاب و طاقت نہیں
رکھتیں اس لیے کہ آپ کی بابرکت روح میں اسرار الٰہی کی بہتات اور کثرت ہے اور آپ صلے اللہ علیہ
وسلم کی رُوحانیت کی اصل متحمل حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہی ہو سکتی ہے اسی لیے
آپ کی مُبارک رُوح برزخ جیسی معین جگہ میں اقامت اختیار نہیں کرتی کہ آپ کی رُوحانیت کی
برداشت کسی مخلوق میں نہیں ہے، چوتھے آسمان یا اس سے اوپر والے برزخ کی رُوحوں کے
لیے ایسے انوار کہ ان کے سامنے اگر کوئی چیز بھی آئے تو وہ چیز پھٹ جائے، اور تیسرے آسمان
یا اس سے نیچے والے برزخ کی اکثر رُوحیں بے نور ہیں اور وہ پردوں میں دبی رہتی ہیں اور وہ
سوراخ جو گنبد برزخ میں ہیں وہ سیدنا آدم علیہ السلام سے پہلے ہی رُوحوں سے آباد تھے اُن
رُوحوں کے لیے طرح طرح کے انوار تھے لیکن یہ انوار عالم اجسام کے آغاز ہی سے کم ہوتے چلے
گئے سو جب آدم علیہ السلام کی رُوح ان کی ذات پر اتر آئی تو برزخ کے اس سوراخ کی جگہ خالی
ہو گئی جہاں پہلے آدم علیہ السلام کی رُوح اقامت پذیر تھی اسی طرح جیسے جیسے رُوحیں اُترتی
رہیں گنبد برزخ کے سُوراخ خالی ہوتے رہے، پھر جب موت کے بعد رُوح برزخ کی طرف لوٹ
کر جائیں گی تو اس مقام پر نہ جائیں گی جہاں وہ پہلے تھیں بلکہ وہ کسی دوسری جگہ کی مستحق ہو چکی ہوں گی۔

اور ابن مُبارک نے کہا کہ میں نے شیخ سے یہ بھی فرماتے ہوئے سنا کہ اہل علیین کی رُوحیں چند وجوہ
مقامات پر ہوں گی: اور کافروں کی سب سے نیچے ہوں گی پھر ابن مُبارک نے کہا کہ شیخ رضی اللہ عنہ
نے فرمایا کہ وہ رُوحیں جو اعمال دنیا پر تھیں جب تک دنیا کا [illegible] ہو جائے گا اور کوئی [illegible]
گنبد برزخ کے سوراخ میں باقی نہیں رہ جائے گی تو اس وقت قیامت قائم ہو جائے گی اور یہ
ابن مُبارک نے شیخ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اس سے تو معلوم ہوا [illegible]
[illegible] قیامت کا [illegible] رکھتے ہیں [illegible]

اِنَّ اللّٰہَ عِنۡدَہٗ عِلۡمُ السَّاعَۃِ ۚ وَیُنَزِّلُ الۡغَیۡثَ[1] (آیت)
ترجمہ: بے شک اللہ کے پاس قیامت کا علم ہے اور وہی مینہ برساتا ہے۔

اور رسول کریم صلے اللہ علیہ والہ وسلم کا بھی پانچ چیزوں[2] کے متعلق ارشاد ہے کہ انہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اس پر آپ رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا کہ حضور کا یہ فرمانا اسی خاص وقت میں تھا کسی حکمت کے تحت ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت مذکور کی پانچوں چیزوں میں سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں اور آپ پر یہ پانچ چیزیں کیسے مخفی رہ سکتی ہیں جب کہ آپ کی اُمت کے سات قُطب بھی انہیں جانتے ہیں اور قُطب کا درجہ غوث سے کم ہوتا ہے تو غوث پر یہ چیزیں مخفی نہیں رہتیں حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام تو وراء الوریٰ ہے کیونکہ آپ ہر چیز کا اصل سبب ہے اور آپ ہی سے ہر ایک چیز وجود میں آئی ہے، پھر آپ رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا کہ میں نے خود کتنی مرتبہ (شہر فاس) کے قبرستان میں اپنی آنکھوں سے ان انوار کو دیکھا جو زمین سے نکل کر برزخ کی طرف زمین سے اُگنے والے گنے کی طرح اُٹھ رہے ہیں اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ یہ انوار اللہ کے برگزیدہ اولیائے کرام کے تھے، اور آپ رضی اللہ عنہٗ کئی بار فرمادیتے تھے یہاں اللہ جل شانہٗ کے ایک بڑے ولی کا ٹھکانہ ہے اور یہ اس کا نور نکل کر برزخ کی طرف جارہا ہے۔ یُونہی وہ نُور ہمارے آقا و مولیٰ کی آرامگاہ میں ہے، آپ صلے اللہ علیہ وسلم کا نورُ ایمان آپ کی قبر شریف سے برزخ کی طرف ستون کی طرح سیدھا بڑھتا ہے جس میں آپ کی رُوح مُبارک ہوتی ہے ملائکہ ٹولیوں کی شکل میں آکر اس پھیلے ہوئے نُور کے ارد گرد طواف کرتے ہیں اور اسے چھوتے ہیں اور اس سے لپٹتے ہیں جس طرح شہد کی مکھیاں اپنی ملکہ شہزادی کے ساتھ چپٹتیں ہیں پھر ہر فرشتہ عاجز ہوکر رہ جاتا ہے یا تو کسی خاص راز کی وجہ سے یا کسی کام کی برداشت نہ رکھنے کی وجہ سے یا اس پر سکتہ طاری ہوجاتا ہے یا اس کا ایسے مقام پر آکر حضور کے نُور کا طواف کرنا اسے محو حیرت کر دیتا ہے لیکن وہ ایک بار پھر طواف کرتا ہے تو اسے ایک عظیم قوت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نُور سے حاصل ہوجاتی ہے پھر وہ اپنے مقام پر لوٹ

---

[1] سورۂ لقمان، آیت ۳۴، پارہ ۲۱۔

[2] علم قیامت[1]، بارش کا برسنا[2]، کل کی کمائی[3]، شکم مادر میں کیا ہے[4]، اور موت کہاں واقع ہوگی[5]، (مترجم)

آتا ہے اور اس کے کام میں بخیگی ہو جاتی ہے اور ابھی وہ فرشتہ فارغ نہیں ہوتا کہ فرشتوں کی ایک جماعت آجاتی ہے اور ہر ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کا طواف جلدی جلدی کرنا چاہتا ہے ابن مبارک نے کہا کہ مجھے ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ نے جب مجھ پر اپنی رحمت کا دروازہ کھولنے کا ارادہ کیا تو میں نے اپنی دیدۂ بینا سے دیکھا کہ (فاس شہر) سے آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کو دیکھ رہا ہوں کہ اس سے نور نکل رہا ہے میرے دیکھتے دیکھتے وہ نور میرے بالکل قریب ہو گیا اور اسے دیکھ بھی رہا ہوں جب وہ نور میرے عین قریب آگیا تو اس سے ایک شخص نکلا اور وہ ہمارے آقا و مولیٰ حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم ہی تھے تو مجھے سیدی عبداللہ برناوی فرماتے کہ سیدی عبدالعزیز تجھے اللہ تعالےٰ شانہٗ اپنی رحمت سے ملا لیا ہے اور یہ رحمتِ الٰہی حضور ہی کی ذات ہے اور میں آپ پر شیطانی مکر و فریب کا اب کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتا ہوں اور ابریز شریف میں عالمِ برزخ سے متعلق بہت سے فوائد مذکور ہیں اگر شوق ہو تو اس کا مطالعہ کیجیے۔

جنّت اور اس کے مناظر

سیّدی عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے فرمودہ ارشادات میں سے یہ وہ ارشاد ہے کہ میں نے ابن مبارک کے حوالے سے گیارہویں باب کے پہلے فوائد میں سے لیا ہے ابن مبارک نے کہا کہ میں نے شیخ رضی اللہ عنہ سے سنا آپ فرما رہے تھے کہ دنیا کی جتنی نعمتیں ہیں خواہ وہ سننے میں آئی ہوں یا نہ وہ سب جنت الفردوس تمام جنتوں سے افضل و ارفع و اعلیٰ ہے حالانکہ ہرگز ایسا نہیں، جنتوں میں ایک ایسی جنت ہے جس میں کوئی مادی نعمت بھی نہیں ہے لیکن وہ جنت الفردوس سے افضل و اعلیٰ ہے اور یہ وہ جنت ہے جس میں ذاتِ حق سبحانہٗ کا مشاہدہ کرنے والے انبیائے علیہم السلام اور اولیائے کرام مستقل قیام فرمائیں گے، آپ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جنت الفردوس میں زیادہ تر ہمارے آقا و مولیٰ اور ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے لوگ ہوں گے اور ہمارے سردار حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی اُمت سے بے پناہ محبت ہے اور آپ صلے اللہ علیہ وسلم جنت میں اپنی اُمتیوں کو دیکھنا پسند کیا کریا

گے اور انہیں پیام رحمت دیا کریں گے، اور رحمت اللعالمین کی یہی شان ہے۔ اسی لیے اللہ جل شانہٗ کے جنتِ انبیاء و اولیاء اور جنت الفردوس کے درمیان رابطہ قائم کر رکھا۔ اس میں مشاہدہ کی نعمت ہے اور جنت الفردوس میں خارجی اور مادی نعمتیں ہیں اور ان دونوں جنتوں کے عین درمیان میں حضور پُر نُور صلے اللہ علیہ وسلم کا مقام ہے اور یہ مقام آپ کے سوا کسی کو نصیب نہ ہوگا، حضور علیہ السلام وہاں رہ کر اپنی تمام اُمت کو پیام رحمت دیں گے اللہ ہمیں بھی حضور کے انہی امتیوں میں شمار فرمائے اور توفیق ہو کہ ہم حضور کی کسی سُنت اور طریقہ سے اعراض اور بے رغبتی نہ کریں۔ آپ رضی اللہ عنہٗ نے کہا وہ مقام جہاں حضور علیہ السلام تشریف فرما ہوں گے وہ علیین نہیں ہوگا بلکہ اسے (دار المزید) یعنی بڑھتے انعاموں کا گھر کہا جاتا ہے اور مشاہدہ حق کے سوا اس میں کوئی اور نعمت بھی نہیں لیکن وہ جنت اس کے رہنے والوں کے لیے بہت عزیز ہوگی کیونکہ وہ اس میں ہر نعمت کی لذت محسوس کریں گے اور اس جنت والے ایک خاص رُوحانی لذت بھی محسوس کریں گے جب کہ دوسری جنتوں والے رُوحانی لذت نہ پائیں گے صرف جسمانی اور مادی لذتیں پائیں گے اور اگر کوئی ان دونوں لذتوں کے مجموعہ کو پائے گا تو وہ فقط پہلے اور بعد والوں کے سردار حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہی ہوں گے انہیں معرفتِ اسرار اور مشاہدہ کی بدولت یہ قدرت ہوگی ایک ساتھ جنت میں رُوحانی اور جسمانی لذت محسوس کریں گے۔ اس کے باوجود آپ حق سبحانہٗ سے ایک لمحہ بھی غافل نہیں رہیں گے کیونکہ اسی سے انھیں یہ طاقت اور قدرت میسر ہو گی۔

جنت بھی حضور پر درُود و سلام پڑھتی ہے

یہ بات بھی سیدی عبدالعزیز دباغ رحمہ اللہ علیہ کے ارشادات میں سے ہے کہ جنت بھی حضور پُر نُور صلے اللہ علیہ وسلم پر بہت زیادہ درُود و سلام پیش کرتی رہتی ہے کیونکہ اس کی اصل بُنیاد بھی حضور علیہ السلام کے نور سے ہے اور جس طرح بچہ رو کر اپنے باپ سے لپٹتا ہے اسی طرح وہ آپ حضور سے لپٹتی ہے اور جہاں کہیں جنت آپکا ذکر خیر سُن لے اس طرف لپکتی اور اُڑتی چلی جاتی ہے کیونکہ جنت کو آپ کے ذکرِ خیر سے اصل راحت اور سیرابی حاصل ہوتی ہے، پھر آپ رضی اللہ عنہٗ نے ایک چارپائے کی مثال ذکر کرتے ہوئے کہا وہ چارپایہ جو اپنی خوراک گھاس

اور جو وغیرہ کے لیے بھوک کی سختی سے بے تاب ہو اور چارپائے کو بھوک کے عالم میں جو پیش کر دیئے جائیں جوں ہی وہ جو کی بو محسوس کرے گا تو وہ اس شخص کے قریب آجائے گا جس کے پاس جو ہوں گی اور جب وہ شخص ذرا ہٹے گا تو وہ چوپایہ اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہے گا یہاں تک کہ وہ چوپایہ اس سے اپنی مطلوبہ خوراک حاصل کرے گا، اسی طرح جنت بھی اپنے مربی و محسن حضور پُرنور کے پیچھے پیچھے چلتی ہے اور یونہی وہ فرشتے جو جنت کے گوشوں اور دروازوں پر رہتے ہیں ہر وقت حضور ہی کا ذکر خیر کرتے رہتے ہیں ان سے جنت یہ ذکر سن کر دفور شوق سے روتی ہے اور ان فرشتوں کی طرف چلتی ہے اور وہ سب اس کی حوالی و اطراف میں ہی ہوتے ہیں پھر وہ اپنی تمام اطراف میں پھیلتی چلی جاتی ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر جنت کو اللہ تعالیٰ نے منع نہ کیا ہوتا حضور کی ظاہری زندگی میں ہی جنت دنیا پر نکل آتی اور حضور کے ساتھ ساتھ چلتی اور جہاں آپ جاتے وہیں جاتی اور جہاں آپ رات قیام فرماتے وہ بھی وہیں رات بسر کرتی لیکن حق سبحانہٗ نے اسے حضور کی طرف نکلنے سے منع کر رکھا ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا غیب کے درجہ پر قائم ہے آپ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور علیہ السلام اور آپ کی اُمت جب جنت میں داخل ہو گی تو خوشی سے پھیلتی جائے گی اسے آپ اور آپ کی اُمت کے داخلے سے بے حد مسرت و شادمانی حاصل ہو گی پھر جب دیگر انبیائے عظام اور ان کی اُمتیں جنت میں داخل ہونے لگیں گی تو جنت تنگی اور گھٹن محسوس کرے گی وہ جو لوگ جنت سے کہیں گے کہ تو کیوں سمٹ رہی ہے تو جنت برملا جواب دے گی کہ نہ میں تم سے ہوں اور نہ تم مجھ سے ہو اسی اثنا میں ان لوگوں کو حضور علیہ السلام کی مدد پہنچے گی۔

ذکرِ مصطفیٰ سے جنت بڑھتی ہے

ابن مبارک نے کہا کہ میں نے شیخ رضی اللہ عنہ سے سُنا کہ بے شک حضور پر پڑھا جانے والا صلوٰۃ و سلام یقیناً اور قطعی طور پر قبول کیا جاتا ہے اور اس میں ذرا برابر شک نہیں کہ حضور پر درود و سلام پڑھنا افضل الاعمال یعنی ہر بہتر کام سے بھی بہتر ہے اور یہی ذکر درود و سلام جنت کی اطراف میں بسنے والے فرشتے کثرت سے کرتے رہتے ہیں اور اس کی برکت سے جنت بڑھتی رہتی ہے نہ فرشتے

حضور پر درود وسلام پڑھنے میں غفلت کرتے ہیں اور نہ ہی جنت بڑھنے سے کوتاہی کرتی ہے، اور ذکر حضور کرتے کرتے چل پڑتے ہیں اور جنت ان کے پیچھے چل نکلتی ہے اور جنت بڑھنے سے نہیں رکتی۔ یہاں تک کہ وہ فرشتے تسبیح کرنے لگتے ہیں اور ابھی تسبیح سے کسی دوسرے عمل کی طرف مصروف نہیں ہوتے کہ اہل جنت پر حق سبحانہ کی تجلیات پڑنا شروع ہو جاتی ہیں جب ان تجلیات کا مشاہدہ ملائکہ کریں گے تو وہ دوبارہ تسبیح میں مصروف ہو جائیں گے، پھر جنت کی بڑھوتری رک جائے گی اور جنت کا بڑھنا حضور علیہ السلام پر درود وسلام کی برکت سے ہی ہے لیکن درود وسلام کی قبولیت کے لیے پاک ذات اور صاف دل کا ہونا ضروری ہے کیونکہ پاک شخص اور صاف دل میں ریا تصنع بناوٹ اور دیگر برائیاں نہیں ہوتیں اور حدیث رسول :-

مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ ۔ ترجمہ: یعنی جس نے لاالہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

کا بھی یہی مفہوم ہے کہ جب کسی شخص کی ذات پاک ہوگی اور دل صاف ہوگا تو اس وقت اس کا یہ کلمہ کہنے میں مخلص اور صرف رضائے مولیٰ کا طالب ہوگا۔ یہ آخری فائدہ ہے جسے میں نے گیارہویں باب سے نقل کیا اس فائدے کا بارہویں باب میں کوئی ذکر نہیں ہے اور بارہواں باب ابریز کا آخری باب ہے اور اس باب میں ہمارے مدعیٰ کے مطابق کوئی بات نہیں ہے پروردگار عالم حمد وستائش کے لائق اور اللہ تعالیٰ حضور پر نور منتہی المرتبت صلے اللہ علیہ وسلم پر رحمت نازل فرمائے۔ فرمودات دباغ رحمۃ اللہ علیہ اختتام کو پہنچے۔

حضرت امام علامہ شیخ محمد بن عبد الباقی زرقانی

شارح مواہب لدنیہ المتوفی سنہ ۱۱۲۲ھ

رحمۃ اللہ علیہ

کے

فرمودات گرامی

امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ کے فرمودہ ارشادات میں سے ایک ارشاد مواہب کی شرح میں مصنف کے مقصد اوّل کے آغاز میں یوں ہے، جاننا چاہیے کہ جب حق سبحانہٗ نے مخلوق کی ایجاد اور تقدیر اور رزق کے متعلق ارادہ کیا تو حقیقتِ محمّدی کو ظاہر فرمایا اور یہ ذات اپنی پہلی تعریف میں ٹھہری ہوئی تھی اور لطائف کاشی میں حقیقت محمّدی کی وجہ تسمیہ یوں بیان کی گئی ہے کہ چونکہ یہ حقیقت بہت سے حقائق کو شامل ہے اور اپنی کلیت اور جزئیت سے ان حقائق میں سرایت[1] کئے ہوئے ہے اور کہا کہ حقیقت محمّدی دراصل جملہ حقائق کی اصل اور اساس ہے اور یہ حقیقت تمام حقائق کے لیے واسطہ اور وسیلہ ہے اور یہ حقیقت بالکل وہی نورِ احمدی ہے جس کی طرف حضور علیہ السلام کے اس ارشاد سے اشارہ ہے۔

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ۔ ترجمہ: یعنی سب سے پہلے اللہ نے جو چیز پیدا کی وہ میرا نور ہی ہے۔

اس اعتبار سے حضور علیہ السلام سرچشمۂ انوار اور تمام رُوحوں کی اصل اور ہر کامل کے کمال کی آخری انتہا ہیں کیونکہ آپ کے بعد آپ جیسا اللہ تعالیٰ کسی کو پیدا ہی نہیں کرے گا۔

حضور کے متعلق اللہ نے انبیاء سے عہد لیا

مقصد اوّل میں اس آیت کی شرح کرتے ہوئے امام زرقانی فرماتے ہیں:۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ	ترجمہ: اور یاد کرو جب انبیاء سے پکا وعدہ
النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ	لیا کہ ضرور میں تمہیں کتاب و حکمت دوں گا
كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ	پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے گا۔ جو
رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ	تمہارے پاس کی چیز کی تصدیق کرنے والا

---

[1] فلاسفہ کے نزدیک سرایت اس تاثیری قوت کا نام ہے جو دوسری چیز کو متاثر اور منفعل بنا دے جیسے لکڑی کو میخ کیل اور پانی اور دودھ کو شکر و شہد، علامہ میبدی اور صدرا میں حلول کے ذیل میں ایسی امثلہ مذکور ہیں۔ پہلی حلول طریانی اور دوسری حلول سریانی کہلاتی ہے۔ (سید امیر محمد شاہ مترجم)

لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ[1] ہوگا، ضرور تم اس کے ساتھ ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔

بغوی نے اس آیت کے معنی میں اختلاف بیان کیا ہے کہا گیا کہ انبیاؑ سے یہ وعدہ یوں لیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی کتاب اور اپنی رسالت کی تبلیغ واشاعت کریں اور ایک دوسرے کی تصدیق کریں اور اللہ نے ہر نبی سے یہ عہد لیا کہ وہ ہر بعد میں آنے والے نبی پر ایمان رکھے اور اس کی مدد کرے اگر وہ نبی اس کے زمانہ میں ظاہر ہو، اور جناب موسیٰ علیہ السلام سے یہ عہد لیا کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں اور جناب عیسیٰ علیہ السلام سے حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے متعلق عہد لیا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مجموعی طور پر تمام انبیاؑ سے حضور علیہ السلام کے متعلق عہد لیا گیا، اور اخذ میثاق یعنی وعدہ لیے جانے میں بھی اختلاف ہے، کہا گیا ہے کہ سب انبیا اور ان کی اُمتوں سے وعدہ لیا گیا اور اس عہد میں انبیاؑ کے ذکر کو اس لیے کافی سمجھا گیا کہ مقتدیٰ اور متبوع سے عہد لیا جانا مقتدی اور تابع کے عہد کو شامل ہے جناب علی اور ابن عباس نے یہی مُراد لی ہے۔

ابن مسعودؓ والی قرأت میں مجاہد اور ربیع کا قول ہے کہ یہ وعدہ ان اہل کتاب سے لیا گیا ہے جن سے انبیاؑ کرام بھیجے گئے اللہ کے قول ثُمَّ جَاءَكُمْ کو آخر تک پڑھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ آنحضرت انبیاؑ کے سوا اہل کتاب کی طرف مبعوث ہوئے اس پر ابن مسعودؓ اور ابی کی قرأت صاف دلالت کرتی ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ۔ ترجمہ: اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے پکا وعدہ لیا جنہیں کتاب دی گئی۔

اس آیت کی مشہور قرأت سے مُراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاؑ سے ان کی اُمتوں پر وعدہ لیا کہ جس عہد کے وہ خود پابند ہیں اس پر اپنی اُمتوں کو بھی عملاً قائل کریں۔ پھر امام زرقانی نے مواہب کے اس قول :-

فَاِذَا عُرِفَ هٰذَا فَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ترجمہ: جب یہ جان لیا گیا تو ثابت ہوا کہ حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم نبیوں کے نبی ہیں اسی

---

[1] پ ۳، سورہ آل عمران، آیت ۸۱۔

نَبِيُّ الْاَنْبِيَآءِ وَلِهٰذَا ظَهَرَ فِي الْاٰخِرَةِ یہ آخرت میں ظاہر کر دیا جائے گا کہ تمام انبیاء
جَمِيْعُ الْاَنْبِيَاءِ تَحْتَ لِوَائِهٖ آپ کے جھنڈے تلے ہیں۔

سرکار سے تمام مخلوق پناہ لے گی۔

جس طرح حضور علیہ السلام نے حدیث انس رضی اللہ عنہ میں احمد کے سامنے کہا کہ میرے ہاتھ میں
لواء الحمد ہوگا کہ آدم اور اس کے سوا میرے اس جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ اس حدیث مقتبہ معنی
یہی ہے جسے دھو معنوی سے تعبیر کیا گیا ہے اس میں تمام مخلوق کے سروں پہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم
کو قیامت کے دن امتیاز اور شہرت ہوگی طیبی اور سیوطی نے اس معنی کی توثیق کی ہے یا اس سے
مراد حقیقی معنی ہے کہ آں حضرت کی ذات تمام مخلوق پر سائبان کی مانند ہوگی آپ حضور کی حقیقت
اللہ بہتر جانتا ہے۔ تورپشتی اور طبری نے آدم اور اس کے سوا کی تعبیریوں کی ہے کہ جب حضور
علیہ السلام کی ذات دو جہانوں میں سب مخلوق سے زیادہ حق سبحانہٗ کی تعریف کرنے والی ہے تو انہیں
یہ مقام عطا کر دیا گیا کہ وہ پہلے اور بعد میں آنے والوں کو پناہ دیں اور سب مخلوق آپ سے پناہ لے۔

جس جگہ آپ کا جسم اطہر ہے وہ جگہ زمین کے تمام قطعات سے افضل ہے۔

امام عسقلانی سرکار کی ہجرت پر مواہب کا شرح مقصد اول میں فرماتے ہیں مواہب کی اصل
عبارت یوں ہے

وَقَعَ الْإِجْمَاعُ عَلٰى اَنَّ اَفْضَلَ ترجمہ: اس بات پہ اتفاق ہے کہ جس جگہ
الْبِقَاعِ الْمَوْضِعُ الَّذِيْ ضَمَّ کو آپ کے اعضا مبارکہ سے شرف ملتا ہے
اَعْضَاءَهُ الْكَرِيْمَةَ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَ وہ زمین کے تمام حصوں سے افضل ہے
سَلَامُهُ عَلَيْهِ۔ جہاں کہ آپ کا جسم اقدس ہو۔

سرکار کا روضہ منورہ کعبہ سے بھی افضل ہے کیونکہ آپ بنفس نفیس تشریف فرما ہیں
حضرت سبکی نے یہ قاضی عیاض سے نقل کیا ہے کہ سرکار کا روضہ عرش معلیٰ سے بھی افضل ہے جن علما
نے سرکار کے روضہ کی تمام آسمانوں پر فضیلت کی تصریح کی ہے ان میں ابن عقیل

یہ ہے کہ انبیاؑ کی ارواح اور جسموں کے مقامات زمینوں اور آسمانوں کی ہر دوسری جگہوں سے اشرف و اعلیٰ ہیں، بعض لوگوں کو اس امر میں اختلاف ہوا کہ زمین افضل ہے یا آسمان اس پر شیخ الاسلام بلقینی نے تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ زمین و آسمان کے تمام قطعات سے بالاتفاق حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی جگہ افضل ہے اس پر عزبن عبدالسلام نے اشکال وارد کیا ہے کہ تفضیل کا دارو مدار ثواب عمل پر ہوتا ہے کسی جگہ یا کسی وقت میں عمل کرنے سے دوسری جگہ یا دوسرے وقت سے زیادہ ثواب ہوتا ہے اور آپ کے روضہ میں کوئی عمل نہیں ہوتا اشکال کو بلقینی کے شاگرد رشید علامہ شہاب الدین قرافی نے یوں رد کر دیا کہ اس تفضیل کا ثواب عمل پر دار و مدار نہیں بلکہ یہ فضیلت قربِ خاص اور تشریف فرما ہونے کی وجہ سے ہے جس طرح قرآن مجید کی جلد کو دنیا بھر کی تمام جلدوں پر فضیلت ہے کہ قرآن کی جلد کو بلا وضو اور ناپاکی کی حالت میں ہاتھ لگانا شرعاً جائز نہیں بلکہ منع ہے اور یہ ہاتھ نہ لگانا کثرتِ ثواب کی وجہ سے نہیں، ورنہ لازم آئے گا کہ جس کو وہ ہاتھ لگا رہا ہے وہ قرآن کریم ہی نہ ہو یا قرآن کریم دوسری کتابوں سے افضل نہ ہو پھر عمل کرنا تو قرآن میں متعذر اور مشکل ہے اور دین ضرورت پر محمول ہے فضیلت کے اسباب ثواب سے بہت عام ہیں اور ان اسباب فضیلت کے لیے بیس ۲۰ ضوابط اور قواعد ہیں جن کا بیان کتابِ فروق میں ہے۔ پھر امام زرقانی نے کہا بلکہ اس سے بھی زیادہ تعداد ہے اور ان کا شمار کرنا صحرا نوردی سے کم نہیں ہے اس بات کو تقی الدین سُبکی نے یوں پیش کیا ہے کہ کبھی کبھی فضیلت کثرتِ ثواب اور کبھی کسی دوسری وجہ سے بھی ہوتی ہے اگر سرکار اپنی قبر شریف میں کوئی عمل نہ بھی کریں تو آپ پر اللہ کی رضا اور رحمت نازل ہوتی ہے اور فرشتے آپ کے پاس اُترتے ہیں اور حق سبحانہ کو آپ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آرام گاہ سے اتنی محبت ہے کہ عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف دنیا بھر کی تمام جگہوں سے افضل نہ ہو اور اگر عزبن عبدالسلام کی بات مان بھی لی جائے تو یہ بات بھی کہی جا سکتی ہے کہ ہر ایک شخص وہیں دفن کیا جاتا جہاں وہ پیدا ہوا ہو تو اس اعتبار سے آپ کے اعمال آپ کی ظاہری زندگی سے قبر شریف میں دُگنے ہو رہے ہیں کیونکہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے اعمال سے دُگنے ہیں، اور سمہوری نے کہا ہے کہ وہ رحمتیں جو آپ کی قبر شریف پر شب و روز نازل ہوتی ہیں ان کا فیض اُمت کو عام ہے اور یہ رحمتیں احاطہ گنتی سے باہر ہیں۔

کیونکہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے درجات ہمیشہ سے بڑھ رہے ہیں۔

حضور پُرنُور اپنے خصائل اور محاسن میں کوئی ثانی اور مماثل نہیں رکھتے۔

امام زرقانی مواہب کے تیسرے مقصد کی شرح میں نبی علیہ السلام کے شمائل وخصائل پر فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے :۔

اِنَّ اللّٰہَ اَدَّبَنِي فَاَحْسَنَ تَادِیْبِي۔ بے شک اللہ نے مجھے بہترین آداب سکھائے۔

یعنی اللہ نے مجھے ریاضتِ نفس اور محاسن اخلاق کی ظاہری اور باطنی فضیلت عطا فرمائی اور مجھے وہ غیبی علوم عطا فرمائے کہ اس کی تمام مخلوق میں مثال ہی نہیں مل سکتی، اور بعض عارفوں نے کہا کہ حق تعالٰے نے حضور کی آدابِ بندگی سے تربیت فرمائی اور مکارمِ اخلاق کی اشاعت میں مہذب فرمایا کیونکہ اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجنے سے قبل ارادہ فرما رکھا تھا کہ آپ کا بندگی کرنا دنیا کے لیے ایک بہترین نمونہ ثابت ہو جس طرح حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔

صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ۔ یعنی جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو اسی طرح نماز پڑھا کرو۔

یہ آپ کے عبادت کرنے کی ظاہرداری ہے، اور آپ کے باطن کے حالات صادقوں اور صدیقوں کے لیے یعنی جو لوگ آپ کی اتباع اور آپ کی سیرت کو اپنی کامیابی کا راز سمجھتے ہیں کے لیے مشعلِ راہ ہے اللہ کے اس ارشاد سے بھی اشارہ ہے:۔

فَاتَّبِعُوْنِيْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ[۱] تم میری اطاعت کرو اللہ تمہیں دوست بنالے گا۔

قرطبی نے کہا ہے کہ ذاتِ حق نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو عالمِ بچپن میں ہی ہر بد اخلاقی سے محفوظ رکھا اور بہترین آداب واطوار کا وارث بنایا اخلاق ومحاسن کے جاننے میں حضور کو کسی غیر کا محتاج نہ کیا یونہی اللہ تعالٰے آپ کی تربیت فرماتا رہا یہاں تک کہ آپ کو حالاتِ جاہلیت

---

[۱] پ ۳، سورۃ آلِ عمران آیت ۳۱،

سے غیرت اور نفرت آنے لگی، اور آپ پر کوئی جاہلانہ رسم غالب نہ ہو سکی بلکہ دورِ جاہلیت کی ہر برائی آپ تک آنے کے بعد اچھائی سے بدل جاتی اور آپ کے پاس اس دور میں بھی محاسن جمع ہوتے رہے۔

اور بعض نے کہا ہے ذات حق نے محل قرب میں رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی مبارک روح کو آپ کے بدن کے ساتھ ملانے سے پہلے ہی اپنی عنایت اور قدرت سے آداب سکھا دیئے تھے اللہ کی عنایت سے آنحضرت کی انس و محبت مکمل ہوئی اور ذاتِ حق کی ہیبت و قدرت سے آپ کا ادب تمام ہوا پھر بعد ازیں آپ کی روح کو آپ کے بدن سے ملا دیا تاکہ آپ کی روح کا بدن کے ساتھ ملنے سے ان کمالات کی تفصیل ہو جائے جو ابھی معرضِ اجمال میں تھے، اور اس لیے کہ ہر روح اور بدن اپنے کمال کو جو اس کے حال سے مناسب ہو آپ کے وسیلہ سے پہنچ جائے، اور آپ کی ذات اہلِ کمال کی قائد اور پیش رو بن جائے، اچھی زبان اور اچھے کام کے استعمال کو ادب کہا جاتا ہے۔ یا اچھے اخلاق کے استعمال کو ادب کا نام دیا جاتا ہے اسی طرح اچھے کاموں پر پابند رہنے اور بڑے کی تعظیم اور چھوٹے پر شفقت کرنے کو بھی ادب کہا جاتا ہے۔ مواہب کے تیسرے مقصد میں تشریح کرتے ہوئے امام زرقانی کا ارشاد ہے۔

وَكَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْزَحُ وَلَا يَقُوْلُ إِلَّا حَقًّا۔	یعنی آپ صلے اللہ علیہ وسلم خوش طبعی کیا کرتے تھے لیکن اس میں بھی سچائی اور راستی ہی ہوتی تھی۔

حضور علیہ السلام خوش طبعی لوگوں کی رعایت کے لیے فرمایا کرتے تھے کیونکہ انھیں آپ کے حال کے مناسب زیادہ بے قراری اور افسردگی کا امر تھا اور آپ کے طریقہ کی اقتداء پر مامور تھے۔ اگر زبان کی آزادی اور وسعت ترک کر دی جاتی تو مزید افسردگی لازم آتی کیونکہ لوگ اسے خلافِ طبع سمجھتے تھے، اور اس صورت میں لوگوں کو تنگی اور مشقت سے دوچار ہونا پڑتا، تو آپ خوش طبعی فرماتے کہ وہ لوگ خوش رہیں یہ بات ابن قتیبہ نے کہی ہے، اور خطابی کہتے ہیں کہ بعض اکابرین سے آپ کی خوش طبعی کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے کہا چونکہ حضور مظہر جلالت کبریا تھے اس لیے آپ لوگوں کو اپنی قدرتی ظرافتِ طبع سے خوش فرما دیتے۔

محبوبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم وحی کی حالت میں

مواہب کے چوتھے مقصد میں خصائص مُصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم والے قول کی تشریح پر امام زرقانی کا ارشاد ہے۔

وَمِنْهَا اَنَّهٗ كَانَ يُؤْخَذُ عَنِ الدُّنْيَا حَالَةَ الْوَحْيِ۔

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ایک خاصہ یہ بھی تھا کہ آپ حالت وحی میں دُنیا سے بے نیاز کر دیئے جاتے تھے اور بوقت نزول وحی دُنیا سے مکمل الگ تھلگ ہوا کرتے تھے۔

بخاری اور مُسلم کی حدیث میں حضور علیہ السلام کی حالت وحی کو اس لیے واضح کیا گیا ہے کہ آں حضرت نزولِ وحی کے وقت سے لے کر اختتامِ وحی اور وحی لانے والے فرشتے کی علیحدگی تک عام حالت دنیوی سے غیبی اور استغراقی حالت میں رہتے تھے، سراج بلقینی نے کہا ہے کہ وحی کے وقت حضور علیہ السلام ایک برزخ میں ہوا کرتے تھے جو موت کے بالکل قریب ہوتا ہے اس دنیا وما فیہا سے آپ کی مکمل علیحدگی ہوتی تھی، جب عام برزخ میں میّت پر بہت سے حالات کھُلتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبُوب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو زندگی میں ہی اس برزخ کے ساتھ خاص فرما دیا جس میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوتی ہے اور وہ برزخ بہت سے رموز و اسرار پر مشتمل ہوتا ہے اور بہت سے بندگانِ حق عالم خواب یا عام حالت میں اس برزخ میں داخل ہو کر حضور علیہ السلام کے وسیلے سے بہت سے اسرار پر اطلاع پا لیتے ہیں اس پر یہ حدیث شہادت اور گواہی دے رہی کہ مومن کا خواب نبوّت کا چھیالیسواں حصہ ہوتا ہے۔

ایک حدیث کی وضاحت

مواہب کے چوتھے مقصد میں ایک قول کی تشریح میں امام زرقانی فرماتے ہیں کہ شیخ تاج الدین بن عطا اللہ اپنی کتاب لطائف المنن میں ذکر کرتے ہیں کہ شیخ ابوالحسن شاذلی نے کہا میں نے خواب میں حضور علیہ السلام کو دیکھا اور آپ صلے اللہ علیہ السلام سے اس حدیث رَایْتُ غَانَ عَلٰی

قَلۡبِیۡ، تاکہ وہ میرے دل پر کیف وسُرور کے بادل اتار دے، کے بارے پوچھا تو حضور علیہ السلام نے مجھے فرمایا اے مُبارک[1] یہ انوار کے بادل ہیں غبار کے نہیں، محاسبی نے کہا مقربین حق انبیائے کرام اور ملائکہ اگرچہ عذاب الٰہی سے بے خطر ہوتے ہیں تاہم انہیں اللہ کی جلالت وعظمت کا خوف ضرور ہوتا ہے۔ سہروردی نے کہا کہ ہم اس بات کے قائل نہیں کہ دل کی بصیرت کا دھندلا جانا نقص کی علامت ہے بلکہ وہ کمال ہے یا تکمیل کمال کا ذریعہ ہے پھر اس کی مثال آنکھوں کی پلکوں سے دی کہ پلک جھپکتے رہنے میں آنکھوں سے تنکے اور گرد و غبار دُور رہتی ہے اسی طرح رُوحانی بصیرت کے لیے ایک حجاب کی ضرورت ہے تاکہ اس پردہ سے بصیرت کی حفاظت ہوتی رہے اگرچہ ظاہر داری میں یہ نقص معلوم ہوتا لیکن درحقیقت یہ کمال کی صورت ہے، اسی طرح سرکار کی بصیرت بھی ذواتِ اغیار کی اٹھنے والی گرد سے اَٹ جاتی ہے ایسی صورت لاعلمی سے مطلقاً نہیں ہوتی بلکہ آپ کی بصیرت کا دفاع ہوتا ہے یہ ان کی کلامِ طویل کا خلاصہ ہے اور حضور علیہ السلام کے استغفار کرنے پر ایک اشکال وارد کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ آں حضور تو معصوم ہیں اور استغفار کرنا معصیت کے وجود کا متقاضی ہے، اس اشکال کے کئی جواب ہیں جن میں سے ایک جواب لیغان علی قلبی کے ذیل میں ہو چکا، اور ان جوابات میں سے ایک ابن جوزی نے بھی ذکر کیا لیکن اس جواب کو بیہودہ اور بے عقل بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں اس نے یوں کیا ہے کہ انبیا اگرچہ کبیرہ گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں لیکن وہ صغیرہ گناہوں سے معصوم نہیں ہوتے یہ کہہ کر اس نے مذہب مختار کا خلاف کیا اور مذہب مختار یہی ہے کہ انبیا ارتکاب صغائر سے بھی معصوم ہوتے ہیں۔ ان جوابات میں ایک جواب ابن بطال نے ذکر کیا ہے کہ انبیائے عظام عبادت کرنے کی جہد مسلسل کرنے میں عام لوگوں کی نسبت بہت زیادہ مضبوط ہوتے ہیں کیونکہ ذات حق نے انہیں اپنی معرفت سے نوازا ہوا ہوتا ہے اور وہ اللہ کا شکر کرنے کے عادی ہوتے ہیں اور اس کے سامنے اپنی خلاف اَولیٰ بات سے معذرت اور اعتراف کرتے رہتے ہیں، ان کے جوابات کا ماحصل یہ ہے کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کا استغفار فرمانا معصیت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حق ادائیگی میں بتقاضۂ بشریت سہو یا کوئی کمی

---

[1] محمد مُبارک ابوالحسن شاذلی کا اصل نام ہے۔ (مترجم)

کمی باقی رہ جانے کی وجہ سے تھا، اور یہ بھی احتمال ہے کہ روزمرہ کے معمولات بشری جو درجہ اباحت میں بھی ہیں مثلاً کھانا، پینا، جماع، سونا، آرام کرنا، لوگوں سے بات چیت کرنا، اور مصالحتی اُمور پر غور کرنا، دشمن سے جنگ کرنا، پیغام خیرسگالی فراہم کرنا، اور دوسروں کا دل جیتنے جیسے اعمال۔ اللہ کے مشاہدے اور مراقبے اور تضرع وزاری سے قدرے باز رکھ سکتے ہیں، اور اونچے درجہ کا شخص از خود ان رکاوٹوں کو گناہ تصور کر لیتا ہے اگرچہ واقعہ میں یہ اُمور گناہ نہیں ہیں اور اونچے مقام کے شخص کی شان زیبائی یہ ہے، کہ وہ بارگاہِ حق میں ہر لحہ اور ساعت حاضر رہے ایک لحہ سہواً غیر حاضری کی وجہ سے آپ نے استغفار کیا ہو، اور ان جوابات میں سے ایک جواب یہ بھی ہے کہ حضور علیہ السلام کا استغفار کرنا تعلیم اُمت اور اُمت کی شفاعت کے لیے تھا، اور غزالی نے کہا ہے سید دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم دائم ترقی کے مقام پر فائز ہیں جب ایک حال سے دوسرے پر ترقی فرماتے تو پہلے حال کو دوسرے کی نسبت گناہ کا درجہ دیتے پھر آپ حال سابق پر استغفار فرماتے یعنی آپ کا استغفار کرنا تعدد احوال کے اعتبار سے تھا لیکن حدیث کے ظاہری الفاظ غزالی کے قول کے مخالف ہیں کیونکہ اس میں تعدد احوال مذکور نہیں ہے۔

یارسول اللہ یا نبی اللہ سے حضور کو ذاتِ حق کا خطاب

چوتھے مقصد میں مواہب کے قول :۔

وَمِنْهَا اَیْ مِنْ خَصَائِصِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی خَطَبَ جَمِيْعَ الْاَنْبِيَاءِ بِاَسْمَائِهِمْ فَقَالَ يَا آدَمُ يَا نُوْحُ يَا اِبْرَاهِيْمُ يَا مُوْسٰی يَا دَاوٗدُ يَا زَكَرِيَّا يَا يَحْيٰی يَا عِيْسٰی وَلَمْ يُخَاطِبْهُ اِلَّا بِيَا اَيُّهَا الرَّسُوْلُ، يَا اَيُّهَا النَّبِیُّ، يَا اَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ، يَا اَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ۔	ترجمہ: حضور علیہ السلام کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ حق سبحانہٗ نے تمام انبیاء کو ان کے ناموں سے یاد فرمایا مگر اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کو یارسول اللہ یانبی، یا مزمل، یا مدثر جیسے پیارے پیارے القاب سے خطاب فرمایا۔

پر امام زرقانی ارشاد فرماتے ہیں کہ سہلی نے کہا ہے کہ مزمل اور مدثر سرکار کے ان اسما میں سے نہیں ہیں جن سے آپ کا مکمل تعارف ہو سکے ایسا خطاب توصرف آپ کی مناسبتِ حال کے اعتبار سے ہے یعنے جیسے حال میں آپ حضور اس وقت تھے اسی مناسبت سے آپ کو اللہ تعالیٰ نے مخاطب فرمایا اور ایسا کرنا عرب کی عادات میں بھی شامل تھا جس طرح حضور علیہ السلام نے ایک مرتبہ جناب علی کرم اللہ وجہہ کو مخاطب فرما کر کہا کہ اے ابوتراب[1] کھڑے ہو جائیے، اور جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ کو کہا اے نومان[2] اُٹھ جائیے، آپ کا ان حضرات کو فرمانا ان کے حال کی مناسبت سے تھا جب کہ یہ ابوتراب اور نومان ان کے اصل اسمانہ تھے، اسی طرح آپ کو ذاتِ حق کے یوں پکارنے میں مزمل اور مدثر آپ کے اصل اسمائیں سے نہیں ہیں مگر یہ کہ نام ذکر کئے بغیر مخاطب کے خطاب فرمانے میں وہ کچھ ہوتا ہے جو نام پکارنے میں نہیں ہوتا، لیکن حضور علیہ السلام کو اس طرح مخاطب کرنے میں اللہ کی مراد ومنشا یہ ہے کہ آپ کو ایسی صفت سے پکارا جو آپ کی ذات کے ساتھ قائم بھی ہو اور مراد ہیں مزمل اور مدثر بھی ہیں، پھر ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ اللہ نے آپ کو ندا کر کے پکارا ہے اور ایسا کرنے میں وہ ذکر مراد نہیں جو بغیر ندا ہے مثلاً مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ[3]، یعنی محمد اللہ کے رسول ہیں۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ[4]	یعنی حضور علیہ السلام تمہارے مردوں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔
وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ[5]	اور خوشخبری دینے والا رسول میرے بعد آئے گا جن کا نامی احمد ہوگا،
وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ[6]	یعنی جو کچھ حضور محمد مصطفیٰ پر نازل ہوا ہے اس پر ایمان لے آؤ۔

---

[1] جناب علی کو سرکار علیہ السلام نے یہ خطاب ازرہ الطاف وعنایت عطا فرمایا کہ آپ رضی اللہ عنہ طفولیت میں خاک بازی فرمایا کرتے تھے۔

[2] جناب حذیفہ کو آپ حضور نے نیند کی کثرت کی وجہ سے نومان کہہ کر پکارا۔ (مترجم غفرلہٗ ولوالدیہ)

[3] پ ۲۶، سورۃ فتح، آیت ۲۹ - [4] پ ۲۲، سورۃ احزاب، پارہ ۴۰ - [5] پارہ ۲۸، سورۃ صف، آیت ۶ - [6] [illegible]

ان مقامات میں حضور کے ذاتی نام ذکر کرنے میں یہ فلسفہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دیگر انبیاء سے آنحضور کی ذات کے لیے عہد لینا چاہ رہا تھا اگر آپ کا نام نامی اسم گرامی ذکر نہ کیا جاتا تو وہ آپ کو پہچان نہ سکتے۔ حق سُبحانہ کا قیامت کے دن حضور علیہ السلام کو یوں مخاطب فرمانے یَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاْسَکَ۔ کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اپنا سر اقدس سجدہ سے اٹھا لیجیے، وَقُلْ تُسْمَعْ کہیے سب کچھ سُنا جائے گا۔ میں حضور علیہ السلام کی ایک عظمت ہے وہ یہ ہے کہ آپ کا نام سے اس وقت پکارا جانا تمام مخلوق جو حمد و تعریف سرکار کے لیے کرتی ہے یا اس وقت کرے گی کی بنا پر ہے اس تعظیم حضور پر غور کرنا چاہیے کہ ذاتِ حق آنحضور کو ہر مقام پر اعلیٰ تعظیم سے پکارتی ہے اور پکارے گی اور یہ تعظیم مناسبت کے اعتبار سے مثلاً دنیا میں یا نبی اللہ یا یا رسول اللہ کہہ کر پکارا تاکہ آپ کی نبوت اور رسالت کی گواہی ہو جائے اور آخرت میں جب حقائق کھل کر سامنے آجائیں گے تو آں حضرت کو ان کے نام سے ہی پکارا جائے گا۔ کیونکہ آپ کو وہاں آپ کے تمام اسماء سے پکارا جانا ہی موزوں اور مناسب ہوگا۔ ذاتِ حق آپ کو باور کرانا چاہے گی کہ تمام مخلوق آپ کو یا محمد یعنی تعریف کئے ہوئے شفاعت کی مُنیہ سے پکار رہی ہے اور آپ واقعی شفاعت قبول کئے جانے والے ہیں، ارفع کے ارشاد کے بعد کہا جائے گا، قُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ یعنی کہیے سُنا جائے گا مانگیے دیا جائے گا یہ عزت پر عزت، اور عنایت پر عنایت کے طور ہو گا، مزید برآں جو طریق خطاب ذاتِ حق نے اپنے محبوب علیہ السلام کے لیے اختیار کیا ہے اس میں دیگر انبیاء سے خطاب کی نسبت بہت زیادہ عنایت و مہربانی ہے۔

جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام کو ذاتِ حق نے فرمایا :۔

وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ   یعنی خواہش کی پیروی نہ کیجئے وہ تجھے

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ[۱]   راہِ حق سے بہکا دے گی۔

اور ہمارے مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے ارشاد حق تعالیٰ ہے :۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى[۲]   یعنی وہ کوئی بات اپنی خواہش سے کہتے

---

۱ پ ۲۳ . سورہ ص . آیت ۲۶ .   ۲ پ ۲۷ . سورہ نجم . آیت ۳ .

اس میں بھی عظمتِ مصطفٰے کہ والنجم کے قسمیہ کلام کے بعد آں حضرت کے بیانِ گفتگو کی راست گوئی بیان فرمائی اور جناب موسیٰ علیہ السلام کے قول کو اللہ نے یوں ذکر کیا ہے :۔

فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ[1] — اے میری قوم میں تمہارے ہاتھوں بھاگ نکلا جب میں تم سے خوفزدہ ہوا،

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خروج مکہ اور ہجرت کو یوں بیان فرمایا۔

وَاِنْ یَمْکُرُبِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا[2] — یعنی یاد کیجئے اے محبوب جب کافر آپکے ساتھ داؤ کھیلنا چاہتے تھے۔

اس ارشاد سے کنایۃً آپ حضور کی ہجرت طیبہ مراد ہے کتنی اچھی تعبیر ہے کہ آپکا ذکر اس فرار سے نہیں کیا جس میں تذبذب یا لڑکھڑاؤ ہو، مواہب کے چوتھے مقصد کے قول۔

وَمِنْهَا اَیْ مِنْ خَصَائِصِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ حَرَّمَ عَلَى الْاُمَّةِ نِدَاءَهٗ بِاِسْمِهٖ قَالَ تَعَالٰى لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا وَقَدْ يَعْلَمُ لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَهٗ وَتَسْمِيَتَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَنِدَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا بِالْاِسْمِ وَرَفْعُ الصَّوْتِ وَالنِّدَاءُ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ[3] — ترجمہ: یعنی آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے تھے کہ تمام اُمت پر آپ کا نام لے کر پکارنا حرام قرار دے دیا اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو اس طرح سید الرسل کو نہ بلاؤ تم تو ایک دوسرے کا نام لیکر پکارتے ہو اونچی آواز سے مکانات کے پیچھے سے بھی پکارتے ہو اس طرح سے نام لے کر رسول علیہ السلام کو مت پکارو۔

---

[1] علم بلاغت کا مشہور مسئلہ ہے کہ متکلم مخاطب کو خطاب کی بجائے غیبوبت سے یاد کرتے اس کی مراد مخاطبت کی شان کا اہتمام کرنا ہوتا ہے "تلخیص، معانی، مطول" (مترجم)

[2] پ سورہ آیت — [2] پ ۹، سورہ انفال، آیت ۳۰۔

[3] پ ۱۸، سورہ نور، آیت ۶۳۔

وَلٰكِنْ قُوْلُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ مَعَ التَّوْقِيْرِ وَالتَّوَاضُعِ وَخَفْضِ الصَّوْتِ وَقِيْلَ لَا تَقِيْسُوْا دُعَاءَهٗ اِيَّاكُمْ عَلٰى دُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا فِيْ جَوَازِ الْاِعْرَاضِ وَالْمُسَاهَلَةِ فِي الْاِجَابَةِ -

بلکہ کہو، یا رسول اللہ یا نبی اللہ پست آواز سے احترام اور نیازمندی کے ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام کے بلانے کو تم اپنے بلانے پر مت قیاس کرو کہ جب ایک دوسرے کو بلاتے ہو اس کی طرف جلدی چلا جانا یا نہ جانا جائز ہو سکتا ہے لیکن مصطفےٰ بلائیں تو جلدی حاضر ہوتے ہیں ہی خوش نصیبی ہو گی۔

پر امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضور کے بلاوے پر جلدی جانا واجب ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

اِسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ[1]

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے لیے حاضر ہو جاؤ جب بھی تمہیں بلائیں۔

اور بغیر اجازت واپس لوٹ جانا حرام ہے جس طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا۔[2]

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم میں سے چپکے ہی کسی چیز کی آڑ لے کر نکل جاتے ہیں۔

جناب رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو بلا اضافت یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ کہہ کر پکارنا امام شافعی نے پسند نہیں کیا، اور حافظ ابن حجر نے حضور کو ان کی کنیت سے پکارنے کو منع قرار دیا ہے جب کہ ان کے شاگرد شیخ زکریا نے اس بات کو یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ جب کنیت سے بالاتفاق تعظیم مراد ہو تو آں حضرت کو کنیت سے ندا کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے اگر عبدالعزیٰ کو روائتی تعظیم سے ابی لہب قرآن نے ذکر کیا ہے حالانکہ وہ کنیت کا مستحق نہ تھا تو سرکار کو کنیت کے ساتھ پکارنے میں کیا حرج ہو سکتا ہے۔

---

[1] پ ۹، سورہ انفال، آیت ۲۸ [2] پ ۱۸، سورہ نور، آیت ۶۳۔

شیخ ذکریا ابن حجر کے کلام سے اتفاق کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مذکورہ آیت سورہ نور میں مطلقاً ان بلانے والے کو منع کیا کہ حضور کو جس طرح ایک دوسرے کو بلاتے ہو کنیت یا دوسرے طریقوں سے ہرگز نہ بلائیں اور حافظ ابن حجر نے ترکِ تعظیم کی حکمت پر غور نہیں کیا ورنہ وہ یوں نہ فرماتے۔

حضور علیہ السلام اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں

امام زرقانی مواہب کے چوتھے مقصد میں وَمِنْهَا اَیْ مِنْ خَصَائِصِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّہٗ حَیٌّ فِیْ قَبْرِہٖ یعنی آں حضرت کے خواص میں سے ہے کہ آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں، پر کہتے ہیں کہ بیہقی نے کہا کہ انبیاؑ کی ارواح وصال کے بعد ان کے اجسام کی طرف لوٹا دی جاتی ہیں اور وہ شہیدوں کی طرح اپنے رب کے پاس زندہ رہتے ہیں اور ہمارے پیارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ انبیاؑ کی ایک جماعت کو ان کی اُمتوں سمیت نماز پڑھتے دیکھا اس بات کی سچی خبر حضور علیہ السلام نے عطا فرمائی۔ اور آپ کی ہر بات ہی سچی ہے، اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ہم جس قدر بھی حضور علیہ السلام پر صلوات وسلام پیش کرتے ہیں وہ باقاعدہ آپ کی خدمت عالیہ میں حضور کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور تمام کے اجسام زمین پہ حرام قرار دے دیتے گئے ہیں، اور سیوطی نے کہا ہے کہ ہر نبی اپنی نبوت پر شہیدوں کی طرح بعد از وصال قائم رہتا ہے اور انبیا علیہم السلام بھی اس آیت کے عموم میں داخل ہیں۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ[1]

ترجمہ: جو اللہ کی راہ میں مارے گئے انہیں ہرگز مُردہ خیال نہ کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں روزی پاتے ہیں۔

احمد، ابویعلی، طبرانی، حاکم، اور بیہقی نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ابن مسعود نے کہا کہ میں نو مرتبہ حضور علیہ السلام کی شہادت کی قسم کو آپ کے شہید نہ ہونے کی قسم پر

---

[1] پ ۴، سورہ آل عمران، آیت ۱۶۹۔

ترجیح دیتا ہوں اس لیے کہ اللہ نے آپ کو نبی اور شہید بنایا، بخاری اور بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا جس مرض کے دوران وصال ہوا اسی مرض میں ہی ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اب بھی اس کھانے کا درد محسوس کر رہا ہوں جو میں نے مقام خیبر پر کھایا تھا اور میرا انقطاع دنیا میں اسی زہریلے کھانے کی وجہ سے ہوگا، پہلی حدیث میں ابن مسعود کی بھی یہی مُراد تھی کہ حضور علیہ السلام کی شہادت عظمیٰ کی اصل وجہ بکری کی وہ ران تھی جس میں یوم خیبر یہودیہ نے زہر ملا کر حضور کے سامنے پیش کیا تھا اور آپ نے اسے کھا لیا تھا۔

مواہب کے چوتھے مقصد کے قول :- فَاِنْ قُلْتَ الْقُرْاٰنُ نَاطِقٌ بِمَوْتِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی "اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ"، وَقَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ اِنِّیْ امْرَءٌ مَّقْبُوْضٌ)

سوال پر امام زرقانی فرماتے ہیں، "اگر تو کہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی موت پر قرآن شہادت دیتے ہوئے کہتا ہے کہ آپ بھی انتقال فرمانے والے ہیں اور دیگر انبیا بھی مرنے والے ہیں، اور حضور علیہ السلام کا اپنا ارشاد ہے کہ میں رُوح قبض کیا ہوا انسان ہوں۔ اور جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کون جناب محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا ہے بے شک حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں، اور تمام اُمّت مسلمہ کا آپ کی موت پر اتفاق ہے۔

الجواب میں کہتا ہوں کہ اس کا جواب شیخ تقی الدین سُبکی نے دیا ہے کہ آپ کی یہ موت وقتی اور آنی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرنے کے بعد حیاتِ اُخروی عطا کر دی گئی ہے اور آپ کی یہ زندگی شہیدوں کی زندگی سے بھی افضل و اعلیٰ ہے اور آپ کی رُوحانی زندگی بلا اشکال ثابت ہے اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ انبیائے عظام کے جسم مٹی سے متاثر ہو کر بوسیدہ نہیں ہوتے اور ارواح کا جسموں کی طرف عود کر آنا تمام مُردوں میں ثابت اور صحیح ہے تو پھر شہید اور انبیا کی رُوحیں تو بطریق اولیٰ ان کے جسموں سے ملی ہوئی ہیں، بہر حال رُوح کا جسم کے

---

[1] پ زمر، سورہ ۳۹، آیت ۳۰۔

ساتھ مرنے کے بعد ہمیشہ رہنا یا بدن کا دینوی زندگی کی زندہ ہونا یا بدن کا رُوح کے بغیر زندہ رہنا محل نظر ہے، درحقیقت یہ زندگی مشیت ایزدی پر موقوف ہے، اس میں شک نہیں کہ رُوح کا بدن کے ساتھ ملنا عادتاً ہے عقلاً نہیں لیکن یہ مقام ایسا ہے کہ صحتِ سماعت کے بعد عقل اسے جائز سمجھ کر اس کی تابع ہوجاتی ہے، علماء حق کی ایک جماعت نے ذکر کیا ہے کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ جناب مُوسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں نماز پڑھتے تھے جناب مُوسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا جسمانی زندگی کا متقاضی ہے اور یونہی شبِ اسریٰ میں انبیاء کی حاضری اور باجماعت نماز پڑھنے سے بھی جسمانی زندگی ثابت ہے لیکن اس سے یہ نہیں ہوتا کہ بدن دنیاوی زندگی کی طرح ہوجائے اور اسے کھانے پینے اور دیگر ضروریات کی محتاجی ہو بلکہ اس کا ایک دوسرا حکم ہے جس طرح حیات حقیقی کے ثابت ہونے میں کوئی عقلی استحالہ نہیں انبیائے عظام کے لیے علم وسماعت جیسے ادراکات کے ثبوت میں کوئی شک نہیں بلکہ حدیثوں میں وارد ہے کہ عام مُردے بھی سُنتے اور جانتے ہیں یہ ساری حکایت شیخ زین الدین مراغی نے کی ہے اور کہا کہ اس صورت میں عزّت افزائی ہوتی ہے اور اس کے لیے للچانے والے للچاتے رہتے ہیں، امام زرقانی انباالازکیا میں فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا اپنی قبر شریف میں زندہ ہونا اور دیگر انبیاء کا اپنی اپنی قبور میں زندہ ہونا ہمارے نزدیک علم قطعی سے معلوم ہے اور ہمارے پاس اس کے بے شمار دلائل اور احادیث متواترہ ہیں اور اس موضوع پر بیہقی نے ایک تالیف بھی کی ہے اور قرطبی نے اپنے شیخ سے ایک تذکرہ کیا ہے کہ موت صرف عدم اور نیستی کا نام نہیں بلکہ ایک حال سے دوسرے میں منتقل ہونے کا نام موت ہے اس پر شہداء کا قتل ہونے کے بعد زندہ رہ کر اپنے رب کے پاس روزی پانا اور خوش وخرم رہنا دلیلِ خاص ہے اور یہ زندگی مثالی دنیا کے لوگوں کی طرح ہے۔ جب یہ زندگی شہداء کے لیے یقینی ہے تو انبیاء اس زندگی کے زیادہ حق دار اور بطریق اُولیٰ اس حقیقی زندگی سے بہرہ ور ہیں اس بات کی صحت میں کوئی شک نہیں کہ زمین اجسامِ انبیاء کو نہیں کھا سکتی اور حضور علیہ السلام شبِ معراج بیت المقدس میں انبیاء کے اجتماع میں تشریف لائے اور آسمانوں پر بھی انبیاء سے ملاقات کی اور حضور نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے ہوکر نماز پڑھ رہے تھے اور جو انہیں سلام کہتا اس کا جواب بھی دیتے تھے ان سب باتوں کو

جاننے کے بعد یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ انبیا کی موت صرف آنی ہوتی ہے کہ وہ ہم سے غیب ہیں اور ہم انھیں نہیں پا سکتے اگرچہ وہ زندہ اور موجود ہیں اور ہماری قسم کا عام فرد بشر انہیں نہیں دیکھ سکتا مگر جسے اللہ تعالیٰ عظمت عطا فرما دے وہ ان کا مشاہدہ کر ہی لیتا ہے اور یہ صرف اولیأ کرام کا حصہ ہے جناب موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اور پھر ان کا آسمان پر دیکھا جانا مستبعد نہیں ہے اوّل یہ کہ انبیأ کے لیے کچھ غیبی سیرگاہیں اور چراگاہیں ہوتی ہیں کہ ان میں اُوپر چڑھ کر پھر لوٹ آتے ہیں اور جہاں چاہیں جا سکتے ہیں۔ دُوم یہ کہ ان کی رُوحیں بدن سے الگ ہونے کے بعد رفیق اعلیٰ کے پاس چلی جاتی ہیں لیکن رُوحیں بدن کے حالات کی اطلاع اور اپنا تعلق بدن سے رکھتی ہیں جس سے شناخت اور نزدیکی میں مدد ملتی ہے اور اسی تعلق کی بنا پر سلام کہنے والے کے سلام کا جواب دیا گیا اور کھڑے ہو کر قبر میں نماز پڑھی گئی اور پھر اسی کو آسمان پر بھی دیکھا گیا اور دیگر انبیأ عظام بیت المقدس میں اور پھر آسمانوں پہ دیکھے گئے، اسی طرح ہمارے پیارے نبی کی مُبارک رُوح رفیق اعلیٰ کے پاس ہے اور آپ کا بدن شریف آپ کی قبر میں ہی ہے اور حضور پُر نُور صلے اللہ علیہ وسلم پر سلام کہنے والے کو جواب عنایت فرماتے ہیں، اس شخص کی بات ناقابلِ فہم تصور کی جائے گی جو یہ کہے کہ آں حضرت نے بعالم خواب موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں کھڑے نماز پڑھتے دیکھا یا ان کی تشبیہ و تمثیل دیکھی یا آپ نے حال وحی سے خبر دی اور یہ تمام چیزیں عینی اور حقیقی نہ تھیں اور اس کو تکلف سے کہا جائے گا۔

اور بیہقی نے کتاب حیات الانبیأ میں نقل کیا اور حاکم نے اپنی تاریخ میں حضرت انس رضی اللہ عنہُ سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ انبیأ عظام صرف چالیس راتیں اپنی قبروں میں فارغ رہتے ہیں اور بعد ازیں اللہ کے حضور میں صور پھونکے جانے تک نماز پڑھتے رہیں گے، حافظ ابن حجر نے کہا کہ محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی سند میں سہو ہے نیز حافظ ابن حجر نے یہ بھی کہا کہ غزالی اور رافعی نے لفظ

أَنَا أَكْرَمُ عَلَى رَبِّي أَنْ يَتْرُكَنِي فِي قَبْرِي بَعْدَ ثَلَاثٍ۔

یعنی میں اپنے رب کے ہاں حرمت بخشا جاؤں گا کہ مجھے میری قبر میں تیسری رات کے بعد چھوڑ دیا جائے گا۔

ذکر کیا ہے جب کہ ان الفاظ کی کوئی اصل موجود نہیں، مگر یہ الفاظ ابن ابی لیلی نے نقل کئے ہیں اور یہ نقل کرنا اس لیے بھی اچھا نہیں کہ یہ قابل تاویل ہے۔ اور بیہقی نے کہا کہ اگر اس کی صحت کو مان لیا جائے تو مراد یہ ہوگی کہ وہ تین راتوں کے بعد اپنے مولی کے حضور ہمیشہ ہمیشہ نماز پڑھتے رہیں گے۔

حضورؐ کا وسیلہ جنّت کے ایک اعلیٰ درجے کا دوسرا نام ہے

امام زرقانی جو تھے مقصد میں مواہب کے اس قول :۔

وَمِنْهَا اَیْ مِنْ خَصَائِصِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْوَسِيلَةُ وَهِيَ اَعْلٰی دَرَجَةٍ فِي الْجَنَّةِ

یعنی آں حضرت کے خواص میں سے وسیلہ بھی ہے جو جنّت کا ایک اعلیٰ درجہ ہے۔

پر فرماتے ہیں کہ مسلم شریف کی حدیث مرفوع میں مذکور ہے، یہ سرکار کے وسیلہ سے متعلق ہے۔

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوْا عَلَيَّ فَاِنَّهٗ مَنْ صَلّٰی عَلَيَّ صَلٰوةً صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرًا ثُمَّ سَلُوا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيلَةَ فَاِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِيْ اِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ وَلَهٗ اَرْجُوْا اَنْ اَكُوْنَ اَنَا هُوَ فَمَنْ سَاَلَ لِيَ الْوَسِيلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ الشَّفَاعَةُ وَهِيَ اَعْلٰی دَرَجَةٍ فِي الْجَنَّةِ۔

ترجمہ: سرکار دو عالم نے فرمایا کہ جب تم موذن سے آذان سنو تو جو کچھ وہ کہے تم بھی کہو پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ دس رحمتیں نازل کرتا ہے پھر اللہ سے میرے وسیلہ کا سوال کرو بے شک یہ جنّت میں ایک مقام اور ہر شخص اس مقام کے لائق نہیں مگر اللہ کا خاص بندہ اور مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں اور جو شخص میرے وسیلہ سے سوال کرے گا اس پر میری شفاعت حلال ہوگی اور یہ وسیلہ جنّت کا ایک اعلیٰ درجہ بھی ہے۔

ایک دوسری حدیث میں سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :۔

اَلْوَسِيلَةُ دَرَجَةٌ عِنْدَ اللّٰهِ

ترجمہ: وسیلہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا

لَیْسَ فَوْقَھَا دَرَجَۃٌ فَسَلُوْا اللّٰہَ لِیَ الْوَسِیْلَۃَ - رَوَاہُ اَحْمَدُ - | درجہ ہے جس کی اوپر کوئی درجہ نہیں اللہ سے میرے لیے وسیلہ کا سوال کرو۔ اس حدیث کو احمد نے روایت کیا ہے۔

ابن کثیر نے کہا کہ وسیلہ جنت کے درجۂ اعلیٰ کی نشانی ہے اور یہ درجہ حضور ہی کے ساتھ مخصوص ہوگا اور اسی درجہ میں آپ کا گھر ہوگا اور یہ درجہ جنت کے تمام مقامات میں سے عرش کے زیادہ قریب ہوگا - ابن کثیر کے علاوہ دیگر علما نے کہا کہ وسیلہ وسل سے مشتق ہے اور فعلۃ کے وزن پر یہ اس کیفیت کا نام ہے کہ اہل وسیلہ آزادی اور قرب خاص سے جنت کے اعلیٰ درجے پر فائز ہوں گے جس طرح حدیث میں مذکور ہے کہ وسیلہ جنت کا ایک اعلیٰ درجہ ہے اور ممکن ہے کہ اس درجہ کو سب سے پہلی حیثیت دے دی گئی ہو کہ اس درجہ پر فائز ہونے والا ذات حق سے قریب ہو جائے، اور قرب خاص اس وسیلہ ہی کی بدولت ہوگا، حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وآلہ بارگاہ حق میں سب سے زیادہ قریبی درجہ میں ہوں گے کیونکہ آپ اللہ سے سب کی نسبت زیادہ محبت کرنے والے ہیں اور آپ کو خوفِ خدا بھی سب سے زیادہ ہے اور معرفت حق بھی آپ کو ہی سب سے زیادہ حاصل ہے اور اپنے رب کی عبادت بھی آپ سب سے زیادہ کرتے ہیں پھر قرب حق سے آپ کو خصوصیت کیوں نہ ہو اور آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو حکم کیا گیا ہے کہ وہ اللہ سے آپ کے وسیلہ کے لیے سوال کرے تاکہ اسے رات کی دعا میں ایمان کی افزائش سے سرفراز کیا جائے نیز اس وسیلہ کے لیے اللہ نے کئی اسباب بنائے ہیں جن میں ایک سبب آپ کے وسیلہ کے لیے آپ کی اُمت کا دُعا کرنا ہے کیونکہ ہدایت اُمت آپ ہی کے ہاتھوں ہوئی ہے، بہر حال فضیلت تمام مخلوقات پر ایک فائز مرتبہ ہے نیز احتمال ہے کہ یہ وسیلہ ہی کا کوئی دوسرا درجہ ہو، -

جنّت کے دو موتی

ابن ابی حاتم نے جناب علی کرم اللہ وجہہٗ سے روایت کیا ہے کہ جنت میں دو موتی ہیں ایک سفید اور دوسرا زرد، سفید موتی حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اہل بیت کے لیے

کانام، اور زرد موتی جناب سیدنا ابراہیم اور ان کی اہل بیت کے وسیلے کا نام ہے، ابن کثیر نے کہا یہ حدیث غریب ہے اسے مصنف نے آخری مقصد میں ذکر کیا ہے۔

عبدالجلیل قصری نے شعب الایمان میں ذکر کیا ہے کہ حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم کو ذاتِ حق سے اتصال کا ذریعہ بنانا وسیلہ کہلاتا ہے، بلا تمثیل حضور علیہ السلام جنت میں ذات جلّ مجدہٗ کے وزیر ہوں گے اور کسی کو آپ کے وسیلہ کے بغیر کچھ حاصل نہ ہوگا اور نہ ہی کوئی شی مل سکے گی بعض نے کہا کہ اگرچہ معنی میں عمدگی ضرور ہے لیکن لفظ "شیٔ" سے تفسیر کرنے میں اصل شارح سے اختلاف ہے کیونکہ شارح نے "شیٔ" ذکر نہیں کیا کہ عذاب الٰہی اور جہنم بھی ایک شی، جو آپ کے وسیلہ کے بغیر ہوگا یا ہوتا ہے بلکہ یہ کہنا بہتر تھا کہ جو شی آپ کے وسیلہ پر موقوف ہوگی اس کا آپ کے واسطہ کے بغیر ملنا ممکن نہیں ہوگا۔

مواہب کے پانچویں مقصد میں امام زرقانی حدیث معراج اور آدم علیہ السلام کے اس قول:

مَرْحَبًا بِالنَّبِیِّ الصَّالِحِ وَالْابْنِ الصَّالِحِ۔ یعنی اے بہترین نبی اور اے صالح اور نیکوں کی اصل بیٹے تجھے خوش آمدید۔

اور روایت شریک میں ہے۔

مَرْحَبًا وَاَهْلًا یَا بُنَیَّ نِعْمَ الْاِبْنُ اَنْتَ۔ اے میرے اچھے بیٹے آپ کو خوش آمدید اور آپ اپنے گھر تشریف لائے ہیں۔

پر فرماتے ہیں کہ صالح وہ ہوتا ہے جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کا ہمیشہ پاس خاطر رکھے اور یہ ایسی صفت ہے جو بھلائی کو مجموعی طور پر شامل ہے، اور جناب آدم علیہ السلام نے حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم کو دو مرتبہ صفت صلاح سے یاد کیا ایک مرتبہ نبوت کے ساتھ اور ایک مرتبہ بنوّت کے ساتھ اس میں اشارہ ہے کہ آپ مقام نبوت اور آداب فرزندی میں یکتا اور بے نظیر ہیں گویا جناب آدم علیہ السلام نے آپ سے یوں کہا کہ اے اپنی نبوت میں مکمل اور ختمی مرتبت نبی اے اولاد ہونے کی بہترین مثال، اس میں آدم علیہ السلام نے حضور علیہ السلام کو بیٹا کہہ کر فخر محسوس کیا اور وصف صلاح کو بھلائی کے یقین سے استعمال فرمایا، جب کہ دیگر انبیاؑ نے بھی وصف صالح سے ہی آں حضرت کو یاد فرمایا اور انبیاؑ اپنی اپنی ملاقات پر یہی لفظ آپ کو فرماتے رہے صادق اور امین جیسے الفاظ

کسی نبی نے بھی نہیں کئے اور بعض نے کہا کہ آپ صلاح الانبیاءؑ ہیں اور ان کی اُمتوں کے لیے صلاح الامم نہیں ہیں اور آپ صلاح انبیاءؑ میں کامل ترین ہیں کیونکہ آپ ہی کی وجہ سے سابقہ انبیاءؑ کے کئی فساد دُور ہوئے تو آپ ان کے لیے ایسے صلاح خاص ہیں جو ان کے وقت میں عوم صالحین کو شامل نہیں کیونکہ بہت سے انبیاءؑ عُظام آرزو کرتے رہے ہیں کہ وہ صالحین اُمت مُصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم سے مل جائیں اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اعلیٰ درجے کا شخص گھٹیا سوسائٹی کے لوگوں سے ملنے کی کبھی آرزو اور چاہت نہیں رکھتا اس سے معلوم ہوا کہ اُمت اجابت رسُولِ عربی صلے اللہ علیہ وسلم کے مُجملہ افراد اعلیٰ نوعیت کے ہیں جو آرزوئے انبیاءؑ سابقین ہیں اور صلاح کے نام سے وہی شخص موسوم کیا جاسکتا جس کی بدولت کسی کی اصلاح ہوئی ہو اور فساد دور ہوا ہو۔

ارشادِ باری تعالیٰ پر مواہب کے چھٹے مقصد پر اللہ کے اس ارشاد:۔

حضورؐ افضل الانبیاءؑ ہیں

وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ[1] اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا۔

عبارت مواہب :۔

مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	ان الفاظ سے مُراد حضرت رسُولِ برحق صلی
رَفَعَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى مِنْ ثَلٰثَةِ	اللہ علیہ وسلم ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تین
اَوْجُهٍ بِالذَّاتِ فِي الْمِعْرَاجِ	وجہوں سے بلند فرمایا۔ (۱) آپ کو ذاتی
وَبِالسِّيَادَةِ عَلٰى جَمِيْعِ	بلندی سے معراج کے ساتھ سرفراز فرمایا۔
الْبَشَرِ وَبِالْمُعْجِزَاتِ لِاَنَّهٗ	(۲) تمام لوگوں پر آپ کی سرداری قائم کی۔
اُوْتِيَ مِنَ الْمُعْجِزَاتِ مَا لَمْ	(۳) آپ کو وہ معجزات عطا فرمائے جو آپ کے
يُؤْتَ نَبِيٌّ قَبْلَهٗ ۔	سوا کسی نبی کو عطا نہ کئے گئے۔
قَالَ الزَّمَخْشَرِيُّ فِي هٰذَا الْاِبْهَامِ	زمخشری نے کہا کہ ابہام میں جملے میں بھی حضور علیہ

[1] پ ۳، سورہ بقرہ، آیت ۲۵۳۔

مِن تفخیم فضلِہٖ و اعلاءِ	السلام کی قدر و منزلت کی برتری نمایاں ہے
قدرہٖ صلّی اللّٰہُ علیہِ	کیونکہ یہ بات مخفی نہیں کہ محبوب خدا
وسلّم مَالا یخفٰی بِمَا فِیہِ مِن	قدرتِ حق کے وہ انمٹ نشان ہیں جن
الشَّھادۃِ علٰی انّہٗ صلّی اللّٰہُ	کی مثال نہیں ملتی اور کائنات میں آپ
علیہِ وسلّم العَلَم الّذی لا	اس قدر ممتاز و منفرد ہیں کہ کوئی آپ کا
یشتَبِہُ و المُتمیّز لا یلتبِس	مماثل اور مشابہ نہیں ہے عبارت مواہب
انتھٰی ۔	ختم ہوئی ۔

امام زرقانی فرماتے ہیں اس آیت قرآنی کے الفاظ سے حضور علیہ السلام کی ذات ہی مُراد ہے اگرچہ لفظ بعض ابہام و اخفا ہی کا متقاضی ہے اگر اس لفظ بعض سے مُراد آپ ہی کی ذات لی جائے تو زیادہ موزوں و مناسب ہوگا کیونکہ آں حضرت دیگر رسل و انبیاء سے ممتاز و منفرد ہیں ۔

علامہ تفتازانی نے حضور علیہ السلام کو لفظ بعض سے تعبیر کئے جانے پر فرمایا ہے کہ اس میں حضور کی شہرت پر تنبیہ ہے کہ بلندی درجات کی دنیا میں وہم کو قطعاً یہ مجال نہیں ہوسکتی کہ وہ آپ کے علاوہ کوئی اور مُراد لے لے اور آپ کو معلوم ہوگا کہ بسا اوقات اسم نکرہ جو سراسر ابہام ہی کا دوسرا نام ہے بزرگی اور عظمت کے لیے علم بن جاتا ہے اور لفظ بعض بھی اپنے ضمن میں ایسی ہی تنکیر رکھتا ہے جو باعث عَلَم ہے ۔

جہاں تک زمخشری کے قول کا تعلق ہے اس نے لفظ بعض سے آں حضرت کی ذات مُراد لے کر بہت اچھا کیا ہے تاہم اس سے بعد کے اس قول میں صریح لغزش ہوئی ہے کہ یہ بھی جائز ہے کہ لفظ بعض سے حضرت ابراہیم یا کوئی دوسرا اولوالعزم پیغمبر مُراد ہو بعض محققین نے کہا ہے کہ زمخشری نے صداقت اور راستی سے ہٹ کر یہ بات کہی ہے کہ لفظ بعض سے کوئی دوسرا پیغمبر بھی مُراد لیا جاسکتا حالانکہ اس بات پر اجماع امّت ہے کہ حضور علیہ السلام افضل الانبیاء ہیں اور اس اجماع کی تائید روایت ابن عباس سے ثابت ہے ابن عباس کہتے ہیں کہ ہم نے فضیلت انبیاء کا ذکر چھیڑا اور ہم نے اس سلسلے میں حضرت نوح اور ابراہیم اور جناب موسیٰ و عیسیٰ کا ذکر کیا تو حضور علیہ السلام نے اپنی ذات سے قطع نظر فرمایا کہ ان میں سے کوئی شخص بھی یحییٰ بن ذکریا سے

بہتر نہیں ہوسکتا، اور زمخشری کی تعبیر کو رد کرنے کے لیے ایک تائید یہ بھی ہے کہ جناب یحییٰ علیہ السلام کا بہتر ہونا ان کی جزوی فضیلت سے جس طرح کہ سب انبیا کے جزوی فضائل ہیں کوئی نبی بالکلیہ کسی دوسرے نبی سے افضل ہیں یہ حضور ہی کا خاصہ ہے کہ وہ سب انبیاء پر مکمل فضیلت رکھتے ہیں۔

پھر امام زرقانی نے مواہب کے اس قول :-

وَقَالَ قَوْمٌ آدَمُ اَفْضَلُ لِحَقِّ الْاُبُوَّةِ ۔ یعنی ایک قوم نے کہا کہ آدم علیہ السلام باپ ہونے کے ناطے افضل ہیں ۔

پر کہا کہ یہ کوئی بات نہیں کہ آدم علیہ السلام کا صرف باپ ہونا فضیلت کا باعث بنے کیونکہ بہت سی شاخیں عظمت اور بزرگی کی وجہ سے اپنی جڑ سے افضل ہو جایا کرتی ہیں اور بسا اوقات اصل کی عظمت اور شرافت اس کی فرع سے پہچانی جاتی ہے ۔

علامہ بوصیری فرماتے ہیں ۔

وَكَمْ اَبٍ قَدْ عَلَا بِابْنٍ ذُرٰى شَرَفٍ
كَمَا عَلَا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ عَدْنَانُ

ترجمہ : پُروقار اور باعظمت بیٹوں کے سبب کتنے ہی باپوں کے نام روشن ہوئے ہیں جس طرح قبیلہ عدنان رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے سربلند ہوا"

مواہب کے چھٹے مقصد میں اس حدیث :-

حضور علیہ السلام کا مقام انکسار

اَنَا اَكْرَمُ وُلْدِ آدَمَ يَوْمَئِذٍ عَلٰى رَبِّيْ وَلَا فَخْرَ ۔ یعنی میں قیامت کے دن اپنے رب کے ہاں اولاد آدم میں سب سے زیادہ عزت پاؤں گا اور مجھے کوئی فخر نہیں ۔

پر امام زرقانی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حضور نے اپنی قدر و منزلت اور کثرت فضیلت و انعام سے خبر دی ہے اور اس حدیث میں لافخر ترکیب نحوی کے لحاظ سے حال موکدہ ہے لافخر کی تعبیر غیر مفتخر بہ سے ہے اور لا فخر کا جملہ سرکار نے اس لیے فرمایا کہ عرف عام میں فخر کا اطلاق تکبر

پر بھی کیا جاتا ہے تاکہ کسی کو وہم نہ ہو کہ سرکار نے باندازِ تکبر یہ کلام کہی ہے قرطبی نے کہا کہ سرکارِ دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد اس لیے فرمایا کہ آپ کو اس بات کی اشاعت و تشہیر کا من جانب اللہ حکم کیا گیا تھا پھر خوش عقیدگی کا وجوب بھی ایسے ارشادات پر مرتب ہوتا ہے اور بے شک حضور علیہ السلام کو حق بھی ہے کہ آپ ایسے ارشادات ظاہر کریں تاکہ لوگوں کو آپ کے دین میں زیادہ سے زیادہ داخل ہونے کا شوق پیدا ہو اور جو شخص دینِ مصطفےٰ میں داخل ہو وہ راسخ العقیدہ بن جائے اور آپ کے پیرو متبعین کے دلوں میں آپ کی محبت کی شمع فروزاں رہے اور آپ کے خدام اعمالِ حسنہ کی کثرت کریں اور اپنے احوال میں شادمان و کامران رہ کر دنیا اور آخرت کی نیک نامی کا شرف حاصل کریں واضح سی بات ہے کہ آقا کی عظمت خدام کے احوال پر ضرور رنگ لاتی ہے۔

جملہ انبیا کے کمالات حضور میں بیک وقت موجود تھے

مواہب کے چھٹے مقصد میں اس قول :-

وَاسْتَدَلَّ لَهُ الْفَخْرُ الرَّازِيُّ	کمالِ محمدی پر فخرالدین رازی نے معالم میں
فِي الْمَعَالِمِ بِأَنَّهُ تَعَالَى وَصَفَ	استدلال کیا کہ ذاتِ حق نے تمام انبیاؑ کو
الْأَنْبِيَاءَ بِالْأَوْصَافِ الْحَمِيدَةِ ثُمَّ	اوصافِ حمیدہ سے متصف کرنے کے بعد
قَالَ لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	حضور علیہ السلام سے فرمایا۔
أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللهُ	ترجمہ: کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت
فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ فَأَمَرَهُ أَنْ	مرحمت کی تو ان کی ہدایت کے پیچھے
يَقْتَدِيَ بِأَسْرِهِمْ فَيَكُونُ	چلیں، گویا اللہ نے حضور کو سابقہ انبیاؑ کی
اِتِّبَاعُهُ بِهِ وَاجِبًا وَإِلَّا	اقتدا کا حکم دیا جس کا بجالانا حضور پر واجب
فَيَكُونُ تَارِكًا لِلْأَمْرِ	ہوا نہیں تو لازم آئے گا کہ حضور نے امر
وَهُوَ مُحَالٌ وَإِذَا أَتَى بِجَمِيعِ	ذوالجلال کو ترک کر دیا اور ایسا کرنا بارگاہِ
مَا أُتُوا بِهِ مِنَ الْخِصَالِ	محمدی میں محال اور ناممکن ہے تو جب حضور

الْحَمِيْدَةِ فَقَدِ اجْتَمَعَ فِيْهِ مَا كَانَ مُتَفَرِّقًا فِيْهِمْ فَيَكُوْنَ اَفْضَلُ مِنْهُمْ ۔

نے سابقہ انبیاؑ کی تمام اوصافِ حمیدہ کو عملاً اپنا لیا نتیجہ یہ نکلے گا جو اوصاف کمالات انبیاؑ میں انفرادی طور تھے وہ جناب رسول مقبول میں مجموعی طور پائے گئے بایں وجہ آپ ان سب سے افضل ہوئے ۔

اس پر امام زرقانی فرماتے ہیں کہ جب کوئی تنہا ایک منظم جماعت جتنا کام کر دکھائے تو وہ اکیلا شخص پوری جماعت سے افضل ہوگا اور یہ بھی بعید نہیں کہ اسے ہر ایک فرد پر فضیلت ہو یا سب پر مجموعی فضیلت رکھتا ہو، البتہ اس دلیل میں اشکال بھی ہو سکتا ہے جس کا قائل عزبن عبد السلام ہے عبد السلام نے کہا کہ سابقہ انبیاؑ کی مجموعی اوصاف حمیدہ کو سمیٹ لینے میں حضور کی ان سے برابری تو قابلِ تسلیم ہے لیکن آپ کی افضلیت ثابت نہیں ہوتی، اور اس نے یہ بھی کہا کہ حضور سابقہ انبیاؑ کے ہر فرد سے انفرادی طور افضل ہیں لیکن آپ جمیعتِ انبیاؑ پر افضل نہیں ہیں، یہ سن کر عبد السلام کے معاصر علماؑ کی ایک جماعت نے اس کے کافر ہو جانے کا فتویٰ دیا کیونکہ اسے دیگر انبیاؑ کے ساتھ حضور کے درجۂ تساوی میں بھی توقف تھا اللہ اسے اپنی گرفت سے بچائے۔

اشکال کا رد

زرقانی فرماتے ہیں کہ اگر آپ چار شخصوں میں سے انعام کے طور پر ایک کو ایک دینار دیں اور دوسرے کو دو دینار دیں اور تیسرے کو تین دینار اور چوتھے کو چار دینار تو لامحالہ چار دینار والا انفرادی طور پر ایک سے زیادہ انعام یافتہ تسلیم کیا جائے گا اور اگر آپ اسے چھ دینار دے دیں تو مجموعی طور پر سب کے برابر مانا جائے گا۔ اور اگر آپ اسے دس دینار دے دیں تو وہ شخص سب سے زیادہ انعام یافتہ قرار دیا جائے گا۔ تو اب یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم حل میں انبیائے سابقین سے برابر ہیں۔ اور اسرارِ الٰہی کے علم میں خصائص اور معجزات میں قربِ الٰہی اور قدر و منزلت میں آپ کا درجہ سب سے افضل ہے اور کثرت ثواب میں بھی آپ سب سے فائق اُولیٰ ہیں کیونکہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی اُمت کی تعداد دیگر انبیاؑ کی اُمتوں کی مجموعی تعداد سے دُگنی[1] ہے اور پھر آپ کی اُمت کا اجر

---

[1] میدان محشر میں کل حاضرین کی صفیں ایک صد[۱۲۰] بیس ہوں گی جن میں سے اسی صفیں اُمت مصطفےٰ کی

بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ

تو آپ بھی قیامت کے دن آپ ہی کے لیے ہوگا اور اس سلسلہ کی دوسری نظیر یہ بھی ہے کہ رہائشی منازل میں جس کی منزل سب سے اونچی اور آخری ہو گی، وہی سب سے اعلیٰ وارفع ہو گا، سورہ بقر اور تیسرے پارہ کی سب سے پہلی آیت میں بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ آپ مجموعہ انبیاؑ سے رُتوں بلند ہیں آپ ہی سب سے اعظم وافضل ہیں۔ صلے اللہ علیہ وسلم۔

حُبِّ رُسول صلے اللہ علیہ وسلم کی علامات

مواہب میں ساتویں مقصد کے اس قول پر :۔

وَمِنْ عَلَامَاتِ الْحُبِّ الْمَذْكُوْرِ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّعْرِضَ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ اِنْ لَوْ خُيِّرَ بَيْنَ فَقْدِ غَرَضٍ مِّنْ اَغْرَاضِهٖ اَوْ فَقْدِ رُؤْيَتِهٖ اِنْ لَوْ كَانَتْ مُمْكِنَةً فَاِنْ كَانَ فَقْدُهَا اَشَدَّ عَلَيْهِ مِنْ فَقْدِ غَرَضٍ مِّنْ اَغْرَاضِهٖ فَقَدِ اتَّصَفَ بِالْمَحَبَّةِ الْمَذْكُوْرَةِ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ لَا فَلَا ۔

ترجمہ: رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت کی علامات میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ انسان کو اپنی ذات کے آئینہ میں دو چیزیں پیش نظر ہوں ایک اس کی اپنی ذاتی غرض، اور دوسری دولت دیدارِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم امکانی صورت میں اگر یہ دونوں چیزیں گم ہو جائیں تو اسے اپنی غرض سے محرومی کا ذرا بھی احساس نہ ہو لیکن زیارت مصطفےٰ کی گمشدگی سے اسے ایک پل چین نہ آئے یہ سرکار کی محبت کی علامت ہے اگر ایسا نہ ہو تو پھر زبانی دعویٰ کے سوا کچھ نہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

ہوں گی اور صرف چالیس صفیں سابقہ انبیاؑ کی اُمتوں کی ہوں گی۔ (ترمذی)

(سید امیر محمد شاہ)

امام زرقانی فرماتے ہیں کہ یہاں تک حافظ ابن حجر نے ذکر کیا ہے مزید برآں یہ بھی کہا کہ سرکار کی محبت میں کسی چیز کے پائے جانے یا گم ہونے تک ہی بات محدود نہیں بلکہ اس کی مثال یوں بھی دی جاسکتی ہے کہ وہ شخص سنتِ مصطفےٰ کی مدد کرے امورِ شرعیہ کو اباؤ اجداد کی غلط رسوم سے بچائے اور مخالفین شریعت کی شاکھ ہی کاٹ دے اس کے ذیل میں ہی امر بالمعروف یعنی ہر اچھے کام کا حکم اور نہی عن المنکر یعنی ہر برے کام سے منع کرنا۔

ابن حجر نے مزید کہا ہے کہ اس بات میں فضیلتِ فکری کی طرف اشارہ ہے یعنی مذکورہ محبت میں انسان پہچانا جاتا ہے وہ اس طرح کہ انسان کو یا اپنی ذات محبوب ہوگی یا کوئی دوسری چیز اگر اسے اپنی ذات محبوب ہو تو وہ اپنی ذات کی ہمیشہ بقا و سالمیت چاہے گا، اور اپنی ذات کو ہر آفت سے ہر ممکن بچانے کی سرتوڑ کوشش کرے گا اور یہی مطلوبہ چیز کی حقیقت ہے اور اگر اسے کسی دوسری چیز سے محبت ہوگی تو یقیناً اس کی محبت میں کوئی نہ کوئی مفاد ضرور کار فرما ہوگا خواہ وہ مفاد تقاضۂ حال کے اعتبار سے ہو یا آخری نتیجہ کے طور پر، جب کسی کو حضور علیہ السلام کی طرف سے مطلوبہ نفع کی امید ہو جائے خواہ بطور مشاہدہ یا کسی سبب سے اسے معلوم ہو جائے کہ اس کی ذات کی بقا کا اصل سبب حضور پر نور ہی ہیں اور باور ہو جائے کہ ہر قسم کے نفعوں سے سرکار کی ذات سے حصول فائدہ سب سے بڑی بات ہے تو وہ خوش نصیب عام لوگوں کی نسبت حبّ رسول سے زیادہ مستفیض ہونے کا مستحق ہوگا کیونکہ اسے سرکار سے اثر کرنے والی محبت کا نفع حاصل ہوا ہے لیکن لوگ غفلت اور حاضر باش ہونے میں مختلف درجے رکھتے ہیں۔

حضور پر صلوٰۃ بھیجنے کی فضیلت اور فائدے

مواہب کے ساتویں مقصد میں اس قول پر :

وَاَمَّا فَضِيلَةُ الصَّلٰوةِ عَلَيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ وَرَدَ التَّصْرِيْحُ بِهَا فِي اَحَادِيْثَ قَوِيَّةٍ۔

ترجمہ: آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجنے کی تصریح بہت سی ثقہ اور مضبوط حدیثوں میں وارد ہوتی ہے۔

امام زرقانی فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام پر صلوٰۃ بھیجنے کے بے شمار فضائل میں سے یہ

فضیلتیں بھی ہیں کہ سرکار پر صلوٰۃ بھیجنے سے کفارہ گناہ ہوتا ہے درجات بلند اور اعمال کی صحت ہوتی ہے خطاؤں کی بخشش اور ملائکہ الٰہی صلوٰۃ بھیجنے والے کے لیے بخشش اور مغفرت طلب کرتے ہیں نیز ذرہ برابر نیکی اُحد پہاڑ کی مانند اور نیکی کا ایک پیمانہ کئی مکمل پیمانوں کے برابر لکھا جاتا ہے اور یہ وظیفہ اُمورِ دنیا و دین کے لیے اس شخص کے حق میں کفایت کرتا ہے جو کامل توجہ سے سرکار پر صلوٰۃ بھیجے اور یہ عمل گناہوں کو یوں جلا دیتا ہے جس طرح لکڑی کو آگ جلا دیتی ہے اور غلام آزاد کرنے پر بھی یہ عمل فضیلت رکھتا ہے اور اس کی بدولت کئی خوفناک صورتوں سے نجات ملتی ہے اور بارگاہِ مصطفیٰ علیہ السلام میں شرفِ حاضری ہوتا ہے حضور علیہ السلام کی شفاعت واجب اور اللہ کی رضا رحمت ہوتی اور اللہ کے غضب اور قہر سے امن ملتا ہے اور سایہ عرش میں مقام اور اس کی برکت سے نیکی کا پلڑا بھاری ہو جائے گا اور حوض کوثر کی سیرابی اور پیاس کے خطرے سے مکمل امان دوزخ سے نجات پُل صراط کی برق روی اور موت سے پہلے ہی مقام قُرب کی نشستِ خاص کا حُصول اور جنت میں بیویوں کی کثرت جیسی نعمتیں ملیں گی، نیز سرکار دو عالم پر صلوٰۃ بھیجنا بیس سے بھی زیادہ غزوں میں شمولیت سے افضل ہے اور تنگی کی حالت میں صدقہ کرنے کے قائم مقام اور اس سے اعمال کو حقیقی طہارت اور پاکیزگی میسر آتی ہے اور اس کی برکت سے مال بڑھنا شروع ہو جاتا ہے اور سو سے زیادہ حاجتیں روا ہوتی ہیں اللہ کے نزدیک عبادتوں میں سب سے زیادہ محبوب عمل بھی یہی ہے اس سے مجالس و محافل آراستہ ہوتی ہیں عرصۂ حیات کی تنگی دُور ہوتی ہے اور اسی سے دولتمندی کی راہیں کھُلتی ہیں اور یہ عمل کرنے والا عام لوگوں کی نسبت بارگاہِ رُسول میں زیادہ قریب ہو جاتا ہے۔ اور سات پشتوں تک اس کی اولاد کو رُوحانی فائدہ پہنچایا جاتا ہے اللہ اور رُسول صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاں وہ آدمی مقرب شمار ہوتا ہے درود و صلوٰۃ ایک نُور ہے جس سے دشمنوں پر غلبہ دل سے نفاق اور کدورت چھٹ جاتی ہے اور لوگوں کے دلوں میں مقام پیدا ہوتا ہے اور درود پڑھتے رہنے سے خواب میں ہمیشہ سرکار کی زیارت نصیب ہوتی رہتی ہے اور یہ عمل تمام اعمال سے زیادہ بابرکت ہے اور تمام کاموں سے افضل اور اس کا نفع دنیا اور دین میں سب سے زیادہ ہے صلوٰۃ کے متعلق حافظ سخاوی نے بدیع میں بہی کچھ کہا ہے اس سلسلہ میں بہت سی احادیث بھی منقول ہیں۔ اور حافظ سخاوی کے تمام منقولات میں نے اپنی کتاب سعادت دارین میں جس کی شان کی آج تک

کوئی تالیف نہیں ہوئی جسے شوق ہو وہ اس کا مطالعہ کرے۔

حضور علیہ السلام کا مرض اسہال میں طبی مشورہ

مواہب کے آٹھویں مقصد میں امام زرقانی حضرت ابوسعید خدری کی حدیث جو بخاری و مسلم میں ہے پر فرماتے ہیں:۔

إِنَّ رَجُلاً أَتَی النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَخِی يَشْتَكِی بَطْنَهُ وَفِی رِوَايَةٍ اِسْتَطْلَقَ بَطْنُهُ فَقَالَ اسْقِهِ عَسَلاً فَسَقَاهُ فَلَمْ يَزِدْهُ إِلَّا اسْتِطْلَاقاً فَقَالَ صَدَقَ اللّٰهُ وَكَذَبَ بَطْنُ أَخِيكَ۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری روایت کرتے ہیں کہ سرکار کی خدمت میں ایک آدمی آکر کہنے لگا کہ یارسول اللہ میرے بھائی کو سوء ہضم یعنی (بدہضمی) کی شکایت ہے اور ایک روایت میں ہے کہ میرے بھائی کا پیٹ بہہ رہا ہے اس پر آں حضرت نے فرمایا کہ اسے شہد پلا دے تو اس نے شہد پلایا مگر اسہال اور بدہضمی میں بظاہر اضافہ ہوگیا حضور نے فرمایا کہ اللہ کا فرمان سچا اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹ کہہ رہا ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے چونکہ اس شخص کے بھائی کے پیٹ میں فاسد مادہ کثرت سے تھا اور آپ اس لیے بار بار شہد کے استعمال کا مشورہ دیتے رہے تھے تاکہ وہ فاسد مادہ خارج ہو جائے جب اس نے اپنے بھائی کو ایک دو بار مزید شہد پلایا تو بالکل تندرست ہوگیا، اور بخاری کی ایک روایت میں یوں ہے۔

إِنَّ أَخِی يَشْتَكِی بَطْنَهُ فَقَالَ اسْقِهِ عَسَلاً ثُمَّ أَتَی الثَّانِيَةَ فَقَالَ اسْقِهِ عَسَلاً ثُمَّ

ترجمہ: بے شک ایک شخص حضور کی خدمت میں حاضر ہوکر کہنے لگا کہ میرے بھائی کو پیٹ کے مرض کی شکایت ہے تو آپ نے فرمایا کہ اسے شہد پلا دے پھر دوبارہ آیا

اتاہ الثالث فقال اسقہ عسلاً ثم اتاہ فقال فعلت فلم یبرأ فقال صدق اللہ و کذب بطن اخیک۔

آپ نے شہد کے استعمال پر زور دیا پھر سہ بارہ آیا پھر آپ نے شہد پلانے کو کہا وہ پھر آکر کہنے لگا کہ آپ کے فرمان کے مطابق کیا ہے لیکن آفاقہ نہیں ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کا فرمان سچ ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔

پھر اس نے اپنے بھائی کو شہد دیا تو وہ بالکل صحت مند ہو گیا، اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضورؐ نے اسے صدق اللہ فرمایا یہ اس لیے تھا کہ وہ تیمارداری کے ساتھ ساتھ بار بار بارگاہِ رسالت سے بھی فیض یاب ہوتا رہے۔

پھر امام زرقانی فرماتے ہیں قرطبی نے کہا کہ اس حدیث کے مفہوم میں بعض بے دین طبیبوں کو اعتراض ہوا ہے وہ یہ کہ جب شہد کے مسہل ہونے پر اجماعِ اطبا ہے تو اسہال والے شخص کے لیے شہد کو تجویز کرنا کیسے درست ہو سکتا، درحقیقت یہ کلامِ اطبا صداقتِ مصطفےٰ علیہ السلام کے سامنے اور اس فنِ طب کے سامنے جس کی ارتقا کا اصل سبب حضور ہی کی ذات ہے کے سامنے بالکل غلط اور بے بنیاد ہے یہ جواب طبِ اسلامی کے علماء نے دیا ہے۔

(۱) جس شخص نے سرکار کی سچائی بطورِ معجزہ معلوم کر لی ہو اس کا حق یہی کہ سرکار کی جو بات اسے سمجھ نہ آئے اور اس کی عقل قاصر ہو کر رہ جائے تو وہ حضور کی سچائی کا اقرار صدق دل سے کرے کہ جو سرکار نے فرمایا وہ فی نفسہٖ حق اور سچ ہے خطا اور قصور کو اپنی ذات اور اپنے سوءِ فہم پر منسوب کرے پھر جس عمل کی کسی چیز سے متعلق ہونے کی اصل وجہ اور کیفیت بھی رسول صادق علیہ السلام نے بیان کر دی ہو اس پر غور کرنا چاہیئے تحقیق کرنے کے بعد انکشاف ہو گا کہ جو کچھ صادق کائنات علیہ السلام نے فرمایا ہے وہ حق اور سچ ہے۔

(۲) اس اعتراض سے معترض فن طب میں بالکل کورا اور جاہل ثابت ہو گا کہ اس نے مطلق کو مقید یعنی شہد کے مطلق پیامِ شفا کو مسہل قرار دیا پھر یہ ستم ظریفی کہ اس پر اطبا کا اجماع نقل کیا جو سراسر غلط ہے دوسرے جواب کی تائید میں امام مازری نے کہا کہ وہ چیزیں جو طب میں

پائی تو جاتی ہیں لیکن تفصیل طلب ہوتی ہیں۔ مثلاً ایک وقت میں ایک چیز مریض کے لیے بطور دوا کام کرتی ہے اور وہی چیز کسی اور عارضہ میں دوسرے وقت بیماری کے مزاج کی معاون ثابت ہوتی ہے اور تکلیف میں شدت کی صورت پیدا ہو جاتی ہے تو اندریں صورت علاج کے لیے وہ چیز ضروری سمجھی جائے گی جو مزاج مریض کے لیے مفید ہو اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک مخصوص وقت میں کسی خاص شخص کے لیے ایک چیز میں شفا موجود ہوتی تو اس چیز سے ہر حال میں اور ہر شخص کے لیے شفا طلب نہیں کی جا سکتی بلکہ اطباً اس بات پہ متفق ہیں کہ بلحاظ عمر ایک ہی بیماری کے مختلف علاج ہوتے ہیں۔ دونوں جوابات کی روشنی میں معترض کی جہالت آشکارا ہوگئی۔ ہم سرکار دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے لیے اطباً کی سچائی سے استدلال کرنے والے نہیں ہیں بلکہ جو حضور علیہ السلام کی تکذیب کریں ہم ان کی مذمت کریں گے اور انہیں کافر قرار دیں گے اور انہیں ان کے ہر فن سے نکال دیں گے کیونکہ ہمارے آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی جھوٹ کہا ہی نہیں۔ امام زرقانی کے فرمودہ جواہر میں سے ہے آپ نے مواہب کے نانویں مقصد میں اس قول پر:-

وَكَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	ترجمہ: یعنی ایک روز حضور علیہ السلام نماز پڑھ
يُصَلِّي تَعَرَّضَ لَهُ الشَّيْطَانُ	رہے تھے درمیان میں شیطان آ ٹپکا کہ آپ
لِيَقْطَعَ عَلَيْهِ صَلَاتَهُ فَاَخَذَهُ	کی نماز خراب کردے تو سرکار اسے پکڑ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَنَقَهُ	کر اس کا گلا دبا دیا حتیٰ کہ اس کے منہ کا
حَتّٰى سَالَ لُعَابُهُ عَلٰى يَدَيْهِ.	لعاب سرکار کے ہاتھوں پر بہنے لگا۔

یہ حدیث بخاری و مسلم و نسائی میں ہے اور بخاری کے الفاظ کچھ اس طرح ہیں۔

سرکار کا ابلیس کو قید کرنا

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ	ترجمہ: حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ	کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے پاس
اِنَّ عِفْرِيْتًا مِنَ الْجِنِّ تَفَلَّتَ	ایک شب دوران نماز ایک سرکش جن آیا
عَلَيَّ الْبَارِحَةَ اَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا	کہ وہ میری نماز میں مخل ہو اللہ نے مجھے اس

لِيَقْطَعَ عَلَيَّ الصَّلٰوةَ فَاَمْكَنَنِي اللّٰهُ مِنْهُ فَاَرَدْتُ اَنْ اَرْبِطَهٗ اِلٰى سَارِيَةٍ مِّنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ حَتّٰى تُصْبِحُوْا وَتَنْظُرُوْا اِلَيْهِ كُلُّكُمْ فَذَكَرْتُ قَوْلَ اَخِي سُلَيْمَانَ رَبِّ اغْفِرْلِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنْبَغِي لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ فَرَدَدْتُهٗ خَاسِئًا۔

پر ایسی قدرت بخشی کہ میں نے ارادہ کیا کہ اسے مسجد کی دیواروں میں سے کسی دیوار کے ساتھ باندھ دوں یہاں تک تم سب لوگ صبح اُٹھ کر اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لو پھر میں نے اپنے بھائی جناب سلیمان کی بات یاد کی جو انہوں نے اللہ سے کہ اے میرے رب مجھے بخش دے اور مجھے وہ بادشاہی دے جو میرے بعد کسی کو زیب نہ دے بیشک تو ہی سب کچھ دیتا ہے پھر میں نے اسے ذلیل کر کے لوٹا دیا۔

شفاعتِ کبریٰ حضور ہی کا خاصہ ہے

مواہب کے دسویں مقصد میں امام زرقانی اس حدیث شفاعت پر۔

فَيَقُوْلُ عِيْسٰى اِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهٗ مِثْلَهٗ وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ وَلَمْ يَذْكُرْ ذَنْبًا فِي رِوَايَةِ اَبِي هُرَيْرَةَ وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنِّي اتُّخِذْتُ اِلٰهًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ نَفْسِي نَفْسِي نَفْسِي اِذْهَبُوْا اِلٰى غَيْرِي اِذْهَبُوْا اِلٰى مُحَمَّدٍ فَيَاتُوْنَ مُحَمَّدًا

ترجمہ: میدانِ محشر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے بیشک میرا رب آج کے دن اتنا غضب ناک ہے کہ اس طرح پہلے نہ کبھی غضب ناک ہوا اور نہ بعد میں کبھی ایسا غضب ناک ہوگا اس حدیث میں ابوہریرہ کی روایت میں عیسیٰ کی کسی لغزش کا ذکر نہیں ہے اور روایت ابن عباس میں کہا کہ میں نے اللہ کے سوا معبود بنا لیا۔ مجھے اپنی فکر ہے اور یوں تین مرتبہ کہا اور پھر کہا کہ کسی اور کے پاس چلے جاؤ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے جاؤ پھر

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سب انبیاؑ آں حضرت کے پاس آئیں گے اور
فَيَقُوْلُوْنَ يَا مُحَمَّدُ أَنْتَ کہیں گے کہ اے محمد صلے اللہ علیک وسلم
رَسُوْلُ اللّٰهِ وَخَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ آپ اللہ کے خاص رسول ہیں اور خاتم النبیین
وَقَدْ غُفِرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ ہیں آپ کے پہلے اور بعد والے خلافِ اولیٰ
مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ۔ بخش دیئے گئے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے فی الواقع اگر کوئی لغزش ہوئی بھی ہوتی تو آپ کو کوئی مواخذہ نہ ہوتا۔ حافظ ابن حجر نے کہا کہ حضرت عیسٰی و موسٰی علیہما السلام کے عذر خواہ ہونے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جس سے کوئی چیز واقع ہوئی ہوا سے اپنی تقصیر کا احساس باقی رہتا ہے اور مواخذہ کا ڈر بھی مکمل طور رفع نہیں ہوتا اگرچہ نص قرآنی سے ثابت ہے کہ عیسٰی و موسٰی علیہما السلام کی خطائیں معاف کر دی گئیں، اس کے باوجود انہوں نے اپنے آپ کو اس لائق نہ جانا کہ شفاعت کر سکیں ان کے اور ہمارے آقا و مولیٰ حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے درمیان فرق ظاہر کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم سے تو کوئی خطا مطلقاً صادر ہی نہیں ہوئی اسی لیے حضرت عیسٰی اور دیگر انبیاؑ علیہم السلام نے ہمارے آقا و مولیٰ کو صاحب الشفاعت تسلیم کر کے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے محتاج ہوں گے[ل] آپ حضورؐ کے پہلے اور بعد کے خلافِ اولیٰ معاف کر دیئے گئے مراد یہ ہے کہ یقیناً اللہ نے انہیں واضح کر دیا کہ اگر محبوب خدا سے خدانخواستہ کوئی لغزش ہوتی بھی تو انہیں کسی قسم کا مواخذہ نہ ہوتا۔ حافظ ابن حجر نے کہا الحمد للہ یہ نفیس کلام فتح الباری سے ملا ہے۔

اور قاضی عیاض نے کہا احتمال ہے کہ انبیائے سابقین نے حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنا مددگار مان لیا ہوگا اور فرداً فرداً آپ سے صلے اللہ علیہ وسلم شفاعت کی ذمہ داری قبول کروانے کی کوشش کرنے لگیں گے اور ایسی صورت میں بھی آپ کی عزت و شرف اس مقام پر سب پر عیاں ہو جائے گی، اس موقعہ پر آپ کی ملاقات کے لیے پانچ انبیاؑ کرام خاص کئے جائیں گے جناب آدم علیہ السلام نوح علیہ السلام جناب ابراہیم جناب موسٰی جناب عیسٰی علیہم السلام حالانکہ دوسرے

ل آنکہ آمد نو فلک معراج او انبیاؑ اولیاؑ محتاج او
(عطار) مترجم غفرلہ

اوالوالعزم پیغمبر انبیاءؑ و مرسلین جو اپنی اپنی شریعتوں کے وارث ہوں گے اور ان کے وہ ساتھی بھی موجود ہوں گے جنہوں نے طویل مدّت اور عرصہ دراز تک ان کی شریعتوں پر عمل کیا ہو گا مذکورہ انبیاءؑ کو یہ اعزاز اس طرح دیا جائے گا کہ آدم علیہ السلام سب کے والد ہوں گے اور جناب نُوح بھی آدم ثانی کی حیثیت سے دوسرے درجہ کے باپ ہوں گے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام مرکز ادیان اور جدالانبیاءؑ ہوں گے اور مُوسیٰ علیہ السلام کثرت اتباع میں حضور علیہ السلام کے بعد دوسرے درجہ پر اور دیگر انبیاءؑ کی نسبت سب سے زیادہ پائے جائیں گے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی نبی نہیں آیا ہو گا اور اس لیے کہ عیسیٰ علیہ السلام حضور کی اُمّت سے اٹھیں گے لوگوں کو جناب رُوح اللہ کے فضل و شرف اور قیامت کے ہول کی وجہ سے ان کے آنے کی خبر تک نہ لگے گی۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ جس شخص نے دنیا میں یہ حدیث سُن رکھی ہو گی اسے ذرہ برابر شک نہیں رہے گا اور وہ پہچانے گا شفاعت کرنے کے لیے حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی خاص کئے ہوئے ہیں اس کے باوجود اسے یاد نہیں آئے گا کہ سب انبیاءؑ کرام میں سے سرکار ہی اس مقام کے لائق ہیں درحقیقت یہ نسیان ان پر اللہ کی طرف سے مذکورہ حکمت کے تحت طاری کیا جائے گا، یہاں زرقانی کی عبارت ختم ہوئی۔

حضور علیہ السلام سب سے پہلے شفاعت کرنے والے اور شفاعت قبول کیے جانے والے ہوں گے

امام شعرانی اپنی کتاب یواقیت والجواہر میں فرماتے ہیں کہ شیخ محی الدین رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور علیہ السلام نے اپنے متعلق سب سے پہلے شفاعت کرنے والے اور شفاعت قبول کیے جانے والے کی خبر ہمیں اس لیے دی ہے کہ ایک تو آپ کی ہم پر شفقت ہے اور دوسرا یہ کہ ہمیں قیامت کے دن ایک نبی سے دوسرے نبی کے پاس جانے کی زحمت اور مشقت سے راحت اور اطمینان ہو اور اس دن ہر ایک نفسی نفسی پکار رہا ہو گا تیسرا یہ کہ حضور علیہ السلام نے ہمیں اپنے مقام سے آگاہ کر دیا تاکہ ہم قیامت کے دن اپنے اپنے مقامات پر صبر و استقلال سے خوش خوش بیٹھے رہیں یہاں تک کہ حضور علیہ السلام کی باری آ جائے اور آپ فرمائیں اَنَا لَهَا اَنَا لَهَا یعنی میں ہی اس کے لائق ہوں، میں ہی اس کے لائق

ہوں لیکن ہر وہ شخص جسے دنیا میں اس حدیث کو نہ سُنا ہوگا یا سُنا تو ہوگا مگر بھول چکا ہوا سے بہرطور
ایک نبی سے دوسرے نبی کے پاس جانے کی مشقت ضرور اٹھانا پڑے گی ہاں جس شخص کو یہ حدیث
خوش قسمتی سے پہنچی ہوگی اور قیامت تک اسے یاد بھی رہ جائے اور یہ یادداشت بھی سرکار کی شفقت
سے ہی اُمت پر باقی رہے گی، اور حدیث میں سرکار علیہ السلام کا لا فخر فرمانا اس لیے ہے کہ میں اولاد
آدم اور نبیوں رسولوں پر سردار ہونے پر فخر نہیں کرتا اور اس سے میری مُراد یہ ہے کہ تمہیں قیامت
کی وحشت اور مشقت سے راحت اس وعدہ سابقہ کے مطابق مل جائے جو اللہ جل وعلا نے مجھ سے
کر رکھا ہے کہ میں سب سے پہلا شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے شفاعت قبول کیا
جانے والا ہوں اور اس میں آپ کا لا فخر فرمانا ایک صحیح غرض سے بھی تھا اور وہ غرض یہ تھی کہ اس
قول سے نہ صرف میری نفاستِ طبع عیاں ہوگی بلکہ میری تمام اُمت کے لوگوں کا بھی تزکیہ نفس
ہو جائے گا کہ وہ مخلوق کو دیکھ کر اپنے آپ کو فخر سے پاک محسوس کریں گے یہ شیخ محی الدین کی بات ختم ہوئی

اس عبارت کو میں نے اپنی کتاب فضائل محمد کے اوائل میں بھی نقل کیا ہے اور بعد ازیں میں
نے ان کی مذکور کلام نقل کی ہے اور وہ یہ ہے کہ مذکورہ حدیث میں قیامت کے دن صرف سرکار
کو ہی سیادت اور سرداری کے ساتھ اس حکمت کے تحت خاص کیا جائے گا کیونکہ دُنیا میں آپ سب
لوگوں کے سردار بلکہ دنیا اور آخرت میں اللہ کی تمام مخلوق کے سردار ہیں لیکن قیامت کے دن
ہی تمام مخلوق کی آپ کی سرداری مکمل ظاہر ہوگی اور تمام جہانوں والے موافق و مخالف سرکار کی
اپنی اُمت اور دوسری اُمتوں کے لوگ آپ کی سرداری کا مشاہدہ کر کے آپ کی سرداری کا مشاہ
تسلیم کریں گے اس کے باوجود حضور علیہ السلام اس خطرے سے کہ لوگ مجھ سے فضائل اور کثرتِ
معجزات کی بنا پر الوہیت کا عقیدہ نہ رکھنے لگیں جس طرح کہ بعض دوسری اُمتوں کے لوگ یہ عقیدہ
رکھتے تھے کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ میں عام بندے کی طرح ہی اٹھتا بیٹھتا اور کھاتا پیتا ہوں اور
فرمایا کرتے کہ میری ذات میں وہ مبالغہ آرائی نہ کرنا جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق
مبالغہ سے کام لیتے ہوئے انہیں اللہ کا بیٹا بنا دیا مجھے اللہ کا بندہ اور رسول کہا کرو، ایک مرتبہ
ذاتِ حق نے حقیقت محمدی کو اس بات میں اختیار دیا کہ آپ فرشتہ ہونے کی حیثیت سے نبی ہونا
پسند کرتے ہیں یا بندہ ہونے کی حیثیت سے تو آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے بندہ ہونے کی حیثیت

سے نبی ہونا پسند کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حکمت یہ تھی کہ میں ایک دن بھوکا رہوں گا اور دوسرے دن پیٹ بھر کر کھاؤں گا جب بھوک آئے گی تو اس کو دُور کرنے کے لیے اللہ سے سوال کروں گا اور جب پیٹ بھر کر کھاؤں گا تو اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاؤں گا اور اس سے ملتی جلتی اور بھی بہت سی احادیث ہیں جن میں سرکار کی حقیقتِ بندگی و تواضع واضح طور پر بیان کی گئی ہے جس طرح سرکار نے ایک عورت کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو دھوپ میں خشک کیا ہوا گوشت پکا کر کھاتی تھی۔

جاننا چاہیئے کہ حضور نے اپنی ذات کو جن اوصاف سے متصف کیا ہے یا آپ کے غلاموں نے آپ کو جن جن اوصاف محمودہ سے موصوف کیا ان میں اترانے یا فخر و غرور کی کوئی بات نہیں جس سے سرکار علیہ السلام نے اپنے اس قول لَا تُطْرُونِیْ سے منع فرمایا ہے (الاطراء) کا معنی ہوتا ہے کسی شی کی تعریف میں حد سے زیادہ مبالغہ کرنا حضور علیہ السلام کے اوصاف میں کوئی ایسا وصف نہیں جس میں ایسا مبالغہ ہو بلکہ آپ کی تعریف میں جو کچھ بھی ہے وہ آپ کے صحیح احوال کی عکاسی کرتا ہے۔ امام بوصیری فرماتے ہیں :-

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰی نَبِیِّهِم
وَاحْکُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِیْهِ وَاحْتَکِم
وَانْسُبْ اِلٰی ذَاتِهٖ مَا شِئْتَ مِنْ شَرَفٍ
وَانْسُبْ اِلٰی قَدْرِهٖ مَا شِئْتَ مِنْ عِظَمٍ
فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَیْسَ لَهٗ
حَدٌّ فَیُعْرِبَ عَنْهُ نَاطِقٌ بِفَمٍ

ترجمہ: اپنے نبی سے متعلق جو عقیدہ نصاریٰ کا تھا تم اسے چھوڑ دو اور اپنے نبی کی شان کے زیبا جو تم چاہو مضبوط فیصلہ کر سکتے ہو اور اپنے نبی کی ذات سے جو بزرگی بھی چاہو منسوب کر سکتے ہو اور آپ کی قدر منزلت کے لیے جو چاہو عظمتیں منسوب کر دو بے شک فضیلت مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے کوئی ایسی حد بندی نہیں جس سے کہنے والا اپنا منہ خاک آلود کر لے۔

مسکینی سرکار کا اوڑھنا بچھونا تھی

جس تعریفی مبالغہ سے سرکار نے منع فرمایا وہ یہ تھا کہ آپ کی کوئی الوہیت کا عقیدہ نہ رکھے۔

جس طرح مسیح علیہ السلام پر نصارٰی کا عقیدہ ہے اس لیے آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس مبالغہ آمیز تعریف سے یاد نہ کرو جس طرح نصارٰی نے عیسٰی علیہ السلام کے متعلق مبالغہ سے تعریف کی تم میں کوئی بھی ایسا نہ ہو جو اپنے نبی کی الوہیت کا قائل ہو باوجودیکہ آپ میں کمالِ فضیلت اور معجزات کی کثرت اس حد تک تھی کہ باقی تمام مخلوق میں کہیں یہ کثرت وجود میں آئی یہ سب کچھ اللہ کی عطا تھی اور آپ بار بار اپنے متعلق اللہ کا بندہ ہونا فرمایا کرتے تھے اور کہا کرتے کہ میں بندہ ہوں میں مسکین ہوں اور دُعا کیا کرتے کہ یا رب اللہ مجھے مسکینوں میں زندہ رکھنا اور مسکینوں میں ہی مارنا اور مجھے قیامت کے دن مسکینوں کی صف میں ہی اُٹھانا سرکار کی مقام الوہیت کے تقدس کو بحال رکھنے پر اتنی تاکید کے باوجود کچھ باطل فرقوں نے آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور کچھ بعد والے لوگوں پر عقیدۂ الوہیت قائم کر لیا جس طرح ایک نابلند فرقہ جناب علی کرم اللہ وجہہٗ کی الوہیت کا قائل ہے۔

ارشادات امام زرقانی ختم ہوئے۔

عارف باللہ شیخ عبدالغنی نابلسی المتوفی سنہ ۱۱۴۳ھ رضی اللہ عنہ

کے

فرمودات گرامی

صلاتِ مشیشیہ کے خطبہ کی شرح میں شیخ عبدالغنی کے فرمودہ ارشادات میں سے ہے کہ سب تعریفیں اس اللہ جل شانہٗ[1] کے لیے ہیں جس نے ہمارے سردار حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر عزت تکریم بخشتے ہوئے صلوٰۃ بھیجی اور آں حضرت عرب و عجم کے سردار ہیں جنہیں سب سے زیادہ افضل قُرب اور مخلوق میں سے زیادہ اُونچے رتبے ملے ہیں اور تعریف کے لائق وہ ذات ہے جس نے اہلِ عنایت کو حضور علیہ السلام پر صلوٰۃ بھیجنے کی توفیق[2] بخشی اور جس نے حضور پر درود بھیجنے کو منزل ولایت کا زینہ بنا دیا صراطِ مستقیم پر چلنے اور انجام کار کے لیے دلیل اور ہر گناہ کے لیے کفارہ بنا دیا اہل عنایت اُمت رُسولِ عربی صلے اللہ علیہ وسلم اور اہل قُرب اور شرع محمّدی کے پابند لوگوں سے ہمیشہ بے حد محبت کرتے رہتے ہیں اہلِ عنایت کے دلوں میں انوار مُحبت جگمگاتے رہتے اور ان کی ارواح حضوری اور قُرب کے عنبرین اور عطر بار جھونکوں کی سیر کرتی ہیں نُور محمّدی کے مشاہدہ کی برکت سے ان کی زبانیں وہ حقائق بیان کرتی ہیں جو ان کے دلوں میں مخفی اور جو کچھ رموز احمدی کے کمال سے ان کی رُوحوں پر عیاں پر ہوتا ہے اور یہ لوگ اس کیفیت سے اپنی وابستگی ہمیشہ قائم رکھتے ہیں یہاں تک کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت کی صیح پہچان ہو جاتی ہے۔ درحقیقت حضور علیہ السلام کو کما حقہٗ جس طرح ان کی عظیم قدر و منزلت ہے اللہ ہی بہتر جانتا ہے مخلوق اگرچہ امکانی حد تک سرکار دو عالم کی تعریف میں گفتگو کرے اور اس میں پورا اخلاص اور وفاشعاری بھی ہو لیکن پھر بھی بہت دور ہے کہ سرکار دو عالم کی قدر و منزلت پہچان لی جائے البتہ مصطفےٰ علیہ السلام کے بعض حالات دلوں کے سبزہ زار میں ضرور گردش کرتے رہتے ہیں تاہم ان کی چوٹی سر کرنے کے لیے کسی کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا۔ ایسا کون شخص ہے جو اس حقیقتِ حال کو واضح الفاظ میں بیان کر سکے یا اس حقیقت پر کچھ صیح طور کہہ سکے اور حضور پر صلوٰۃ بھیجنے والے روشن ضمیر لوگوں کی صف میں شامل ہو جائے اور ان کے مسلک پر چل کر ان کا بہتر جانشین ثابت ہو اور اس حقیقت پر مقامِ قُرب میں مدلل گفتگو کے ساتھ یا اپنی گفتگو

---

[1] اللہ اس ذات کا نام ہے جس کا وجود کوئی تغیر قبول نہ کرے اور ہر کمال اس کی ذات پر ختم ہو جائے۔

[2] اچھے مقصد کے حصول کے لیے بے شمار قدرتی اسباب کا پیدا ہو جانا توفیق کہلاتا ہے۔ مترجم سید امیر محمد شاہ

(مترجم غفرلہ ولد الدیہ)

کی تحریر جس میں نزاکتِ ادب ملحوظ خاطر رہے قربِ حضوری حاصل کرے وہ تو صرف شیخ امام، قطب عارف الٰہی جن کا طریقہ کتاب وسنّت کے مطابق جن کے حالاتِ زندگی عظمتِ سنتِ رسول کے آئینہ دار جن کا خاندان عالی قدر بزرگی والا ہے۔ سیدی عبدالسلام بن مشیش الحسینی ہیں اللہ تعالیٰ ان کے فیوض وبرکات اپنے فضل وکرم سے ہم پر ہمیشہ قائم ودائم رکھے چونکہ صلوٰت مشیشیہ جناب عبدالسلام بن مشیش سے منسوب ہے یہ صلوٰۃ اپنے ضمن میں ایسے ایسے اعلیٰ حقائق اور نہایت لطیف قسم کے دقائق واسرار جو عالم غیب میں عارف لوگوں کے آسمانِ قلوب پر اللہ کی طرف سے ظاہر ہوتے تو مجھ سے مخدوم ومہربان۔ سیّد وعبادت گذار نیک وطاعت شعار پیر طریقت رہنمائے اسرار حقیقت حمایت حق میں چٹان اور خاموش سمندر کی طرح حوصلہ مند اور صاحب برداشت جناب ابوحفص عمر بن عیسیٰ بن عبدالوہاب الشریف الحسنی اللہ تعالیٰ ان کی اور ان کے خاندان کی برکت سے ہمیں بے حد فائدہ دے نے مذکورہ صلوٰۃ کے متعلق سوال فرمایا مجھے ان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے جواب دینے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا پھر ترجمہ مصنف ذکر کیا گیا۔

حضور علیہ السلام کے اسم گرامی کے وسیلے سے دعائیں قبول اور عطائیں انمول ہو جاتی ہے

شیخ عبدالسلام بن مشیش کے اس قول:۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مَنْ مِنْہُ اِنْشَقَّتِ الْاَسْرَارُ وَانْفَلَقَتِ الْاَنْوَارُ۔	ترجمہ: یاالٰہی جس مقدس ذات قبلہ عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے راز کھلتے ہیں اور انوار پھوٹتے ہیں ان پر صلوٰۃ بھیجیے

پر عارف نابلسیؒ فرماتے ہیں کہ اللھم کے قول سے مصطفےٰ علیہ السلام کے لیے ذاتِ حق کی توجہ دلانا اور پسندیدہ شے کے حصول کی طلب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کے وسیلہ سے کرنا مقصود ہے کیونکہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ایسا بابرکت ہے کہ اس کے وسیلہ سے جب دعائیں کی جائیں تو مقبول ومنظور ہوتی ہیں اور انعاماتِ خداوندی مانگے جائیں تو عطا کئے جاتے ہیں اور صلِّ کے قول سے اس امر کی دعا اور طلب کی گئی ہے۔ کہ حق سبحانہٗ اپنے محبوب نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود سلام کہے اور حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم پر اللہ جل مجدہٗ کے درود وسلام پڑھنے سے مراد یہ

ہوتا ہے کہ ذاتِ حق اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کو انعام و عزت سے ممتاز و منفرد فرما دے اور اسی لفظ صلوٰۃ کی نسبت جب فرشتوں کی طرف کی جائے تو معنی طلب رحمت و استغفار ہوتا ہے اگر لفظ صلوٰۃ بندوں کی طرف منسوب ہو تو دعا و التجا مراد ہوتی ہے، اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے عزت بخشنے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ان کی عزت دوبالا فرما دے اور اپنی ذات کے قریب تر فرمالے اور بندوں کی طرف سے آپ پر درود و سلام بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ بندے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے کو قرب خداوندی کے لیے وسیلہ بنائیں جس طرح مفلس نادار شخص امراء روسا کو تحائف اور ہدیے پیش کر کے ان سے قرب خاص یا افزونی انعام کی توقع کرتے ہیں اور یہ ایک حقیقت ہے کہ حضور علیہ السلام کو اللہ کے درود و سلام کے بعد کسی دوسرے کے درود و سلام، یا صلوٰۃ بھیجنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی البتہ سرکار علیہ السلام پر درود و سلام پڑھنا بندوں پر اس لیے لازم ہے کہ انہیں اللہ کی معرفت اور محبوب خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا قرب ہو جائے گا اور ان کے لیے ایسے وسائل پیدا ہو جائیں جن سے وہ حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم کے بلند مقام اور سچی سرکار میں قرب اور نزدیکی حاصل کریں، بنیادی طور پر اللہ ہی کی طرف سے حضور پر صلوٰۃ بھیجی جاتی ہے اور بندوں کی طرف سے آپ پر صلوٰۃ بھیجنا تاکیدی طور پر ہے جاننا چاہیے کہ اس میں ذرا بھی شک نہیں کیا جا سکتا کہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر جو صلوٰۃ ذات حق نے خود بھیجی ہے وہ صلوٰۃ بہرحال دوسروں کی صلوٰۃ بھیجنے پر فوقیت رکھتی ہے اپنی صلوٰۃ کے بعد اللہ تعالیٰ کو کسی دوسرے کے صلوٰۃ بھیجنے کی ضرورت مطلق نہیں ہے لیکن اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیارے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ اور درود و سلام بھیجنے کو اپنی رضا اور خوشنودی کا اصل سبب بنا دیا ہے۔ اور اسے اپنی بارگاہِ قرب کے لیے دروازہ بنا دیا، دروازۂ خیرات کی چابی اور کرامتوں کا زینہ اور برکتوں اور نعمتوں کے حصول کا بہترین ذریعہ بنا دیا یہ عبادت گذار لوگوں کی عبادتوں میں سب سے افضل عبادت ہے اور اہل سلوک کے لیے قرب کا ایک بہت بڑا طریقہ ہے اور مریدین کی ارادت پر مدلل دلیل ہے اور اہل عشق و محبت کے لیے ایک پختہ نشانی ہے اور اہل وصال کی جائے پناہ اگرچہ اس صلوٰۃ کے مقامات مختلف ہیں تاہم اس کا اصل مرجع اور مرکز حضور ہی کی ذات ہے اور اس کی حقیقت آپ ہی کی ذات سے آشکارا

ہوتی ہے جب جناب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھا جائے تو وہ درود واقعتاً جناب محمد علیہ السلام پر ہی پڑھا جاتا ہے کیونکہ بندے آپ ہی کے حکم سے آپ پر درود پڑھتے ہیں یہ بات تحقیق سے ثابت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر شایانِ شان طریقہ سے اللہ کے سوا کوئی شخص درود نہیں پڑھ سکتا اور خدائے ذوالجلال ذکر مصطفےٰ اپنی ذات کے ساتھ یا اپنے عمل خاص کے ساتھ کرتا ہی رہتا ہے۔

حقیقت محمدّی پر اسرار شے ہے

اور ان کے قول عَلیٰ مَنْ مِنْہُ اَنْشَقَتِ الْاَسْرَارُ وَانْفَلَقَتِ الْاَنْوَارُ سے ہمارے آقا و مولیٰ اور ہمارے سردار حضرت محمدؐ عربی صلے اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور اسرار لفظ سِرّ کی جمع ہے ان سے اسرارِ ذات وصفات اور اسرارِ عمل مراد ہیں اور یہ تمام اسرار اللہ کے اسم (الباطن) کی وجہ سے صیغہ راز میں تھے اور مولائے ذوالجلال کی کبریائی کی وجہ سے یہ اسرار مخلوق سے مخفی رہتے تھے جب حضور علیہ السلام تشریف لائے تو ان اسرار کو اسم (الظاہر) کی تحویل میں دے دیا اور انہیں اللہ کے اسم (مُبِیْن) کے ساتھ ظاہر فرما دیا اور جب اہل ایمان کی آنکھوں سے پردہ اٹھا دیا تو تمام اسرار روز روشن کی طرح ظاہر ہو گئے اس اعتبار سے حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم ہی ان اسرار کو ظاہر فرمانے والے اور آنکھوں سے پردہ اٹھانے والے ہیں اور آپ ہی کے نور سے اسرار و رموز ظاہر ہوئے ہیں اور اسرار محمدّی ہی سے انوار چمک رہے ہیں، ان انوار سے انوار ایمانی مراد ہیں جو اہل ایمان کے دلوں میں ضیا بار ہیں اور یہ انوار بعثت محمدّی سے قبل تاریکی و کفر میں چھپے ہوئے تھے اور شرک کے زہریلے دھوئیں میں دبے ہوئے تھے نور محمدی کی آمد سے جن کی ہدایت اللہ کو منظور تھی ان کے آسمان دل چمک اٹھے اور ان سے کفر کا اندھیرا چھٹ گیا اور نور ایمان جگمگانے لگا۔

ل حدیث قدسی میں مذکور ہے کہ اِذَا ذُکِرْتُ ذُکِرْتَ مَعِیْ یعنی جب ذکر کیا جائے تو میرے ساتھ ہی آپ یاد کئے جاتے ہیں گویا میرا ہی ذکر تیری یاد کے بغیر ناتمام اور نامکمل ہے سبحان اللہ عظمت مصطفےٰ کے کیا کہنے کہ ذکر مصطفےٰ کے بغیر ذکر خدا ادھورا جاتا ہے۔ (سید امیر محمد شاہ قادری مترجم)

شیخ رضی اللہ عنہ نے انشقت الاسرار کے قول سے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی یہ انوار آں حضرت ہی کی ذات سے ظاہر ہوئے ہیں اور آپ ہی سے برآمد ہوئے ہیں اور ان انوار کا اصل مبدا اور مصدر سرکار علیہ السلام ہی کی ذات ہے، انکشافِ اسرار پر جو گفتگو ہم نے کی اعتبارِ مقامات سے ہے یعنی جس مرتبہ کا خود صاحب حال ہوگا اسی قدر اس پر اسرار منکشف ہوں گے ماحاصل کلام یہ ہے کہ قدرت کے سربستہ رازوں کو حضور علیہ السلام نے ہی ظاہر فرمایا۔ باوجودیکہ دل غافل تھے اور روحیں بے خبر تھیں، مصطفےٰ علیہ السلام نے دلوں کی غفلت دُور کر کے انہیں ان اسرار سے باخبر کیا اور رُوحوں کو تعلیم دے کر ان کی جہالت دور کر دی۔

عبدالسلام بن مشیش کے اس قول (وفیہ ارتقت الحقائق) یعنی حقائق ترقی کرتے ہیں حقیقت محمدی میں گم ہو جاتے ہیں پر امام نابلسی فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں تمام حقائق ترقی کرتے ہیں اپنی انتہا کو پہنچ جاتے ہیں وہ حقائق خواہ علوی ہوں یا سفلی معنوی ہوں یا حسی لطیف ہوں یا کثیف تمام اشیاء کے حقائق آپ ہی کی ذات کے گرد گھومتے اور آپ کے باطن میں روشن ہوتے ہیں یہاں تک کہ آپ کا دل اقدس ان حقائق کا سرچشمہ اور آپ کا باطن ان کا مرکز بن جاتا ہے۔ تو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا مبارک دل اسرار و حقائق کی کان اور آپ کا مقدس باطن علوم و انوار کی جائے نزول بن جاتا ہے ان اسرار و حقائق کے لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل اقدس کو اس لیے مخصوص کیا گیا ہے کہ قدرت نے آپ کے دل میں ایسی فراخی اور وسعت دی ہے جو کسی دوسرے کے دل میں نہیں ہے جو چیز آپ کے دل میں سما سکتی ہے وہ دوسرے رسولوں نبیوں عارفوں اور صدیقوں کے دلوں میں نہیں سما سکتی پھر آپکا دل اقدس عرشی حقائق اور اسرارِ کرسی اور علوم لوحی اور انوار ملکوتی کی نہ ختم ہونے والی کان ہے کیونکہ آپکا روح اور دل عالم علوی سے ہی تو ہیں اور گہری نسبت سے ایک چیز کا دوسری چیز کی طرف کھنچا چلا جانا ایک فطری تقاضا ہے اسی لیے حضور پُرنور کی ذات وجود ہستی میں ایک پُراسرار شے ہے۔

حضور علیہ السلام ظاہر میں اولادِ آدم ہیں مگر درحقیقت آدم کے باپ ہیں

عارف نابلسی شیخ کے اس قول (وتنزلت علوم آدم فاعجز الخلائق) یعنی آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہی سے آدم علیہ السلام پر وہ علوم نازل ہوئے جن کے حصول سے مخلوق عاجز رہ گئی ہے پر فرماتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فائدہ پہنچانے والے ہیں اور کسی سے فائدہ طلب کرنے والے نہیں ہیں علماء کی روحیں اور عارف لوگوں کے دل ان عارفوں میں مرسلین انبیاء اور اللہ کے نیک بندے شامل ہیں ان سب لوگوں کے قلوب ملکوتی اسرار اور معارف ربانی اور علم وحکمت حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم کی روح مقدس سے حاصل کرتے ہیں اسی مناسبت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک روح کو ابوالارواح کہا جاتا ہے۔ تمام علماء کے علوم اور عارفوں کے معارف اور حکماء کی حکمتیں یہ سبھی حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم کے علوم سے حاصل کردہ چیزیں ہیں اور آپ ہی کے معارف اور حکمتوں کا نتیجہ ہیں، عالم وعارف وحکما لوگ جو کچھ بھی علوم ومعارف اور حکمتیں جانتے پہچانتے اور سمجھتے ہیں ان کو حضور کے علوم کے مقابلہ میں وہ نسبت ہے جو ایک قطرہ کو سمندر سے نسبت دی جا سکتی ہے، آپ کی ذات علوم کا سمندر اور سرچشمہ ہے اور آپ کا دل اقدس علوم ومعارف کی کان ہے اور آپکا باطن علوم ومعارف کی اصل جائے نزول ہے بلکہ آپ کی ذات میں علوم ومعارف کا بھاری بھرکم بیڑا لنگر انداز ہے اس تقریر سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام اپنے وجود ذاتی میں وارث ہیں اور وجود روحانی میں مورث یعنی وارث بنائے ہوئے ہیں کہا جاتا ہے کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے جب آدم علیہ السلام ملاقات کریں گے تو حضور سے مخاطب ہو کر کہیں کہ آپ میری جسمانی اولاد ہیں اور آپ میرے روحانی باپ ہیں یہ بات بھی اسی طرف اشارہ کرتی ہے کہ آپ کی روح واقعی ابوالارواح ہے

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ محبوب خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے راز داں ہیں۔

شیخ عبدالسلام کے اس قول :-

تَضَائَلَتِ الْفُهُوْمُ تَلَمْ يَدْرِيكَهُ مِنَّا سَابِقٌ وَلَا لَاحِقٌ ۔

یعنی ایسے علوم جن کے سامنے سوچ سمجھ تھکی ہاری ہے ہم میں سے انہیں کوئی نہیں پا سکتا نہ پہلوں میں نہ بعد میں آنے والوں سے۔

پر عارف نابلسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں شیخ رحمۃ اللہ نے حضور علیہ السلام کے پوشیدہ راز اور

آپ کی رُوحانیت اور صورت محمدؐ کی رفعت شان کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ صورت محمدؐ کی حقیقت عقل انسانی سے بالاتر ہے رضائے مولیٰ کے بغیر اپنے علم سے اس حقیقت کے باطنی اور مخفی تو درکنار ظاہری اور نفس لامری اُمور کا احاطہ بھی مُشکل ہے، کیونکہ آں حضرت کے مخفی راز اور آپ کی حقیقت کو سمجھنے میں فہم و فراست حیرت زدہ اور عقل دنگ رہ جاتی ہے بلکہ عقل و فہم تو دیگر انبیاء مرسلین کی حقیقت سے قاصر ہے چہ جائیکہ عقل سیدالانبیاء اور امام المرسلین کی حقیقت کا کچھ ادراک کرتے یعنی ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی حقیقت یا آپ کے پوشیدہ راز کی جو معرفت بھی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے یہ ان کو ان کی عقلوں کی درجہ بندی کے لحاظ سے ہوتی ہے اور جو کچھ بھی ان پر ظاہر ہوا یہ انعام الہیٰ ہے اگر لوگ اس کی قدر پہچانیں اور اس کی عظمت اور عزت بحال رکھیں، اور کچھ حقیقت حضور علیہ السلام سے لوگوں پر مخفی رہتی ہے یہ بھی اللہ کی طرف سے ان پر رحمت خاص ہے کیونکہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی حقیقت اگر حق پر قائم نہ رہتی لوگوں پر ظاہر ہو جاتی تو لوگ ایک آزمائش میں اُلجھ جاتے اور ذاتِ حق نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے، آپ کی ذات سے لوگوں پر جو کچھ ظاہر ہوا ان کے لیے نعمت ہے اور جس پر کچھ مخفی رہا اس کے لیے رحمت ہے، پھر حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوّت اور رسالت اور ان کی خصوصیات پر جس قدر بھی لوگوں کو اطلاع ہوتی ہے یہ ان کو ان کی منازل اور مقامات کے لحاظ سے ہوتی ہے، ہر جس شخص پر بھی خصوصیات نبوّت و رسالت منکشف ہوتی ہیں وہ اس کے مقام اور اس کی رُوح کو جتنا قُرب حضور علیہ السلام کی رُوح سے ہوتا ہے کے مطابق ہی انکشاف ہوتا ہے امورِ نبوّت و رسالت پر سب سے بڑا کشفِ تام اور سب سے زیادہ اطلاع دوسرے لوگوں کی نسبت جناب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو تھی رسالت محمّدی اور حقیقتِ احمدی جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر جس قدر منکشف ہوئی اتنا کشف کسی اور کو حاصل نہ ہوسکا کیونکہ خلیفہ اوّل جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور کی نبوّت پر سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں اور سب سے پہلے آں حضرت کی رسالت کی تصدیق کرنے والے ہیں پھر اس پر ایمان لانے اور تصدیق کرنے کے لیے کوئی دلیل و حجت طلب نہ کی، بلا توقف اور بن سوچے سمجھے آں حضرت کی ذات کا اقرار کر لیا۔

حضور علیہ السلام ہر مخفی راز اور ہر رُوح کے فیض رساں ہیں

عارف نابلسی مُصنف کے اس قول :

فرِیاضُ المَلَکُوتِ بزھرِ جمالہٖ مُونِقَۃٌ وَحِیَاضُ الجَبَرُوتِ بفَیْضِ انوارِہٖ متدفقۃٌ۔ یعنی ملکوتی باغات آپ کے حُسن کی کلی کھلنے سے پُر رونق ہیں۔ اور جبروتی حوض آپ ہی کے فیضانِ نور سے موج زن ہیں۔

پر فرماتے ہیں کہ رُوحوں کے مرکز کو ملکوت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور مراکز اسرار سے مراد جبروت ہے، ہمارے آقا و مولیٰ اپنے حُسن وجمال سے جب ملکوت یعنی مراکز ارواح میں ظاہر ہوئے تو تمام رُوحوں کو اکٹھا کر لیا اور جب مرکز اسرار میں ظاہر ہوئے تو انہیں واضح اور منکشف فرما دیا۔

ہر ایک چیز کا سرکار سے تعلّق کیسا ہے

عارف نابلسی مصنف کے اس قول :

وَلَا شَیءَ اِلَّا وَھُوَ بِہٖ مَنُوطٌ۔ یعنی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کا آپ کی ذات سے تعلق نہ ہو۔

پر فرماتے ہیں کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہر چیز کا حضور علیہ السلام سے کیا تعلق ہے سرکار سے بعض کا تعلق اس بنا پر ہے کہ اپنے وجود میں سرکار کی محتاج ہیں اور بعض چیزیں سرکار سے مدد طلب کرنے کا تعلق قائم کئے ہوئے ہیں ہر ایک چیز کا اُستاد یعنی نسبت آپ ہی کی طرف ہے اور ہر ایک چیز آپ ہی سے مدد طلب کرتی ہے کیونکہ (اِذْ لَوْلَا الواسطۃُ لَذَھَبَ کَمَا قِیْلَ الموسُوطُ) جس طرح کہا گیا ہے کہ اگر واسطہ نہ ہو تو واسطہ حاصل کرنے والی چیز از خود ختم ہو جاتی ہے، اس وجود ہستی کے اندر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کے اعتبار کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود نہ ہو تو کائنات کا وجود سرے سے ناپید ہو جائے اس لیے کہ وجود ہستی کو نسبت سرکار سے واسطہ اور موسوط کی نسبت ہے۔

اور عارف نابلسی شیخ کے اس قول :-

اَللّٰھُمَّ اِنَّہٗ سِرُّکَ الجَامِعُ الدَّالُ عَلَیْکَ وَحِجَابُکَ الاَعْظَمُ القَائِمُ بَیْنَ یَدَیْکَ ۔	ترجمہ :- اے اللہ بے شک حضور علیہ السلام تیری ذات کا مخفی راز ہیں اور جامع الصفات ہیں تیری ذات کی طرف راہنمائی کرنے والے اور بڑے حجاب اور پردے کی طرف راہنمائی فرمانے والے ہیں جو تیری ذات اور مخلوق کے درمیان واقع ہے ۔

پر فرماتے ہیں کہ شیخ نے اپنی کلام کے ضمن میں سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے تین مقامات کی طرف اشارہ کیا ہے ۔ (۱) حضور علیہ السلام ذاتِ حق کے مخفی راز ہیں جو جامع الصفات ہیں نمبر۲) حضور علیہ السلام آئینہ نما ہیں ۔ نمبر ۳) حضور علیہ السلام خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں۔

ان تینوں مقامات کے لیے ذاتِ حق جلّ و علا نے مصطفٰے علیہ السلام کو منتخب کر کے انہیں اہلیت عنایت فرمائی کہ وہ انہیں خوش اسلوبی سے قائم رکھیں، اور اس اقامت کے لیے آپ کو من جانب اللہ تائید و نصرت بھی عطا کی گئی ، اور ان مقامات کی اقامت میں آپ کو آسانی اور نظم و ضبط سے نوازا گیا ۔ ان مقامات میں اگرچہ دیگر انبیأ علیہم السلام بھی آپ کے ساتھ شریک ہیں مگر ان مقامات میں جو آپ کا درجہ اور مقام ہے اس تک کسی اور کو رسائی نہیں ہے ۔ حضور علیہ السلام بدرجۂ اکمل سِرّ الٰہی ہیں کیونکہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مجموعۂ اسرار کا اصل مرکز اور منبع ہے جن اسرار کا تعلق اسمأ صفات سے ہے جہاں تک اسمأ افعال و احوال کا تعلق ہے حضور علیہ السلام نہ صرف ان کو ظاہر فرمانے والے ہیں بلکہ ان کے مظہر اتم ہیں یہ قوتِ اظہار ہی اللہ کا وہ راز ہے جسے اس نے اپنی پوشیدہ معلومات عُلویہ اور سفلیہ میں ودیعت کر رکھا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وہ حقیقی سربستہ راز ہے جس کے ذریعہ سے تمام اسرار ظاہر ہوتے ہیں اور آپ کی ذات نُورِ خدا ہے جس کی بدولت ظاہر و باطن کے تمام انوار چمکنے چمکانے کے قابل ہیں یا رہیں گے آپ کی ذات خلقت کے لیے ایک ایسا راز ہے جس سے ذاتِ کبریا جلّ مجدہٗ کا امرِ کُن قائم ہے اگر وہ سِرِّ محمدی

اور سرِ محمدی جسے اللہ نے ملکوتی اور مُلکی مخلوق کے لیے مقرر کر رکھا تھا نہ ہوتا تو ان مخلوقات کے ساتھ اسمائے صفات اور اسمائے افعال کبھی قائم نہ ہوتے اور کوئی ایسا نشان باقی نہ رہتا جس پہ کوئی استدلال قائم ہوسکتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم وجود باری تعالیٰ کی بہت بڑی دلیل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اپنی طرف متوجہ کرانے کے لیے اپنے محبوب رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اور اللہ نے آپ کو مخلوق کی راہنمائی کے لیے بھیجا کہ وہ راہِ حق کی پہچان کریں اور آپ اس وقت تشریف لائے۔ جب بے راہروی اور گمراہی عام اور جہالت کی کثرت تھی اور اس گمراہی اور جہالت کی وجہ سے لوگ ذاتِ حق سے منہ موڑے ہوئے تھے اور اللہ کے درِ رحمت سے وحشی جانور کی طرح تیزی سے آگے نکل جاتے تھے تو انھیں حضور علیہ السلام نے وصالِ حق کی راہ بتلائی اور دروازہ بخشش خداوندی کے سامنے انہیں لا کھڑا کیا اور انہیں صراطِ مستقیم پر چلنے کا گُر بتایا آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت عام ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذاتِ حق کی دلیل تام ہے حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقوال واعمال کے ذریعہ مخلوق کو راہ حق بتلائی اور ذاتِ حق کے جلال وجمال کے مشاہدہ کے لیے رُوحوں کو بیدار کر دیا اور ہر دعوتِ حق دینے والے نے دعوت حق دینے میں آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی اور ہر ایک دلیل اپنے دلیل ہونے میں حضور کی ذات کی محتاج ہے حکمت احمدی نے لوگوں کو حرم کبریا سے آشنا کیا۔ اور سیاست[1] محمدی نے لوگوں کو دعوتِ حق دینے میں اس وقت سے آغاز کیا ہوا ہے کہ ابھی تک عظمت ووقار کے حجابات بھی اٹھائے نہیں گئے تھے۔ اور حکمت احمدی نے لوگوں کو معرفت حق اس طرح فراہم کی کہ ان کی آنکھوں سے غبار کے غلیظ ودبیز پردے دُور کئے اور گمراہی کے کالے بادل ہٹا دیئے، بایں وجہ حضور علیہ السلام بذاتِ خود خالق ومخلوق کے درمیان ایک پردہ ہیں اور آپ ذات حق کے لیے بایں معنی پردہ ہیں کہ حقائق ذات میں عقل غور وفکر کرنے سے عاجز اور قاصر تھی اور عقل کو غور وفکر کرنے کے قابل ہونے کے لیے آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا اسی لیے حضور علیہ السلام کو ذات نے عقل کی رہنمائی کے لیے مامور بنا کر بھیج دیا۔

---

[1] اصلاح امور دینیہ ہی اصل سیاست ہے (جنیدی) مترجم غفرلہٗ۔

حضور علیہ السلام کی پہچان ہی معرفت حق ہے

عارف نابلسی رحمۃ اللہ علیہ مصنف کے اس قول :-

اَللّٰھُمَّ الْحَقُّ بِحَسْبِہٖ وَحَقِّقْنِیْ بِنَسْبِہٖ وَعَرِّفْنِیْ اِیَّاہُ مَعْرِفَۃً اَسْلَمُ بِھَا مِنْ مَوَارِدِ الْجَھْلِ وَاَکْرَعُ مِنْ مَوَارِدِ الْفَضْلِ ۔	ترجمہ: اے اللہ مجھے اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کے حسب و نسب کی حقیقت پر آگاہ فرمادے اور مجھے آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی وہ پہچان عنایت فرما دے جس کی بدولت میں جہالت کی کٹھن گھاٹیوں میں بے خطر رہ سکوں اور بزرگی کے دروازوں سے سیرابی حاصل کرسکوں ۔

پر فرماتے ہیں کہ درحقیقت اللہ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی معرفت کا خاصہ ہے کہ وہ بارآور اور نتیجہ خیز ہوتی ہے وہ معرفت، معرفت ہی نہیں جو بے مقصد ہو شیخ رضی اللہ عنہ نے اللہ سے وہی معرفت طلب کی ہے جو باقاعدہ بامقصد اور نتیجہ خیز ہو اور کہا کہ یا اللہ مجھے وہ معرفت عطا فرما جس سے حصول بزرگی ہو اور جہالت سے بچ سکوں اس امر میں کوئی شک نہیں کہ جسے کما حقہٗ حضور علیہ السلام کی پہچان ہو جائے وہ کمال بزرگی بھی پالیتا ہے اور جہالت کی بے راہ روی سے بھی محفوظ ہو جاتا ہے اور سرکار کی اس پہچان سے بہرحال یہی نتیجہ مرتب ہوتا ہے اور جس شخص پر حضور علیہ السلام کی جان پہچان متحقق ہو جائے اسے ان دو وصفوں یعنی کمال بزرگی کا حصول اور جہالت کی تاریکی سے محفوظ اور ممتاز و منفرد کر دیا جاتا ہے کیونکہ معرفت رسول عربی صلے اللہ علیہ وسلم کا یہی تقاضا ہے اور ایسا ہو بھی کیوں نہ عارف اور معروف تو بہر کیف باہم قریب ہوتے ہیں اور عارف کی روح معروف کی رُوح سے ملی ہوئی ہوتی ہے، پھر دونوں قرب اور خاطر جمعی پیروی اور اقتداء کے متقاضی ہوتے ہیں بایں وجہ تابع از خود متبوع کے پیچھے کھنچا چلا جاتا ہے اور اپنے مقتداء کے چشموں سے سیرابی حاصل کر لیتا ہے یہاں تک کہ اس کی ذات دنیا جہاں کی راز داں ہو جاتی ہے اور اس کی رُوح کو وہ علوم لدنیہ اور اسرار معرفت حاصل ہوتے ہیں جو اسے جہالت کی تاریک گھاٹیوں سے بچا لیتے

ہیں پھر وہ مکمل طور پر علم سے متصف کیا جانے لگتا ہے اور اس کا قلب و رُوح علم و معرفت سے سرشار ہو جاتا ہے پھر اس قسم کا عالم ان روشنیوں اور اُجالوں سے ہمکنار کر دیا جاتا ہے جس سے مقرب لوگ بہرہ ور ہوتے ہیں اور یہ عالم ان چشموں سے سیراب کر دیا جاتا ہے جن سے عارف لوگ پیتے ہیں اور لفظ کرع اس تشنہ لب اور غمگین شخص کے پینے سے تعبیر ہے جسے سیرابی کا شوق حد درجہ ہو، اور موارد فضل سے مُراد مقربین کا مشرب و مسلک ہے اور ان کے اسرار و رموز مُراد ہیں جو خالی تجسس اور اسباب سے حاصل نہیں کئے جا سکتے بلکہ محض اللہ کے فضل و کرم اور ربانی عنایت اور عطا سے حاصل ہوتے ہیں اسی مناسبت سے موارد الفضل کہا ہے۔

اتباع سُنّت محمدیؐ سے ہی ہر سالک کمال کو پہنچتا ہے

عارف نابلسی مصنف کے اس قول :-

وَاحْمِلْنِیْ عَلٰی سَبِیْلِهٖ اِلٰی حَضْرَتِكَ حَمْلًا مَحْفُوْفًا بِنُصْرَتِكَ ۔	ترجمہ: یا اللہ مجھے مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر اپنی بارگاہ میں ایسی حضوری عطا فرما جو تیری تائید و نصرت سے لپٹی ہوئی ہو۔

پر فرماتے ہیں کہ سچے لوگوں کا بارگاہِ حق میں یہی مطلوب و مُدعا ہوتا ہے اور ان کے ہر مقصد اور مُراد حرم قبر تک رسائی ہی ہوتی ہے لیکن طریقِ محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع کے طور پر اور حمل علی سبیل سے مُراد وہ قدرتی پرکشش اسباب ہیں جو سالک کی بارگاہِ حق میں طریق محمدی صلے اللہ علیہ وسلم پر کھینچ لیتے ہیں، اللہ جل شانہٗ جب کسی سالک کو اپنی بارگاہِ کریمہ میں پہنچانے کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے اپنے محبوب نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع کا شوق عطا فرماتا ہے تو وہ سالک طریق محمدی صلے اللہ علیہ وسلم پر پابندی کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حال اور گفتار و عمل اور حرکت و سکون تک اللہ کی تائید و نصرت سے کامل اور مکمل اتباع کرنے لگتا ہے تو وہ سالک اپنے درجات سلوک میں ہر وقت اپنے رب سے مشغول رہتا ہے اپنی ذات سے اسے مطلقاً سروکار نہیں رہتا اور یہی صورت قُرب و وصال کی علامت ہے اور اس علامت کی حقیقت جاننے میں

بہت سے اہل تصوف بھی ناآشنا ہیں درحقیقت یہ علامت قرب و مشاہدہ کے مقامات سے ہے اور جب بندہ صفات حق کا اس درجہ پر مشاہدہ کرنے لگے تو اس مقام کو حضرت صفات کہتے ہیں اور جب بندہ افعال حق کا مشاہدہ کرنے لگے تو اسے حضرتِ افعال کہتے ہیں۔

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شریعت مطہرہ سے عقل کی عقل حیران کر دی ہے

عارف نابلسیؒ مصنف کے اس قول :-

وَاجْعَلِ اللّٰھُمَّ الْحِجَابَ	ترجمہ: یا اللہ اپنے بہت بڑے حجاب یعنی
الْاَعْظَمَ حَیَاۃَ رُوْحِیْ وَ	حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو میری روح کے
رُوْحُهٗ سِرَّ حَقِیْقَتِیْ	لیے زیست بخش فرمائے اور آپ کی روح
وَحَقِیْقَتُهٗ جَامِعُ عَوَالِمِیْ۔	تو میری اصل حقیقت کا راز ہے اور میری

ہر دنیا کو محیط ہے۔

پر فرماتے ہیں کہ حجابِ اعظم سے وہی مُراد جو پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خالق و مخلوق کے درمیان ایک بہت بڑا واسطہ اور حجاب ہیں اور واقعی آپ ایسے ہیں کیونکہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی شریعتِ مطہرہ سے عقلوں پر پردہ ڈال کر انہیں ذاتِ حق کے اسرار میں جا نکلنے سے پابند کر دیا ہے کیونکہ عقلیں اسرارِ قدرت تک رسائی نہیں رکھتیں جب کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ عظیم راز عنایت فرما دیا گیا ہے تاکہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کائنات کے لیے ایک رحمت اور نعمت ثابت ہوں اور رُوحوں کی بقا بھی آپ ہی سے قائم رہے کیونکہ حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم کے حجاب ہونے سے رُوحیں فنا اور ہلاکت سے محفوظ ہیں اگر اس دنیا میں رُوحوں پر اسرارِ قدرت آشکارا ہو جائیں اور ان سے حفاظت محمدیؐ کا پردہ اٹھ جائے تو کائنات کا شیرازہ بکھر جائے۔ اور پاش پاش ہو کر رہ جائے اور یہ موجودات اس پہاڑ کی طرح ریزہ ریزہ ہو جائے جو جناب مُوسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے سامنے گرد و غبار بن کر اڑا دیا گیا تھا، اسی لیے عارف لوگ اس امر پر متفق ہیں کہ اللہ جلّ جلالہٗ اس دنیا میں نہ تو کسی ولی پر تجلی ذات منکشف فرماتا ہے اور نہ ہی

کوئی اسے دیکھ سکتا ہے مگر اس پردے کی مدد سے جو ذاتِ حق کی حقیقت کے ادراک کو مانع ہوتا ہے اور اگر یہ پردہ اُٹھ جائے تو وجود مٹ جائے اور رُوحیں فوت ہو جائیں بایں معنی حجابِ اعظم سے رُوحیں زندہ اور سلامت ہیں اسی مناسبت سے شیخ نے اپنی رُوح کی زندگی کے لیے حجابِ اعظم کا سہارہ طلب کیا ہے اور ہمارے کہنے سے بھی اشارہ ہے اس مقام پر غور کرنا چاہیے۔

اور حضور کی رُوح میری حقیقت کا راز ہے شیخ کے اس قول سے مُراد ہے کہ رُوحِ محمدی میری حقیقت کا راز ہے تو گویا میری حقیقت سرکار کے وسیلہ سے حقیقت محمدی ہے اور سرکار دو عالم کی رُوح مُبارک میری ہر دنیا کو محیط ہے سے مُراد حقیقت مُحمدی ہی ہے کیونکہ یہ حقیقت انسانیت کی ہر دنیا کے لطائف کو احاطہ کئے ہوئے ہے عارف باللہ سیدی شیخ عبدالغنی نابلسی کا کلام جو انھوں نے سیدی عبدالسلام بن مشیش کی صلوٰۃ پر نقل کیا تھا اختتام کو پہنچا۔

حضور علیہ السلام اپنی حقیقت میں سب پر مقدم ہیں اور ظاہری پیدائش میں نبی آخر الزماں اور ختم المرسلین ہیں

عارف نابلسی فصوص الحکم[1] شیخ اکبر رضی اللہ عنہ کی شرح میں (حکمتِ مُحمدی) کے بارے فرماتے ہیں کہ حکمت محمدی کا باب خاتمۃ الفصوص ہے اور اس باب کو خالد بن سنان علیہ السلام کی حکمت کے بعد ذکر کیا ہے کیونکہ یہ حضور کے زمانہ کے قریب ہوئے ہیں اور اس لیے کہ حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیأ اور خاتم المرسلین ہیں تو مناسب سمجھا گیا کہ جس طرح حضرت سیدنا آدم علیہ السلام سے فصوص کی ابتدا کی گئی اسی طرح حضرت رُسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے ذکر خیر سے اختتام کتاب کیا جائے اس لیے کہ حضور علیہ السلام آئین نبوت و رسالت کے جامع ہیں اور انبیأ و مرسلین کے مجموعی اوصاف و محامد کے اصل سرچشمہ ہیں اور آپکا ذکر تمام انبیأ کے بعد کئے جانے میں اجمال بعد تفصیل ہے یا طویل اور لمبے حساب کو سہل طریقہ سے حل کرنے کے لیے ابتدا میں

[1] یہ مشہور کتاب علم تصوف میں شیخ محی الدین ابن عربی کی تصنیف ہے، خصوصاً الٰہیات میں بے مثال ہے۔
[2] امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حضور کے متعلق فرماتے ہیں کہ حضور کی بزرگی کے جھنڈے بلندیوں میں گڑے ہوئے ہیں جن کے نیچے تمام مخلوق سستا رہی ہے۔ (مترجم عفی عنہٗ)

نگینے مقرر کئے جاتے ہیں کی طرح ہے، پھر اس قول کی شرح میں کہا :۔

فَصُّ حِكْمَةٍ فَرْدِيَّةٍ كَلِمَةٍ مُحَمَّدِيَّةٍ۔ ترجمہ: منفرد حکمت کی چھاپ، کلمہ محمدی میں ہے۔

کہ حکمت محمدی کو منفرد ہونے سے اس لیے مخصوص کیا گیا ہے کہ حضور کی ذات بھی تو تکمیل فضیلت میں منفرد ہے اور کرامت عامہ میں ممتاز ہے اور آپ کا رتبہ سب پر مسلّم ہے آپ کے درجات نقش دوام اور لافانی ہیں اور آپ کا عزو شرف دونوں جہانوں میں بلند ہے اور آپ کی اونچی شان کے جھنڈے زمین و آسمان کے درمیان گڑے ہوئے ہیں۔

مصنّف کی کامل توجہ حکمتِ محمدی پر ہی مرکوز رہی کیونکہ یہ حکمت مہتم بالشان ہے اسی لیے کسی اور حکمت کے علل اور اسباب بیان نہیں کئے، اس حکمت کا اہتمام شان اگلی عبارت سے صاف ظاہر ہے۔

اِنَّمَا كَانَتْ حِكْمَتُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرْدِيَّةً لِاَنَّهُ اَكْمَلُ مَوْجُوْدٍ فِيْ هٰذَا النَّوْعِ الْاِنْسَانِيِّ وَلِهٰذَا بُدِئَ بِهِ الْاَمْرُ وَخُتِمَ فَكَانَ نَبِيًّا وَّاٰدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ ثُمَّ كَانَ بِنَشْاَتِهِ الْعُنْصُرِيَّةِ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ۔	ترجمہ: حکمت محمدی اس لیے ممتاز و منفرد ہے کہ یہ اس بنی نوع انسان میں بدرجہ اتم موجود تھی اسی وجہ سے اس کے ساتھ عالم امر کی ابتدا ہوئی اور اختتام بھی اس سے ہوا آپ اپنی حقیقت میں جب بھی نبی تھے کہ آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی میں ہی تھے اور ظاہری پیدائش میں آپ خاتم النبیین ہیں۔

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نورِ خدا ہونے کی حیثیت سے سب سے پہلی مخلوق ہیں اسی لیے ذاتِ حق نے آپ ہی سے عالم امر کن کا آغاز کیا، حدیث جابر میں مذکور ہے جسے عبدالرزاق نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے۔

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْنِيْ عَنْ اَوَّلِ شَيْءٍ خَلَقَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى	ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اس چیز کی خبر دیجیے جسے

قبلَ الاشیاَ قَالَ یَا جَابِرُ — اللہ نے سب سے پہلے پیدا کیا ہے حضور
اِنَّ اللہَ خَلَقَ قَبلَ الاشیاءِ — علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اے جابر اللہ
نُورَ نَبِیِّکَ مِنْ نُورِہٖ ۔ — تعالیٰ نے تمام چیزوں سے پہلے اپنے نور
(الحدیث) — سے تیرے نبی کا نور پیدا کیا ۔

حضور علیہ السلام کا اس وقت سے نبی ہونا کہ آدم پانی اور مٹی میں ہوں کے قول پر کہا کہ اس پر مختلف احادیث وارد ہوئی ہیں، طبرانی حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے سرکار علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس وقت بھی نبی تھا کہ آدم علیہ السلام ابھی رُوح وجسم کے درمیان ہی تھے، ابن سعد نے قتادہ سے مرسلاً روایت کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا میں تمام نبیوں سے اپنی خلق میں سب سے پہلے ہوں اور اپنی بعثت میں سب سے بعد میں ہوں حاکم نے اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے۔ کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم اپنی خلقت میں کامل اور اپنے مقام اور مرتبہ میں بہت عظیم ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا نور بنایا کہ اپنے اجمال کی تفصیل بھی آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے کچھ اس طرح کی ہے کہ آپ کی نورانیت کے لیے آدمی کا ڈھانچہ اپنی عظیم صورت ظاہر کرنے کے لیے پیدا کیا۔ پھر اسے کامل انبیا اور مرسلین علیہ السلام کے جسموں میں چمکایا یہاں تک کہ اس دنیا میں ظاہر فرما دیا اور اس سے سخاوت اور اچھے اخلاق کے خالی برتن لبالب کر دیئے، حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم کا اوّل وآخر ایک جیسا ہے اور آپ ایسے کامل انسان ہیں جن پر مکمل بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔

علم آدم علیہ السلام اشیا کے ناموں تک محدود تھا جب کہ سرکار کو ان اشیا کی کنہ وحقیقت تک معلوم تھی

عارف عبد الغنی نابلسیؒ شیخ اکبر کے مذکورہ کلام کے ایک قول فرماتے ہیں:۔

فَکَانَ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَوَّلُ — ترجمہ: آں حضرت کی ذات با برکات وجود
دَلِیْلٍ عَلٰی رَبِّہٖ فَاِنَّہٗ اُوْتِیَ — باری تعالیٰ کی سب سے بڑی اور پہلی دلیل ہے
جَوَامِعِ الْکَلِمِ الَّتِیْ ھِیَ — کیونکہ آپ کو وہ جامع کلمات عطا کئے گئے

مُسَمَّیَاتُ اَسْمَاءِ آدَمَ - جو آدم علیہ السلام کے بتائے ہوئے ناموں کے مجسمے تھے -

ذات حق جل شانہٗ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سب چیزوں کے ناموں کا علم دے دیا اور حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناموں کے علاوہ ان اشیأ کے حقائق ذوات کا بھی علم عنایت فرما دیا اس اعتبار سے جناب آدم علیہ السلام صرف اشیأ کے ناموں کو ظاہر کرنے والے ہیں جب کہ حضور علیہ السلام اشیأ کے ناموں سے بڑھ کر ان کی وہ حقیقت بھی ظاہر فرمانے والے ہیں جو ان ناموں کے اندر داخل تھی، آدم علیہ السلام کو حافظ الاسمأ یعنی نام دان کہا جائے گا اور حضور علیہ السلام کو حافظ الاسمأ والذوات یعنی اشیأ کے ناموں اور ان کی حقیقت کے نگران کہلائیں گے۔ جس طرح دوسرے ناموں میں سے محمد صلے اللہ علیہ وسلم بھی ایک نام ہے اور دوسری چیزوں کی طرح محمد صلے اللہ علیہ وسلم بھی ایک چیز ہیں اسی طرح آدم علیہ السلام بھی ایک نام اور ان کی ذات بھی ایک شے ہے لیکن آدم علیہ السلام ابوالاسمأ ہیں اور حضور علیہ السلام ابوالاسمأ بھی ہیں اور ابوالذوات بھی ہیں اور تمام کلمات کی صورتوں اور تمام ذوات کے حقائق عالم اجسام کے ناموں اور عالم ارواح کی ذاتوں سے باخبر ہیں کیونکہ اجسام ارواح سے ہیں اور رُوحیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے ہیں اور آپ صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے نور سے ہیں اللہ کا ارشاد ہے کہ اللہ زمینوں آسمانوں کا نور ہے -

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	ترجمہ: اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا
مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا	اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک
مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ	طاق کہ اس میں چراغ ہے اور وہ چراغ
زُجَاجَةٍ [2]	ایک فانوس میں ہے۔

---

[1] وہ مختصر کلام جو اختصار الفاظ وعبارت کے باوجود اپنے ضمن میں کثیر مطالب اور مفاہیم رکھے۔ جامع الکلم کہلاتی ہے - (مترجم سید امیر محمد شاہ قادری)

[2] پ ۱۸، سورۂ نور، آیت ۳۵ -

یہ ارشادِ الٰہی (مَثَلُ نُوْرِہٖ) کی اصل ہے یعنی حضور علیہ السلام کا نُور ایسا ہے کہ اس سے خدائے ذوالجلال نے ہر ایک چیز پیدا کر دی جس طرح پہلے حدیث جابر کے حوالہ سے ذکر کیا جا چکا ہے کلام اللہ میں نُورِہٖ سے مُراد حضور ہی کا نور ہے۔ کَمِشْکٰوۃٍ سے حضرت آدم علیہ السلام مُراد ہیں۔ فِیْھَا مِصْبَاحٌ سے حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم کی رُوحانیت مراد ہے۔ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ سے بندہ مومن کی رُوح مُراد ہے۔ ارشادِ حق تعالیٰ ہے۔

اِنْ کُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا[۱]۔	ترجمہ: زمینوں آسمانوں میں کوئی نہیں مگر وہ اللہ کے حضور بندے ہو کر حاضر ہوں گے۔

حدیثِ قدسی میں ہے اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے کہ میری جلالت و کبریائی کے لیے میرے آسمان اور زمین کی کشادگی ناکافی ہے جب کہ میں بندہ مومن کے دل کی وسعت میں سما جاتا ہُوں سورہ کوثر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ہم نے آپ کو بہت زیادہ بھلائی سے نوازا اور کوثر جنت کی ایک نہر کا نام بھی ہے اور کوثر یہ وہ کثرت ہے جو وحدت میں سموئی ہوئی ہے اور یہی جوامع الکلم ہے جیسے ذاتِ حق نے ایک اور تعبیر سے یُوں بیان فرمایا ہے۔

قُلْ لَّوْ کَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّکَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ کَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِہٖ مَدَدًا[۲]۔	ترجمہ: تم فرما دو اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لیے سیاہی ہو تو ضرور سمندر ختم ہو جائے گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔ اگرچہ ہم ویسا ہی اور اس کی مدد کو لے آئیں۔

اللہ نے ایک اور مقام پر یُوں ارشاد فرمایا :۔

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَۃٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ یَمُدُّہٗ مِنْۢ بَعْدِہٖ	ترجمہ: اور اگر زمین میں جتنے پیڑ ہیں سب قلمیں ہو جائیں اور سمندر اس کی سیاہی اس کے پیچھے سات سمندر اور تو اللہ کی

---

[۱] پ ۱۶، سورہ مریم، آیت ۹۳۔ [۲] پ ۱۶، سورہ کہف، آیت ۱۰۹۔

کیا انبیا علیہم السلام معصوم ہیں یا غیر معصوم

سیدی عبدالغنی نابلسیؒ فرماتے ہیں کہ شیخ رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب فتح ربانی فیض صمدانی کے پہلے باب میں کہا کہ میں نے رسم رواج کے قائل علما کے کلام پر ایک مرتبہ گہرا غور و فکر کیا اس مسئلہ کے بارے کہ انبیاؑ سے گناہ سرزد ہو سکتا ہے مثلاً

فَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی[1] ۔ — ترجمہ: اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو مطلب چاہا اس کی راہ نہ پائی۔

اور حضور پر نور کے لیے ارشاد ربانی ہوا۔

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ[2] ۔ — اور تم پر سے تمہارا وہ بوجھ اتار لیا جس نے تمہاری پیٹھ توڑی تھی۔

اور ایک دوسرا ارشاد یوں ہے :-

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ[3] ۔ — ترجمہ: اللہ تمہیں معاف کرے تم نے انہیں کیوں اجازت دے دی۔

تیسرا ارشاد :-

وَلَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِیْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ[4] — ترجمہ: اگر اللہ پہلے ایک بات لکھ نہ چکا ہوتا تو اے مسلمانو تم نے جو کافروں سے بدلے کا مال لے لیا اس میں تم پر عذاب آتا

ایک چوتھا ارشاد :-

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ[5] ۔ — ترجمہ: اور اے محبوب اپنے خاصوں اور عام مسلمانوں مردوں اور عورتوں کے

---

[1] پ ۱۶، سورہ طٰہٰ، آیت ۱۲۱ ۔ [2] پ ۳۰، سورۃ انشراح، آیت ۳،۲ ۔
[3] پ ۱۰، سورہ توبہ، آیت ۴۳ [4] پ ۱۰، سورۃ انفعال، آیت ۶۸ ۔
[5] پ ۲۶، سورہ محمد، آیت ۱۹ ۔

گناہوں کی معافی مانگو۔

پانچواں ارشاد :۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰی اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی[1] — ترجمہ: تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا اس پر کہ اس کے پاس وہ نابینا حاضر ہوا۔

اور جناب آدم اور حوا علیہما السلام کے متعلق ارشاد ہوا۔

فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِیْمَآ اٰتٰهُمَا[2] — ترجمہ: پھر جب انہیں اس نے انہیں جیسا چاہا تھا بچہ عطا فرمایا انہوں نے اس کی عطا میں اس کے ساجھی ٹھہرائے۔

اور حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہوا۔

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ[3] — ترجمہ: اور ذوالنون کو یاد کر و جب چلا غصہ میں بھرا تو گمان کیا کہ ہم اس پر تنگی نہ کریں گے۔

اور حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق ایک دوسرا ارشاد۔

فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِیْنَ[4] ترجمہ: قرعہ ڈالا تو دھکیلے ہوؤں میں ہوں۔

ارشاد حقتعالیٰ حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق۔

وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ[5] — ترجمہ: اب داؤد سمجھا کہ ہم نے یہ اس کی جانچ کی تھی تو اپنے رب سے معافی مانگی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق ارشاد ربانی۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَیْمٰنَ[6]۔ — ترجمہ: اور بے شک ہم نے سلیمان کو جانچا۔

---

[1] پ ۳۰، سورہ عبس، آیت ۱، ۲۔ [2] پ ۹، سورہ اعراف، آیت ۱۹۰۔

[3] پ ۱۷، سورہ انبیاء، آیت ۸۷۔ [4] پ ۲۳، سورہ صفٰت، آیت ۱۴۱۔

[5] پ ۲۳، سورہ ص، آیت ۲۴۔ [6] پ ۲۳، سورہ ص، آیت ۳۴۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق ایک دوسرا ارشاد۔

وَاَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ[1]

ترجمہ: تو سلیمان نے کہا مجھے ان گھوڑوں کی محبت پسند آئی ہے اپنے رب کی یاد کے لیے پھر انہیں چلانے کا حکم دیا یہاں تک کہ نگاہ سے پردے میں چھپ گئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا قول:۔

وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِي اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي[2]

ترجمہ: اور میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں بتاتا بے شک نفس تو بُرائی کا بڑا حکم دینے والا ہے مگر جس پر میرا رب رحم کرے۔

اور انہی سے متعلق اللہ کا ایک اور ارشاد۔

وَهَمَّ بِهَا[3]

ترجمہ: اور وہ بھی عورت کا ارادہ کرتا۔

سیدنا ابراھیم علیہ السلام کا قول۔

بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا[4]

ترجمہ: فرمایا بلکہ ان کے اس بڑے نے کیا ہوگا۔

حالانکہ آپ کی دلیل سے اس فعل کے خود فاعل تھے۔

تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ[5]

ترجمہ: مجھے اللہ کی قسم میں تمھارے بتوں کا بُرا چاہوں گا۔

اور حضرت ابراھیم علیہ السلام کا ایک اور قول۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّي[6]

ترجمہ: پھر جب ان پر رات کا اندھیرا آیا ایک تارا دیکھا بولے اسے میرا رب ٹھہراتے ہو۔

---

[1] پ ۲۳، سورہ ص، آیت ۳۲۔ [2] پ ۱۳، سورہ یوسف، آیت ۵۳۔

[3] پ ۱۲، سورہ یوسف، آیت ۲۴ [4] پ ۱۷، سورہ انبیاء، آیت ۶۳۔

[5] پ ۱۷، سورہ انبیاء، آیت ۵۷۔ [6] پ ۷، سورہ انعام، آیت ۷۶۔

ان اقوال قرآنیہ کے علاوہ اور بھی کلام اللہ میں ایسے اقوال پائے جاتے ہیں جن میں انبیاً کا ارتکاب عصیان ثابت ہوتا ہے، میں نے اس مسئلہ میں دو گروہ دیکھے ہیں ایک گروہ کا موقف انبیاً کی طرف عصیان کی نسبت کرنے میں شدت کی حد تک ہے کیونکہ یہ گروہ ایسے اعتقاد کے وجوب کا قائل ہے تاکہ کتاب اللہ کے ساتھ ایمان سالم رہے اور جو کچھ بھی اللہ نے اپنی کلام میں فرمایا ہے وہ حق اور سچ ہے یہاں تک کہ جو شخص قبل نبوت اور بعد از نبوت عصیان انبیاً کا قائل نہ ہو وہ اس گروہ کے نزدیک کافر ہے کیونکہ اس شخص نے نص قرآنی کا انکار کیا اور ان پر ایمان نہ لایا اور ایک دوسرا گروہ عصمت انبیاً اور بریت مرسلین کا شدت کی حد تک قائل ہے ان کے نزدیک نبوت سے پہلے اور بعد کوئی نبی ارتکاب گناہ نہیں کرتا۔ اور یہ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ جس شخص نے نصوص قرآنیہ کے ظاہر کو قابل عمل سمجھا اس کے نزدیک کچھ بعید نہیں کہ وہ انبیا کے ارتکاب کبیرہ گناہ جائز رکھے یہ عقیدہ بجائے خود غیر مسلّم اور اجماع اُمت کے خلاف ہے نیز یہی دوسرا گروہ ان مذکورہ آیات کی تاویل میں بھی مبالغہ کرتا ہے اور ان آیات کو ان کی ظاہری حیثیت سے ہٹ کر تصور کرتا ہے۔

شیخ نابلسی فرماتے ہیں میں نے دونوں گروہوں کے اعتقاد پر اطلاع پانے کے بعد بے حد غور کرنے لگا یہاں تک کہ مجھے بہت حیرانی سی لاحق ہو گئی اسی دوران یہ جاننے کے لیے کہ کون سا عقیدہ اور ایمان درست ہے اور اس کی اشاعت کے لیے قابل عمل ہو میں نے اللہ سے ہدایت طلب کرتے ہوئے نماز کی نیت باندھی کچھ رکعتیں پڑھی ہوں گی دوران نماز ہی ابھی میں نے سلام بھی نہیں پھیرا تھا کہ میرے پاس ایک آنے والا آیا جس نے اس مسئلہ سے متعلق حقائق بیان کیے وہی حقائق کلام کی صورت میں میں ... آپ کے سامنے بیان کر رہا ہوں اس مسئلہ میں میرا مذہب بھی اسی بیان کے مطابق ہے کہ بے شک نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ کی دو قسمیں ہیں بعض محکم اور بعض متشابہ۔ پھر متشابہ کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم وہ متشابہ جو اللہ کے حق میں وارد ہوئی ہیں، اور دوسری قسم وہ متشابہ جو انبیاً علیہم السلام کے حق میں ہیں۔ اس امر میں شک نہیں کہ حقیقتِ الٰہی انبیاً علیہم السلام پر مخفی ہے اور انہیں معرفت حق بطور عاجزی ہوتی ہے اور ذات کبریا کا تقدس تام اسی صورت میں ہی ہے کہ بندہ اس کی دریافت سے قاصر و عاجز رہے ورنہ لازم آئے گا کہ انبیاً میں سے کچھ چیز قدیم ہو جائے یا واجب تعالیٰ سے کوئی چیز حادث ہو جائے اور یہ محال اور ناممکن ہے اور

ایسے ہی ہمیں جو معرفت انبیا ہے بطور عجز ہے اور ان کی اصل پہچان کا تقدس تام اور مکمل ہے ورنہ لازم آئے گا ہم میں ان کی نبوّت سے کچھ پایا جائے یا ان میں ہماری طرح نبی نہ ہونے جیسی کوئی چیز پائی جائے تو ثبوتِ نبوّت غیر انبیاؑ میں لازم آئے گا اور نبوّت کا ثابت نہ ہونا انبیاؑ کے لیے لازم آئے گا اور یہ ناممکن اور محال ہے۔

حقیقت ذاتِ الٰہی اور حقیقتِ انبیا علیہم السلام ہم سے پوشیدہ ہیں، اور ان دو حقیقتوں کی صفات نصوص قرآنیہ سے ثابت ہیں اور ہمیں اپنی عقل و دانش سے بالاتر ہو کر ان کی نفس الامری اور خارجی حیثیت پر مجموعی طور ایمان رکھنا واجب ہے نیز متشابہ کی ایک تیسری قسم بھی ہے جو ان دونوں حقیقتوں کی اوصاف کو مشتمل ہے اور متشابہ کی اس قسم کے ساتھ ایمان رکھنا اسلاف رضی اللہ عنہم کا طریقہ ہے اور متشابہ کے معنی کو اللہ اور اس کے رسول کے سپرد کرنا زیادہ درست اور صحیح ہے لیکن سپردگی یقین کامل کے درجہ کی ہو اس صورت میں نصوص قرآنیہ کے وارد شدہ الفاظ کی تاویل و تعبیر کی ضرورت بھی نہیں رہ جاتی اور متشابہات کی ظاہری حیثیت پر ایمان لانے کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہیں رہتا، پھر ہم ذاتِ حق کے لیے وہ کچھ کہہ سکتے ہیں جو اس نے اپنی ذات کے لیے کہا ہے مثلاً وجہ اللہ، ید اللہ، استوائ عرش، وغیرہ ان الفاظ کو ہم اپنے علم کے اعتبار سے تعبیر نہ کریں گے بلکہ جو علم الٰہی میں ان سے مُراد ہے وہی ان کی اصل تعبیر ہو گی، اور یونہی انبیا عظام علیہم السلام پر اسی شئی کا اطلاق ہم کر سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے یا خود انبیاؑ عظام اپنی ذوات کے لیے یا بعض نے بعض کو مثلاً عصیان یعنی گناہ، غی یعنی بھٹکنا، ذنب، خطاکاری، فتنہ، آزمائش، عدم برأت نفس، یعنی اپنی ذات کو معصوم تصور نہ کرنا۔ اور وزر یعنی بوجھ، جیسی اشیاؑ کا اطلاق کیا ہو، لیکن معنی وہی اصل مُراد ہو گا جو اللہ کے علم میں ہے یا انبیاؑ کرام کے علم میں جو درست ہو گا ہمارے علم و فہم کے اعتبار سے ان الفاظ کے معانی مُراد نہ لیے جائیں گے۔ کیونکہ ہم تو صرف اپنے حالات اور احوال و اخلاق کا ہی علم و فہم رکھتے اور پھر ویسے بھی ہم غیر معصوم ہیں اور انبیاؑ عظام ذاتِ حق کی معصوم مخلوق ہیں ہمیں کچھ سمجھ نہیں ہے کہ ان اشیاؑ کی نسبت انبیاؑ عظام کی طرح ہے کیونکہ ہم ان کے طریقوں اور اطوار و حالات کو نہیں پہچانتے البتہ ہم ان اشیاؑ کو اپنی طرف منسوب کرنے میں یقینی کیفیت سے باخبر ہیں لیکن ان اشیاؑ کا انتساب کسی نبی سے بدرجہ یقین ہمارے علم و آگہی سے

برتر ہے۔ اس مقام پر متشابہ سے متعلق کلام کرنے کی گنجائش نہیں ہے انشاء اللہ متشابہ پر تفصیلی جائزہ عنقریب ذکر کیا جائے گا اور متشابہ پر یہ کلام اپنی مثال آپ ہو گا اور اس کلام کے علاوہ انبیاءؑ کے حق میں کوئی بہتر کلام سامنے نہیں آیا۔

ذاتِ باری تعالیٰ اور اس کی صفات اور کلام الٰہی کے متشابہات پر عارف نابلسی کی گفتگو

عارف نابلسیؒ نے اپنے اس کلام کی طرف ابھی ابھی اشارہ کیا کہ عنقریب اس کا ذکر نہایت احسن طریقہ اور خوش اسلوبی سے کیا جائے گا اس کی شناخت اور پہچان اہلِ ایمان کے لیے ناگزیر اور نہایت ضروری ہے اور عارف نابلسی کے علاوہ کسی دوسرے علم و معرفت والے سے ایسا کلام سننے میں نہیں آیا، اور یہی شیخ رضی اللہ عنہُ کی خوش عقیدگی کا واضح ثبوت ہے، عقیدۂ شیخ رضی اللہ عنہُ کی اشاعت وتشہیر اور عامۃ المسلمین کے مفاد کے پیشِ نظر میں نے مناسب سمجھا کہ اسے نقل کر دوں آئمۃ الاسلام عارف نابلسی کے درجہ کمال پر بزرگ ہونے سے متفق ہیں۔ شیخ رضی اللہ عنہُ نے اپنی مذکور کتاب کے تیسرے باب میں کہا ہے کہ اے سادہ لوح انسان تجھے جاننا چاہیے کہ اُمید کا دروازہ بند ہے اور سربستہ راز مخلوق ہی میں ہے اور اللہ ہی سے حقیقی مدد کی درخواست ہے اس میں شک نہیں کہ کائنات دلوں میں آباد ہے جب کہ دل کائنات میں نہیں ہیں اور باطن ظاہر کا ظرف ہے جب کہ ظاہر باطن کا ظرف نہیں بن سکتا تو جو شخص ظاہر میں دیکھے گا اسے ظاہر سے متعلق اشیاء ہی نظر آئیں گی اور جو باطن میں دیکھے گا اسے باطن ہی نظر آئے گا کیونکہ ظاہر باطن سے ملنے کے بعد کالعدم ہو جاتا ہے، اگرچہ باطن ظاہر کا ظرف ہے۔ اے انسان تو اس دنیا میں اپنے ظاہر سے نہیں بلکہ باعتبار باطن آیا ہے تجھے شیطانی داؤں سے بچ کر اپنے اصل مقام پر آنا چاہیے اور وہ آخرت ہے یہ دنیا نہیں ہے[1] بے شک یہ دروازہ تو ازلی ہے جیسے کہ تجھے ظاہر پر باطن کی فضیلت سے معلوم ہے جاننا چاہیے کہ باطن خاص عقیدۂ کا سبب ہے جب کہ زبان میں یہ خصوصیت نہیں ہے، دل کے کانوں سے سن لے جب میں تجھے اپنے صحیح عقائد

---

[1] جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

کے ظرف سے سیراب کروں گا تو وہم اور شک کی پلیدی دھل جائے گی اور بدعت کج روی اور گمراہی از خود اُٹھ جائے گی، میں اللہ کی دی ہوئی توفیق سے کہتا ہوں کہ اس نے مجھے اپنے فضل وکرم سے اس امر کا مشاہدہ کروا دیا اس میں میری ذاتی طاقت کو کچھ دخل نہیں ہے اللہ کی وہ ذات ہے جس کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں ہے اسی کی ذات ازلی طور پر قدیم ہے اور دیگر ذوات کو اس کی ذات سے کچھ مشابہت نہیں ہے اور نہ ہی کائنات میں سے کسی شئی کو اس کی ذات سے کچھ مماثلت ہے اس ازلی ذات کا وجود اس کی ذات کا عین ہے اس میں کوئی دوسرا اندازہ قائم نہیں کیا جا سکتا نہ وہ کائنات کی اشیا کی طرح کوئی شے ہے اور نہ ہی جسموں کی قسم ہے اور نہ ہی جوہر و عرض کی قسم اور نہ ہی عقل اور رُوح کی قسم ہے اور نہ ہی علوم، اوہام اور دلوں کی اقسام میں سے کوئی قسم ہے اور نہ ہی تخیلات اور اوہام کی قسم ہے اور نہ ہی وہ روشنی اور تاریکی کی قسم ہے اور نہ ہی وہ لمحات کی قسم ہے اور نہ وہ فانی قوت کی قسم ہے اور نہ وہ استعداد کی قسم ہے، جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس کے نیچے اُوپر دائیں بائیں اور آگے پیچھے کوئی چیز نہیں ہے اور جہات ستہ میں ہمارے ذکر کے مقابل کوئی شے نہیں اور نہ ہی ہمارے ذکر میں کوئی چیز داخل ہے اور نہ ہی خارج اور نہ ہی کائنات کی کوئی شے ہمارے اس ذکر سے خالی ہے نہ ہی ہمارا یہ ذکر کسی چیز کے قریب ہے نہ دُور اور یہ ذکر کامل اور مکمل ہے عقلوں اور ذہنوں کے کھٹکے سے پاک ہے چہ جائیکہ ناقص عقل اور قاصر ذہن اس تک رسائی حاصل کریں اور یہ ذکر حادث تقدس سے بھی پاک ہے کیونکہ حادث قدیم کی وصف نہیں ہو سکتا اور یُونہی یہ ذکر ہر اس تقدس سے بھی پاک ہے۔ جس پر عقل سلیم حکم کرے اور اس ذات کی جُملہ صفات پاک اور قدیم ہیں اور ازلی ہیں یہ ذکر ان صفات کا عین اور نہ ان پر زائد ہے جب کہ سارا جہان اس کو چاہتا ہے اور ذات کو نہیں چاہتا اور اس ذکر کا تقدس بھی تقدس ذات ہی کی طرح ہے ذات حق کی پہچان کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ خُدائے ذوالجلال نے اپنی ذات کے لیے اپنی کتاب میں اوصاف بیان کرنے کے لیے یا اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اپنی صفات بیان کروائیں اگر صفات الٰہیہ بیان نہ کی جاتیں تو ہمیں مطلقاً حصُول معرفت نہ ہوتا، جاننا چاہیے کہ ذات حق نے جتنی صفات اپنی ذات کے لیے قرآن کریم یا اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانی بیان کی ہیں ان کے معنی ازلی اور قدیم

اور خداوند کریم کی ذات سے قائم ہیں تاہم یہ صفات نہ عین ذات ہیں نہ غیر ذات اسی طرح ایک صفت دوسری صفت کا عین نہ غیر، ذاتِ حق کی صفات میں واحدنیت بھی ہے اور احدیت بھی لیکن یہ ایسی صفات ہیں جن کی ترکیب کی کوئی وجہ نہیں ہے یہ مجموعی صفات ذاتِ حق اور عالمِ دنیا کے درمیان ایک خاص علاقہ رکھتی ہیں اگر یہ صفات نہ ہوتی تو یہ عالم ذاتِ حق کی جانب سے منصۂ عدم سے معرض اظہار میں نہ آتا مگر ذاتِ حق کے ان صفات سے متصف ہونے کے واسطہ سے ذاتِ کبریا نے ہمیں ان قدیم معانی سے شرعی طور متعارف کرایا ہے جو اس کی ذات سے وابستہ ہیں اللہ جل جلالہ کی یہ صفات عربی زبان میں اس کے قدیم کلام میں مذکور ہیں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی انہیں بیان کیا ہے۔ ہمارے لیے ان معانی کی تشریح جن عربی الفاظ سے کی گئی ہے وہ الفاظ در حقیقت ان معانی کی ادائیگی کے لیے ہی معین اور موضوع ہیں اور یہ موزونیت حقیقی ہے مجازی نہیں۔ اور جو الفاظِ عربی خصوصی طور پر ذاتِ مولیٰ نے ہمیں سمجھا دیئے یا ہماری طبع میں ان کے درک کی صلاحیت و استعداد پیدا فرما دی اس ادراک کو عملاً تعبیر کرنے کے لیے یہ الفاظِ عربی مجازاً ہیں ایسے ہی اس طریقہ سے ہم باقی تمام صفات بیان کریں گے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ ترجمہ: رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا

الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ[1] انسانیت کی جان کو پیدا کیا جو کچھ ہو چکا یا ہوگا کا علم سکھایا۔

پھر عربی زبان جس کے ذریعہ سینۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں قرآن نازل ہوا کے تمام کلمات اپنے معانی میں مستعمل ہیں اور یہ ایک حقیقت ہے جب یہ کلمات منسوب الی اللہ ہوں گے اپنے معانی میں حقیقت ہوں گے ان عربی کلمات سے ہمارا متصف ہونا بطور مجاز ہے اور یہ ایک پیدائشی امر ہے جب ایک لفظ کسی دوسرے معنی میں استعمال کیا جائے تو مجاز کہلاتا ہے بنابریں اللہ نے فرمایا خلق الانسان کہ انسان کو پیدا کیا اور حدیثِ مصطفوی میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰى ترجمہ: بے شک اللہ نے جناب آدم علیہ السلام

---

[1] پارہ ۲۷، سورہ الرحمٰن، آیت ۱ تا ۴

[2] کسی وصف سے پیدائشی طور پر متصف ہونا ممکن موصوف کے لیے مجازی اور واجب خالق کے لیے ازلی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

صُورَتِہٖ[۱]۔ کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔

خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِ ترجمہ: جناب رب العزت نے حضرت آدم کو

الرَّحْمٰنِ۔ رحمانی صورت پر پیدا کیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ کلام سے اللہ نے اپنی ذات کو حقیقتاً متصف کیا ہے لیکن ہمیں اس کلام سے مجازاً متصف کر کے پیدا کیا ہے اور ہمیں صرف ان عربی الفاظ کے مجازی معنی ہی بتلائے کیونکہ ہمارے لیے حقیقی معانی کو سمجھنا ناممکن تھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ ترجمہ: اور اللہ تعالےٰ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

پھر جب ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے تو ہم نے ان صفات پر غور کیا جن سے ذات حق نے اپنی قدیم کلام میں اپنے نبی کی زبان پر اپنے آپ کو متصف کیا تو ہم نے بھی ان کلمات سے ذاتِ کبریا کو ان حقیقی معنی سے متصف کیا جو اس کے علم ازلی کے طور تھا جب کہ یہ معانی ذاتِ حق نے ہم میں بطور مجاز مقرر کئے۔

ان اوصاف کا بیان جن سے رب ذوالجلال نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ قدیم کلام میں اپنے آپ کو متصف کیا۔

جس طرح حق تعالیٰ نے اپنے آپ کو رب ہونے سے متصف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا رَبُّ الْعَالَمِیْن (کہ اللہ پروردگار عالم ہے) اور اپنے لیے وصف مالکیت کو اس طرح بیان فرمایا۔ مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ۔ (کہ وہ قیامت کے دن کا مالک ہے) اور ذاتِ حق منافقین کو مذاق کرنے کا مزہ چکھاتا ہے کو یوں ذکر کیا۔ اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ (کہ اللہ انہیں استہزا یعنی مذاق کرنے کی سزا دیتا ہے) رب ذوالجلال منافقین کو مہلت دینا اس طرح مذکور کلام اللہ ہے۔ وَیَمُدُّھُمْ فِیْ طُغْیَانِھِمْ یَعْمَھُوْنَ۔ (اور اللہ انہیں

---

[۱] مذکورہ حدیث میں شکل کا لفظ ذکر نہیں ہے بلکہ صورت کا لفظ ہے کیونکہ شکل مخلوق سے ہی مخصوص جب کہ صورت خالق و مخلوق دونوں کے لیے عام ہے۔ (مترجم)

مہلت دیتا ہے کہ وہ اپنی سرکشی میں اندھے ہیں) ذات حق منافقین کی بینائی سلب کر کے انہیں نہ ختم ہونے والے اندھیروں میں داخل کر دیتی ہے ۔ اللہ نے احاطۂ قدرت کو یوں ذکر فرمایا ۔ إِنَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ۔ (بے شک وہ کافروں کا گھیراؤ کرنے والا ہے) اور بے شک وہ ہر منظور منشا چیز پر قدرت رکھتا ہے اور بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا اور بڑا مہربان ہے اور بیشک وہ ظالموں سے خبردار ہے، اور بے شک وہ سب کی کارگذاری دیکھ رہا ہے بیشک وہ کافروں کا دشمن ہے، اور بے شک وہ بڑی بزرگی والا ہے، اور بے شک اسی کے لیے آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہت ہے ۔ وصف وجہ اللہ کو اس طرح ذکر کیا ۔ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۔ (ہر ایک چیز ہلاک ہو جانے والی ہے مگر اس کی ذات کو بقا ہے) وصف وجہ اللہ کے عالم گیر ہونے کو یوں ذکر کیا ۔ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ ۔ (تم جہاں بھی چلو پھرو وہیں قدرت کی جلوہ گری ہے) بے شک وہ عدم سے آسمانوں اور زمینوں کو پہلے پہل وجود میں لانے والا ہے بے شک وہ جب کسی چیز کی تخلیق کا فیصلہ فرما دے تو اسے کہتا ہے ہو جا تو وہ وجود میں آجاتی ہے، بے شک وہ غالب حکمت والا ہے، اللہ تعالیٰ جس سے وعدہ کرلے تو پورا کر دیتا ہے ارشاد فرمایا ۔ أَوْفُوا بِعَهْدِي أُوفِ بِعَهْدِكُمْ (تم میرے ساتھ کئے ہوئے وعدے پورے کرو میں تمہارا وعدہ پورا کروں گا) بے شک وہ لوگوں سے رحمت اور نرمی کا برتاؤ کرنے والا ہے، بے شک وہ ہر اس شخص کو یاد فرماتا ہے جو اسے یاد کرے اللہ فرماتا ہے فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ (تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا) بے شک وہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے ۔ بے شک وہ شکر کی بہتر جزا دینے والا علم والا ہے، اور بے شک وہ معبود یکتا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ رحم کرنے والا بڑا مہربان ہے اور بے شک وہ لوگوں کے لیے اپنی قدرت کے آثار نمایاں کر کے انہیں پرہیزگاری کا درس دیتا ہے اور بے شک وہ حد و پھلانگنے والوں کو پسند نہیں کرتا، اور بے شک وہ پرہیزگاروں کا ساتھی ہے اور بے شک وہ بھلائی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور بے شک وہ حساب لینے میں جلدی کرنے والا ہے اور بے شک وہ فساد کو نہیں چاہتا اور بے شک وہ گناہ سے باز رہنے والے پاکیزہ لوگوں کو پسند کرتا ہے ۔ اور بے شک وہ سب کچھ جانتا ہے اور بے شک وہ بخشش کرنے والا بردبار ہے اور بیشک

وہ تنگی اور کشادگی کرنے والا ہے اور بے شک وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اسے اُونگھ اور نیند نہیں آتی۔
بلند عظمت کا مالک ہے اور بے شک وہ اہلِ ایمان کا دوست ہے انہیں تاریکیوں سے اُجالے میں
لاتا ہے اور بے شک وہ جلاتا اور مارتا ہے اور بے شک وہ قابلِ تعریف بے نیاز ہے اور بے شک
وہ غالب بدلہ لینے والا ہے اور بے شک اس نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ
ہر آن عدل پر قائم ہے اور بے شک وُہ مُلک کا مالک ہے جسے چاہے ملک عنایت کرے جس سے
چاہے مُلک چھین لے اور جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے رسوا کردے اسی کے دستِ قدرت
میں خیریت اور بھلائی ہے اور بے شک وہ سب جہانوں سے بے نیاز ہے، اور بے شک وہ تمہارے
سب کام دیکھ رہا ہے اور بے شک وہ ہر ایک عمل کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور بے شک وہ
اہلِ ایمان کو جذبہ دیتا ہے اور کافروں کو نیست و نابود کر دیتا ہے اور بے شک وہ کافروں کو
نہیں چاہتا اور بے شک وہ سب مددگاروں سے بہتر ہے اور بے شک وہ توکل کرنے والوں کا
دوست ہے اور بے شک ساتوں آسمان اور زمین اسی کا ورثہ ہے اور بے شک وہ بندوں پر
زیادتی نہیں کرتا، بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے اور بے شک اللہ بڑا بلند ہے اور بیشک
وہ جھگڑے والے اترانے والے کو پسند نہیں کرتا اور بے شک وہ ہر چیز پر مکمل دسترس رکھتا ہے۔
اور بے شک وہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور بے شک تمام عزتیں اللہ ہی کی ہیں اور بے
شک وہ عدل و انصاف والوں کے ساتھ محبت کرتا ہے اور بے شک وہ سُننے والا جاننے والا ہے
اور بے شک وہ آسمانوں اور زمینوں میں عبادت کے لائق ہے اور بے شک وہ اپنے بندوں پر
حکم نافذ کرنے والا اور باجبروتا ہے اور بے شک اس نے رحمت کرنا اپنے ذمہ کرم پر لے رکھی
ہے اور بے شک وہ بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے اور بے شک اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے اور
بے شک وہ بیج اور گٹھلی کو اُگانے والا ہے زندہ کو مُردہ سے اور مُردہ کو زندہ سے برآمد کرتا
ہے اور بے شک اسے آنکھیں نہیں پاسکتیں اور وہ دیکھ رہا ہے اور باریک بین باخبر ہے اور
وہ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور وہ سچائی کے ساتھ متصف ہے اللہ فرماتا
ہے بے شک ہم سچے ہیں اور بے شک ذات حق رحمت اور گرفت رکھتی ہے اللہ تعالیٰ ارشاد
فرماتا ہے اے محبوب نبی صلے اللہ علیہ وسلم فرمادو کہ تمہارا رب رحمت بے کراں کا مالک اس

کی گرفت سے مجرم قوم نہیں بچ سکتی اور بے شک وہ غافل نہیں ہے ارشادِ خداوندی ہے، اے محبوب صلی اللہ علیک وسلم آپ کا رب جو کچھ بھی تم کرتے ہو اس سے بے خبر نہیں ہے اور بے شک وہ غائب نہیں ہے اللہ ارشاد فرماتا ہے ہم انہیں ایک علمی قصہ سنائیں گے اور ہم غائب نہیں ہیں۔ اور بے شک وہ عرش کا ارادہ فرمانے والا ہے ذاتِ حق نے ارشاد فرمایا پھر عرش پر ارادہ فرمایا اور بے شک اس کے لیے خفیہ تدبیر ہے۔ رب جلّ وعلا فرماتا ہے اور انہوں نے داؤں چلا اور اللہ نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ بہتر خفیہ تدبیر نکالتا ہے اور بے شک اس کے لیے ایک کلمہ ہے۔ اللہ فرماتا ہے تیرے رب کا کلمہ پورا ہو گیا اور اس کے لیے ایک کلام ہے۔ اللہ فرماتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کی کلام سُننے اور اس کے لیے کئی کلمات ہیں خدائے بزرگ و برتر فرماتا ہے پھر تم اللہ اور اس کے اُمّی لقب رسُول نبی حضرت محمّد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اور جو اللہ اور اس کے کلمات پر ایمان لائے ایمان لاؤ، اور بے شک اس کے لیے ایک مقام قُرب ہے اللہ فرماتا ہے بے شک وہ لوگ جو اللہ کے قریب ہیں، بے شک وہ جس طرح اس کی شان کے لائق ہے بندے اور اس کے قلب میں قدرتی گردش کرتا ہے بے شک وہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، بے شک اس کے لیے ایک نُور ہے اللہ ارشاد فرماتا ہے اہلِ کفر اللہ کے نُور کو بجھانے کا بُرا ارادہ رکھتے ہیں اور بے شک وہ بذاتِ خود نور ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اللہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے اور بے شک وہ منافقین کو مذاق کرنے کا مزہ چکھاتا ہے ارشادِ خداوندی ہے اللہ تعالیٰ انہیں مذاق کرنے کا مزہ چکھاتا ہے اور بے شک اس کے لیے رضا ہے ربّ کبریا کا ارشاد ہے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ ان سے راضی ہوئے اور بے شک اس کے لیے غضب ہے ارشادِ خداوندی ہے اللہ نے ان پر غضب کیا، اور بے شک وہ صدقات لیتا ہے رَبّ فرماتا ہے کہ وہ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور

---

[1] لفظ ام کی شرح میں اصولین فرماتے ہیں کہ اُم وہ ہے جس پر کسی دوسرے کی بنا اور اصل ثابت ہو اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو امی کہتے جانے میں کئی اقوال ہیں۔ ایک قول حامل ام الکتاب دوسرا قول ام القرای مکہ میں پیدائش سرکار علیہ السلام۔ تیسرا قول آپ کو اصل کل کائنات کی وجہ سے اُمّی کہا جاتا ہے۔ (سید امیر محمد شاہ قادری مترجم)

صدقات لیتا ہے اور بے شک وہ ہر چیز پر کارساز ہے اور بے شک اس کے لیے بے مثال آنکھیں ہیں اللہ فرماتا ہے اے نوح کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے بنا، اور اس کے لیے قدرتی توجہ کی ایک آنکھ ہے قادرِ مطلق فرماتا ہے آپ کو میری آنکھوں کے سامنے بنانا چاہیئے اور بیشک وہ ہر ایک چیز کا نگران ہے اور بے شک وہ قریب سے دعائیں قبول کرتا ہے اور بے شک وہ غالب اور طاقت ور ہے اور بے شک وہ غرور کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور بے شک وہ دوران پرواز پرندے کو ٹھہرنے کی قوّت دیتا ہے۔ ارشادِ حق تعالیٰ ہے کیا انہوں نے غور نہ کیا پرندوں کی طرف جو ہمارے حکم کے تابع ہیں اور آسمانی خلا میں انہیں ہمارے سوا کون روک سکتا ہے اور بے شک اسی نے آسمانوں کو ٹھہرایا ہوا ہے اللہ ارشاد فرماتا ہے بے شک اللہ ہی نے آسمانوں اور زمینوں کو گرتے پڑنے سے روکا ہوا ہے اور اگر یہ گرنے کو آئیں تو انھیں اس کے سوا کوئی نہیں روک سکتا - اور بے شک وہ جسے چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے ہدایت دے دے اور بے شک وہ بھلائی کرنے والے پرہیزگاروں کا ساتھی ہے۔ اور بے شک اس کے لیے ایک روح ہے اللہ فرماتا ہے ہم نے آدم میں اپنی رُوح پھونک دی اور ہم نے مریم کی طرف اپنی رُوح بھیجی اور بے شک اس کے لیے نفس ہے (بمعنی ذات) اللہ فرماتا ہے وہ تمھیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اے محبوب میں نے آپ کو اپنی ذات کے لیے بنایا ہے بے شک اس کی قدرت بے خطا ہے اور بھولنے سے پاک ہے اور بیشک وہ اہل ایمان سے ہر قسم کی بلائیں ٹال دیتا ہے اور بے شک وہ بد دیانت اور ناشکرے کو پسند نہیں کرتا اور بے شک وہ زمینوں آسمانوں کی چھپی ہوئی اشیا کو نکال باہر کرتا ہے اور بے شک وہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا بے شک وہ ہر چیز کا نگران ہے اور بے شک اسے کافروں سے گھن پہنچتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، وہ لوگ جو اللہ اور رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور بے شک وہ ہر ایک چیز کا معائنہ کر رہا ہے اور بے شک وہ چھپی ہوئی چیزوں کو سب سے زیادہ جاننے والا ہے اور حق پر فیصلہ کرنے والا ہے اور بے شک اس کے دو ہاتھ ہیں اور اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ اے ابلیس تجھے کون سی چیز میرے ہاتھوں سے بنانے سے سجدہ کرنے کو مانع ہوئی اور اس کا بے مثل ہاتھ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

صحابہ بیعت رضوان کے ہاتھوں پر اس کا ہاتھ، اور اس کے کئی ہاتھ ہیں رب جلّ وعلا ارشاد فرماتا ہے اور آسمانوں کو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے اور بے شک ہم کشادگی کرنے والے ہیں اور بے شک وہ ایسی ذات ہے جس پر مثل کوئی چیز بھی نہیں ہو سکتی اور وہ سُننے والا اور دیکھنے والا ہے، اور بے شک اس کے لیے ہر دن نئی شان ہے اور بے شک وہ منافقوں کو نظرانداز کر دیتا ہے اللہ فرماتا ہے منافق اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے انہیں اپنی نظر رحمت سے گرادیا اور بے شک اس کے لیے ہر حکمت خُفیہ تدبیر ہے، اللہ فرماتا ہے اور میں انہیں مہلت دیتا ہوں اور میری خُفیہ تدبیر بے حد مضبوط ہے، اور ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے، وہ جتن لگا کر داؤں کھیلتے ہیں اور میں ان کے داؤں کو اپنی قدرتی تدبیر سے ناکام کر دیتا ہوں، اور بے شک وہ بیشک وہ زمینوں اور آسمانوں میں معبود حقیقی ہے اور بے شک وہ آسمانوں پر ہے۔ اللہ فرماتا ہے کیا تم اس پر ایمان لاؤ گے جو آسمانوں پر ہے اور بے شک وہ قیامت کے دن آئے گا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے محبوب تیرا رب آئے گا اور فرشتے پرّا باندھ کر کھڑے ہوں گے علاوہ ازیں اور بھی بہت سی ایسی اوصاف ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو اپنی کتاب میں متصف کیا ہے۔

ان اوصاف کا بیان جن سے اللہ نے اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانی اپنے آپ کو متصف کیا ہے

اوصافِ باری تعالیٰ کے سلسلہ میں محبوبِ خُدا کی زبانی اللہ کا قدم بھی ثابت ہوا ہے بخاری شریف میں یہ حدیث آئی ہے :۔

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ	ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہُ سے مروی
عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ	ہے کہ رسول خُدا صلے اللہ علیہ وسلم نے

ؔ دست احمد عین دست ذوالجلال
آمد اندر بیعت و اندر قتال

(شاعر مشرق علامہ اقبال) مترجم عفی عنہ۔

قَالَ لَا یَزَالُ یُلْقیٰ فِیْھَا یَعْنِیْ النَّاسَ وَتَقُوْلُ ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ حَتّٰی یَضَعَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ قَدَمَہٗ فَیَنْزَوِیْ بَعْضُھَا اِلٰی بَعْضٍ ثُمَّ تَقُوْلُ قَطْ قَطْ بِعِزَّتِکَ وَکَرَمِکَ وَلَا تَزَالُ الْجَنَّۃُ تَفْضُلُ حَتّٰی یُنْشِیَٔ اللّٰہُ لَھَا خَلْقًا فَیُسْکِنَھُمْ فَضْلَ الْجَنَّۃِ۔ (رواہ البخاری)

نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آتش جہنم میں کچھ ڈالے گا اور نار دوزخ کہے گی کچھ اور بھی ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم رکھے گا، تو آتش دوزخ ایک طرف سمٹ جائے گی پھر کہے گی یا اللہ رک رک جا تجھے تیری عزت و جلال اور جود و سخا کا واسطہ دیتی ہوں اور جنت اپنی حسن و آرائش کے ساتھ بڑھ رہی ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک مخلوق پیدا فرما دے گا جسے جنت کی مستقل رہائش سے مشرف کیا جاؤں گا۔ اس حدیث کو بخاری نے ذکر کیا ہے۔

اور بے شک ذات حق کا ید قدرت بھرپور ہے اور اس کے دوسرے ہاتھ میں ترازو ہے۔
صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ یَدُ اللّٰہِ ملاٰیٰ لَا یَغِیْضُھَا نفقۃ سحاء اللیل والنھارِ وَقَالَ اَرَاَیْتُمْ مَا اَنْفَقَ مُنْذُ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فَاِنَّہٗ لَمْ یَغِضْ مَا فِیْ یَدِہٖ وَکَانَ عَرْشُہٗ عَلَی الْمَاءِ وَبِیَدِہٖ

ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کا ہاتھ اتنا بھرپور بھرا ہے کہ گردش روز و شب میں خرچ کرتے رہنے سے اس میں کچھ کمی نہیں ہوتی اور فرمایا کہ کیا تم نے دیکھا ذات حق نے تخلیق آسمانی اور زمینی سے لے کر کتنا خرچ کیا۔ تاہنوز نہ کچھ کم ہوا نہ ہوگا اور اس وقت عرش الٰہی پانی پر تھا اور ذات حق کے

الاخریٰ المیزان یخفض ورفع - (رواہ البخاری) | کے دوسرے ہاتھ میں ترازو تھا جو کبھی نیچے جھک جاتا اور کبھی اوپر اُٹھ جاتا تھا۔ یہ حدیث بخاری نے ذکر کی ہے۔

اور بے شک ذاتِ حق کے لیے انگلیاں ہیں ابن مسعود رضی اللہ عنہُ سے صحیح بخاری کی روایت اس طرح مذکور ہے :-

عن ابن مسعودٍ ان یھودیًا جاءَ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا محمدُ ان اللہ یمسک السموات علی اصبعٍ والارضین علی اصبعٍ والجبال علی اصبعٍ والشجر علی اصبعٍ والخلائق علی اصبعٍ ثم یقول انا الملک فضحک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتّٰی بدت نواجذہ ثم قرءَ وما قدروا اللہ حق قدرہٖ - | ترجمہ: ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ ایک یہودی حضور کی خدمت میں آکر کہنے لگا اے محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم بے شک اللہ تعالیٰ نے ایک انگلی پر آسمانوں کو اور ایک انگلی پر زمینوں کو اور ایک انگلی پر پہاڑوں کو اور ایک انگلی پر درختوں اور ایک انگلی پر تمام مخلوق کو، پھر کہنے لگا کہ میں تو بادشاہ ہوں اس پر سرکار علیہ السلام اتنے ہنسے کہ آپ کے مُبارک دانت ظاہر ہو گئے، پھر حضور علیہ السلام نے قرآن کے یہ الفاظ پڑھے کہ یہ لوگ اللہ کی کما حقہٗ قدر نہیں کرتے۔

اس پر مستہزاد ایک روایت اس طرح ہیں ان الفاظ کی زیادتی فضیل بن عیاش نے منصور ابراہیم اور عبداللہ کی روایت سے کی ہے کہ حضور علیہ السلام اس یہودی کی گفتگو پر متعجب ہو کر اس کی تصدیق کے لیے ہنسے، اللہ کی انگلیوں کے متعلق ایک اور حدیث اس طرح ہے :-

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان القلوب بین اصبعین من اصابع | ترجمہ: رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ بے شک دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں جس طرح چاہے

الرحمٰن یقلبها کیف یشاء۔ انہیں پلٹ دیتا ہے۔

بخاری شریف کتاب التوحید سے ذاتِ حق کا صورت اور ہنسی سے متصف ہونا بھی ثابت ہے روایت یوں ہے:-

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰہ عَنْہُ ذَکَرَ الحَدِیْثَ اِلیٰ اَنْ قَالَ فَیَاتِیْھِمُ اللّٰہُ فَیَقُوْلُ انا ربکم فیقولون ھٰذا مکانا حتّٰی یاتینا ربُّنا فاذا جاء ربُّنا عرفناہ فیاتیھم اللّٰہ فی صورتہ التی یعرفون فیقول انا ربکم فیقولون انت ربُّنا ویتبعونہٗ وفی الحدیث طولٌ، ومنہ فی الرجل المقبل بوجھہ علی النار فلا یزال یدعو حتّٰی یضحکَ اللّٰہ منہ فاذا ضَحِکَ منہ قال لہٗ ادخل الجنّۃَ ۔

ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ اوپر سے حدیث بیان کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے اور کہا کہ اہل ایمان کے پاس اللہ تعالیٰ آکر فرمائے گا کہ میں تمہارا رب ہوں پھر کہیں گے ہم اپنی جگہ مستقل رہیں جب ہمارا رب آئے گا ہم اسے پہچان لیں گے پھر ان کے پاس اللہ تعالیٰ اس صورت میں آئے گا جسے اہلِ ایمان پہچانتے ہوں گے پھر اللہ فرمائے گا میں تمہارا رب ہوں تو وہ کہیں گے آپ ہمارے رب ہیں اور اہل ایمان اس کی اتباع کرنے لگیں گے یہ حدیث بہت لمبی ہے اور اسی حدیث ہی کا ایک حصہ اس شخص کے متعلق ہے جس کا چہرہ دوزخ کی طرف کر دیا جائے گا تو وہ ایک فریادی کی طرح ہمیشہ چلاتا رہے گا یہاں تک کہ اس پر اللہ کو ہنسی آنے لگے گی ہنسنے کے بعد خوش ہو کر اللہ اسے فرمائے گا جا جنت میں چلا جا۔

اور بے شک ذاتِ حق آواز سے بھی متصف ہے صحیح بخاری شریف میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے۔

قَالَ اِذَا تَكَلَّمَ اللّٰهُ بِالْوَحِي سَمِعَ اَهلُ السَّمٰوٰتِ شَيئًا فَاِذَا فُزِّعَ عَن قُلُوبِهِم وَسَكَنَ الصَّوتُ عَرَفُوا اَنَّهُ الحَق وَنَادَوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُم قَالُوا الحَق ۔	ترجمہ: راوی نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ بطور وحی کلام کرے گا تو کچھ کچھ آسمان والے بھی سنیں گے تو اچانک ان کے دل گھبرانے لگیں گے اور کلام کی آواز رک جائے گی اب وہ پہچانیں گے کہ بے شک یہ ذاتِ حق تھی ایک دوسرے سے کہیں گے کہ تمہارے رب نے کیا کہا جواب میں کہیں گے حق کہا۔

ایک دوسری روایت :۔

وَعَن عَبدِ اللّٰهِ ابنِ اُنَيسٍ قَالَ سَمِعتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّم يَقُولُ يَحشُرُ اللّٰهُ العِبَادَ فَيُنَادِيهِم بِصَوتٍ يَسمَعُهُ مَن بَعُدَ كَمَا يَسمَعُهُ مَن قَرُبَ اَنَا المَلِكُ اَنَا الدَّيَّانُ ۔	ترجمہ: حضرت عبداللہ بن انیس نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے اللہ نے اپنے بندوں کو ایسی آواز دے کر اٹھائے گا جو دور اور نزدیک سے برابر سنی جائے گی الفاظ یہ ہوں گے کہ میں بادشاہ ہوں اور میں پورا پورا حساب لینے والا ہوں ۔

اور بے شک ذاتِ حق پہلے آسمان پر ہر رات نزول سے بھی متصف ہے امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت اس طرح ذکر کی ہے :۔

عَن اَبِي هُرَيرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّم قَالَ يَنزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰى كُلَّ لَيلَةٍ اِلَى السَّمَاءِ الدُّنيَا حِينَ يَبقَى ثُلُثُ اللَّيلِ الاٰخِرِ فَيَقُولُ مَن يَدعُونِي	ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارا رب تعالیٰ ہر رات کے آخری تہائی حصہ میں پہلے آسمان پر اتر کر فرماتا ہے کوئی مجھ سے دعا کرے میں اس کی دعا قبول کروں کوئی مجھ سے مانگے

فاستجیب لہٗ من یسئالنی میں اسے عطا کروں اور کوئی مجھ سے بخشش
اعطیہ من یستغفرنی فاغفرلہ۔ طلب کرے میں اسے بخش دوں۔

بیشک اللہ تعالیٰ نوافل کے ذریعے قرب خداوندی حاصل کرنے والے کے کان آنکھ ہاتھ پاؤں بن جانے کے ساتھ متصف ہے

کتاب الدعوات صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت اس طرح ہے:۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں
قال قال رسول اللہ صلی اللہ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ قال اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو میرے کسی ولی
من عادی لی ولیا فقد آذنتہ کے ساتھ عداوت رکھے تو میں اسے اپنے
بالحرب وما تقرب عبدی ساتھ چیلنج کرنے کا چیلنج دیتا ہوں اور میرا
بشیء احب الی مما کوئی بندہ میرے عائد کردہ فرائض کے
افترضت علیہ ومایزال بعد جب تک نوافل پر دوام نہ کرے میرا
عبدی یتقرب الی قرب حاصل نہیں کر سکتا اور میرا بندہ
بالنوافل حتی احبہ ہمیشہ دائیگی نوافل سے ہی میرا قرب حاصل
فاذا احببتہ کنت سمعہ کرتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا دوست
الذی یسمع بہ بنالیتا ہے تو جب میں اسے دوست بناؤں
وبصرہ الذی یبصر بہ میں اس کے وہ کان بن جاتا ہوں جن سے
ویدہ التی یبطش وہ سنتا ہے اور اس کی وہ آنکھ بن جاتا
بھا ورجلہ التی یمشی ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا
بھا ولئن سألنی وہ ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ گرفت
عطینہ ولئن استعاذنی کرتا ہے اور اس کا وہ پاؤں بن جاتا ہوں
لا عیذنہ وما ترددت جس سے وہ چلتا ہے اور اگر مجھ سے سوال

عن شیٔ انا فاعلہٗ — کرے تو اسے دے دیتا ہوں اگر میری پناہ
تَرَدُّدِی عن قبضِ — چاہے تو میں اس کا مکمل دفاع کرتا ہوں
نفس المومنِ یکرہُ — اور میں اپنے کسی کام میں نہیں رکتا مگر اس
الموت وانا اکرہُ — مومن کی رُوح قبض کرتے وقت جو موت
مسأتہٗ ۔ — کو پسند نہ کرتا ہو اور میں مومن کے انجام
کی برائی پسند نہیں کرتا۔

اور بےشک وہ اظہارِ مسرت سے بھی متصف ہے صحیح بخاری شریف کتاب الدعوات کے شروع ہی میں حضرت انس رضی اللہ عنہٗ کی روایت یوں ہے۔ ترجمہ:

عَن انس قَالَ قَالَ النبیُ — ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ
صلی اللہ علیہ وسلّم — حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
للہ افرح بتوبۃ عبدہٖ — کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کی توبہ سے
من احدکم سقطَ عَلیٰ — خوش ہوتا ہے جو اپنے اس اونٹ پر سے
بَعیرِہٖ قد اضلہ فی ارض فلاۃ۔ — گر جائے جسے اس نے ویرانے میں گم کیا تھا۔

اور بےشک اس کا لیے سایہ ہے صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت :۔

عَن النبی صَلی اللہ علیہ — ترجمہ: نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے حضرت
وسلّم سبعۃ یظلھم — ابوہریرہ روایت کرتے ہیں سات شخصوں
اللہ یوم القیامۃ فی ظلہ — کو اللہ تعالیٰ اس دن اپنے سائے میں جگہ
یوم لا ظل الا ظلہ امام — دے گا جس دن اس کے سائے کے سوا
عادل وشاب نشأ فی — کوئی سایہ نہ ہوگا عادل حاکم یعنی صحیح انصاف
عبادۃ اللہ عزوجل ورجل — کرنے والا حاکم اور وہ جوان جو اللہ کی
ذکر اللہ ففاضت عیناہ — عبادت میں پروان چڑھا ہو، اور وہ آدمی
ورجل قلبہ معلق فی — جو اللہ کا ذکر کرتے کرتے اس کے آنسو
المسجد ورجلان — جاری ہو جائیں، اور وہ آدمی جس کا دل

تحابا فی اللہ عزوجل و
رجل دعتہ امرأۃ
ذات منصب وجمال
الی نفسہا فقال انی اخاف
اللہ عزوجل و رجل تصدق
بصدقۃ فاخفاہا حتی لا
تعلم شمالہ ما تنفقہ یمینہ۔

مسجد کی طرف لگا ہو اور وہ دو آدمی جو باہمی
طور پر اللہ کے لیے محبت رکھیں، اور وہ
آدمی جسے خوبصورت اور خود مختار عورت
دعوت جرم دے اور وہ اسے یہ کہہ کر ٹال
دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور وہ شخص
جو پوشیدہ طور پر اپنے دائیں ہاتھ سے خرچ
کرے اور بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو۔

علاوہ ازیں بہت سی صفاتِ باری تعالیٰ احادیث صحاح ستہ سے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانی ثابت ہیں۔ صفات باری تعالیٰ کی وضاحت کے لیے علمائے اسلام کی تقسیم دو جماعتوں پر ہے جو صفاتِ باری تعالیٰ کو قرآن و سنت سے ثابت ہونے پر اپنا موقف الگ الگ رکھتے ہیں۔

۱۔ علمائے سلف۔ ۲۔ علمائے خلف۔

علمائے سلف تو باری تعالیٰ کی اس صفت پر ایمان رکھتے ہیں جو اس نے اپنی کتاب میں اپنی ذات کے لیے خود بیان کی ہیں یا اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان پر اس وصف کے حقیقی معنیٰ کے مطابق بیان کی ہیں اور اس وصف کا حقیقی معنیٰ وہی ہے جو اللہ اور اس کا رسول صلے اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں اس وصف کا مجازی معنی مراد نہیں جو عام مومنین کی عقل و تخیل میں ہوتا ہے اور صحیح مان لینا یہی ہے اور مذہب تسلیم میں زیادہ سلامتی ہے۔ علمائے سلف صفات باری تعالیٰ کے حقیقی معنی سمجھنے سے اپنی عاجزی کا اقرار کرتے ہیں اور ان صفات کے علم کو اللہ اور اس کے رسول کے سپرد کرتے ہیں اور ان صفات پر ایمان بالغیب کے لحاظ سے عقلاً ایمان رکھتے ہیں اللہ نے ان کی تعریف میں اپنی کتاب کے اندر ارشاد فرمایا ہے کہ ایسے لوگ غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ تو ایسے لوگ اللہ کو ہر اس وصف سے متصف کر دیتے ہیں جو اللہ نے اپنی کتاب میں خود اپنی ذات کے لیے یا اپنے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان پر بیان فرمائی ہو اور ان تمام صفات پر اسی حیثیت سے ایمان رکھتے ہیں جو معنیٰ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک بہتر ہے اپنی عقل و فکر کے معنی پر یقین نہیں رکھتے اور نہ ہی انسانی عقل و فکر پر اس معاملہ

میں اعتماد کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان صفات کا اطلاق خود اپنی ذات پر یا اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک کے ذریعے سے کیا ہے علمائے سلف اپنے آپ کو اس معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول کا تابع سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :۔

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ	ترجمہ: اور جو کچھ تمہیں یہ رسول دے دیں وہ
فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ	خوشی سے لے لو اور جس چیز سے تمہیں باز
عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الآیۃ)	رکھیں اس سے رک جاؤ ۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان اوصاف کے باری تعالیٰ پر اطلاق کرنے میں نہ تو کوئی قرآن میں منع آیا ہے اور نہ ہی حدیث میں بلکہ ان اوصاف کا ورود فی نفسہٖ اللہ تعالیٰ کے لیے کتاب وسُنّت میں مطلق ہے جس طرح کہ آپ نے ہمارے مذکور کلام میں دیکھ لیا اس معاملے میں علمائے سلف کا مذہب فقط تسلیم یعنی مان لینا ہے پھر شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں حق مذہب یہی ہے کہ جس طرح متشابہات کا اطلاق اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر خود کیا یا اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ پر متشابہات کا اطلاق کیا کو صحیح سمجھا جائے۔ اس مذہب میں سلف اور خلف رضوان اللہ اجمعین برابر ہیں فرق صرف ان متشابہات کے معانی استعمال کا ہے قطعیت سے ہٹ کر متشابہ کی تاویل کرنا خلف کا مذہب ہے اور یہی زیادہ مضبوط ہے چونکہ اس میں سلف کے مذہب سے کچھ معنی سمجھنے کے اعتبار سے کچھ معانی بتارع کے سپرد کرنے کے اعتبار سے زیادتی ہے تو خلف کا مذہب تسلیم اور زیادتی نکلا جب کہ سلف کا مذہب فقط تسلیم تھا وہ کسی لفظ کی کوئی تاویل نہ نکالنے میں زیادہ سلامتی کے قائل ہیں متشابہات اور ان صفات کے اطلاق کی صحت پر جب سلف اور خلف کا اجماع ہوا تو اب ہم صفات باری تعالیٰ پر کچھ کہنا چاہتے ہیں۔[1]

بے شک واجب تعالیٰ کی ذات قدیم ہے جو صفات قدیمہ سے متصف ہے کلامِ الٰہی نے ان صفات کی تقدیس وتنزیہہ میں پیش پیش ہے ہم پر فرض عائد ہوتا ہے کہ ان صفات باری تعالیٰ پر مجموعی طور ایمان رکھیں بہرحال وہ صفات جن کی تاویل ہمارے علم اور عقل وفکر

---

[1] یہ شیخ نابلسی نے سلف اور خلف کے درمیان محاکمہ کیا ہے ۔ مترجم

سے باہر یا وہ صفات جو ہمارے علم وعقل ہوں سب پر ایمان لانا چاہیے ، پہلی صورت تسلیم ہے
اور دوسری صورت تاویل ہے اور حق بات یہی ہے کہ تمام صفات باری تعالیٰ متشابہ ہیں کیونکہ
ہم اس کی قدرت اور ارادہ کے معنی نہیں سمجھ سکتے اور جس قدر ہم سمجھ سکتے ہیں وہ تاویل ہی ہے
بس ہم ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کے لیے رُوح ، نفس ، ایک آنکھ ۔ کئی آنکھیں ۔ ایک ہاتھ ۔
کئی ہاتھ ، قدم ، انگلیاں ، رُخ ، سایہ ، ہنسی ، مذاق ، خوشی ، غضب ، رضا ، کلام ، کلمہ ، کلمات ،
مکر ، کید ، آنا ، اترنا ، بھولنا علاوہ ازیں دیگر صفات قدیمہ جن کے حقیقی معانی ہم نہیں سمجھتے صرف
مجازی معنی کتاب اللہ اور رُسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق جس طرح خبر حاصل
کر سکے ۔ نابلسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس صفات باری تعالےٰ پر ایک مستقل کتاب ہے
جس کا نام قلائد المرجان فی عقائد الایمان ہے میں ہم نے صفات باری تعالیٰ چار سو سے بھی زائد
بیان کی ہیں اور ہر ایک صفت پر مکمل بحث کی ہے ۔

صفات باری تعالیٰ کی اصل تحقیق

شیخ عبدالغنی نابلسی فرماتے ہیں کہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات میں سے
کسی شے میں نہیں اترتا اور نہ اس مخلوق کی کوئی چیز اس میں اترتی ہے کیونکہ حلول (اتار) ان دو
چیزوں میں تصور کیا جاتا جن کا ایک ہی صفت میں مل جانا یا اکٹھا ہونا ممکن ہو ، بندے اور رب کے
درمیان کسی چیز سے بھی وجودی مناسبت نہیں ہے تو پھر کس طرح تصور کیا جا سکتا ہے کہ بندہ
اور رب ایک دوسرے کے ساتھ متحد ہو جائیں یا ایک دوسرے میں اتر جائیں بندے کا وجود
ذاتی وجودِ رب تعالیٰ کے مقابلہ میں محض عدم اور نیستی ہے اور بندے کا سننا دیکھنا صرف بندے
کی نسبت سے ہے جب کہ اللہ کے مقابلہ میں بندے کا سُننا دیکھنا محض اندھے بہرے ہونے
کے مترادف ہے ، اسی طرح بندے کی دیگر صفات خُدا کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہیں ، پھر یہ
ساری دنیا اپنی ذاتی نسبت کے اعتبار سے موجود ہے جب کہ خُدا کی نسبت دنیا عدم محض
ہے تو کس طرح ممکن ہے کہ دنیا خدا سے مل جائے اور خُدا دنیا سے مل جائے ، آپ نے
نہیں دیکھا کہ رات اپنے اعتبار سے تو موجود ہے مگر دن کی نسبت معدوم ہے تو کیا تصور

کیا جاسکتا کہ دن رات میں اتر جائے یا رات دن میں یا یہ دونوں متحد ہو جائیں تو پھر جو ہم سے پوچھے کہ اللہ کہاں ہے ہم اسے جواب دیں گے وہ الفاظ کہاں ہیں جن سے اللہ کے مکان کی نشاندہی ہو سکتی ہے بلکہ اللہ ہی نے این ومتی پیدا کئے ہیں اور ان کے معانی بھی اسی نے پیدا کئے ہیں اور اس کے قائل کو بھی اسی نے پیدا کیا ہے اور اس کے سوال کرنے کو بھی اسی نے پیدا کیا ہے اور سب رہائش گاہوں کا خالق بھی وہی ہے وہ ہر ان صفات سے بلند و برتر ہے جو تغیر پذیر اور پیدا ہوئی ہیں اللہ کی شانِ زیبائی کے خلاف ہے کہ اس کے بارے پوچھا جائے کہ وہ کہاں ہے اور جو پوچھے کہ اللہ کس طرح کا ہے تو ہم اسے جواب دیں گے کہ کَیْفَ ایک ایسا لفظ ہے جس سے کسی چیز کی کیفیت معلوم کرنے کے لیے پوچھا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس لفظ اور اس کے معنی کو پیدا کیا ہے اور اس کے کہنے والے کو اللہ ہی نے پیدا کیا اور اس لفظ کے ساتھ سوال کرنے کو بھی اسی نے پیدا کیا ہے اور تمام کیفیات کا خالق بھی وہی ہے یہ خیال ہرگز نہ کیا جائے کہ جس کو اس نے پیدا کیا اسی سے خود متصف ہو جائے تو اللہ کے بارے یہ نہ کہا جائے کہ وہ کس طرح ہے، اسی طرح جو پوچھے کہ وہ کس چیز پر ہے تو ہم کہیں گے کہ کلمہ علیٰ معنیٰ بلندی ظاہر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کلمہ اور اس کے معنی کو پیدا کیا اس کے قائل اور اس کے قول کو بھی اسی نے پیدا کیا ہے تو اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ نہ کہنا چاہیئے کہ وہ کس چیز پر ہے اور اسی طرح وہ تمام سوالات جو اللہ کے بارے انسان پوچھتا ہے اسے کہا جائے گا کہ تیرے جملہ سوالات اور ان کے معانی سب مخلوق ہیں اور تو خود بھی مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے اور خالق اپنی مخلوق کے ساتھ متصف نہیں ہو سکتا اور نہ ہی سوال کا تصور کیا جا سکتا ہے کہ مخلوق میں سے کوئی اس کی مثل ہے یا خود خالق مخلوق کی مثل بن جاتا ہے نعوذ باللہ، آپ نے دیواری تصویر دیکھی ہو گی اور اس کے آرٹسٹ نقاش سے یہ سوال کریں کہ کیا آپ کے بھی دیواری تصویر کی طرح سیاہی سے ہاتھ بنے ہوئے اور اسی طرح آپ بے تکے سوال کرتے چلے جائیں تو وہ نقاش آپ کو کیا جواب دے گا بس آپ کچھ وقت چلتے ہی رہیں گے باوجودیکہ اس دیواری تصویر اور مصوّر کے درمیان کچھ مناسبت بھی ہے لیکن یہ تصویر اور مصور حادث ہیں مٹ جانے والے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق میں کسی وجہ سے بھی کوئی مناسبت نہیں ہے۔

وہ کسی شبہ کے بغیر یقیناً ان مراتب سے اُونچا ہے اس پر مستزاد جو ہمیں کہے کہ ذات حق تمام عقول سے مطلقاً غائب ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ عقل اللہ پر ایمان رکھے جواب میں ہم اسے کہیں گے کہ اللہ کے وجود کو بغیر دلیل تسلیم کرنا ہی اصل ایمان ہے البتہ اس مخلوقات کی ہر چیز کے وجود پر عقل دلیل طلب کرتا ہے اللہ کا وجود عقل وعقلیات کی سطح سے بالاتر ہے جہاں تک مخلوق کی ہر شے کے وجود پر عقل کے دلیل طلب کرنے کا تعلق ہے وہ یُوں ہے کہ ہر چیز کا وجود خالی از دو حال نہ ہوگا یا وہ محسوس ہوگا یا معقول، بہر دو صورت وجود خواہ حسی ہو یا عقلی اس کے ظہور و صدور کے لیے ایک دوسرا وجود ضروری ہے جو اس حادث فانی وجود کی طرح بالکل نہیں ہوگا عقلاً جانا جائے گا کہ وہ مرکزی وجود قدیم ہے جس سے یہ حادث و متغیر وجود اس کے اختیار و ارادہ سے صادر ہوا ہے نہ کہ اضطرار و جبر سے ورنہ لازم آئے گا کہ وہ جبر غیر میں داخل ہوا اور یہ حادث کی صفت ہے جب کہ اللہ تعالیٰ قدیم ہے اور اللہ تعالیٰ ظالموں و مشرکوں کے منہ کی کہی باتوں سے بلند و بالا ہے اس وضاحت کے بعد وجود باری تعالیٰ پر عقل کے ایمان نہ لانے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہاں اگر عقل ہی غفلت کے گہرے کھڈ میں گر جائے تو وہ اس عقل ہی کا قصور ہے کیونکہ عقل صحیح سے وجود باری غائب نہیں ہے بلکہ کائنات کی ہر ایک چیز کا وجود وجود باری پر شاہد وعادل ہے شیخ رضی اللہ عنہ عقل کامل اور عقل ناقص کی تشریح مندرجہ ذیل اشعار میں یُوں کی ہے۔

قُلْ لِمَنْ هَامَ تَابِعًا أَوْهَامَهُ — جو شخص اپنے وساوس کی پیروی میں سرگرداں ہو جائے اسے
كُلُّ شَيْءٍ عَلَى الْإِلٰهِ عَلَامَهْ — کہہ دے کہ کائنات کی ہر ایک چیز وجود باری پر کھلی نشانی ہے۔

أَيُّ عَقْلٍ لَا يَسْتَدِلُّ عَلَيْهِ — جو عقل وجود باری پر اشارات سے استدلال کا
بِالْإِشَارَاتِ وَهْوَ فِيهَا إِقَامَهْ — سہارا نہ لے وہی عقل وجود باری کے قریب تر رہتی ہے۔

ذَاكَ عَقْلٌ مَنْ عَيْنُهُ فِي عِقَالٍ — اور یہی عقل جسے بے ترتیب بندھنوں میں اُلجھا
لَيْسَ يَدْرِي الْهُدٰى وَلَا اسْتِقَامَهْ — دے نہ اسے ہدایت ملتی ہے اور نہ ہی راہ حق

هٰذِهٖ الْكَائِنَاتِ عُلْوًا وَسُفْلًا	یہ کائنات علوی اور سفلی وجود باری کی ایک
تَرْجَمَتْ لِیْ عَنِ الْاِلٰهِ كَلَامَهٗ[1]	تعبیر ہے اور یہ تعبیر مجھے کلام حق سے ثابت ہوتی ہے۔

معمہ وجود باری تعالیٰ کا حل

جب ہم سے کہا کہ مکمل عقل ہر ایک چیز کی دریافت پر قدرت رکھتی ہے تو پھر حق سبحانہٗ وتعالے کی دریافت اس کے لیے کیونکر ناممکن ہے ہم سائل کو جواب میں کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نہایت لطیف ہے اور عقل ذات کبریا کی نسبت نہایت کثیف اور مکدر ہے لطیف تو بلا تکلف کثیف کی دریافت کر لیتا ہے جب کہ کثیف لطیف کا ادراک نہیں کر سکتا کیونکہ آپ جسم کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے کثیف ہونے کی وجہ سے ادراک عقل نہیں کر سکتا اس لیے کہ جسم کی نسبت عقل لطیف ہے اور بے شک ذاتِ حق نے اس جہان کو کثیف ولطیف پر تقسیم کر رکھا ہے نیز دوسرے یعنی لطیف کو پہلے اور کثیف سے مخفی رکھا جب کہ پہلے کو دوسرے سے مستور نہ رہنے دیا تاکہ یہ قاعدہ معرفتِ حق تعالیٰ کے لیے ایک مکمل عبرت بن جائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :-

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ

يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ

اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ[2]

اس آیت کی روانی نحوی قاعدہ لف نشر بالترتیب کے مطابق ہے یعنی آنکھوں کو ذاتِ حق کا ادراک اس لیے نہیں ہوتا کہ ذاتِ کبریا لطیف ہے اور وہ آنکھوں کا ادراک اس لیے کر لیتا ہے کہ خبیر ہے۔

---

[1] لفظ ترجمہ ترزبان سے مقرب ہے اس کا معنی ایک زبان کے مطالب دوسری زبان میں بیان کرنا ہوتے ہیں۔ (غیاث اللغات) (مترجم سید امیر محمد شاہ قادری)

[2] پارہ سورہ آیت

یہ کلام اختتام پذیر ہوئی جسے میں نے عارف کبیر المعروف سیدی شیخ عبدالغنی نابلسی رضی اللہ عنہ کی کتاب فتح الربانی وفیض رحمانی سے نقل کیا تھا، قارئین صاحب مطالعہ حضرات توحید باری تعالیٰ میں ان نفیس تحقیقات اور جلیل القدر فوائد کو غنیمت جانیں کیونکہ شیخ نابلسی کے علاوہ شاید اس مسئلہ پر ایسی تحقیق میسر نہ آئے گی اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے علوم ومعارف سے دنیا وآخرت میں بہرہ ور فرمائے۔

عارف باللہ سیّدی سیّد مصطفٰے البکری المتوفی سنہ ۱۱۶۲ھ

کے

فرمودات گرامی

سید مصطفیٰ البکری سید عبدالسلام بن مشیش رضی اللہ عنہ کے اس قول صلوٰۃ مشیشیہ کی تشریح میں فرماتے ہیں - وہ قول یہ ہے -

وَاجْعَلِ الْحِجَابَ الْاَعْظَمَ[1] حَیَاۃَ رُوْحِیْ وَرُوْحَہٗ سِرَّ حَقِیْقَتِیْ -

ترجمہ: یا اللہ حجاب اعظم یعنی حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو میری رُوح کی زندگی بنائے اور سرکار دو عالم کی مقدس رُوح میری حقیقت کا اصل راز ہے -

فرماتے ہیں کہ حضور جان عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس رُوح ہر ایک مخلوق کی لیاقت و استعداد کے مطابق ان کے لیے تمام حقائق کی معاون و مددگار ہے -

وَحَقِیْقَتُہٗ جَامِعُ عَوَالِمِیْ - ترجمہ: یعنی سرکار کی حقیقت میری ہر دنیا کو محیط ہے -

پر فرماتے ہیں کہ اے خدائے لم یزل حقیقت محمدی صلے اللہ علیہ وسلم جو تمام حقائق کی اصل حقیقت ہے اور اسرار و رموز کا بہت بڑا سرچشمہ اور پوشیدہ رازوں کا مرکز ہے کو میری ظاہری باطنی ہر کائنات کا محیط کردے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کائنات کا ہر ظاہری ذرہ حضور ہی کی مدد[2] سے اپنی بقا قائم کئے ہوئے ہے جس سے میں اپنا آپ اور اپنی منزل مقصود پہچان سکوں اور اپنی جسمانی کدورتوں سے مکمل آزادی اختیار کرسکوں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کا دائرہ اولین و آخرین اور کائنات کی ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور آپ کی حقیقت اپنی ہر ایک محاط[3] چیز کی مدد اس کی نیک بختی اور سعادت کے لیے بلا روک ٹوک فرماتی ہے اور یہ حقیقت محمدی ہر ایک

---

[1] حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم خالق و مخلوق کے درمیان ایک قوی اور مضبوط واسطہ ہیں کیونکہ سرکار کے واسطہ کے بغیر اگر تجلیاتِ الٰہی مخلوق پر براہِ راست ظہور فرماتے تو مخلوق پگھل جاتی یہی معنی سرکار کے حجاب اعظم ہونے کا ہے یعنی آپ بقائے مخلوق کا اصل سبب اور کامل ذریعہ ہیں -

[2] اس امداد کو اصطلاحِ صوفیہ میں استمداد شہودی کہا جاتا ہے - (سید امیر محمد شاہ قادری عفی عنہ)

[3] دائرہ کی اندرونی حدود کی اشیاء -

شخص کی اس کے حقائق و احوال کے مطابق مدد فرماتی ہے جس شخص کو آپ کی بارگاہ پر کامل اعتماد اور میلان کُلّی ہو وہ نیک بخت ہو جاتا ہے اور جو آپ کی بارگاہ سے دور رہے وہ بدبخت اور نامراد ناکام ہو جاتا ہے۔ تو پھر جو شخص بھی راہِ حق کو پہنچا اور اس نے اللہ کو پکارا یہ سرکار ہی کے واسطہ اور فیض سے ہے ہر متکلم کا کلام اور ہر قابل کی قابلیت اور ہر قائل کا قول بھی آپ ہی کا مرہونِ منت ہے اور اس شرح کا نام بکری رضی اللہ عنہُ نے "لمحات الرافعات لتدھیش علی معانی صلوٰت ابن مشیش" رکھا ہے اس کتاب کے خطبہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ صلواۃ مشیشیہ کی تین شرحیں اس سے پہلے ہو چکی ہیں، سب سے پہلی شرح ضخامت میں بڑی ہے جس کا نام الروضات العرشیہ فی الکلام علی الصلوات المشیشیہ اور دوسری شرح درمیانی ہے جس کا نام عریش التہانی فی الکلام علی الصلوات ابن مشیش الدانی۔ اس شرح کو استنبول میں جمع کیا گیا اور تیسری شرح بالکل مختصر تھی جس کا نام فیض القدوس السلام علی الصلوٰت سیدی عبدالسلام۔ جب انہیں کچھ علاوہ ازیں معانی اور حقائق کا مکاشفہ ہو تو انھوں نے یہ چوتھی شرح بھی صلوٰت مشیشیہ پر رکھ دی اللہ تعالیٰ آپ پر اور آپ کی اس کاوش سے خوش ہو جائے۔

اسمِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

سید مصطفیٰ البکری کے فرمودہ ارشادات میں سے ہے جو آپ نے حزب امام نووی رضی اللہ عنہُ پر اپنی شرح کے آخر میں قول ذکر فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ تمام اسما کی نسبت زیادہ مشہور ہے اور آپ سے پہلے یہ نام کسی کا بھی نہیں رکھا گیا مگر جب آپ کے ظہورِ نور کا وقت قریب آیا اور ہر خاص و عام کی زبان پر آپ کا ذکر ہونے لگا تو اہل کتاب نے اپنی اولادوں میں سے اس اُمید پر صرف پندرہ اشخاص کا نام محمد رکھا کہ انہیں میں سے شاید کوئی نبی ہو جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے گرامی کے اعداد و شمار کے متعلق کہا گیا ہے کہ ایک ہزار کے لگ بھگ ہیں اور دوسرے قول کے مطابق آپ کے دو ہزار بیس نام بتائے گئے ہیں اگرچہ سرکار کے تمام اسمائے گرامی نہایت ہی بابرکت

ہیں مگر سُننے میں سب سے زیادہ لذیذ اور رُوحانی کدورتوں اور سوز دروں سے گرد و غبار صاف کرنے ہیں یہ اسم (محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی مثال آپ ہے، شارح دلائل نے آغاز کتاب میں ہی ذکر کیا ہے کہ سرکار کا اسم گرامی محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم دیگر اسما میں مشہور و معروف ہونے کی خصوصیت رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ آپ کو روز محشر اسی نام سے پکارے گا دنیا اور آخرت میں اللہ نے آپ کا یہی نام رکھا ہے اور یہی نام کلمہ توحید کے ساتھ بھی مخصوص کیا گیا ہے اور اسی نام پر آدم علیہ السلام کو کنیت عطا ہوئی، اور اسی نام کے حوالہ سے آپ کو شفاعت فرمانے کے متعلق کہا جاتے گا جنابہ حضرت حوّا علیہا السلام کے حق مہر کی ادائیگی کے لیے اسی نام پر درُود و سلام بھیجا گیا اور حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اپنی ذات کو اسی نام سے موسوم کرتے ہوتے فرمایا کہ میں محمد بن عبداللہ ہوں اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں جان محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم ہے اور فاطمہ بنت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے اور آپ محمدؐ رسُول اللہ لکھا کرتے تھے اور اسی نام سے آپ پر فرشتوں کا درود و سلام ہوتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عیسیٰ علیہ السلام اسی نام سے پکار کر شفاعت کرنے کے متعلق عرض کریں گے اور حدیث معراج وغیرہ میں جناب جبریل امین نے بھی آپ کو اسی نام سے پکارا۔ اور حدیث معراج ہی میں جناب ابراہیم علیہ السلام نے بھی آپ کو اسی نام سے پکارا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش پر آپ کے دادا جان حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہُ نے بھی آپ کا یہی نام رکھا اور اسی نام سے آپ کو آپ کی قوم نے پکارا اور اسی نام سے آپ کو پہاڑوں پر مقرر فرشتے نے پکارا، جناب عزرائیل ملک الموت فرشتہ سرکار کی رُوح مُبارک قبض کر کے روتا روتا آسمان پر چڑھا تو وہ یہ پکار رہا تھا وا محمداہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خازن جنت کو اپنا یہی نام بتا کر جنت کا دروازہ کھلائیں گے علاوہ ازیں اس نام پر اور بھی بہت کچھ کہا گیا ہے جو مجھے اس وقت مستحضر نہیں ہے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسما گرامی کی شرح کرتے ہوتے فرماتے ہیں کہ اسم (محمدؐ) صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی ذات بابرکات کے لیے عَلَم (نشانی) بن گیا ہے اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ نے آپ کو محمدؐ رسُول اللہ فرمایا ہے اور یہ اسم صفت سے نقل کیا ہوا ہے اور یہ اسم مفعول ہے جب کہ اس کی اصل حمد ہے اور حرفی ہفت اقسام سے مضاعف ہے پھر اس اسم کو وصف سے نقل کر کے حضور پُرنور کی ذات کے

یے عَلَم بنا دیا گیا اور معنوی لحاظ سے اسم مُحمّد صلے اللہ علیہ وسلم مبالغہ کے صیغوں میں شمار کیا جاتا ہے کیونکہ ثلاثی مجرّد کو مبالغہ کے ارادے سے مضاعف بنالیا جاتا ہے یہ اسم دراصل مصدر حمد مبنی للمفعول سے محمودٌ ہے پھر اسے مضاعف بنایا گیا پھر اس کا فعل حَمَّدَ بن گیا جس سے مُحمّد معفول بن گیا اور یُونہی یہ اسم، اسم مبالغہ کہلائے گا کیونکہ اس میں تکرار حمد ہے اور یہ تکرار بھی یکے بعد دیگرے ہے لغوی طور پہ مُحمّد کا معنی یہ ہوگا کہ مُحمّد اسے کہتے کہ جس کی تعریف بعد تعریف کی جائے۔ مُحمّد جو مفعل کے وزن پر ہے مضرب اور ممدح کی طرح نہیں ہے مگر یکے بعد دیگرے تکرار فعل کی صورت میں ہو سکتا ہے اسم مُحمّد آپ کی ذات کے بالکل مطابق ہے اس اسم سے معنی مُراد بھی آپ ہی کی ذات ہے کیونکہ آپ ہی کی ذات بہر لحاظ کائنات عالم کی زبانوں پر تعریف کی ہوئی ہے یہ تعریف آپ کی حقیقت کی ہو یا آپ کے محاسن کی آپ کی پیدائش و خلق کی ہو یا خُلق آپ کی سیرت و کردار کی یا حالات کی آپ کے علوُم و معارف کی ہو یا احکام کی یا جو کچھ بھی آپ کی ہر کائنات میں آپ پر ظاہری و باطنی طور پہ نازل ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمینوں اور آسمانوں میں بھی تعریف کئے ہوئے ہیں اور دنیا و آخرت میں بھی دنیا میں اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے دنیا کو ہدایت حاصل ہوئی اور علم و حکمت کا فائدہ بہر حال ہوا ہے اور آخرت میں اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت فرمائیں گے بتقاضہ لفظ حمد۔ تعریف میں تکرار معنوی ہے اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حامد بھی ہیں کیونکہ آپ کی طرح کسی ایک نے بھی خُدا کی تعریف نہیں کی اسلاف انبیاءؑ نے اپنی لیاقت کے مطابق خُدا کی تعریف جب کہ مُحمّد عربی نے اپنی خدا داد صلاحیت سے تعریف کی بہر حال آپ کی استعداد تمام انبیاءؑ سے کئی گنا بڑھ کر ہے اس لیے آپ جیسی تعریفِ خداوندی کوئی نہ کر سکا، اگر آپ چاہیں تو یُوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم بالتحقیق مطلقاً ذاتِ حق کی تعریف کرنے والے ہیں اور اس کا ایک خاص نتیجہ یہ ہے کہ اللہ کی تعریف کرتے سے اللہ نے سرکار کی تعریف اپنے بندوں کی زبان پر قیامت تک جاری فرما دی تو آپ حامد ہونے کے ساتھ ساتھ محمود الہ ٹھہرے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم آغازِ عالمِ امراور مبدءِ[1] فاعلیت کے۔

---

[1] عالمِ امر اور مبدء فاعلیت سے مُراد مخلوق کی خلق و ایجاد کے لیے مشیّتِ ایزدی کا تیار ہونا۔
مترجم غفرلہٗ

اعتبار سے احمد ہونے کے ساتھ مختص ہیں۔ اور عالم امر کی تکمیل[1] اور انتہائے مفعولیت کے اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم محمدیت کے ساتھ مختص ہیں تو اس وقت سے آپکا اسم گرامی آسمانوں میں احمد صلے اللہ علیہ وسلم اور زمینوں میں محمد صلے اللہ علیہ وسلم مشہور ہوا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی تعریف کرنے کی بنا پر سب سے بہتر اور سب سے افضل ہیں اور یہ تحقیق سے ثابت ہے کہ کوئی ایسی تعریف ہے ہی نہیں جس کی انتہا حضور کی ذات پر ہو اور یوں کیسے ہو سکتا ہے کہ (لوا الحمد) آپ سرکار کے ہاتھ میں ہوگا اور آپ اس مقام محمود پر تشریف فرما ہوں گے جس پر اولین و آخرین بلکہ خود رب العالمین آپ کی تعریف کر رہے ہوں گے۔

فاسی رحمہ اللہ نے دلائل کی شرح میں کہا کہ غالبًا یہ کلام ابی عبد اللہ البکی نے شرح حاجبیہ میں کی ہے کہ بے شک آپ صلے اللہ علیہ وسلم ابھی محمد نہ تھے کہ احمد بن گئے کیونکہ بے شک آپ نے رب کی تعریف اس کی ذات کے لیے لوگوں کی تعریف کرنے سے پہلے کی تھی یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ کا اسم گرامی پہلی کتب سماویہ میں احمد واقع ہوا ہے اور آپکا اسم گرامی محمد اور احمد قرآن میں واقع ہے اسم احمد اس وصف سے منقول ہے جس کا معنی فضیلت ہے گویا آپ تمام تعریف کرنے والوں سے اپنے رب کی تعریف زیادہ کرتے ہیں آپ کی ذات اس شان کی ہے۔ کہ آپ کے لیے مقام محمود پر ان نہ ختم ہونے والے محامد اور محاسن کا باب کھلے گا جو آپ کے سوا کسی پر کھلا ہے نہ کھلے گا آپکا مولی آپ کو احمد کہہ کر پکارے گا اور اسی لیے دلوا الحمد) بھی آپ کے لیے معین کر دیا گیا ہے پھر فاسی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ شیخ ابو عبد اللہ البکی فرماتے ہیں کہ اس اسم محمد صلے اللہ علیہ وسلم میں صورت اور مادہ کے اعتبار سے کئی لطیف اشارات ہیں یعنی حروف محمد لفظ کی تحریری صورت میں کچھ خاص اشارے ہیں، پہلا اشارہ (میم) سے ہے م سے مراد ملکوت اعلیٰ۔ دوسرا اشارہ ح سے ہے ح سے مراد حیات اور وہ حفظ ہے جس سے کتاب اور چاک شدہ قلم محفوظ ہے تیسرا اشارہ دوسری میم سے ہے م سے مراد ملکوت باطن اور ملک ظاہر ہے۔ چوتھا اشارہ (د) سے ہے دال سے مراد وہ دوام و اتصال ہے جو انقطاع

---

[1] تکمیل عالم امر اور انتہائے مفعولیت سے مراد خارجی اور مثالی طور پر مخلوق کا پیدا ہو جانا۔
(سید امیر محمد شاہ)

انفصال کے وہم کو مٹائے۔

اسم محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک عجیب تشریح

اسم محمدؐ کی دوسری تشریح اس طرح ہے کہ اس اسم محمدؐ کی صورت، صورت انسان پر ہے پہلی میم انسان کا سر ہے اور حا انسان کے بازو ہیں اور دوسری میم انسان کا پیٹ ہے اور دال انسان کے قدم ہیں شیخ عبدالرحمٰن بسطامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دستاانطنون فی سودیہ العیون کی دوسری فصل میں فرماتے ہیں کہ سرکار کا یہ نام پاک محمدؐ ایسا ہے کہ درحقیقت آپ سے پہلے اور نہ ہی آپ کے بعد کسی کا یہ نام نہیں رکھا گیا ہے اس لیے کہ لوگوں کے لیے اسم محمدؐ میں لفظی مشارکت تو ہے لیکن معنوی مشارکت ہرگز نہیں کیونکہ مخلوق میں آپ کے سوا کوئی فرد بشر ایسا نہیں ہے جس میں کوئی نہ کوئی نقص نہ ہو تو جس کو مقام محمدیؐ کے انتہائے کمال تک رسائی نہ ہوگی تو وہ مطلقاً محمدؐ نہیں ہو سکتا اس لیے کہ جب کوئی وصف انتہائے کمال تک رسائی سے قاصر ہے یہ بجائے خود ایک (ذم[1]) ہے اور جس کو کسی وجہ سے ذم لاحق ہو جائے وہ درحقیقت محمدؐ نہیں ہے تو درحقیقت محمدؐ ہونا محمدؐ رسول اللہ کا ہی خاصہ ہے اسی معنی کے لحاظ سے جب مشرکین نے ہموزن کلام سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مذمت اور ہتک کرنا چاہتی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی ہتک آمیز حرکت سے محفوظ رکھا اس لیے کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کسی طور پر بھی مذمت کی متقاضی نہیں ہے مشرکین کسی مذمم کی مذمت کرتے رہے اور مذمم ابلیس شیطان ہے اسم مذمم اسمائے شیاطین کا مجموعہ ہے اس اسم مذمم[2] کا درجہ عیب ہے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم ہے اور آپ ہر عیب سے پاک ہیں[3] اسم محمدؐ اور مذمم میں فرق سورج سے بھی زیادہ روشن ہے اور

---

[1] نقص وعیب وبرائی۔ [2] لفظ مذمم سے۔

[3] خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ — یا رسول اللہ آپ ہر عیب سے ہٹ کر پیدا کئے گئے
كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ — ہیں گویا آپ اپنی حسب منشا پیدا کئے گئے ہیں۔

(حضرت حسان رضی اللہ عنہ) (مترجم غفرلہ)

ان دونوں میں کسی کا وصفی اشتراک نہیں ہے اور شیطان کے لیے کسی طرح بھی ممکن نہیں کہ حضور جانِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی صورت اختیار کرے۔

ایک سوال

پھر اگر کہا جائے کہ اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اشتقاق اسمِ الٰہی عزّ وجلّ محمود سے ہے جس طرح حضرت حسان رضی اللہ عنہُ نے اپنے اس قول میں کہا :-

وَشَقَّ لَہٗ مِن اسمہٖ لِیُجِلَّہٗ ترجمہ: اللہ نے اسم محمد کو اپنے اسم سے اس
فَذُوالعرش محمُودٌ وھٰذا محمّدٌ لیے نکالا کہ اسے بزرگی عنایت کرے صاحبِ
عرش محمود ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم محمد ہیں۔

اس اسم میں کیونکر مبالغہ ہوا۔ جب کہ آپ کے دیگر اسمائیں مبالغہ نہیں ہے۔

تقریر جواب

بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم بظاہر بشر تھے اور حالتِ بشری میں کمال اوصاف اور ان کی انتہا تک رسائی نہیں ہو سکتی تھی تو آپ کے اسم گرامی (محمد) میں یہ بتانے کے لیے مبالغہ کی ضرورت پڑی کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم دنیاوی افراد بشر جیسے اس وصف میں نہیں ہیں بلکہ آپ ایسے آئینہ حق نما ہیں جو تمام اسماء و اوصاف کے حقائق کے قابل ہیں، سیدی ابو المواہب شاذلی رضی اللہ عنہُ نے قوانین اشراق میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اسْجُدُوْا ترجمہ: اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ
لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْا ۔ آدم کو سجدہ کرو تو ان سب نے سجدہ کر دیا۔

اگر تو کہے کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام ہے تو غیر خدا کو سجدہ کیسے جائز ہے، ہم کہیں گے کہ یہ سجود چھوٹے کا بڑے کے لیے عاجزی وانکساری سے پیش آنے کے معنی میں ہے نہ کہ مربوب کا سجود رب کے لیے کے معنی میں ہے کیونکہ آدم علیہ السلام بندہ خدا تھے رب نہ تھے لیکن آپ صورت آدمیت اور محمدی روشنی سے ظاہر ہونے میں مکرّم اور مشرّف ہوئے اسی سبب

سے آدم کی ذات کے لیے ملائکہ کو سجدہ کرنا واجب ٹھہرا اے ذوق وعقل رکھنے والوں کا یہی فلسفہ آدم کے مسجود ملائکہ ہونے کا ہے اس اسم محمّد کی ایک تقسیم اس طرح ہے کہ آدم علیہ السلام کا سر میم اور ان کے ہاتھ حا اور ان کی ناف دوسرا میم اور باقی جسمانی حصہ دال تھا اور یہ اسم خط قدیم میں یوں ہی لکھا جاتا تھا ابوالمواہب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہماری اس بات کی تائید و تصدیق ہمارے استاد سیدی علی وفا رضی اللہ عنہٗ اس طرح فرماتے ہیں۔

لَوْ اَبْصَرَ الشَّیْطٰنُ طَلْعَۃَ	ترجمہ: اگر شیطان چہرہ آدم میں حضور کے نور
نُوْرِہٖ فِیْ وَجْہِ اٰدَمَ کَانَ	کی جھلک دیکھ لیتا تو سب سے پہلے سجدہ
اَوَّلُ مَنْ سَجَدَ ۔	کر دیتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں رسولوں اور صالحین ومتقین کے لیے مفید نور ہیں۔

عِیْسٰی وَاٰدَمُ وَالصَّدُوْرُ	ترجمہ: عیسی اور آدم اور تمام اہل کاران
جَمِیْعُھُمْ ھُمْ اَعْیُنٌ ھُوَ	نبوت ورسالت یہ آنکھیں ہیں اور آپ صلی
نُوْرُھَا لِمَا وَرَدَ ۔	صلیہ وسلم ان کا نور ہیں اور یہی متحقق ہے۔

اور یہ اس لیے کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے انبیا کے لیے نورا ور رسولوں کا راہنما اور اولیا کا ہادی بنایا ہے اور پھر آپ کو نور ختم نبوت سے مخصوص کیا ہے۔

اسمِ محمّد صلی اللہ علیہ وسلم کے تلفّظ میں ایک عظیم نکتہ

نکتہ یہ ہے کہ جب آپ اسمِ محمّد کا پہلا میم کہیں تو اس میں تین حرف آجائیں گے اور حا میں ح اور الف اور ہمزہ شمار نہ کیا جائے گا کیونکہ یہ الف ہی ہوتا ہے اور دوسرے دو میم جن کے چھ ہی حروف ہیں اور دال میں بھی تین حروف ہیں۔ د، ا، ل، جب آپ اسمِ محمّد کے یہ باطنی عدد نکالیں گے تو آپ کو تین صد چودہ عدد حاصل ہوں گے زیرین جدول ملاحظہ فرمائیں۔

م ۴۰	ح ۸	م ۴۰	م ۴۰	د ۴	مجموعی عدد اسمِ محمّد
ی ۱۰	۱	ی ۱۰	ی ۱۰	۱۱	
م ۴۰	ا ۱	م ۴۰	م ۴۰	ل ۳۰	
۹۰	۹	۹۰	۹۰	۳۵	۳۱۴

ان میں سے تین صد تیرہ عدد رُسل کے لیے ہیں جو جامع النبوت ہستیاں ہیں اور باقی ایک عدد مقام ولایت کے فرق کے لیے ہے تمام اولیا اللہ کے لیے جو آپ سرکار اور دیگر انبیا کے تابعین میں علیہم السلام رضی اللہ عنہم۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مُبارک اسم مُحمّد میں سے مقام ولایت کے لیے ایک عدد باقی رہنے میں بھی ایک عجیب حکمت ہے اور وہ یہ کہ اولیا اللہ میں سے بعض ایسے افراد ہوتے جن کا مقام بالتحقیق منفرد ہوتا ہے ان میں ایک نہ ایک اللہ کی حکومت کا بادشاہ ہوتا ہے اور ایک وقت تک اللہ کا نُورِ ہدایت پھیلا رہتا ہے اور یہ دقیقہ بے نظیر حقیقت مُحمّدی کی جامعیت کا آئینہ دار ہے جس طرح ابوالمواہب نے اس حقیقت کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا ہے۔

وَلَيْسَ عَلَى اللّٰهِ بِمُسْتَنْكِرٍ اَنْ ترجمہ: اس کی قدرت سے کچھ بعید نہیں

يَجْمَعَ الْعَالَمَ فِي وَاحِدٍ۔ کہ وہ کائنات عالم کو فرد واحد میں سموئے۔

کتاب کشف الاسرار عما خفی عن الافکار میں شیخ شہاب الدین احمد بن العماد الافقہسی نے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مُبارک مُحمّد کے دس خواص ہیں جن میں سے چوتھا یہ ہے۔ کہ آپ کا اسم گرامی پایۂ عرش پر لکھا گیا اور روایت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب عرش کو پیدا کیا تو عرش لرزتا تھا جب اس کے ایک پایہ پر اسم مُحمّد صلے اللہ علیہ وسلم لکھا گیا تو اس کا لرزنا بند ہوگیا، اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق میں سب سے بڑے ہیں، اور اسم مُحمّد صلی اللہ علیہ وسلم کے حروف پر کہا کہ ایک قوم نے کہا ہے کہ میم کا معنی (محو) اسلام سے کفر کا مٹ جانا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں خُدّاموں کے گناہوں کا مٹ جانا ہے اور کہا گیا کہ میم کا معنی (مَنّ) ہے یعنی اہل ایمان پر اللہ کا بے پایاں احسان عظیم اور کہا گیا ہے کہ میم کا معنی مالک اُمّت ہے یا مالک مقام محمود ہے اور حا کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس کا معنی سرکار کا حکم ہے جو مخلوق میں احکام خُداوندی کی سربلندی کے لیے چلا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :[1]

---

[1] یہی اولیا اللہ اور بزرگانِ دین ہی اپنی صدی کے مجدد ہوتے ہیں امام اہلسنت حضرت مولانا شاہ احمد رضا خانصاحب بھی کامل ولی اللہ اور اپنی صدی کے مجدد ہوئے ہیں اور آپ کی ذات علوم و معارف کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا آپ سے لے کر آج تک کوئی ایسا فقیہہ اور مُحدّث، سخنور، محقق، مؤرخ، اسلامی فلاسفر، ریاضی دان، مفسر قرآن، ماہر علم الادیان و علم الابدان، ایک ہزار سے زائد کتابوں کا مُصنّف عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا داعی دنیا میں تاریخ نے ابھی

تک پیدا نہیں کیا۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى	ترجمہ: تو اے محبوب تمھارے رب کی قسم
يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ	وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس
ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ	کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو
حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا	کچھ تم حکم فرما دو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ
تَسْلِيْمًا ۔[1]	نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔

اور حا سے آپ کی اُمت کی حیات اور زندگی مراد لی گئی ہے اور دوسری میم سے آپ کی اُمت کی مغفرت اور بخشش مُراد ہے اور دوسری میم کے متعلق اہل حق و توحید کا منادی ہونا مُراد لیا گیا ہے اور دال سے مُراد داعی الی الحق ہے کیونکہ آپ کو اللہ تعالٰی نے ۔

وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ	ترجمہ: اور ہم نے آپ کو اللہ کی طرف بلانے
وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۔	والا اپنی اجازت سے بنا کر بھیجا ہے اور
	آپ چمکا دینے والے آفتاب ہیں۔

اور دال سے مُراد دلیل ہے اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اہل ایمان کے لیے دنیا و آخرت میں دخول جنّت کی دلیل ہیں یہاں تک امام نیشا پوری نے کلام ذکر کی اور امام بوصیری کا کلام کتنا بہترین ہے جو انھوں نے قصیدۂ بردہ میں فرمایا ہے۔

فَاِنَّ لِيْ ذِمَّةً مِّنْهُ بِتَسْمِيَتِيْ	ترجمہ: پھر بے شک مجھے تو آپ کے اسم گرامی
مُحَمَّدًا وَّهُوَ اَوْفَى الْخَلْقِ فِي الذِّمَمِ ۔	محمد سے موسوم ہونے کا صرف شرف ہی ہے
	اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق میں سب سے
	زیادہ فرائض منصبی میں کامل اور مکمل و نا دا ہیں۔

علامہ شہاب الدین احمد قسطلانی شرح بردہ شریف میں فرماتے ہیں کہ اس کلام سے حضرت بوصیری کا مقصد نام محمد کی ترغیب اور شوق دلانا ہے اس نام کی برکتیں بے شمار ہیں اس کا ذکر کئی احادیث میں آیا ہے ان احادیث میں سے ایک حدیث کی سند حمید طویل تک

---

[1] پ ۵ ، سورہ نسا ، آیت ۶۵ ۔

ذکر کی گئی ہے جو حضرت انس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا دو شخصوں کو بارگاہ ایزدی میں حق تعالیٰ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں داخل ہونے کا حکم دے گا وہ عرض کریں گے یا اللہ تو نے ہمیں جنت کا اہل اور حق دار کیسے قرار دے دیا جب کہ ہم نے کوئی ایسا عمل تو نہیں کیا کہ جس سے ہم جنت کے مستحق ہوں اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے میرے بندو تم دونوں جنت میں چلے جاؤ بے شک میں نے قسم اٹھا رکھی ہے جس شخص کا نام احمد اور محمد ہوگا وہ دوزخ میں نہ جائے گا، نبیط بن شریط کہتے ہیں۔ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے میرے محبوب مجھے میری عزت و جلالت کی قسم میں ہر اس شخص کو کسی قسم کا عذاب نہ دوں گا جس کا نام آپ کے نام پر ہو۔ یہ روایت ابو نعیم کی ہے۔ اور ان سے ابو علی حداد نے روایت کی ہے اور ان سے ابو منصور دیلمی نے مرفوع سند سے مسند الفردوس میں روایت کی ہے اور یہ حدیث متصل الاسناد ہے۔

حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ قیامت کے دن ایک منادی ندا کرے گا کہ وہ شخص کھڑا ہو جائے جس کا نام محمد ہے اور وہ جنت میں چلا جائے اور دخول جنت عظمت اسم مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہے یہ حدیث بالفاظ دیگر یوں بھی ہے کہ قیامت کے دن آواز دی جائے گی یا محمد! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم موقف خداوندی پر سر اٹھا کر دیکھیں گے تو دیکھیں گے کہ موقف خداوندی میں آپ کا اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم لکھا ہوا ہوگا اور اللہ تعالیٰ فرماتے گا کہ تم گواہ رہو بے شک میں نے ہر اس شخص کو بخش دیا جس کا نام میرے پیارے نبی حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے نام پر ہے۔

حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس کے ہاں بچہ پیدا ہو اور وہ اس کا نام حصول تبرک کے لیے محمد رکھ دے تو اس کا بچہ یقیناً جنت میں جائے گا۔ صاحب فردوس کی روایت سے ہے کہ اس کا بیٹا مدد دیا جائے گا۔ ابو امامہ اور صاحب فردوس دونوں کی روایت یہ بھی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ کوئی ایسا دستر خوان نہیں جسے بچھایا جائے اور اس پر محمد اور احمد نام کا شخص کھانے کے لیے آئے تو اس برکت سے اہل خانہ کا گھر دو مرتبہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قسطلانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ مجھے حضور کے نام سے نسبت ہے کیونکہ میرا نام بھی احمد ہے سرکار کے نام احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح، اور میں اللہ کا فضل طلب کرتا ہوں کہ اس سے مجھ پر احسان کیا کہ مجھے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چاہنے والوں کی لڑی میں پرو دیا اپنی رحمت اور فضل و احسان سے مجھے اپنے محبوب کے ورثہ میں سے کر دیا ہے۔ سید مصطفیٰ البکری نے کہا کہ مجھے الحمدللہ کہنا صحیح ہے کہ ثانوی طور پر مجھے بھی سرکار سے نسبت ہے کہ میرا نام بھی حضور کے نام کی طرح مصطفیٰ ہے مجھے ایک اہلِ وفا کے صاحبِ کشف ستھرے چشمہ سے کچلول مُراد پر کرنے والے شخص نے خبر دی کہ بے شک بعض فقراء کے لیے بے شمار حقائق ہوتے ہیں پھر زمانے میں ان کا نام بھی بڑا ہونا چاہیئے ان اسماءُ میں سے ایک نام میرا بھی مُصطفیٰ ہے یہ نام بھی عزت و تکریم کے لائق ہے لیکن حاکم ایک ایسا اسم ظاہر ہے جو مقام کے اعتبار سے وصف تقدیم رکھتا ہے۔ اقفھسی کی شرح بردہ شریف میں حسن بصریؒ کے کلام سے بھی زیادہ کہا گیا ہے، حسن بصری کہتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک ایسے شخص کو اپنے سامنے کھڑا کرے گا جس کا نام احمد یا مُحمّد ہوگا اللہ تعالیٰ جبریل علیہ السلام سے فرمائے گا کہ اے جبریل اس شخص کا ہاتھ پکڑ کر جنّت میں داخل کر دے کیونکہ جس آدمی کا نام میرے محبوب حضرت مُحمّد صلے اللہ علیہ وسلم کے نام پر ہوا سے دوزخ میں داخل کرنے سے مجھے شرم آتی ہے۔

وَعَنْ عَلِي بن مُوسٰی عَنْ اَبِيه	ترجمہ: حضرت علی بن مُوسٰی اپنے باپ سے اور
عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ	وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہوئے
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	فرماتے ہیں کہ رسول خُدا صلے اللہ علیہ وسلم
اِذَا سَمَّيْتُمْ مُحَمَّدًا فَعَظِّمُوْهُ	نے فرمایا کہ جب کسی کا نام مُحمّد رکھو تو اس
وَوَقِّرُوْهُ وَبَجِّلُوْهُ	کی عظمت بحال رکھو اور اس کی عزت کرو
وَلَا تُذِلُّوْهُ وَلَا تَقْهَرُوْهُ	اور اس کا احترام کرو اور اس کی اہانت
وَلَا تَرُدُّوْا قَوْلًا تَعْظِيْمًا	نہ کرو اور نہ اس سے غصہ کا اظہار کرو
لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ	نہ اس کی بات رد کرو مُحمّد صلی اللہ علیہ وسلم

وَسَلَّمَ ۔ (الحدیث) | کی تعظیم کے لیے۔

عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ وُلِدَ لَہٗ ثَلَاثَۃٌ مِنَ الْوَلَدِ وَلَمْ یُسَمِّ اَحَدًا مِنْہُمْ مُحَمَّدًا فَقَدْ جَہِلَ ۔ (الحدیث)

ترجمہ: واثلہ بن اسقعؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے تین بیٹے ہوں اور وہ ان سے کسی ایک کا نام بھی محمدؐ نہ رکھے وہ دورِ جہالت کا فرد ہے۔

وَعَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِیْ مَشْوَرَۃٍ مَعَ رَجُلٍ مِنْہُمْ اِسْمُہٗ مُحَمَّدٌ فَلَمْ یُدْخِلُوْہُ فِیْ مَشْوَرَتِہِمْ اِلَّا لَمْ یُبَارِکْ لَہُمْ (الحدیث)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہُ سے مروی ہے جب کوئی قوم کسی قسم کا مشورہ کرنا چاہے اور ان کے ساتھ محمدؐ نامی شخص بھی ہو لیکن اسے اپنے مشورے میں شامل نہ کرے تو انہیں حصول برکت نہیں ہوتا یعنی ان کا مشورہ ناتمام و نامکمل رہ جاتا ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَدْخُلُ الْفَقْرُ بَیْتًا فِیْہِ اِسْمِیْ ۔ (الحدیث)

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہُ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس گھر میں میرا نام ہو اس گھر میں غربت و افلاس نہیں آسکتا۔

سید مصطفیٰ البکری اس گفتگو کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ اسم شریف اسما الحسنیٰ میں سے اسم باسط اور ودود کے اعداد کے موافق ہے تو مناسب ہے جس شخص کا نام محمدؐ ہو وہ ان دو اسمائے حسنیٰ کو ذکر کیا کرے۔

ہمارے شیخ محمد الخلیلی القاطن نے ہمیں بیت المقدس میں ایک خاص فائدہ پہنچایا کہ بے شک آپ نے اپنے بعض مشائخ سے اسم امان حاصل کیا اور یہ بھی اسم الٰہی ہے جو اسم محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم کے عدد کے عین مطابق ہے اور اللہ کے لیے اسم محمدی شریف

میں ایک خاص قدرتی پیغام ہے انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ اسماالہٰی کی شرح کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تاکہ وہ مسرور کن اجر و ثواب کے زیر سایہ کامیاب و کامران ہوں، جن مشائخ نے مجھے اجازت دی ان میں سے ایک یہ بھی ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اپنے احسان سے دوست بنا لے، یافعی رحمہ اللہ علیہ نے الدرالنظیم فی خواص القرآن العظیم میں کہا کہ ہمارے ایک ساتھی نے اپنے شیخ سے نقل کیا کہ شیخ محی الدین ابن عربی نے کہا جو اسم محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا کئی جملوں سے حاصل کرے ان میں ہر ایک شے پر غور کر ان میں سے کوئی اسم الہٰی کے عدد سے ملتا اگر اسے کسی ایک اسم میں عدد مل جائے ورنہ وہ دو یا تین یا چار میں تلاش کرے مثلاً اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اعداد بانویں ہیں ہم ایک اسم پر اس کی موافق اعداد پر غور کریں گے اس میں ہم موافق عدد نہ پائیں گے تو پھر دو اسموں میں اسم محمد کا موافق عدد پالیں گے جیسے اَوَّلُ دَائِمٌ اسی طرح تین میں ہم موافقت عدد نہ پائیں گے تو چار اسماۓ الہٰی جل وعلا میں پالیں گے اور وہ اسماء یہ ہیں حَیٌّ، وَهَّابٌ، وَاحِدٌ، وَلِیٌّ، پھر کہا کہ آپ فاتحہ، آیۃ الکرسی[2]، معوذتین[3]، سورۃ الم نشرح ہر ایک کو بانویں مرتبہ عدد اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر پڑھتے تھے بعد ازیں محررہ بالا اسمائے حسنیٰ کا ذکر کیا اس گفتگو کو درجہ ریاضت تک ذکر کیا آخرالذکر یا حی کے عدد پورے ہونے پر آپ بارگاہِ رب العزت میں عرض کرنے لگے یا حیُّ میرے ذکر کرنے کو جاری اور زندہ فرما دے اور مجھے رزق اپنی منشا کے مطابق عنایت کر دے یا وہابُ مجھے یونہی عنایت کر دے، یا واحدُ میں یونہی سب کچھ حاصل کر لوں، یا ولیُّ میری مدد فرما اور بند شدہ محبت کا دروازہ کھول دے اسی باقی کو ان کی معنویت کے لحاظ سے انہی اسما پر قیاس کرنا چاہیے۔

بعض مشائخ سے مذکور ہے کہ اللہ تعالےٰ کا اسم سَلَامٌ جب اس کے اعداد پر ایک کا اضافہ کر دیا جائے تو اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عدد بن جاتے ہیں لیکن یہ اعداد جب

---

[1] الحمد شریف،   [2] سورۃ البقرہ کی آیت ۲۵۵۔

[3] سورۃ الفلق، سورۃ الناس۔

نکلیں گے کہ ہم محمّد کی دوسری مشدّد میم کو دو میمیں سمجھیں تو مجموعی عدد ایک صد بتیس نکلیں گے اسم سلام کو اسم محمّد صلے اللہ علیہ وسلم سے مناسبت ہے۔ کیونکہ یہ اسم محمّد دنیا جہاں کا دل ہے اور یٰسین کلام الٰہی قرآن کریم کا دل ہے اور سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ الرَّحِیْمِ۔ سورہ یٰسین کا دل ہے۔ سلام امان ہے اور امان آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں حضور کا ارشاد ہے۔

عَلَیَّ اَمَانَیْنِ لِاُمَّتِیْ۔ ترجمہ: میرے ذمہ رحمت پر میری اُمت کے لیے دو[1] امن ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے :۔ (امن نمبر۱)

وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ وَاَنْتَ فِیْھِمْ۔ ترجمہ: اللہ تعالیٰ آپ کی اُمت والوں کو عذاب دینا نہیں چاہتا درآنحالیکہ آپ ان کے درمیان تشریف فرما ہوں۔

(امن نمبر۲)

وَمَا کَانَ اللّٰہُ مُعَذِّبَھُمْ وَھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ترجمہ: اللہ تعالیٰ انہیں عذاب دینے والا نہیں اور وہ استغفار کرتے رہیں۔

---

[1] دو امن سے مُراد۔ دنیا میں سرکار کا اُمت کے لیے ظاہری حالت میں موجود رہنا۔ مسخ اور دیگر عذابوں سے امن ہے جب کہ سرکار کے رخصت کے بعد آپکی امت میں استغفار چھوڑ جانا بھی ایک دوسرا امکل امن ہے۔

عارفؒ باللہ سیّد سیّدی عبدالرحمٰن العیدروس المتوفی ۱۱۹۲ھ

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کے

فرمودات گرامی

آپ سید مرتضیٰ زبیدی شارح الاحیاء کے مشائخ میں سے سب سے بڑے شیخ ہیں سید عیدروس، ابوالفتیان قطب اکبر المشہور سید احمد بدوی رضی اللہ عنہ کے درود شریف کی شرح میں ان کے اس قول۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا۔ ترجمہ: اے اللہ تو اپنی رحمت وسلامتی و برکت ہمارے سردار اور آقا و مولیٰ پر نازل فرما۔

پر کہتے ہیں کہ تمام مخلوق سے حضور علیہ السلام افضل ہیں اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کی قدر و منزلت کے اعتبار سے ہے درحقیقت آپ کی قدر و منزلت اللہ جلّ وعلا کے سوا کوئی نہیں پہچان سکا رب جلیل وعظیم کا احسان نبی جلیل وعظیم پر ہے کیونکہ اللہ کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ بہرحال جلیل وعظیم ہی ہوتا ہے، حضور علیہ السلام پر دُرود شریف پڑھنے کے لیے فضائل مشہور ہیں کئی احباب نے مناسبت مقام سے ذکر بھی کیا اور اس قسم کے فضائل بے شمار ہیں ہم اس ذکر کو طول دینا نہیں چاہتے، بعض عارف فرماتے ہیں کہ آخری زمانہ میں صحیح تربیت یافتہ لوگ ناپید ہو جائیں گے اور حضور پر درود وسلام کے علاوہ وصل حق کا کوئی ذریعہ باقی نہ رہے گا اور اسی درود ہی کی برکت سے خواب یا بیداری میں سرکار علیہ السلام کی ملاقات بھی حاصل ہو گی، آپ کو اتنا جان لینا کافی ہے کہ تمام اعمال میں سے کچھ مقبول ہوتے ہیں اور کچھ مردود مگر حضور علیہ السلام کی بارگاہِ رسالت میں ہدیۂ درود وسلام بارگاہِ خداوندی میں قطعی طور پر قبول ہوتا ہے اور یہ حضور علیہ السلام کے احترام واکرام سے ہے اس پر علماء کا اتفاق ہے، حضور پر نُور صلے اللہ علیہ وسلم کے افضلِ کائنات پر اللہ جل وعلا کا یہ ارشاد شاہد وعادل ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ۔ ترجمہ: اور جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے پکا وعدہ لیا ضرور تمہارے پاس کتاب و حکمت کے بعد ایک عظیم الشان رسول آئے گا تمہارے ہاں موجود شی کی تصدیق کرے گا اس پر ایمان بھی لانا اور اس کی مدد بھی

ضرور کرنا

ذات حق نے دنیا میں ایسا کوئی نبی نہیں بھیجا جس سے یہ وعدہ نہ لیا ہو کہ اگر اس کی زندگی میں حضور کی آمد ہو جائے تو وہ نبی آپ پر ایمان بھی ضرور لائے اور آپ کی مدد بھی ضرور کرے تاکہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم اس نبی کے متبوع اور امام و قائد بنیں اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے قطعی علم میں تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الرسل والنبیین ہوں گے اور رب قدیر نے تمام انبیا کو آپ کی فضیلتِ تقدم اور جلالت قدر اور رفعت شان سے متعارف کرانے کا ارادہ اس لیے فرمایا کہ آپ رتبۃً سب سے مقدم ہیں اور آپ نبی الانبیأ اور سید المرسلین ہیں اس پہ ہم مزید روشنی ڈالیں گے ممکن ہے اس سلسلہ میں کوئی اور بات بھی یہاں ہو اس کا جاننا ہمارے لیے کوئی اتنا ضروری بھی نہیں آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی رفعتِ شان دنیا میں تو اس طرح ظاہر ہوئی کہ آپ شبِ معراج سب انبیأ کے امام بنے اور شبِ معراج ہی مسجد اقصیٰ میں تمام انبیا کو سرکار نے تبلیغ بھی فرمائی اور آخر زمانہ میں جناب عیسیٰ علیہ السلام بھی آپ کی شریعت کے حاکم بن کر تشریف لائیں گے اور آخرت میں آپ کی شان یوں ظاہر ہوگی کہ سب انبیأ واہل ایمان آپ کے جھنڈے تلے جمع ہوں گے۔

تمام انبیأ کا حضور علیہ السلام پر ایمان لانا اور آپ کی مدد کرنا

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شبِ معراج حضور علیہ السلام نے ارواح انبیأ سے اس وقت ملاقات کی کہ جب وہ اپنے رب کی تعریف میں مشغول تھے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخاطب کر کے فرمایا کہ تم سب نے اپنے رب کی تعریف اپنے اپنے اوقات میں کی اور میں اپنے رب کی تعریف کرتا ہوں پھر آپ نے فرمایا کہ اس اللہ جلّ وعلا کی بے حد تعریف ہے جس نے مجھے رحمت للعالمین کی شان سے سب مخلوق کا رسول بنا کر بھیجا میں خوشخبری اور ڈر سنانے والا ہوں اور مجھے اللہ نے وہ قرآن نازل فرمایا جس میں ہر ایک چیز کا بیان ہے اور مجھے کائنات کا فاتح اور خاتم الانبیأ بنا کر بھیجا بعد ازیں تائیدی طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اسی وجہ سے اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تم پر فضیلت عنایت کی گئی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تائید کے بعد فرمان رسول اور تائید ابراہیم کا اقرار کیا کہ آپ واقعی ہم سب سے افضل ہیں اسی حدیث سے حضور علیہ السلام کا انبیا کو تبلیغ فرمانا اور انبیا کا آپ پر ایمان لانا اور ان کا مدد کرنا اور آپ کا ان سب کی طرف آنا اور سب انبیا کا پختہ وعدے کی وفا کرنا جو ان سے اللہ تعالیٰ نے لیا تھا ثابت ہے، قائل کے اس قول کی طرف سرے سے کوئی توجہ نہ دینی چاہیئے۔ کہ جب اللہ کے علم ازلی میں یہ بات تھی کہ آپ ان انبیا میں سے کسی کے ساتھ ایک زمانہ میں نہ ہوں گے تو ان سے پختہ عہد لینے کا کیا مطلب ہے، مذکورہ آیت پر امام سبکی رحمہ اللہ کی تقریر کے بعد ایسے قول کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی، امام سبکی فرماتے ہیں اگرچہ وہ عہد بطور تقدم زمانی تھا مگر اس میں نہ آپ کے دعویٰ نبوت کی توثیق کے علاوہ سب انبیا پر آپ کی رسالت کا ثبوت مطلوب قدرت تھا سابقہ انبیا علیہم السلام کی طرف سے کسی مانع کی وجہ سے سرکار کا انہیں تبلیغ فرمانا اگرچہ متحقق نہ بھی ہو تو اس تحقق کی نفی آپ کی طرف سے نہیں ہے کیونکہ آپ سابقہ انبیا علیہم السلام کے ازمنہ میں صورت بشری میں تشریف فرما تھے پہاڑوں کی چوٹیوں پر بسیرا کرنے والوں سے یہ مثال دی جا سکتی ہے کہ آپ متفقہ طور پر ان کے بھی رسول ہیں اگرچہ وہ آپ سے تبلیغ حاصل نہ کر سکے تو اس میں سرکار کی طرف سے تو تبلیغ کا مانع کچھ بھی نہیں ہے اگر مانع ہے تو پہاڑوں پر بسیرا کرنے والوں کے لیے ہی مانع ہے۔ سیدی قطب محمد وفا رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ بہتر جزا دے انہوں نے جب یہ کہا۔

فَاَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ اَعْظَمُ کَائِنٍ	ترجمہ: کائنات میں آپ اللہ کے سب سے
وَاَنْتَ لِکُلِّ الْخَلْقِ بِالْحَقِّ مُرْسَلٗ	بڑے رسول ہیں اور آپ تمام مخلوق کے
	لیے رسول برحق ہیں۔

یہ سب کچھ آپ کی صورتِ بشریہ کے اعتبار سے ہے ورنہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم پر ازل ہی سے تمام انبیا آپ پر ایمان لائے ہوئے ہیں اس لیے آپ ان کے نبی ہیں اور تمام انبیا آپ کے نائب اور جانشین ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قدرت کا مظہر تم اور بہت بڑا واسطہ ہیں اور آپ ایسے ارفع اعلیٰ حجاب ہیں جو تمام بلندیوں کی حد سے اونچے ہیں اور حق دنیا کو روحانیت کی حسین اور خوبصورت جائے قرار اور سیرگاہ کہا جاتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم

برزخِ کبریٰ کے مالک ہیں جسے شہودِ ذات اور آیتِ کبریٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے انبیأ علیہم السلام اور ان کے ورثا کے لیے قاب قوسین ہے جب کہ حضور علیہ السلام او ادنیٰ سے مخصوص ہیں انبیأ علیہم السلام میں سے کسی نے بھی حق کو اس طرح نہیں پہچانا جس طرح حضور علیہ السلام نے پہچانا ہے اور نہ ہی حق سے اس طرح محبّت کی ہے جس طرح حضور علیہ السلام نے کی۔ ہر مقام پر حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کو امتیازی شان حاصل ہے اسی لیے حضور علیہ السلام ہر عام و خاص کے معاون اور مددگار ہیں انبیأ علیہم السلام جس زمانہ میں جہاں کہیں تھے آپ ان کے لیے ایک عظیم واسطہ اور مکمل مددگار تھے اور سب کے سب منصب نبوّت میں آپ کے نائب اور خلیفے ہیں۔ سیّدی سالم شیخان علوی رحمہ اللہ کو اللہ بہتر جزا دے جنہوں نے یہ کہا :-

لَکَ ذَاتُ الْعُلُوْمِ وَلاَ سِمَآءُ ترجمہ: یانبی اللہ آپ کی ذات علوم و معارف
یانَبِیًّا نُوَّامُبُہُ الاَنْبِیَآء اور اسمأ الٰہی جاننے والی ہے جب کہ تمام
انبیأ علیہم السلام آپ کے نائب اور جانشین ہیں۔

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ نے فتوحاتِ مکیّہ میں کیا ہی نفع بخش صورت بیان کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رُوح مبارکہ سے تمام انبیأ اور مرسلین علیہم السلام نے مدد طلب کی ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قطب الاقطاب ہیں اور پہلے اور بعد میں آنے والے سب لوگوں کے لیے مددگار ہیں اور آپ اپنی غیبوبت کی صورت میں بھی ہر پہلے نبی اور ولی کے مددگار تھے جب کہ قیامت تک ہر آنے والے ولی کے بھی مددگار رہیں اور یہ مرتبہ اسے سرکار کی وجہ سے عالم شہادت میں موجود ہونے کے اثنا میں بھی تھا اور غیب کی طرف منتقل ہو جانے میں بھی اس ولی کا مرتبہ سرکار کے فیض سے قائم رہتا ہے اور غیب سے مُراد برزخ اور آخرت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے انوار دنیا جہان کے لیے نقش باقی ہیں خواہ وہ لوگ پہلے ہوں یا بعد میں آنے والے پھر کہا کہ ہر نبی آپ کے ظاہر ہونے کے زمانے سے پہلے آیا تو وہ نبی اس شریعت کے ساتھ آپ کی بعثت میں جانشین ہُوا۔ جو کچھ گزر چکا اور جو کچھ ہوگا اس کی وضاحت اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ہو رہی ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلاَّ کَآفَّۃً ترجمہ: اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر سب

لِلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا ۔ لوگوں کے لیے خوشخبری اور ڈر سنانے والا بنا کر۔

اور یوں ہی ارشاد خداوندی ہے :۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً ترجمہ : اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر سب

لِّلْعٰلَمِیْنَ ۔ جہانوں کے لیے رحمت بنا کر۔

ان آیات میں حصر اور عموم آپ کی حقیقت کے اعتبار سے ہے ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کل کائنات کے رسول ہیں اور اس کی تائید میں شیخ محی الدین رسالہ الانوار میں خلاصۃً ذکر کرتے ہیں جاننا چاہیئے کہ بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ ذات ہے جس نے عالم ارواح میں تمام انبیاء و مرسلین کو ان کے درجات عنایت کئے یہاں تک کہ آپ بنفسِ نفیس تشریف لاتے پس نبیوں کے ولی جو پہلے گزر چکے ہیں وہ اولیاء اپنے دور کے نبی سے فیض حاصل کرتے تھے جب کہ وہ تمام انبیاء حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض حاصل کرتے رہے استاد سیدی حاتم اہدل کے کلام اور ان کے شاگرد استاذ سید عبدالقادر عیدروس کے کلام سے شیخ محی الدین رحمہ اللہ کے اس کلام کی جس کو ہم نے یہاں ذکر کیا ہے صریح تائید ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ان تمام بزرگوں کے فیوض و برکات سے بہرہ ور فرمائے فرشتوں کا ایک گروہ مہیمون نامی جب شدت استغراق اور بارگاہ کی حاضری میں ہوتے ہیں تو انہیں اس طرح معلوم کیا جاتا ہے کہ وہ ذات کے سوا کچھ نہیں جانتے پھر کمالِ استغراق کی وجہ سے ان پر بارگاہ محمدی منکشف ہوتی ہے اور اس سے ملائکہ کے لیے سرکار کے واسطہ ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔ سابقہ مناسبتوں سے سرکار کے اس قول اَنَا یَعْسُوْبُ الْاَرْوَاحِ یعنی میں روحوں کا بادشاہ ہوں اور حضور کے اس قول نَحْنُ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ (پس ہم سب سے پہلے اور سب سے بعد والے ہیں اور آپ کا یہ قول بُعِثْتُ اِلَی الْاَحْمَرِ وَالْاَسْوَدِ) یعنی میں سرخ اور کالے سب کی طرف بھیجا گیا ہوں تائید ملتی ہے نیز سابقہ مناسبتیں ان احادیث کی مؤید ہیں حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سرکار کا ارشاد ہے:۔

اُعْطِیْتُ خَمْسًا لَمْ یُعْطَھُنَّ ترجمہ : مجھے وہ پانچ چیزیں عنایت کی گئیں جو

نَبِیٌّ قَبْلِیْ وَکَانَ النَّبِیُّ مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہ ملی تھیں اور ہر ایک

یُبْعَثُ اِلٰی قَوْمِہٖ خَاصَّۃً نبی اپنی مخصوص قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا

وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً ۔	جب کہ مجھے بالعموم سب لوگوں کی طرف بھیجا گیا۔
كُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ وَفِي رِوَايَةٍ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّينِ۔	ترجمہ: میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام ابھی جسم اور رُوح کے درمیان تھے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔
أَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَفِي رِوَايَةٍ أَنَا أَكْرَمُهُمْ عَلَى رَبِّي ۔	ترجمہ: میں اولادِ آدم علیہ السلام کا سردار ہوں اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ میں اپنے مولیٰ کی بارگاہ میں ان سب سے زیادہ عزت دار ہوں۔

اور حدیث ترمذی :-

أَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ وَبِيَدِي لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ وَمَا مِنْ نَبِيٍّ آدَمَ فَمَنْ سِوَاهُ إِلَّا تَحْتَ لِوَائِي وَلَا فَخْرَ۔	ترجمہ: میں اولادِ آدم کا قیامت کے دن سردار ہوں گا اور یہ کوئی فخر نہیں ہے اور میرے ہاتھ میں لواءُ الحمد ہوگا اس میں بھی کوئی فخر نہیں ہے۔ آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ سب میرے جھنڈے تلے جمع ہوں گے مجھے اس پر بھی فخر نہیں ہے۔

کی معاون اور مددگار ہیں۔

ایک معتزلہ اور ابوالمواہب شاذلی کا مکالمہ

سیدی المواہب شاذلی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ جامع ازہر میں ایک شخص اور میرے درمیان صاحب بردہ شریف اس قول پر سخت جھگڑا ہوا۔

فَمَبْلَغُ الْعِلْمِ فِيهِ أَنَّهُ ترجمہ: بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم

بَشَرٌ وَّاِنَّهٗ خَیْرُ خَلْقِ اللهِ کُلِّهِمِ ۔ ایسے انسان کامل ہیں جن پر علوم و معارف کی انتہا ہو چکی ہے اور بے شک آپ اللہ کی تمام مخلوق سے افضل ہیں۔

اس پر اس نے کہا کہ میں اسے کوئی دلیل دیئے بغیر نہیں مانتا، سیدی شاذلی رحمۃ اللہ نے کہا کہ اس پر امت کا اجماع لیکن وہ معتزلی پھر بھی باز نہ آیا، شاذلی نے کہا ایسے میں میں نے حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ نبی کریم الجامع الازہر کے منبر پر تشریف فرما ہیں اور سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہما بھی سرکار کے ساتھ حاضر ہیں سرکار نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ ہمارے دوست تجھے خوش آمدید کہتا ہوں پھر اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ تم جانتے ہو آج کیا ہوا ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول صلے اللہ علیہ وسلم ہم بالکل نہیں جانتے آپ نے فرمایا کہ ایک منحوس شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ میری اُمت کا میری افضلیت پر اجماع نہیں ہے، شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کی سرکار کے ساتھ اس ملاقات سے معلوم ہوا افضیلت سرکار پر اجماع اہل سُنت معتزلہ کی مخالفت کسی طور نہیں ٹوٹے گا۔

سیدی ابوالمواہب شاذلی کہتے ہیں کہ میں نے حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم کو دوبارہ دیکھا تو میں نے عرض کیا یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوصیری کے اس قول کی یہ تشریح درست ہے کہ بے شک حضور ایسے کامل انسان ہیں جن پر عُلوم کی انتہا ہو جاتی ہے کیا واقعی بشر ہونے کی حیثیت سے آپ منتہائے عُلوم ہیں کیونکہ جو شخص آپ کی حقیقت سے بے خبر ہے اس کے نزدیک تو آپ بشر ہی ہیں اگرچہ قالب نبوی اور رُوح قدسی کے اعتبار سے آپ کا مقام بے حد اُونچا ہے جواب میں حضور علیہ السلام نے شاذلی کی تائید میں فرمایا کہ میں تیری مُراد تو اچھی طرح سمجھتا ہوں اور تو سچ کہتا ہے۔ حدیث شریف میں مذکور ہے کہ میں تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں مجھے اس پر کوئی فخر نہیں آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ تمام لوگ قیامت کے دن میرے جھنڈے تلے جمع ہوں گے جس جھنڈے تلے صاف سُتھری روشنی ہو گی اگر مُوسیٰ بن عمران علیہ السلام میرے اس دور میں زندہ ہوتے تو انہیں میری پیروی کے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہوتا۔

بخاری کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ میں قیامت کے دن سب لوگوں کا سردار ہونگا اور دوسری روایت میں میں سب جہانوں کا سردار ہوں گا کے الفاظ بھی موجود ہیں۔

گزشتہ تحریر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سرکار تمام فرشتوں کے بھی افضل ہیں۔ چونکہ سیدنا آدم علیہ السلام فرشتوں سے افضل ہیں اور حضور آدم علیہ السلام سے بھی افضل ہیں تو نتیجتہً سرکار فرشتوں سے افضل ٹھہرے۔ آنے والی حدیثوں سے اس پر تائید مل جائے گی۔ بلقینی اپنے فتاوٰی میں حدیث ترمذی یوں ذکر کرتے ہیں کہ سرکار نے فرمایا کہ میں پہلے اور بعد میں آنے والوں میں سب سے افضل ہوں۔ یہ الفاظ ملائکہ اور انبیا سب کے شمول پر دلالت کرتی ہے اس کی تصحیح ابن عباس نے کی ہے یہ حدیث حکماً مرفوع ہے۔

حدیث قدسی میں ہے :۔

لَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ آدَمَ وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ وَلَقَدْ خَلَقْتُ الْعَرْشَ عَلَى الْمَاءِ فَاضْطَرَبَ فَكَتَبْتُ عَلَيْهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰهِ۔	ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر محمّد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں آدم کو بھی پیدا نہ کرتا اور اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو جنّت دوزخ بھی پیدا نہ کرتا بے شک میں نے عرش کو پانی پر پیدا کیا اور وہ حرکت کرتا رہتا تھا پھر میں نے اس پر کلمہ طیبہ لکھ دیا جس سے اس کی حرکت بند ہو گئی۔

ایک دوسری حدیث اس طرح ہے۔

فقال ابن عساکر هبط جبریل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ان ربك یقول ان كُنْتُ اتَّخَذْتُ اِبْرَاهِیْمَ خَلِیْلًا فَقَدْ اِتَّخَذْتُكَ	ترجمہ: ابن عساکر سے روایت ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہ علیک وسلم آپکا رب فرماتا ہے اگر میں نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا ہے

حَبِیْبًا وَمَا خَلَقْتُ خَلْقًا	تو آپ کو میں نے اپنا حبیب بنایا ہے اور
اَکْرَمُ عَلَیَّ مِنْكَ	میں نے کوئی مخلوق آپ کے سوا ایسی
وَلَقَدْ خَلَقْتُ الدُّنْیَا	پیدا نہیں کی جس کی قدر و منزلت میرے
وَاَهْلَهَا لِاُعَرِّفَهُمْ	نزدیک آپ سے بڑھ کر ہو میں نے دنیا
کَرَامَتَكَ وَمَنْزِلَتَكَ	اور اہل دنیا کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ
وَلَوْلَاكَ مَا خَلَقْتُ	وہ آپ کی جلالتِ شان اور قدر و منزلت
الدُّنْیَا -	کو پہچانیں اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا کو
	سرے سے پیدا ہی نہ کرتا -

اور ایک دوسری روایت یوں ہے کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں آسمان و زمین کی لمبائی چوڑائی جزا سزا جنت و دوزخ سورج اور چاند بھی پیدا نہ کرتا۔ حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی بالکل درست ہے کہ میں سب سے پہلا شخص ہوں جس کی وجہ سے زمین پھٹ جائے گی اور میں جنتی جوڑا زیب تن کروں گا اور عرش کی داہنی جانب کھڑا ہو جاؤں گا جب کہ میرے سوا وہاں کھڑا ہونے کی کسی فرشتے میں بھی طاقت نہیں ہو گی اسی سلسلہ میں سراج بلقینی نے ایک روایت ذکر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم میں نے آپ کو سات چیزیں دے کر خاص فضل فرمایا ہے جن میں سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ میں نے زمینوں آسمانوں میں کوئی شئی ایسی پیدا ہی نہیں کی کہ جو آپ سے بڑھ کر میرے نزدیک باعزت ہو، روایت ہے کہ جناب جبریل علیہ السلام نے حضور سے عرض کیا کہ میں آپ کو اس بات کی خوشخبری سنانے آیا ہوں کہ آپ اللہ کی تمام مخلوق سے بہتر اور سب انسانوں میں برگزیدہ ہیں اور آپ سے اللہ تعالیٰ اس قدر محبت فرماتا ہے کہ ایسی محبت وہ نہ کسی مقرب فرشتے اور نہ ہی نبی و مرسل سے کرتا ہے بحیرا راہب اہل کتاب کے علما میں سے ہے اور یہ وہ شخص ہے جسے پوچھے بغیر اہل کتاب ایک قدم بھی نہ چلتے تھے اس نے بھی مذکورہ روایت کی تائید حضور علیہ السلام کو سید العالمین کہہ کر کی ہے نیز عبداللہ بن سلام جو دعوتِ مصطفےٰ علیہ السلام سے قبل اہل کتاب کے امام رہے ہیں سرکار کی نگاہ

کرم کے بعد جلیل القدر صحابہ میں شمار کیے گئے جناب عبداللہ بن سلام نے افضلیت حضور علیہ السلام پر ایک جامع مسجد میں بروز جمعۃ المبارک امور خطبہ کے دوران ایک بات یہ بھی کہی کہ اللہ کے حضور تمام مخلوق سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم افضل و اکرم ہیں آپ کی یہ بات سن کر ایک سائل نے کہا کیا حضور ملائکہ سے بھی افضل ہیں اس کا یہ سوال سن کر جناب عبداللہ بن سلام کو ہنسی آئی اور سائل کو جواب میں کہا تجھے معلوم ہے کہ ملائکہ کیا ہیں اس کے خاموش ہونے پر خود کہا کہ ملائکہ بھی آسمانوں زمین، ہوا پہاڑ اور بادل تمام فرمانبردار مخلوق کی طرح مخلوق ہیں اور بے شک اللہ کی بارگاہ میں ابوالقاسم حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے افضل و اکرم ہیں، ان کی تائید کرتے ہوئے بلقینیؒ کہتے ہیں عبداللہ بن سلام کی گفتگو حدیث مرفوع کا درجہ رکھتی ہے، کیونکہ آپ جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں ان کا یہ فرمان یونہی نہیں ہے بلکہ یا سرکار سے نقل کیا ہوگا یا تورات کے حوالے سے کہا ہوگا کیونکہ کتب سماویہ بھی فضائل سرکار علیہ السلام میں پیش پیش ہیں۔

وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَنَا قَائِدُ الْمُرْسَلِيْنَ وَلَا فَخْرَ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَلَا فَخْرَ وَأَنَا أَوَّلُ شَافِعٍ وَأَوَّلُ مُشَفَّعٍ وَلَا فَخْرَ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ۔	ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں رسولوں کا پیشرو ہوں اور مجھے کوئی فخر نہیں اور میں خاتم النبیین ہوں اور مجھے کوئی فخر نہیں ہے میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور میں ہی سب سے پہلا شفاعت قبول کیا ہوا ہوں اور مجھے کوئی فخر نہیں اس حدیث کو دارمی نے ذکر کیا ہے۔
وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا أَوَّلُ	ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب لوگ اٹھائے جائیں گے تو میں سب سے

النَّاسِ خُرُوجًا
إِذَا بُعِثُوا وَأَنَا قَائِدُهُمْ
إِذَا وُفِدُوا وَأَنَا خَطِيبُهُمْ
إِذَا أَنْصَتُوا وَأَنَا مُسْتَشْفِعُهُمْ
إِذَا حُبِسُوا وَأَنَا مُبَشِّرُهُمْ
إِذَا أَيِسُوا الْكَرَامَةُ
وَالْمَفَاتِيحُ
بِيَدِي وَأَنَا أَكْرَمُ
وُلْدِ آدَمَ عَلَى رَبِّي
يَطُوفُ عَلَيَّ أَلْفُ خَادِمٍ
كَأَنَّهُمْ بَيْضٌ مَكْنُونٌ
أَوْ لُؤْلُؤٌ مَنْثُورٌ ۔
(رواہ الدارمی)

پہلے نکلوں گا اور جب لوگوں کی گروہ بندی
کی جائے گی تو میں ان کی قیادت کروں گا
اور جب وہ غور سے سنیں گے تو میں انہیں
خطبہ دوں گا جب وہ روک دیئے جائیں
گے تو ان کی آزادی کی سفارش کروں گا
اور جب مایوس ہوں گے تو میں انہیں
بشارت دوں گا - خدائی خزانوں کی چابیاں
اور تمام تر بزرگی اس دن میرے ہاتھ
میں ہوں گی اور میں تمام اولادِ آدم
کی نسبت اللہ کی بارگاہ میں سب سے
زیادہ باعزّت ہوں گا مجھ پر ایک ہزار
خادم مقرر کیا جائے گا جو موتی آب دار
اور بکھرے ہوئے لعلوں کی طرح میرے
ارد گرد گھومتے پھریں گے۔ اس حدیث
کو دارمی نے روایت کیا ہے۔

عَنْ أُبَيِّ ابْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللهُ
عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا كَانَ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ كُنْتُ إِمَامَ النَّبِيِّينَ
وَخَطِيبَهُمْ وَصَاحِبَ شَفَاعَتِهِمْ
غَيْرَ فَخْرٍ ۔ (رواہ ترمذی)

ترجمہ: ابی ابن کعب حضور علیہ السلام سے
روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے
فرمایا میں قیامت کے دن تمام نبیوں
کا امام اور قطب ہوں گا اور کسی فخر کے
بغیر ان کی شفاعت بھی کروں گا۔ اس
حدیث کو ترمذی نے ذکر کیا۔

اس کے علاوہ اسی سلسلے میں بہت سی احادیث ہیں۔ جن کو ہم نے طوالت کے خوف
سے ترک کر دیا ہے جس طرح کہ مشہور حدیث شفاعت بہت لمبی حدیث ہے اور آپ صلے

اللہ علیہ وسلم شفاعت کرنے والوں میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والے ہوں گے اسی لیے قیامت کے دن شفاعت طلب کرنے والوں میں مختلف اُمتیں ایک نبی سے دوسرے نبی کے پاس جائیں گی مگر اُمت محمدیہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ پر قائم رہے گی کیونکہ انہیں دنیا میں ہی سرکار نے اپنی شفاعت کے متعلق یقین دلایا ہوا ہوگا، اور قیامت میں ویسے بھی نسیان نہیں ہوگا۔

سوال پھر اگر تو کہے کہ شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ جو اہل کشف میں سے قابلِ قدر شخصیت ہیں انہوں نے کہا ہے کہ خاص فرشتے خاص انسانوں سے افضل ہیں محی الدین ابن عربی کی یہ بات سابقہ روایات کے خلاف ہے۔

جواب شیخ محی الدین کی یہ روایت تو ضرور ہے لیکن اس روایت سے ان کا رجوع کر لینا اور ہماری روایات کی طرف آنے کی انہوں نے تصحیح کی ہے اب کوئی اشکال ہی باقی نہ رہا۔ انہوں نے خود ... فتوحات مکیہ کے ۴۸۳ باب میں تصریح کی ہے کہ حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم فرشتوں اور تمام رسولوں سے افضل ہیں آپ کے سوا خاموش رہے۔ ہمارے بزرگوں کا عقیدہ بڑا نتیجہ خیز ہے۔ ہمارے اسلاف شریعت طریقت حقیقت معرفت میں جامع ہستیاں ہیں ان کے علاوہ بنو علوی کے اشراف لوگ اور ان کے بعد عید روسی لوگ اللہ تعالیٰ ان سب کے عقیدہ سے نفع بہم پہنچائے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ خاص انسان خاص فرشتوں سے افضل ہیں۔ جب کہ انہیں جزدی فضیلت میں انکار نہیں ممکن ہے کہ کوئی جزدی فضیلت مفضول میں پائی جائے اور فاضل میں نہ ہو اور ان سب بزرگوں کو تمام مخلوق پر سرکار کے افضل ہونے میں اتفاق اور اجماع ہے۔

علامہ ابن ذکری شرح صلوات مشیشیہ میں سیدی شریف قطب عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہٗ کے کلام سے کیا ہی اچھا نقل کیا ہے قطب عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ شب اسریٰ کے واقعہ کو ذکر کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم اپنی دنیا جہاں اور دنیا والوں کے ہاں واپس تشریف لائے سرکار کی واپسی کا یہ عالم تھا کہ حضور کے قدم رکھنے کی جگہ جلیل القدر فرشتے اپنے پر بچھا رہے تھے اور جناب رُوح القدس جبریل امین علیہ السلام آپ کی زین فخریہ طور پر اٹھائے ہوئے فرشتوں کے سامنے آپ کے ارد گرد آپ کی تعظیم کے لیے طواف

کرتے تھے اور آدم علیہ السلام آپ کی جلالت شان کے جھنڈے اٹھائے ہوتے تھے، اور
ابراہیم علیہ السلام آپ کی بزرگی کے جھنڈے لہرا رہے تھے اور موسیٰ علیہ السلام اپنے دوست
حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کی طرف آکر دیدار کرنے کے بعد کہنے لگے میں
نے محبوب خدا کی آنکھوں میں جلوہ نور خدا دیکھا ہے اور بار بار دیکھنے کے بہانے سرکار سے سوال کرنے
لگے کہ آپ اللہ کے ہاں کئی بار جائیں تو رب قدیر کی طرف سے حکم ہوا ہمارا فیصلہ پورا ہو چکا ہے
اور جناب عیسیٰ علیہ السلام اپنے آقا و مولیٰ کے حضور محبت کا نذرانہ پیش کر رہے تھے اور با ادب ہو
کر گزارش کر رہے تھے کہ وہ زمین پر ضرور نازل ہوں گے اور زمین والوں کو جو کچھ آسمانوں
میں ہوا ہے اس کی خبر دیں گے قاب قوسین او ادنیٰ کی خبریں بھی بتلائیں گے۔ پھر انہوں نے
ابن حجر ہیتمی سے نقل کیا جنہوں نے بعض محققین سے روایت کی ہے کہ درحقیقت فرشتوں نے
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نور کو سجدہ کیا تھا جو پیشانی آدم میں موجود تھا۔ پھر سیدی علی وفا
کا یہ قول ذکر کیا۔

لَوْ اَبْصَرَ الشَّيْطَانُ	اگر شیطان پیشانی آدم میں حضور صلی اللہ
طَلْعَةَ نُوْرِهٖ فِيْ وَجْهِ آدَمْ	علیہ وسلم کے نور کی چمک دیکھ لیتا تو وہ
كَانَ اَوَّلُ مَنْ سَجَدَ ۔	سب سے پہلے سجدہ کر لیتا۔

ابن ذکری سے منقول کلام اختتام کو پہنچا۔
پھر سید عیدروس فرماتے ہیں کہ امام بلقینی رحمہ اللہ نے کہا باقلانی اور حلیمی نے افضلیت
ملائکہ کا موقف اختیار کیا ہے ممکن ہے ان کا یہ موقف حضور علیہ السلام کے ماسوی پر محمول ہو
اس کی تصدیق باقلانی کے بعض شاگردوں میں سے مثلاً البدر زرکشی نے بھی کی ہے اور زر
کشی رحمہ اللہ باقلانی کے لائق ترین تلامذہ میں سے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی خاص قسم
کے فرشتوں کو انسانوں پر تفضیل ہو کیونکہ کبھی کبھی مفضول میں کوئی نہ کوئی جزوی فضیلت پائی
جا سکتی ہے جو فاضل میں نہ پائی جائے بلقینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسی مسلمان پر بھی یہ گمان نہیں
کیا جا سکتا کہ اسے سب انبیاء اور تمام ملائکہ پر سرکار علیہ السلام کے افضل ہونے میں توقف ہو
جنہیں اس معاملہ میں توقف تھا ان پر باقلانی تفضیل جرح و کدح کی ہے اور کہا ہے کہ یہ گمان فاسد

ہے، اور اس معاملہ کی مزید گہرائی میں جانے سے ہم چنداں مکلف بھی نہیں ہے کیونکہ یہ معاملہ ان دینی مسائل سے متعلق ہے جن کا اعتقاد ہر مکلف پر واجب ہے۔

حدیث مشہور میں صحیح طور پر موجود ہے:۔

ثلاث من کن فیہ وجد	تین چیزیں جس شخص میں ہوں گی وہ ایمان کی
حلاوۃ الایمان من کان	چاشنی محسوس کرے گا ایک یہ کہ جس کو اللہ
اللہ ورسولہ احب الیہ	اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی
مما سواھما۔ الخ	سب چیزوں سے زیادہ محبوب ہوں اسی
	حدیث کے آخر میں باقی دو چیزوں کا ذکر بھی ہے۔

(مما سواھما) پر غور کرنے سے صاف صاف عیاں ہے کہ ہمارا مدعی درست اور صحیح ہے۔
بلقینی کا کلام اختتام کو پہنچا۔ اللہ انھیں بہتر جزا دے۔ عید روس کہتے ہیں۔

وما اقول ان ماجلت	ترجمہ: جب میں حضرت جبریل کی تعریف میں
امدح من جبریل	کچھ کہتا ہوں تو میں اس کے سوا کچھ نہیں کہتا
خادمہ واللہ مادحہ۔	کہ وہ حضور کے غلام ہیں اور خود اللہ جل و
	علا حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا ثنا خواں ہے۔

پھر آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک کائنات کی ہر شی کے وجود کا اصل ہے جسے احمد کبیر بدوی نے اس قول (شجرۃ الاصل النورانیۃ) یعنی آپ اصل نور کا درخت ہیں سے تعبیر کیا ہے۔ اس پر مصنف عبد الرزاق کی مستند حدیث شاہد وعادل ہے۔

عن جابر رضی اللہ عنہ	ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں
قال قلت یارسول اللہ بابی	میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض
انت وامی اخبرنی عن	کیا میرے والدین آپ پر قربان جائیں مجھے
اول شیء خلقہ اللہ	اس چیز کی خبر جسے اللہ تعالیٰ نے مخلوق سب
تعالیٰ قبل خلق الاشیاء	اشیا میں سے سب سے پہلے پیدا کیا ہے۔
قال یا جابر ان اللہ خلق	آپ نے فرمایا اے جابر اللہ تعالیٰ نے

قَبْلَ خَلْقِ اشیاءِ نورَ نَبِیِّکَ	تیرے ہی کے نور کو تمام چیزوں کی پیدائش
ثُمَّ سَاقَ حدیث جابرٍ اِلیٰ	سے پہلے پیدا کیا۔ پھر حدیث جابر کو عبدالرزاق
آخِرِہٖ وَتَقَدَّم وَقَالَ بعدہٗ	نے آخر تک ذکر کیا اور حدیث آگے تک
فِی حدیث عُمَر بن الخطاب	لے گئے اور بعدازیں حدیث عمر بن خطاب
رضی اللہ عنہ ۔	فاروق اعظم رضی اللہ عنہٗ پر بات چیت کی۔

ملاحظہ فرمائیں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے عمر کیا تجھے معلوم ہے کہ میں کون ہوں اور خود ہی ارشاد فرمایا کہ وہ میں ہوں جس کے نور کو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک چیز سے پہلے پیدا فرمایا جب اللہ نے میرا نور پیدا کیا تو میرے نور نے بارگاہِ حق میں مسلسل سات سو برس تک سجدہ کیا سب چیزوں میں سے سب سے پہلے میرے نور نے بارگاہ ایزدی میں سجدہ کیا اور کوئی فخر نہیں ہے۔ پھر فرمایا اے عمر کیا تو جانتا ہے کہ میں کون ہوں اور خود ہی فرمایا کہ میں وہ ہوں جس کے نور سے اللہ تعالیٰ نے عرش و کرسی لوح و قلم چاند سورج آنکھوں کا نور عقل کا نور بصیرت افزا اہل ایمان کی دلوں کی معرفت کا نور پیدا فرمایا اور یہ کوئی فخر کی بات نہیں ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اگر کہا جائے کہ من نوراللہ سے کیا مراد ہے اس نور سے مراد اگر نور حادث لیا جائے تو سرکار کے نور کی قبلیت کی نفی ہوتی ہے جب کہ آپ کا نور اول المخلوقات ہے اور باقی انوار آپ کے نور سے ہیں علاوہ ازیں کچھ سمجھ نہیں آتا۔

جواب بعض عارفوں کا قول ہے کہ ایجاد کا معنی اظہار ہوتا ہے اور اس معنی کو اللہ تعالیٰ سب سے بہتر جانتا ہے اس نے اپنی قوتِ ظہور سے بلاواسطہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو ظاہر کیا جب کہ دوسری اشیاء بالواسطہ ظہور میں آئیں اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی (اَلنُّوْرُ) کا معنی ہے خود ظاہر اور دیگر اشیاء کو ظاہر کرنے والے اس معنی کی تائید مذکورہ بالا دونوں حدیثوں سے ملتی ہے جہاں تک اس بیان کا تعلق ہے کہ آپ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے بارگاہِ خداوندی میں سجدہ کیا اس کا ایک معنی یہ بھی ہے

کہ جب وقت تولد حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم شکم مادر سلام اللہ علیہا سے برآمد ہوئے تو آپ بحالت سجدہ تھے اور شہادت کی انگلی آسمان کی طرف یُوں اٹھائے ہوئے تھے جیسے خشوع وخضوع میں ایک توحید کا علم بردار اور مخلص ذاکر اٹھاتا ہے اور آپ کی باقی انگلیاں بند تھیں۔

اگر کہا جائے کہ سرکار کا اوّل المخلوق ہونا بھی مذکورہ کلام کے خلاف ہے بعض صورتوں میں لوح وقلم کی اولیت بھی مذکور ہے اس کی جوابی صورت یہ ہے کہ سرکار کے مقام کے مطابق تعبیر کا لحاظ رکھتے ہوئے، اس اولیت کو اولیت اضافیہ کہا جائے گا اس میں ایک ایسی حقیقت ہے جس پر استاذ الشریف شیخ ابن عبداللہ العیدروس نے کتاب سلسلہ عیدروسیہ میں اور بعض دیگر عارفین نے تنبیہہ کی ہے، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے مصنف کے اس قول۔

وَلُمعَةُ القَبضَةِ الرَّحمَانِيَّةِ۔ ترجمہ: رحمت والے رب کی قبضۂ قدرت والی چمک۔

پر فرماتے ہیں یہ ایسا جملہ ہے کہ اس پر حدیث جابر میں اشارہ ہو چکا ہے نیز اسی کی طرف سیدی قطب الٰہی محمد البکری الصدیق سبط ال الحسن اپنے اس قول سے اشارہ فرماتے ہیں۔

قَبضَةُ النُّورِ مِن قَدِيمٍ اسنتا فِي جَمِيعِ التَّشَوُّنِ قَبضًا وبسطا

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نورِ ازلی کا ایک حصہ ہیں جسے ہم تنگی اور آسودگی کے تمام حالات میں محسوس کرتے ہیں۔

کسی عارف نے کہا جاننا چاہیے کہ رحمت دو قسم کی ہوتی ہے۔ رحمت خاصہ ۔ رحمت عامہ۔ رحمت خاصہ کے ذریعے بعض اوقات بندے اپنے رب کو پا لیتے ہیں اور رحمتِ عامہ حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس کے صدقے ذات حق نے تمام اشیا کے حقائق مرتبہ وجود میں ظاہر فرمائے اسی لیے رب کبریا نے رُوحِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے پیدا فرما کر کائنات کی تمام موجودات کو آپ سے متعلق کر دیا، پھر سیدی عیدروس فرماتے ہیں دو نعمتیں جن کا ہونا ہر موجود شی کے لیے ضروری ہے ایک نعمت ایجاد اور دوسری نعمت امداد، جب کہ ان دونوں کے درمیان سرکار کی ذات بطور واسطہ ہے۔ کیونکہ اگر آپ کے مقدس وجود کی اوّلیت نہ ہو تو کوئی موجود، موجود ہی نہیں ہو سکتا تھا اسی طرح اگر کائنات کی بقا کے لیے حضور رسول مقبول کا نور نہ

نہ ہوتا تو وجود و ہستی کے ستون کبھی کے گر گئے ہوتے۔ سرکار کا نور سب سے پہلے وجود میں آیا اور باقی وجود آپ کے وجود کے تابع ہیں اور آپ کے وجود پر قائم ہیں گویا باقی وجود وجود مصطفٰے علیہ السلام کے محتاج ہیں، پری بیجا القطب البکری نے کیا خوب کہا ہے:۔

ما ارسل الرحمٰن او یرسل — ترجمہ: رحمت والے رب نے ایسی کوئی رحمت
من رحمۃ تصعد او تنزل — بھیجی ہے نہ بھیجے گا جو خدا کی بادشاہت اور
فی ملکوت اللہ او ملکہ — نظام خداوندی میں خواہ پستی سے بلندی
کل ما یختص او یشمل — کو اٹھنے والی ہو خواہ بلندی سے نیچے اترنے
الا وطٰہ المصطفٰے عبدہٗ — والی ہو خاص ہو یا عام مگر اسے محبوب خدا
نبیہٗ مختار المرسل — مالک مختار نبی رسول برحق حضرت محمد صلی اللہ
واسطۃ فیھا واصل لھا — علیہ وسلم نے آسان بنا دیا کیونکہ آپ صلے
یفھم ھٰذا کل من یعقل۔ — اللہ علیہ وسلم رحمت کے لیے واسطہ اور اس کی اصل ہیں یہ رمز وہی سمجھ سکتا ہے جو کامل العقل اور صاحب بصیرت ہو۔

پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصنف کے اس قول:

وافضل الخلیقۃ الخلیقۃ الانسانیۃ۔ — ترجمہ: یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانی مخلوق سے افضل ہیں۔

پر کہا کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تخلیق انسانی میں سب سے زیادہ مضبوط اور مستحکم اور سب سے زیادہ پرہیزگار اور صاحب حسن اور سب سے زیادہ کمال بزرگی والے ہیں اس بات پر آپ کے حلیہ مبارک کے ذکر میں جو مشہور و معروف کتابوں میں مذکور ہے کی شہادت کافی ہے اسی سلسلے میں شیخ محی الدین قدس سرہٗ فتوحات مکیہ کے ایک سو اڑتالیسویں باب میں ایک قول ذکر کیا ہے جس میں اہل کشف اور حکما کی فراست کا ذکر کیا گیا ہے ان دونوں میں سے پہلی یعنی فراست اہل کشف ہمیشہ یقینی اور بے خطا ہوتی ہے جب کہ دوسری یعنی فراست حکما میں غلطی ہو سکتی ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ حکما نے کہا ہے صحیح اور مضبوط تخلیق کے لیے ضروری ہے۔

کہ پیدا ہونے والے کی پیدائش اعتدال پر ہو مثلاً جو نہ زیادہ لمبا ہو نہ ٹھگنا جسمانی گوشت نرم اور مناسب ہو چہرے کی سفیدی میں سرخی زردی کا سنگم ہو سر کے بال موزوں نہ سیدھے کھڑے ہوئے نہ باہم الجھے ہوئے گھنگریالے ہوں بالوں میں ملکی سنہری چمک ہو جس میں سیاہی زیادہ نہ ہو، چہرہ شگفتہ اور تیکھے نقش نین والا، آنکھیں ذرا گہری اور سیاہ سرخ میانہ. کندھے کھلے گردن سیدھی، سینہ کشادہ ہو، سرین اور پشت پر زیادہ گوشت نہ ہو، مناسب حد تک آواز نرم اور صاف ہو، جو زیادہ کرخت ہو نہ بالکل ہلکی، انگلیوں کے پورے لمبے اور ہاتھ کی ہتھیلی پہ گوشت ہو بلا ضرورت کم ہنسی اور کم گفتگو جس کی طبع کا میلان صفرا اور سودا کے درمیان ہو جس کی نظر میں خوشی اور سرور ہو جو مال و دولت میں طمع کم رکھے کسی پر اجارہ داری اور حکومت کا ارادہ بھی نہ رکھے نہ جلد باز ہو نہ ایسا سست کہ سرے سے غافل ہو، شیخ رضی اللہ عنہ نے اسی صورت میں کہا ہے کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم جس طرح اپنے مقام اور رتبہ میں صاحب کمال میں اسی طرح اپنی پیدائش میں بھی باکمال ہیں بلکہ دنیا کے لوگوں کی نسبت ظاہر و باطن کے لحاظ سے سب سے اکمل تھے۔ پھر

عیدروس رحمۃ اللہ نے مصنف کے اس قول (وَاَشْرَفُ الصُّوْرَةِ الجسمانیۃ) یعنی آپ جسمانی صورت میں بھی سب سے زیادہ اور افضل ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو حسن و کمال عطا کیا ہے یہاں تک کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کو بھی آپ ہی کے حسن سے کچھ حصہ ملا ہے اس مقام پر سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میری آنکھ نے آپ سے پہلے اور نہ ہی آپ کے بعد آپ کی مثل کوئی آدمی نہیں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک حسن کو ہیبت و جلال اور وقار و عظمت سے پردہ دیا ہوا تھا تاکہ ظاہری آنکھیں آپ کا حسن دیکھنے میں تب و تاب رکھیں اس کے باوجود سیدنا حضرت حسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے انوار و تجلیات کو دیکھا کرتا تھا تو اپنی آنکھوں پر اپنی ہتھیلیاں رکھ لیتا تھا اس خوف سے کہ حضور کی نورانیت کے سامنے میری آنکھوں کا نور چلا نہ جائے یہاں یہ بات بھی ضروری ہے کہ آپ کے جسم اطہر کا سایہ نہ تھا کیونکہ آپ کی نورانیت بے کثافت اور لطیف تھی اللہ اس شخص کو جزائے خیر دے جس نے یہ کہا ہے

دخل العالمہ فی ظل الذی   ترجمہ: دنیا جہاں اس سائے میں داخل ہے۔

مَالَہٗ ظِلٌّ وَلَا غِیَاثٌ یَمْحُو۔ جس کا سایہ نہیں ہے اور وہ غیروں کو مٹا دیتا ہے۔

یہ اس لیے کہ اگر اللہ تعالیٰ جمال مصطفیٰ کو ہیبت و وقار کا پردہ نہ دیتا تو کوئی شخص دنیوی کمزور آنکھوں سے آپ کی طرف نہ دیکھ سکتا اس مقام پر کسی عارف نے کہا ہے حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگ اپنی عقل بشری کے مطابق بہرہ ور ہیں آپ کی حقیقت سے جو کچھ بھی ان پر ظاہر ہوا وہ اللہ کی ایک عظیم نعمت ہے جس کی وجہ سے وہ آپ کی قدر پہچانیں اور آپ کے حکم کی عزت کریں اور آپ کی حقیقت اگر ان پر مخفی ہے تو یہ اللہ کی ان پر رحمت ہے کیونکہ اگر آپ کی حقیقت ان پر ظاہر ہوتی اور وہ حقوق پر قائم نہ ہوتے تو اظہار حقیقت محمدیہ ان کے لیے بجائے خود ایک فتنہ بن جاتی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمت اللعالمین بنا کر بھیجا ہے آپ کی حقیقت سے جس قدر ظاہر ہے وہ اللہ کی نعمت ہے اور جو پوشیدہ ہے وہ اللہ کی رحمت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے کیا خوب کہا گیا ہے۔

واجملُ منکَ لم ترقطُّ عینی	ترجمہ: آپ سے بڑھ کر حسین ترین میری آنکھوں
واکملُ منکَ لم تَلِدِ النِّسَاءُ	نے کبھی نہیں دیکھا آپ سے زیادہ کامل
خلقتَ مبرّءً من کل عیب	کسی عورت نے جنا ہی نہیں آپ ہر عیب سے
کانّکَ قد خُلقتَ کما تشاءُ	پاک پیدا کیے گئے ہیں گویا آپ اپنی منشا کے مطابق پیدا ہوئے ہیں۔

شعروں کے مفہوم میں آپ کی صورت ظاہری کو بیان کیا گیا ہے جہاں تک آپ کی حقیقت کا تعلق ہے اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا جس طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو فرمایا مجھے اللہ کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے میری حقیقت کو میرے رب کے سوا کوئی نہیں جانتا اسی مقام پر سیدنا التابعین حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہیں رسول اللہ کے صحابہ کرام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے سائے کے سوا کچھ نہ دیکھا یعنی ان کی ظاہریت کے سوا کچھ نہ دیکھا کہا گیا کہ حضرت ابوبکر نے بھی کچھ نہ دیکھا جواب میں اویس قرنی نے کہا کہ ابوبکر نے بھی کچھ نہیں دیکھا۔

سیدا حمد بدوی رضی اللہ عنہ نے مصنف کے اس قول (ومعدن الاسرار الربانیۃ)

یعنی آپ صلے اللہ علیہ وسلم ربانی اسرار کی کان ہیں۔ کیونکہ آپ بلند و برتر ذات کے اسرار اور اونچی صفات کے انوار کے آئینہ دار ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذات حق نے اپنے ان اسرار کے خزائن عنایت کئے ہیں جن کی اظہار تجلی آپ کے سوا کسی پر نہیں ہے حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے میرے رب نے طرح طرح کے علوم کا وارث بنایا ہے جن میں سے ایک علم کا چھپانا میرے لیے لازم قرار دیا گیا ہے، اور ایک علم میں مجھے اختیار ہے ظاہر کروں یا چھپائے رکھوں اور ایک علم کو خاص و عام تک پہنچانے کا مجھے حکم دیا گیا ہے، اس محبوب خدا کا ارشاد جن کے بعض علوم میں سے لوح و قلم کا علم بھی ہے بے شک اللہ تعالیٰ نے ہزارہا اُمتیں پیدا فرمائی ہیں جن کی تخلیق پر لوح و قلم آگاہ نہیں ہیں جب کہ یہ ساری اُمتیں بھی اپنے سوائے کسی مخلوق کی پیدائش سے باخبر نہیں ہیں، اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں علم کا شہر ہوں اور جناب علی کرم اللہ وجہہ اس کا دروازہ ہیں اور جو شخص علم حاصل کرنا چاہے اسے دروازہ ہی سے آنا چاہئے۔ حافظ سیوطی نے خصائص میں کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پانچ چیزوں کے سوا جو سورۂ لقمان کے آخر میں مذکور ہیں ہر ایک شے کا علم عطا کیا گیا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کو آخری عمر شریف میں علوم خمسہ عطا کر دیئے گئے لیکن آپ کو ان کے چھپانے کا حکم دیا گیا، یہ بات اس لیے صحیح ہے کہ جناب رسالت مآب نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن اپنے رب کی وہ محامد کروں گا جن کا اس گھڑی تک مجھے علم نہیں ہے، اور آپ صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا کرنے کا حکم ہے کہ اے میرے محبوب کہو یا اللہ مجھے میدان علم میں ترقی دے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر لحظہ نہ ختم ہونے والے علوم اور دیگر کمالات میں ہمیشہ برابر ترقی کرتے رہے گے، پھر آپ رضی اللہ عنہ مصنف کے اس قول۔

وَخَزَائِنَ الْعُلُومِ الْاِصْطِفَائِیَۃِ۔ ترجمہ: اور آپ میں انتخاب شدہ علوم کے بے شمار خزانے ہیں۔

پر کہا ہے کہ یہ اس لیے ہے کہ روح محمدی نیابتِ الٰہی کی نمائندہ ہے جس کی یہ شان ہو اس کے علم سے زمین و آسمان کا کوئی ذرہ مخفی نہیں رہ سکتا اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اہل دنیا کو یوں

فرمایا کرتے تھے کہ دنیا والو تم دنیوی کاموں کو بہت زیادہ جانتے ہو آپ کا یہ فرمان بشریت کے اعتبار سے تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم در باطن ملکوتی اور بظاہر بشریت سے متصف تھے، آپ کے اس رتبہ کا منصب زندگی بخشنا اور مارنا۔ مہربانی فرمانا اور اظہار غضب کرنا خفگی اور خوشنودی کا اظہار فرمانا اور وہ تمام دوسری صفات جو اپنی ذات اور ظاہر میں دنیا میں تصرف کرتی ہیں اور اس تصرف کی وجہ ان اوصاف کا آپ سے منسوب ہونا ہے، آپ کا رونا اور بے قراری ہمارے مذکورہ کلام کے منافی نہیں کیونکہ ایسا ہونا بھی آپ کی ذات وصفات کے بعض متقاضیات میں سے ہے پھر فرمایا کہ کتنا اچھا ہو گا کہ حضور کا یہ ارشاد بھی لکھا جائے کہ بلا تشبیہ و مثال شب معراج میرے رب نے مجھے اولین و آخرین کے علم کا وارث بنا دیا، آل نبی نائب رسول حقانی ابو محمد سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ شب معراج حضور علیہ السلام نے اپنا منہ کھولا جس میں علم ازلی کے سمندر سے ایک قطرہ ٹپکا اسی سے آپ نے ماضی اور مستقبل کے علوم جان لیے۔

پھر آپ رضی اللہ عنہ نے مصنف کے اس قول:

وَصَاحِبُ الْقَبْضَةِ الْاَصْلِيَّةِ۔ ترجمہ: اور آپ اصلی گرفت کے مالک ہیں۔

اس میں سرکار کے ایک خاص مقام کا ذکر ہے جسے مقام او ادنیٰ کہا جاتا ہے اور یہ مقام آپ کی ولایت خاصہ ہے اور ایک دوسرا مقام محمدی جسے قاب قوسین کہا جاتا ہے اس میں سرکار کی ولایت عامہ ہے حضور کا فیض اسی ولایت عامہ کے ذریعے انبیاء و مرسلین فرشتوں اور اولیاء تک ان کے مراتب اور استعداد کے مطابق پہنچتا ہے اسی کی طرف اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی اشارہ کرتا ہے:

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ ترجمہ: اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ سب کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں آپ کی رسالت عامہ مکلفین کے لیے تو ظاہر ہے جب کہ غیر مکلفین کے لیے آپ کی اس حقیقت کے اعتبار سے ہے جو حقائق کی حقیقت ہے اور ہر فضیلت کی اصل ہے۔ بقول بوصیری:

وَكُلُّهُمْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ترجمہ: سب کے سب رسول اللہ کے دریائے

مُلتَمِسٌ غُرفًا مِنَ البَحرِ — کرم سے چلّو بھر اور آپ کی جود وعنایت کے
اورَشفًا مِنَ الدِّیمِ فَاِنَّهُ — سمندر سے چھینٹے طلب کرتے ہیں آپ بزرگی
شَمسُ فَضلٍ هُم کَوَاکِبُهَا — کے آفتاب ہیں اور باقی انبیا اس کے سیارے
یُظهِرنَ اَنوَارَهَا لِلنَّاسِ — جو لوگوں کے لیے اندھیروں میں آپ کے
فِی الظُّلَمِ ۔ — انوار روشن کرتے ہیں۔

آپ کی ولایت خاصہ میں کوئی شخص کسی طور بھی شریک نہیں ہوسکتا اور یہ ولایت او ادنیٰ ہے جس سے آپ کے علاوہ کوئی بھی متصف ہونے کی قدرت نہیں رکھتا حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے میرا ایک حال یا ایک وقت اپنے رب کے ساتھ مشغول ہوتا ہے جس میں کوئی فرشتہ مقرب نہ نبی مُرسل میرے ساتھ گنجائش نہیں رکھتا۔ شیخ نے کہا جاننا چاہیے کہ مقام قُرب جس کا اشارہ آیت او ادنیٰ میں ہے حضور کے ذاتی اعتبار سے شب معراج سے ثابت ہے اور آپ کے علاوہ یہ قُرب باعتبار آپ کی رُوحانیت کے سرکار نے اسی طرف اپنے ارشاد میں یُوں اشارہ کیا ہے کہ میں اپنے رب کے پاس رات بسر کرتا ہوں وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اسی طرف محمّد البکری الکبیر نے اشارہ کیا ہے :۔

وَمَن بِالعَینِ اَبصَرَهُ — ترجمہ: اور جس نے سرکار کو اپنی آنکھ سے دیکھ
فَعَنهُ قَطُّ لَا یَحجُبُ — لیا اس سے حضور کبھی چھپ کر نہیں رہتے۔

آپ رضی اللہ عنہُ فرماتے ہیں کہ ہم یہاں سیدی عبدالقادر عیدروس کی کتاب الزہر الباسم سے ولایت خاصہ اور ولایت عامہ کا ذکر کرتے ہیں، شیخ کبیر عارف باللہ محمّد بن احمد بلخی قدس سرّہ سے روایت ہے کہ میں نے بلخ سے بغداد کی طرف اپنی بھرپور جوانی میں سفر کیا پہنچنے پر پتہ چلا کہ شیخ اپنے مدرسہ میں نماز عصر ادا کر رہے ہے اور میں پہلی مرتبہ ہی وہاں حاضر ہوا تھا نہ میں نے شیخ کو دیکھا تھا اور نہ شیخ نے مجھے دیکھا تھا جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگ ان کو سلام کرنے دوڑے میں بھی آگے بڑھ کر مصافحہ کرنے لگا تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے دیکھ کر تبسم فرمایا اور کہنے لگے اے محمّد اے بلخی میں تجھے یہاں آنے پر خوش آمدید کہتا ہے نیز فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کا مرتبہ اور نیت اچھی طرح پہچانتا ہے محمّد بن احمد بلخی کہتے ہیں کہ شیخ کا یہ کلام ہر زخم خوردہ کی دوا

اور ہر بیمار کی شفا تھا ان کے کلام نے مجھے بے حد متاثر کیا جس سے میری آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور ڈر کے مارے میرے اوسان خطا ہونے لگے شوق و محبت کی کثرت سے میرا رونگٹا رونگٹا خوش ہو گیا اور میری ذات کو مخلوق سے وحشت ہونے لگی اور میں نے اپنے دل میں ایک چیز کو اترتے ہوئے محسوس کیا جس کی بہتر تعبیر میں نہیں کر سکتا پھر یہ کیفیت قائم رہ کر بڑھتی اور مضبوط ہوتی رہی یہاں تک کہ میں اس کی کیفیت سے مغلوب ہوا پھر ایک گھنی سیاہ اندھیری رات میں میں اپنی راہ پر کھڑا تھا کہ میرے دل پر دو شخص ظاہر ہوئے ایک کے ہاتھ میں پیالہ اور دوسرے کے ہاتھ میں ایک بیش قیمت پوشاک تھی پوشاک والے شخص نے مجھے کہا کہ میں علی بن ابی طالب ہوں اور یہ میرا ساتھی ایک مقرب فرشتہ ہے اور ان کے ہاتھ میں شرابِ محبت کا پیالہ ہے یہ پوشاک جو میرے پاس ہے یہ رضائے مولیٰ کی پوشاکوں میں سے ایک ہے پھر مولیٰ علی کرم اللہ وجہہٗ نے وہ پوشاک مجھے پہنا دی اور جام والے شخص نے شرابِ محبت کا جام پلا دیا اس کے نور سے مشرق و مغرب روشن ہو گیا جب میں نے شرابِ محبت کا گھونٹ لیا تو مجھ پر غیبی اسرار اور مقامات اولیاءاللہ کے علاوہ بہت سے عجائب قدرت عیاں ہو گئے میں نے ایک ایسا مقام دیکھا کہ وہاں عقل کے قدم اکھڑ جائیں اور افکار کی قوت بند ہو جائے، اس مقام کی ہیبت سے اولیاء اللہ کی گردنیں جھک جائیں اس کے دیکھنے سے رازداں لوگوں کے اسرار گم گشتہ ہو جائیں اور اہل بصیرت کی آنکھیں حیرت سے پھٹی پھٹی رہ جائیں، اس کے انوار کی چمک سے فرشتوں کے گروہ کر و بیان بیہوش ہو جائیں و مقربین سب کے سب اس مقام کی عزت و تعظیم میں رکوع کرتے ہوئے ظاہر ہوں گے اگر کوئی دیکھنے والا اس مقام کو بنظرِ تحقیق دیکھے تو نہر واصل کا مقام صاحب حال کا حال اور محبوب کا راز اور عارف کا علم ولی کا تصرف ہر مقرب کا استقلال ان سب اشیاء کا اول و آخر کل اور جزا اجمال اور تفصیل اسی مقام سے پیدا ہوا اور یہیں سے خارج ہوا اور یہیں قرار پکڑا یہیں سے اپنے کمال کو پہنچا میں اس مقام کے پاس کچھ دیر کھڑا رہا لیکن اسے ایک نظر دیکھنے کی مجھ میں سکت نہ تھی پھر مجھے وہ مقام دیکھنے کی طاقت عنایت کر دی گئی پھر میں وہاں کچھ دیر ٹھہرا لیکن اس مقام سے دور ہو جانے کی مجھ میں طاقت نہ رہی پھر مجھے اس مقام سے ہٹ جانے کی قدرت دی گئی پھر میں کچھ مدت وہاں رکا لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ اس مقام

میں کون ہے پھر کچھ مدت بعد مجھے معلوم ہوا کہ اس مقام میں کون ہیں اچانک دیکھتا ہوں اس مقام میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں آپ کے داہنی جانب حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم اور حضرت جبریل علیہم السلام ہیں اور آپ کی دوسری جانب حضرت نوح و موسیٰ و عیسیٰ صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین ہیں اور آپ کے سامنے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اولیاء ملت قدس اللہ ارواحہم حلقہ بنائے کھڑے تھے ان سروں پر پرندے محو پرواز تھے میں سمجھ رہا تھا کہ سب کچھ عظمتِ مصطفیٰ کے لیے ہے صحابہ میں سے جنہیں میں پہچان رہا تھا وہ تھے جناب ابوبکر صدیق جناب عمر جناب عثمان جناب علی جناب حمزہ جناب عباس رضی اللہ عنہم اجمعین اور اولیاء کرام میں سے معروف کرخی، سری سقطی جنید بغدادی، سہل تستری، تاج العارفین ابوالوفا، شیخ سید عبدالقادر، شیخ عدی شیخ احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہم تھے۔

صحابہ میں سے حضور کو سب سے زیادہ قریب حضرت ابوبکر تھے جب کہ اولیا میں سے حضور کو اس محفل میں حضرت غوث اعظم سید عبدالقادر حضور کے قریب تر تھے اور وہاں ایک کہنے والا کہہ رہا ہے جسے میں نے بھی سنا کہ جب مقرب فرشتوں اور انبیائے مرسلین اللہ کے محبوب اولیاء اللہ کو دیدار مصطفیٰ کا اشتیاق ہوتا ہے تو سب اپنے اپنے ارفع اعلیٰ مقامات سے اپنے اس آقا ومرنی کے پاس اتر آتے ہیں جسے کوئی اس مقام پر دیکھنے کی تاب نہیں رکھتا پھر حضور کی زیارت کی برکت سے ان کے انوار دوگنے ہوجاتے ہیں اور سرکار کے مشاہدہ سے ان کے احوال کا تزکیہ و طہارت ہوجاتی ہے اور نبی کریم رؤف الرحیم صلے اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ان کے درجات مزید بلند ہوجاتے ہیں۔ پھر ان میں سے ہر ایک فرد رفیق اعلیٰ کی طرف لوٹ کر جاتا ہے شیخ بلخی کہتے ہیں کہ میں نے ہر ایک کو یہ کہتے سنا ہم نے سنا اور اطاعت کی اے ہمارے رب ہم تیری بخشش طلب کرتے ہیں اور سب نے تیری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے پھر مجھ پر بارگاہ اقدس سے ایک ایسی چمک ظاہر ہوئی جس نے مجھے تمام حاضر اور موجود مختلف چیزوں کے درمیان تمیز کرنا سلب کر لیا پھر میں اس حالت میں تین سال تک رہا پھر مجھے معلوم نہیں کہ میں ایک ہموار میدان میں ہوں اور حضور غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے مجھے سینے سے پکڑ رکھا ہے۔ اس وقت ان کا ایک قدم میرے پاس رکھا ہوا تھا اور ایک قدم بغداد شریف میں تھا انہوں

نے مجھے مختلف اشیاء کے مابین کھوئی ہوئی تمیز لوٹا دی اور میرے ہر کام میں مجھے پوری پوری قدرت دے
دی اور کہا کہ اے بلخی مجھے اللہ کی طرف سے حکم ہوا ہے کہ میں تجھے تیری پہلی حالت میں لوٹا کر
تجھے اپنے حال کا مالک بنا دوں اور تجھ سے قہر وغضب کو دور کر دوں پھر حضرت غوث اعظم
نے مجھے میرے تمام مشاہدات اور احوال کی خبر دی جو شروع سے چلے آ رہے تھے نیز اس کی تمام
خبریں بتلا دیں حضور غوثِ پاک کی اس قدر روحانی وسعت میرے ہر ایک سانس سے مطلع ہونے
پر دلالت کرتی ہے پھر حضور قطب الاقطاب نے مجھے فرمایا کہ میں نے تیرے متعلق حضور جان
عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم سے سات مرتبہ سوال کیا تو تجھے یہ مقام دیکھنے کی توفیق ہوئی پھر سات
مرتبہ سوال کرنے پر تجھے اس مقام سے دور رہنے کی توفیق ہوئی یونہی سات مرتبہ سوال کرنے پر
تجھے یہ اطلاع ہوئی کہ اس مقام میں کیا کچھ ہے اسی طرح سات بار بارگاہِ حضور پر نور میں عرض
کرنے پر تجھے منادی کی ندا سنائی دی، میں نے ؎ تیرے لیے سرکار دو عالم کی بارگاہ
میں اکیس مرتبہ درخواست کی تو تجھ پر یہ چمک ظاہر ہوئی اور میں تیرے بارے بارگاہِ مصطفیٰ
سے قبل ازیں ستر مرتبہ سوال کر چکا ہوں جس کا نتیجہ میرے سامنے ہے کہ مجھے جام محبت پلا دیا گیا اور
رضائے مولیٰ کی پوشاک پہنا دی گئی لے بیٹے اب تیرے تمام فوت شدہ فرائض پورے ہو چکے ہیں
پھر شیخ رضی اللہ عنہ مصنف کے اس قول والبهجة السنيه - اور آپ بہترین خصائل
والے ہیں پر یعنی حضور علیہ السلام اپنے افعال اور اپنی ذات وصفات میں بے مثال ہیں اور بے
مثل کیوں نہ ہوں آپ رحمۃ اللعالمین ہیں اور آپ کی صفت رحمت بہت بڑی بھلائی ہے ہمارے
واجب الاحترام استاذ ابو العباس المرسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام رحمت
سے پیدا ہوئے ہیں اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سراپا رحمت ہیں جب آپ سراپا رحمت ہوئے
تو آپ رحمت کی اصل اور سرچشمہ ٹھہرے اور کوئی رحمت آپ کی ذات سے ہٹ کر رحمت نہیں
کہلا سکتی ہر مرحوم آپ کی رحمت سے ضرور حصہ حاصل کرتا ہے پھر شیخ رضی اللہ عنہ مصنف کے
اس قول:

مَنْ اَيَّدَ سَاجَتِ النَّبِيُّوْنَ — ترجمہ: وہ کون جن کے جھنڈے تلے سب
تَحْتَ لِوَائِهِ فَهُمْ مِنْهُ — انبیا جمع ہوں گے وہ سب انبیا انہی

وَاِلَیْہِ ۔ سے ہیں اور اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔
قول پر فرماتے ہیں سرکار کے وسیلہ سے ان میں سے کوئی شخص بھی بے نیاز نہیں ہو سکتا کیونکہ درحقیقت حضورؐ ہی کی آپ کی اولاد اور خلفاؤ نائبین ہیں اور آپ کے کچھ طریقوں کے حاکم ہیں درحقیقت حضور ہی کی ذات آدم اکبر ہے ملأ اعلیٰ میں جناب آدم علیہ السلام نے حضور سے مخاطب ہو کر کہا اے میرے ذاتی بیٹے اور حقیقی باپ اسی معنی کی حقیقت پر سیدی عمر بن الفارض قدس سرہٗ نے حضور علیہ السلام کی زبان سے اپنے اس قول سے تنبیہہ کی ہے۔

وَاِنِّیْ اِنْ کُنْتُ ابْنَ آدَمَ صُوْرَۃً
فَلِیَ فِیْہِ مَعْنًی شَاھِدٌ
بِاُبُوَّتِیْ ۔

ترجمہ: اگر ظاہری لحاظ سے میں اولاد آدم ہوں تاہم میرے اولاد آدم ہونے میں باپ ہونے کی حقیقت بھی عیاں ہوتی ہے۔

اسی طرح سید سالم شیخان علوی قدس سرہٗ اپنے قصیدہ ہمزیہ میں فرماتے ہیں۔

فَاِلَی الْمُرْسَلِیْنَ اَنْتَ رَسُوْلٌ
مِنْکَ حَقًّا عَشَتْھُمُ الْاَضْوَاءُ
اَنْتَ اَصْلٌ لِکُلِّ اَصْلٍ فَکُلٌّ
عَنْکَ فَرْعٌ وَاِنَّھُمْ آبَاءٌ ۔

ترجمہ: آپ صلے اللہ علیہ وسلم رسُولوں کے رسُول ہیں آپ کے آفتاب رسالت انہیں نُور کی شعاعیں پہنچتی ہیں، آپ ہر اصل کی اصل ہیں اور ہر ایک نبی آپ کی فرع اور شاخ ہے اور بظاہر وہ آپ کے آبا و اجداد ہیں۔

وہاں جناب آدم علیہ السلام (علم الاسما) کے وارث حضورؐ ہی کی وجہ سے تھے۔ اگر بظاہر حضور علیہ السلام کے علوم کے وارث ہیں۔ علامہ بوصیری نے کیا خُوب کیا :۔

وَکُلُّ آیٍ اَتَی الرُّسُلُ الْکِرَامُ بِھَا
فَاِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُوْرِہٖ بِھِمِ
فَاِنَّھُمْ شَمْسُ فَضْلٍ ھُمْ کَوَاکِبُھَا
یُظْھِرْنَ اَنْوَارَھَا لِلنَّاسِ فِی الظُّلَمِ

ترجمہ: جتنے معجزات وکمالات انبیأ لے کر آئے ہیں وہ نورانیت مصطفےٰ کی بدولت انہیں ملے ہیں آپ سرکار بزرگی کے آفتاب ہیں جب دوسرے انبیأ ستارے ہیں اندھیروں پر لوگوں پر اپنے انوار بکھیرتے ہیں۔

شرح بردہ شریف میں علامہ ابن مرزوق فرماتے ہیں جس رُسول کو جو معجزہ وکمال بھی پہنچا وہ

حضورؐ کے نور کی برکت سے پہنچا اتصلت من نورہ بھم بوصیری کا کیا ہی اچھا کلام ہے آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے نور کی عطا صدا قائم ہے اور اس میں سے کچھ بھی کم نہیں ہوتا دراصل یہ الفاظ اس بات کا جواب ہیں کہ بعض اس کے قائل نہیں کہ انبیا آپ کے نور سے کیسے ہوئے اگر ایسا ہی ہو تو پھر آپ کا نور ان پر تقسیم ہو چکا ہوگا اور آپ کے نور میں سے کچھ باقی نہیں رہے اصل بات یہی ہے کہ ہر نبی کا کمال آپ ہی کے نور سے ہے کیونکہ آپ آفتاب نبوت ہیں اور باقی انبیا آفتاب نبوت کے ستارے ہیں جو آفتاب ہی کے نور سے چمکتے ہیں کیونکہ سیارے بذاتِ خود روشن نہیں ہوتے بلکہ آفتاب کی روشنی سے مدد لے کر ظاہر ہوتے ہیں اسی طرح انبیا علیہم السلام آپ کے ظاہر وجود سے پہلے آپ کی کمال بزرگی سے ظاہر ہوئے۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے:۔

	ترجمہ:
فَاِنْ جَاءَ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ مُؤَخَّرًا	اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بظاہر سب
فَقَدْ کَانَ قَبْلَ الْاَنْبِیَاءِ مُقَدَّمًا	انبیا کے بعد تشریف لائے بے شک آپ
وَکَانُوْا لَہُ الْحِجَابُ فِیْ مَوْکِبِ	اپنے ذات تقدم کے اعتبار سے سب نبیوں
الْھُدٰی وَلَا غَرْوَ لِلْحِجَابِ	سے پہلے ہیں، سپاہ ہدایت میں وہ سب
اِنْ تَتَقَدَّمَا اَقَامَ قَنَاۃً	آپ کے لیے پردہ ہیں بطورِ حجاب کوئی
اَلَّذِیْنَ بَعْدَ اعْوِجَاجِھَا	چیز اگر پہلے تھی تو اسے کچھ شہرت نہیں ہوتی
فَمَنْ بَعْدِہٖ مَا اعْوَجَّ	آپ نے دیوارِ دین کی کجی ایسے درست
مَا کَانَ قَوْمًا۔	فرما دی کہ آپ کے بعد اس درستی میں
	کبھی ٹیڑھا پن واقع نہ ہوگا۔

شیخ رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے ساتھ جناب جبریل کی گفتگو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضور کی بارگاہ میں جبریل علیہ السلام حاضری پر عرض کرنے لگے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے آپ پر اس طرح سلام عرض کرنے کا حکم کیا ہے کہ میں آپ کو یوں کہوں۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَوَّلُ اَلسَّلَامُ	ترجمہ: اے سب سے پہلے آپ پر سلام ہو
عَلَیْکَ یَا آخِرُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ	اے سب سے بعد میں آنے والے آپ پر

يَا بَاطِنُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ — سلام ہو اے پوشیدہ حقیقت والے آپ
يَا ظَاهِرُ — پر سلام ہو اے ظاہر حقیقت والے آپ
سلام ہو۔

بعینہٖ اسی طریقہ سے سیدی قطب صفی قشاشی اور ان کے شیخ شناوی قدس سرہٗ نے مدینہ منورہ میں حضورؐ کے روضہ اقدس کی سنہری جالیوں سے لپٹ کر سلام عرض کیا کتاب سلسلہ عید روسیہ کے بعض اجمالی کلام کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے جسے شیخ نے پہلے ذکر کیا ہے اور ہمارا مدعیٰ بھی تفصیل طلب بات کی تفصیل کرنا ہی ہے اس پر حضورؐ کا یہ ارشاد دلیل ہے کُنْتُ نَبِیًّا یعنی میں نبی تھا اللہ سے فیض حاصل کر کے مخلوق کو فیض پہنچایا اور اسی لیے حضورؐ نَبِیًّا کی جگہ انسانًا یا موجودًا نہ کہا جائے آپ نے اپنی نبوت انبیاء و مرسلین کے وجود سے پہلے ہونے کی خبر دے دی۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم اوّل و آخر ظاہر و باطن صاحب شریعت اور جو کچھ آپ کی شریعت میں سے کالعدم قرار دیا گیا اس کا ارادہ اللہ نے پہلے کر رکھا تھا اور مشیت ایزدی میں شریعت کی جتنی بقا مطلوب تھی وہ باقی رہی جس طرح آپ کی تشریف آوری سے ثابت ہوتا ہے کہ کچھ احکام تو ضرور منسوخ ہوئے مگر اصول میں کوئی تنسیخ نہ ہوئی انبیاء و مرسلین علیہم السلام اعتقاداً توحید باری میں متحد ہیں لیکن اُمتوں کے اختلاف مزاج و طبع کی وجہ سے شریعتوں میں مختلف ہیں۔
اور اس سے اصول میں کچھ ہرج واقع نہیں ہوتا اور حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور آخری زمانہ میں رُوح و جسم سے اس لیے ہوا کہ اگر آپ کا جسم شریف پیدائش آدم کے وقت موجود ہوتے تو آپ کو شریعت کے تحت ہونا پڑتا اور دوسری بات یہ لازم آتی کہ کوئی نبی اور رسول نہ بھیجا جاتا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے رُوح کو مقدم فرما دیا اور بدن مبارک کو مؤخر دے کر انبیاء و مرسلین کو حکمت اللہ کے اظہار کے لیے مخصوص اقوام کی طرف بھیجا گیا۔ ان کی رسالت عام نہ ہو سکی کیونکہ وہ سب انبیاء و مرسلین حضور علیہ السلام کے نائب بن کر تشریف لائے اسی لیے عیسیٰ

ل کیونکہ آپ کے اظہار جسمانی سے تکمیل رسالت ہو جاتی جو اصل منشأ ایزدی تھا لہٰذا کسی اور نبی اور رسول کی ضرورت نہ رہتی۔۔ مترجم۔

علیہ السلام اپنے نزول سے لے کر آخری وقت تک حضور ہی کی شریعت کے مطابق فیصلہ فرماتے رہیں گے اور ظاہری طور پر بھی حضور علیہ السلام ہی کی برکت کی تاکید فرمائیں گے لیکن عیسٰی علیہ السلام بھی حسی طور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے مقدم نہیں ہوتے، جو نبی جس شریعت سے بھی منسوب ہوا وہ شریعت درحقیقت سرکار کی ہی شریعت تھی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ترجمہ: جنہیں اللہ نے ہدایت دے رکھی

فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ۔ ہے آپ انہیں کی ہدایت کی اقتدا کریں۔

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں حضور کو ہدایت انبیا کی اقتدا کے متعلق کہا گیا ہے۔ اقتدا ِانبیا کے متعلق نہیں کیا گیا کیونکہ ہدایت انبیا تو من جانب اللہ ہی ہوتی ہے اور یہ درحقیقت شریعت مصطفٰے ہے مطلب یہ ہوا کہ اے محبوب اپنی اس شریعت کو مضبوط کیجیے جو آپ کے نائبین انبیاؤ مرسلین آپ کی ظاہری تشریف آوری سے پہلے لا چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم ملت ابراہیمی کی اتباع کیجیے اس میں بھی حضور علیہ السلام اتباع دین کے لیے مامور ہیں اور دین کی اصل بھی من جانب اللہ ہے اس میں حضور کو اللہ کے دین کے استحکام کی ہی تاکید فرمائی گئی ہے کہ کسی نبی کی اتباع۔ پھر شیخ اسی کلام پر تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:۔

لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا۔ ترجمہ: تاکہ وہ تمام جہانوں کو ڈرسنا تیں

اور صحیح بخاری میں سرکار کا یہ ارشاد کہ میں تمام مخلوق کا رسول بن کر آیا ہوں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کی طرف مبعوث ہونے کی صلاحیت عطا فرما دی تھی وہ مخلوق حیوانات ہو خواہ نباتات وجمادات مذکورہ آیت اور حدیث بخاری کو اپنے ظاہری اجرا میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے اور یہاں اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ تمام مخلوق کتاب وسنت کے ظاہر پر اس اعتبار سے دلالت کرتی کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور سب کچھ جانتے ہیں بے خطا قوت ارادی کے مالک ہیں آپ کو اللہ نے بے پناہ قدرت دی ہے اور آپ کا بولنا درحقیقت وحی خدا کی ترجمانی ہوا کرتا تھا۔ اگرچہ مخلوق کی زندگی ادراکات اور دیگر کمالات کے مراتب مختلف ہیں تو پھر یہ صحیح ہو گا کہ مخلوق کا ہر فرد اپنے ماحول

طور طریقہ اور رتبہ کمال کے لحاظ سے مکلف ہو تو انسان بھی بالاتفاق مکلف ہے انسانی افراد کا مکلف ہونا بھی ان کے اختلاف احوال کے لحاظ سے ہے بسط و کشا دیا اختیار و اضطرار سے تو بعض صورتوں میں حضرت انسان کے لیے ممنوع اشیا بھی درجہ جواز میں ہو جاتی ہیں۔ اور اسی پر باقی چھوٹے بڑے احکام قیاس کر لینے چاہییں کہ کسی حکم میں قطع و برید نہ ہونے پائے نیز تسبیح کے دندانوں کی بندش تمام اشیا کے کثرت تسبیح کرنے پر دلالت کرتی ہے تو جو شخص اپنے فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی کر گیا اسے اللہ تعالیٰ اپنے عدل و انصاف سے پوری پوری جزا دے گا اور بہت سے لوگوں کو معاف فرما دے گا، اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کے اس قول وَاِن مِّن شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ یعنی دنیا بھر کی چیزیں اسی کی تعریف میں تسبیح کرتی ہیں کے تحت فتوحاتِ مکیہ میں شیخ محی الدین کا قول بطور دلیل ذکر کیا گیا ہے کہ خلاصۃً ارشاد رب العزت کا مفہوم یوں ہے کہ اس تسبیح سے مراد زبان حال کی تسبیح نہیں جس طرح کہ بغیر کشف اہل نظر کہتے ہیں بلکہ اس تسبیح سے مراد زبان قال ہی کی تسبیح ہے تو تمام کائناتِ عالم اپنے اللہ کے حضور عبادت ہیں ہمہ تن مصروف ہے اس معاملہ میں سیدی محی الدین نے کافی کلام فرمایا ہے پھر بطور تنبیہ کہا ہے کہ کہا جاتا ہے عیسیٰ علیہ السلام سب نبیوں سے بڑھ کر زاہد تھے، ایسے ہوتا رہتا ہے کہ کوئی خصلت مفضول میں تو پائی جائے لیکن اصل صاحب فضیلت میں نہ ہو، بعض اہل تحقیق کے نزدیک اس مسئلہ میں یوں بحث کی گئی ہے کہ ہمارے آقا و مولیٰ حضور علیہ السلام سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے بھی زیادہ زاہد ہیں اس لیے کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر دنیا اپنی مکمل آرائش و زیبائش اور جمیع اطراف سے پیش کی گئی اور آپ حضورؐ نے اس کی طرف کچھ دھیان نہ کیا آپ کی آنکھوں نے دنیا کی رنگینیوں میں راحت محسوس کی اور نہ ہی مناظر دنیا آپ کے لیے خوش منظر ثابت ہو سکے، یہاں تک کہ بعض محققین نے آپ کی ذات پر زہد کا اطلاق ممنوع قرار دیا ہے اس لیے کہ آپ کی نگاہ میں دنیا بے قیمت اور بے وقعت تھی آپ کو زہد کی چنداں ضرورت ہی نہ تھی۔ کتاب شفا وغیرہ میں ہے کہ ایک مرتبہ جبریل علیہ السلام حاضر بارگاہِ رسالت ہوئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اے جبریل علیہ السلام میرے محبوب سے دریافت کرو کہ کیا آپ پسند فرمائیں گے کہ ہم آپ کے لیے دنیا بھر کے پہاڑ سونا بنا دیں اور وہ پہاڑ آپ کے ساتھ ساتھ چلیں آپ جہاں بھی تشریف لے

جائیں، جبریل کی گفتگو سُن کر حضور علیہ السلام نے لمحہ بھر سوچ کر جواب دیا کہ اے جبریل میرے سامنے دنیا کی حقیقت کیا ہے دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو اور مال دنیا اس کا مال ہے جس کی کچھ مالیت نہ ہو اور مال دنیا ہمیشہ بے عقل شخص جمع کرتا ہے آپ کا یہ جواب سُن کر جبریل بے حد مطمئن ہوئے اور حضور کے لیے یہ دعائیہ کلمے کہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سچی اور پکی بات پر ثابت قدم رکھے جناب جبریل اور حضور کا مکالمہ بروایت دیگر اس طرح ہے کہ میں ایک دن بھوکا رہنے کا ارادہ کرتا ہوں تاکہ صبر کرنے کا عادی رہوں اور ایک وقت پیٹ بھر کر کھاتا ہوں تاکہ شکر نعمت بجا لاؤں پھر میں بنیادی طور فقر و فاقہ اور بے نیازی کو پسند کرتا ہوں فاقہ اور شکم سیری یہ دونوں صورتیں حضور علیہ السلام کے لیے بامر مجبوری نہ تھیں بلکہ اختیاری تھیں اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر کمال کے مظہر جلال و جمال کے سرچشمہ تھے یعنی یہ صفات آپ کی عادت میں داخل تھیں حادثی اور عارضی نہ تھیں۔ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اُمید و خوف کے درمیان رہی اور یہی مقام رضا کا تقاضہ ہے جہاں تک جناب عیسیٰ علیہ السلام کا تعلق ہے آپ پر ہمیشہ خوف غالب رہا اسی لیے عیسیٰ علیہ السلام بسا اوقات حلال منفعتوں سے روکا کرتے تھے۔ نیز آپ ایسے لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے جو مال و جاہ والے لوگوں کی قید و بند میں گرفتار خیال تھے جب ان لوگوں میں کمال زہد ظاہر ہوا تو انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اتباع کی بنا بریں ان میں رہبانیت[1] بھی ظاہر ہوئی تو لیکن انہوں نے آغاز کار تو کر دیا تاہم اس پر ثابت قدم نہ رہے اور ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تو عام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے اور آپ رحمت اللعالمین آپ کو اللہ نے حکم دیا کہ آپ مخلوق سے کہیں اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری فرمانبرداری کرو تمہیں اللہ تعالیٰ دوست بنا لے گا، اس میں سرکار نے ایسا جامع طریقہ اور وسیع مسلک اختیار فرمایا ہے کہ آپ کی اتباع کرنے میں تمام مخلوق کی گنجائش ہے ہر چھوٹا بڑا ضعیف و توانا مالدار و بے مایہ غنی و فقیر، بادشاہ و وزیر آپ کے

---

[1] رہبانیت دنیا سے مکمل قطع تعلق کر لینا اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ (مترجم)

داخل اتباع ہیں، حضورؐ نے ملّتِ اسلامیہ کی آسانی اور اسے مکمل طور اپنی اتباع میں داخل کرنے کے لیے کبھی سادہ کھجوریں اور جو تناول فرمائے اور کبھی تازہ کھجوریں اور تازہ گوشت کھایا، کبھی کبھی عمدہ اور قیمتی لباس زیبِ تن فرمایا اور کبھی پھٹی پرانی لیکن پاک اور صاف ستھری عبا پہنی کئی بار آپ قالین والے تخت پر بیٹھے اور کچھ مرتبہ مٹی پر بچھی چٹائی پر جلوہ افروز ہوئے ایک بار ٹوپی اور عمامہ (پگڑی) ایک ساتھ پہنے اور ایک مرتبہ صرف ٹوپی پر اکتفا کیا کبھی آپ اونٹ اور گھوڑے کی سواری پسند فرماتے تو کبھی آپ خچر اور گدھے پر سوار ہوتے اور بسا اوقات دوسرے شخص کے پیچھے بیٹھ کر سفر فرماتے کبھی تنہا چلتے اور کبھی جماعت کے ساتھ سفر فرماتے، کبھی کبھی حضورؐ پابندی سے روزے رکھتے گمان ہوتا کہ آپ کبھی روزہ ترک نہیں کرتے اور کبھی عام حالات میں روزہ نہ رکھتے معلوم ہوتا کہ رمضان علاوہ آپ نے کبھی روزہ رکھا ہی نہیں، اور یونہی آپ راتوں کو نماز پڑھتے رہتے یقین ہوتا کہ آپ سوتے ہی نہیں اور کبھی آپ اس قدر سوتے کہ گمان ہونے لگتا کہ آپ نماز کب پڑھتے ہوں گے لیکن آپ نے پوری رات کبھی بیداری نہ کی اور اکثر و بیشتر آپ نمازِ تہجد سے سو جایا کرتے تھے اور اسے دن چڑھے ادا فرما لیا کرتے اور کبھی شاہانہ بے نیازی اور اللہ کے دین سے عطا فرماتے اور کبھی آپ فقر ظاہر کرنے کے لیے کسی نہ کسی یہودی کے مقروض ہوتے اس سے مخلوق پر آپ کی تواضع پر عیاں ہوتی ہے یہ سب کچھ آپ کی شریعت کو آسان بنانے کے لیے اور آپ کی راہ کو نرم بنانے کے لیے تھا آپ کی راہ میں کوئی کجی ہے نہ نقصان آپ کے مذکورہ عمل سے جس طرح عبادت میں شدت ممنوع معلوم ہوتی ہے اسی طرح سستی اور غفلت بھی ممنوع ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

اَمَّا اَنَا فَاَقُوْمُ وَاَنَامُ وَاَصُوْمُ وَاُفْطِرُ	ترجمہ: بہر حال میں سوتا بھی ہوں اور راتوں کو قیامِ عبادت بھی کرتا ہوں اور روزہ رکھتا بھی ہوں اور روزہ چھوڑتا بھی ہوں۔

مذکورہ کلام کے بعد شیخ رضی اللہ عنہ نے ایک لطیف بات ذکر کی ہے جو ذیل میں درج ہے۔ اس بات پر اطلاع پانا بہت اہم اور ضروری ہے، سیدی قطب شعرانی سیدی علی الخواص سے نقل کرتے ہوئے الدرر الغواص میں کہا کہ اپنی ذات اور ذاتِ حق کے درمیان کسی نبی یا غیر نبی کو

واسطہ نہ بنائیے، میں نے آپ سے عرض کیا کسی نبی کا واسطہ کیسے نہ بنایا جائے تو آپ نے جواب میں فرمایا چونکہ رسُول بندے اور اس کے رب کے درمیان دعوت الی اللہ کا واسطہ تو ہوتا ہے لیکن بندے کی ذات کا واسطہ نہیں ہوتا، جب بندوں میں ایمان واقع ہو چکے اور یہی مراد الہیہ بھی ہے تو اسی وقت بندے کے دل سے واسطہ اُٹھ جاتا ہے اور حق تعالیٰ بندے کی ذات اور اس کے رسُول سے بھی زیادہ قریب ہوتا ہے اور بندے پر رسول کے اضافی حکم کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا، مثلاً بندے کے لیے امور تشریعیہ میں اتباع رسُول لازمی ہوتی ہے بحالت سجدہ بوقت مناجات رسُول کی ذات اُمت سے الگ رہتی ہے اس میں اللہ کے حق کی بقا ہے اور پھر رسول بخوبی واقف ہوتا ہے کہ امور تشریعہ کا مقصد تبلیغ سے حاصل ہو چکا جس طرح کہ اس رسُول کو اس تبلیغ کا اجر حاصل ہو بھی جاتا ہے حضور علیہ السلام کے اس قول۔

مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ	ترجمہ: جس نے طریقہ ایجاد کیا اس کے
اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ يَعْمَلُ	لیے اس ایجاد کے ثواب کے علاوہ جو
بِهَا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔	بھی اسے عمل میں لائے گا موجد کو قیامت
(الحدیث)	تک اجر و ثواب پہنچتا رہے گا۔

کا اشارہ بھی اسی طرف ہے، پھر فرمایا کہ اے بھائی اللہ کی غیرت کا جو احوال بندگان سے متعلق ہے پر غور کر جو اللہ نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرتے ہوئے ظاہر فرمائی۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ	ترجمہ: اور اے محبوب آپ سے جب میرے
فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ	متعلق میرے بندے سوال کریں تو میں
الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ[1]	قریب ہوں اور دُعا کرنے والے کی
	دُعا قبول کرتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارے

اس فرمان کی روشنی میں حق تعالیٰ نے ہمیں بتلا دیا کہ ہمیں ہماری جان اور ہمارے اس رسول سے بھی زیادہ قریب ہے جسے اس نے ہماری ہر منزل کے لیے واسطہ بنایا باوجود یکہ حق سبحانہٗ نے حضور

---

[1] پارہ ۲ سورۃ بقرہ آیت ۱۸۶

پر نور صلے اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں قدرتی مبالغہ کیا قریب تھا کہ آپ کی وصف کمال میں کثرت کی تصریح ہو جاتی، مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مَن یُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ [1]

ترجمہ: جس نے اللہ کے محبوب رسول کریم علیہ السلام کی فرمانبرداری کرلی پھر بے شک اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی۔

اور اللہ تعالیٰ کا ایک دوسرا ارشاد یوں ہے۔

اِنَّ الَّذِینَ یُبَایِعُونَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُونَ اللّٰہَ [2]

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جنہوں نے آپ سے بیعت کرلی سوائے اس کے نہیں کہ انھوں نے اللہ سے بیعت کی ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ یوں بھی فرمایا کہ کسی کام میں کچھ بھی آپ کے بس میں نہیں ہے یہ فرما کر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو تمام مخلوق سے مستثنیٰ قرار دے دیا اور یہ کہہ کر آپ کو سب سے الگ کرلیا،، علامہ ابن ذکری نے شرح مشیشیہ میں لَیسَ لَکَ مِنَ الاَمرِ شَیءٌ مختصر کلام کرتے ہوئے کہا ہے کہ اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو دنیا بھر کی اشیاء میں سے کوئی چیز بھی خوفزدہ نہیں کرسکتی یہ وہ کلام ہے جس کی تحقیق ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ سے استغنا پر کی ہے اور اس سے کسی کو فرار اور انکار نہیں ہوسکتا شیخ محقق سیدی عبدالرزاق عثمانی قدس سرہٗ کے کلام اس کا تفصیلی بیان ذکر کیا جاچکا ہے، اور یہ ہیں ہمارے شیخ اور سردار ابوالعباس مرسی جن کی قطبیت میں ذرہ برابر شک نہیں ہے ان کی قطبیت کا مشاہدہ شیخ ابوالحسن شاذلی وغیرہ نے بہت دفعہ کیا ہے، آپ فرماتے ہیں کہ مجھ سے اگر حضور علیہ السلام ایک لحہ کے لیے اوجھل ہو جائیں تو اس گھڑی میں اپنے آپ کو مسلمانوں سے شمار نہیں کرتا میرا ایک سے زیادہ مرتبہ کا مشاہدہ ہے کہ ہر جس شخص کو اس خارجی دنیا میں رحمت حاصل ہوتی ہے تو اس شخص کی ذات سے دنیا و آخرت ظاہر و باطن علوم و معارف غرضیکہ طاعت وبندگی کے رزق کی قسم کے چشمے نکلنے لگتے ہیں اور سب

---

[1] پ ۵ سورۂ نساء آیت [2] پ ۲۶ سورہ فتح آیت ۹

پھر آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے آپ کے سامنے ہوتا اور حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم تو اہل جنت کے درمیان جنت تقسیم فرمانے والے ہیں اسی لیے صوفیا نے مفاتیح الخزائن کی عطا کو آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں شمار کیا ہے بعض علماء نے مفاتیح الخزائن کو اجناس دنیا کے خزائن سے تعبیر کیا ہے کہ اہل دنیا کے لیے وہ خزانہ اتنا ہی نکلتا جتنا وہ طلب کر چکے ہوتے ہیں جب کوئی با کمال شخص اس دنیا میں ظاہر ہوتا ہے تو اسے ہمارے آقا و مولیٰ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کسب کمال کی چابیاں اپنے مبارک ہاتھوں سے عنایت کرتے ہیں اور دنیا بھر کے خزانے سرکار دو عالم کے سامنے ہی برآمد ہوتے اور یہی نیابتِ الٰہی اور خلافتِ اللہ کی حقیقت ہے۔

یہ کلام ذکر کیا جا چکا ہے کہ آپ کے واسطہ کے بغیر حضور و شہود کی کسی میں تب و تاب نہیں کیونکہ آپ کی ذات ہی حق نمائی کا سب سے بڑا آئینہ اور مینارِ نور ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ اقوالِ زریں، افعالِ حسین، احوالِ تمکین دلالت علی اللہ اور معرفتِ حق جس کی کوئی انتہا نہیں پر متحرک رہتے ہیں جب تک کوئی مردِ کامل معرفتِ حق میں ترقی حاصل کرتا رہتا ہے وہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے دریائے کرم سے چلو بھرتا رہتا ہے اور ہر شخص یہاں تک کہ انبیاء مرسلین بھی آپ ہی سے مدد حاصل کرتے ہیں :-

وَكُلُّهُمْ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ	ترجمہ: اور سب کے سب آپ ہی کے ابرِ کرم
مُلْتَمِسٌ غَرْفًا مِنَ الْبَحْرِ	کے چھینٹے اور آپ کے دریائے رحمت سے
اَوْ رَشْفًا مِنَ الدِّيَمِ	ایک دو گھونٹ لینے کی درخواست کرتے ہیں

بالآخر صاحبِ فنا شیخ کو آپ حضور کے واسطہ کا شعور باقی نہیں جب وہ ذاتِ حق میں فنا ہو رہا ہو کیونکہ وہ جس شے میں فنا ہو رہا ہوتا ہے اس سے وہ مخفی رہتی ہے تو نفی صرف شعور کی ہوگی، جہاں تک مدد طلب کرنے اور ربط و کشادِ پر کامل توجہ حاصل کرنے کا تعلق ہے یہ سب کچھ حضور کے سامنے ہوتا ہے یہ بات نفس الامر میں صاحبِ فنا شخص کے حال سے ثابت ہے جب صاحبِ فنا کو حالتِ فنا سے افاقہ ہو جاتا ہے تو وہ واسطہ مصطفےٰ کا اقرار کرتا ہے اس کی دلیل ذکر ہو چکی ہے کہ تمام خزائن آپ کے سامنے برآمد ہوتے ہیں بہت سے آئمہ طریقت جن کی باقاعدہ اقتدا کی جاتی ہے فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام پر درود و سلام پڑھنے میں ظفریاب ہونے کا اصل راز ہے بے شک یہ درود

سلام ذکرالٰہی میں سے ہے، ذات حق جلّ شانہٗ بندے کو اس کی ذات اور اس کے رسُول سے بھی زیادہ قریب اس کلام کے نہ کوئی منافی ہے نہ اس میں کسی طرح کا اشکال ہے لیکن بندہ بعد ثبوت ایمان معرفت کے توصل کے لیے نہ حضور کے خلفاً سے بے نیاز ہو سکتا ہے نہ آپ کے واسطوں جیسے ہدایت دینے والے مشائخ سے منحرف ہو سکتا ہے ہاں جب کسی خوش نصیب معرفت کا وصولِ تام ہو جائے باقی وسائط سے وہ ضرور مستغنی ہو جائے گا مگر سرکار کی ذات سے کسی طور پر بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

کسی شخص نے ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ سے پوچھا کہ آپ کا شیخ کون ہے تو آپ نے کہا پہلے میں اپنی نسبت شیخ عبدالسلام بن مشیش سے کیا کرتا تھا مگر اب میں اپنے آپ کو کسی سے منسوب نہیں کرتا بلکہ دس سمندریں شناوری کرتے ہوئے اپنی کی طرف جارہا ہوں، ان میں سے پانچ تو اولادِ آدم یعنی انسانی ہیں مثلاً حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور پانچ رُوحانی حضرت جبریل علیہ السلام، حضرت میکائیل علیہ السلام، حضرت عزرائیل علیہ السلام، حضرت اسرافیل علیہ السلام اور روح۔ اس پر تفصیلی گفتگو کلام خواجہ اویس قرنی میں گزر چکی ہے شیخ ابوالحسن شاذلی کا کلام ہے کہ بے شک خلفائے راشدین جس طرح معرفتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم متفاوت اور الگ الگ درجہ رکھتے ہیں اسی طرح وہ معرفت ذاتِ کبریا میں بھی علیحدہ علیحدہ مقام رکھتے ہیں، شاید سیدی علی الخواص کے کلام کا مقصد اس امر پہ تنبیہہ کرنا ہے کہ شاید حضور کے شہود میں فقط واسطہ کو اصل مقصد سمجھ کر وہیں نہ رک جائے، اور اصلی مقصود تک رسائی حاصل نہ کر پائے اور یہ بات کم فہم اور قاصر العقل شخص میں ہی وقوع پذیر ہو سکتی ہے کیونکہ حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و اقوال و افعال تو ذاتِ الٰہی کی نشان دہی کرتے ہیں صرف دال کی ذات پر رک جانا پرلے درجہ کی کم عقلی ہے درحقیقت ایسا شاید سرے سے راہنما کی راہنمائی سے ہی بے خبر اور جاہل رہا اور اس نے ایسی صورت کو عجیب نہ جانا دراصل جہالت بے شمار مصیبتوں کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔

ایک بزرگ سے روایت ہے کہ ایک مریدان کی اقتدا اور محبت میں سچا اور پُرخلوص تھا مگر محبتِ شیخ میں درجہ کمال کو پہنچ کر یہیں رُک گیا یہ رکاوٹ اس کے لیے حجاب بن گئی ایک دن وہ مُرید اپنے شیخ کے ساتھ ایک چھت پر چڑھا شیخ نے بطور ابتلاء و آزمائش اسے چھت کی بلندی پر سے

گر جانے کو کہا وہ مُرید اپنے شیخ سے پیٹ پیٹ کر پناہ لینے لگا جب کہ شیخ اسے پیچھے دھکیل رہا تھا ایسے میں دوسرے لوگوں نے پکڑ کر مرید کو نیچے پھینک دیا جب ہوا میں اتر رہا تھا تو شیخ سے اس کی اُمید منقطع ہو گئی اور اسے اصل منزل کا راز کھل کر سامنے آ گیا، کہ واسطہ پر رُک جانا حماقت ہے اصل مُراد توجہ الی اللہ ہے جس پر مرد فقیر اپنی سعی جاری رکھتا ہے بہت سے مُرید صُحبت مشائخ میں جانب مولیٰ سے غافل ہو کر نفع و نقصان پر غور کر کے غلطی کر رہے ہوتے ہیں اور پھر اپنے ارادے کی تکمیل میں بھی ناکام و نامراد رہ جاتے ہیں بالآخر ایسی حالت سے مکمل پرہیز لازمی ہے جس میں واسطہ شہود کو اصل مقصد بنا لیا جائے ایسی حالت خالی از خطا نہیں، یقین جانیں اگر اللہ کے محبوب حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اللہ کی پہچان نہ کرواتے تو ہم کبھی اسے نہ پہچان سکتے بمطابق فرمان خداوندی :-

وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللّٰهُ[1]

ترجمہ: یعنی ہم ہدایت پانے والے نہ تھے اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت مرحمت نہ فرماتا اے اللہ واقعی اگر تو ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت یافتہ نہ ہوتے۔

شیخ عیدروس رضی اللہ عنہٗ مذکورہ کلام کے بعد جو ہم نے یہاں نقل کی ہے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں نیز ابوالحسن شاذلی قدس سرہٗ کا قول بھی ہماری تائید میں ہے کہ میں ایک رات یہ آیت پڑ

وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّهُمْ لَنْ يُغْنُوا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا[2]

ترجمہ: اے مخاطب جاہل لوگوں کے پیچھے نہ جائیے وہ آپ کو اللہ سے کچھ بھی بے نیاز نہ کر سکیں گے۔

پڑھ رہا تھا میں نے دیکھا کہ خود حضور علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ صاحب علم بھی ہوں اور میں تجھے اللہ تعالیٰ سے کچھ بھی بے نیاز نہیں کر سکتا، حدیث صحیح میں وارد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ[3] ترجمہ: یعنی اپنے قریبیوں کو ڈرسناؤ۔

---

[1] پ ۸ سورۃ اعراف آیت ۴۳ [3] پ ۱۹ سورہ شعراء آیت ۲۱۴

[2] پ ۲۵ سورۃ جاثیہ آیت ۱۸ - ۱۷

تو حضور علیہ السلام نے قبیلہ قریش کو طلب کیا آپ کے بلانے پر عوام و خواص سب حاضر ہو گئے آپ نے فرمایا کہ لوگو اپنے آپ کو آتشِ دوزخ سے بچالو اور یہاں تک فرما دیا کہ اے فاطمہ بنت محمد صلے اللہ علیہ وسلم، اے صفیہ بنت عبد المطلب اے اولاد عبد المطلب میں اللہ سے تمہارے لیے کچھ مقتدر نہیں ہوں سوا اس کے کہ صلہ رحمی قائم رکھوں گا۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے شیخان[1] نے نقل کیا وہ کہتے کہ میں نے حضورؐ کو آہستہ یا مخفی نہیں بلکہ واشگاف الفاظ میں بلند آواز سے فرماتے ہوئے سنا بنو فلاں کی اولاد سے میری قرابتدار نہیں بلکہ ان کا میرے ساتھ رحم کا رشتہ ہے اس کی صلہ رحمی بدستور کرتا رہوں گا درحقیقت میری قرابت اللہ جل مجدہٗ اور صالح پرہیزاہل ایمان سے ہے۔

امام بخاری نے ادب المفرد میں نقل کیا کہ حضورؐ نے فرمایا قیامت کے دن میری قرابت والے لوگ صرف اہل تقویٰ ہوں گے اگرچہ اس دن ایک سے دوسرا نسب زیادہ قریب ہوگا لوگ اس دن کیا اپنے اعمال نہ لائیں گے، تم لوگ دنیا کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر میرے پاس لاؤ گے اور تم ملتجیانہ کہو گے یا محمدؐ تو میں اس طرح کہوں گا یہ اور حضور یہ بیان فرماتے ہوئے اپنی گردن کو دونو طرف پھیر رہے تھے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب :-

اگر تو کہے کہ سابقہ مذکورہ احادیث قرابتِ مصطفےٰ کے فضائل والی احادیث کی نفی کرتی ہیں۔ تو میں کہوں گا احادیث کی دونوں اقسام میں کچھ منافات نہیں ہے جس طرح محب طبری اور دیگر علماء رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ آں حضورؐ کسی کے نفع نقصان کے کچھ مالک نہیں لیکن ذات حق نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اقارب کے نفع کا مالک بنایا ہے بلکہ تمام اُمّت کے نفع کا مالک بنایا ہے کیونکہ آپ سب کی عام اور خاص شفاعت فرمائیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی شئے کے مالک نہیں مگر جس چیز کا مالک انہیں ان کا مولیٰ بنا دے اس بات پر آپ کے اس قول کا اشارہ موجود ہے سوائے اس کے کہ تمہیں مجھ سے رحم کی قرابت سواسے میں برابر ملاتا رہوں گا اور آپ اس

[1] بخاری و مسلم۔

قول "لَا اَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللهِ شَيئًا" کا بھی یہی معنی ہے کہ جو اللہ نے مجھے اکرام واعزاز دیا ہے مثلاً گنہگاروں کی شفاعت اور ان کے لیے بخشش طلب کرنا کے علاوہ میں اپنی ذات میں تمہارے نفع و نقصان کا کچھ مالک نہیں ہوں، درحقیقت آپ نے قریش وغیرہم کو اس طرح مخاطب کیا اس لیے کہ وہ مقام خوف کی رعایت کرنے لگیں اور انہیں عمل صالح کا اشتیاق ہو نیز خشیت ایزدی میں تمام لوگوں سے بڑھ کر حریص ہوں، پھر صلہ رحمی کا اشارہ دے کر آپ نے انہیں طمانیت قلب بخشی یہ بھی کہا گیا ہے کہ سابقہ فرامین مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم آپ کے ان اختیارات کے علم سے پہلے تھے کہ آپ کی طرف لوگوں کا نفع منسوب ہوگا اور آپ ان کی شفاعت فرمائیں گے انہیں بغیر حساب جنت میں داخل فرمائیں اور بعد میں آنے والوں کے درجات بلند فرمائیں گے اور بہت سی قوموں کو دوزخ سے نکالیں گے۔

جب بعض لوگوں پر جمع بین الحدیثین کا طریقہ مخفی و مستور رہا تو انہوں نے کل نسب وسبب والی حدیث سے مراد یہ لے لیا کہ حضور علیہ السلام کی امت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اپنی نسبت کرتی ہے جب کہ سابقین امتیں اپنی نسبت اپنے انبیاء کی طرف نہیں کرتیں حالانکہ یہ بعید ہے اس کی توجیہہ شیخ الاسلام نووی رحمہ اللہ الروضہ میں کی اور جو کچھ یہاں وارد ہوگا ہم عنقریب اس کا ذکر حضرت عمر کی روایت سے بالاسناد ذکر دیں گے۔

حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنابہ ام کلثوم کے ساتھ عقد مسنونہ کی شدت سے خواہش کیا کرتے تھے، اس کی تصدیق حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم نے بھی کر دی تھی جس قائل نے امت اور نبی کی نسبت کے حوالے سے ذکر کیا وہ ایسی احادیث پر اطلاع نہ رکھتا تھا نیز سسرال اور رشتہ داری اور خاندانی قرابت کا ذکر بھی وارد کیا جس طرح عنقریب آئے گا جب حضور علیہ السلام سے یہ کہا گیا کہ بے شک آپ کی قرابت نفع مند نہیں ہے تو آپ غضب ناک ہوئے جس طرح حدیث بخاری میں آیا ہے تمام سابقہ امتوں کی اپنے انبیاءؑ کی طرف نسبت کا یہ تقاضہ ہوگا کہ ان میں سے بارگاہ حق میں جناب نوح علیہ السلام حاضر ہوں گے ذات مولیٰ فرمائے گی کہ کیا آپ نے لوگوں کو میرا پیغام پہنچایا تو آپ عرض کریں گے ہاں یارب پھر اللہ تعالیٰ نوح علیہ السلام کی امت سے فرمائے گا کہ کیا تمہیں تبلیغ ہوئی آخر حدیث تک اس

کے علاوہ بعض دوسری احادیث بھی آئی ہیں۔

جاننا چاہیے کہ حضور علیہ السلام کی حدیث میں سے آپ کے اس قول

اِنَّ اولیائی منکم المتقون۔ ترجمہ: یعنی میری قرابت والے تم میں بعض پرہیزگار لوگ ہیں۔

اور آپ کے اس قول :۔

اِنَّ ولِیَ اللّٰہُ وصالحوا المؤمنین۔ ترجمہ: یعنی بے شک میرا قریبی میرا اللہ اور اہل ایمان پرہیزگار لوگ ہیں۔

سے استفادہ کیا جاسکتا ہے کہ بے شک آپ کی قرابت اور رشتہ داری اور آپ کا اپنے خاندان کے گنہگاروں کے لیے شفاعت فرمانا یہ ایک حقیقت ہے اور ان کی نفی بھی نہیں ہے مگر یہ نفی اس وقت ضرور ہو گی کہ جب آپ کے رشتہ دار لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی معصیت اور نافرمانی کریں اور آپ سے قرابت جیسی نعمت کی ناشکری کریں اور ایسے ایسے اعمال کریں جن سے حضور علیہ السلام کو اس وقت مایوسی ہو جب وہ عمل آپ کے سامنے لائے جائیں گے میدان قیامت میں آپ کی قرابت والے لوگوں سے ایک شخص آپ کے سامنے لایا جائے گا جو آپ کو ملتجیانہ عرض کرے گا (یا محمد) صلے اللہ علیہ وسلم جس طرح کہ پہلی حدیث میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ وہ عرض کرے گا کہ اتنی آزمائش اور رسوائی کافی ہے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تک باقی آپ کے اہل قرابت بھی اس کے ساتھ مل کر اللہ اور رسول علیہ السلام سے التجائیں کرنے لگیں گے بالآخر اگرچہ انہیں معافی اور جنت کا داخلہ تو مل جائے گا مگر آپ کے قرابت لوگوں کو چاہیئے کہ وہ آیت تطہیر کو مدِ نظر رکھتے ہوئے حضور علیہ السلام کے مبارک طریقہ پہ چلیں اور اعتقاد و عمل عبادت و زہد و تقویٰ وغیرہ میں آپ کی سُنت پہ اللہ کے ارشاد اِنَّ اکرمکم الخ پر غور کرتے ہوئے عمل کریں اور حضور علیہ السلام کے اس قول کو پیشِ نظر رکھیں۔

قد سُئل اَیُّ الناس اکرمھم قال اکرمھم عند اللہ اتقاھم۔ ترجمہ: یعنی آپ سے سوال کیا گیا کہ لوگوں میں زیادہ قابل عزت کون تو حضور نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والا۔

علاوہ ازیں یہاں اور احادیث بھی مذکور ہیں۔

ہم حسب وعدہ یہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بات ذکر کرتے ہیں انہوں نے کہا جب محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان قوموں کا کیا حال ہوگا جو یہ گمان کرتے ہیں کہ بے شک میری قرابت نفع نہیں دے گی حالانکہ تمام رشتہ داریاں اور ناطے ٹوٹ جائیں مگر میری قرابت اور رشتہ داری اور صلہ رحمی بدستور قائم رہے گی اس دنیا میں بھی اور عالم آخرت میں بھی، پھر حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں ام کلثوم حضرت فاطمۃ الزہرا کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا تھا کیونکہ میں نے حضور کا یہ ارشاد سُن کر بہتر سمجھا کہ حضور علیہ السلام اور میرے درمیان قریبی رشتہ داری قائم ہو جائے جب میں نے ان کی منگنی کا پیغام حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو بھیجا تو انہوں نے حضرت ام کلثوم کے بچپن اور ان کا حضرت جعفر طیار کے بیٹے سے منسوب کر دینے کا خیال ظاہر کیا کیونکہ جعفر طیار حضرت علی کے بھائی تھے۔

پھر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں بخدا میں نے اس رشتہ ازدواج کا ارادہ نہ کیا مگر یہ اشتیاق مجھے اس وقت ہوا جب آپؐ کا یہ ارشاد سُنا کہ قیامت کے دن تمام رشتے ناطے ٹوٹ جائیں گے مگر میری قرابت اور رشتہ داری بجائے خود قائم رہے گی، ایک اور روایت میں یوں ہے کہ بروز قیامت تمام رشتہ داریاں اور سُسرال کے تعلقات بھی ٹوٹ جائیں گے مگر میری رشتہ داری کبھی نہ ٹوٹے گی ایک روایت یوں بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ نے کہا خُدا کی قسم مجھے اصرار کے ساتھ جناب علیؓ سے رشتہ طلب کرنے پر فرمان مصطفےٰؐ نے ابھارا بے شک میں نے حضور علیہ السلام سے سُنا ہے آپ نے فرمایا محشر کے روز تمام گوڑھی رشتہ داریاں کٹ جائیں گی مگر میری قرابت اور سُسرال کے تعلقات باقی رہیں گے اور یہ دونوں رشتے قیامت کے دن میرے رشتہ داروں کی شفاعت فرمائیں گے، ہماری گفتگو طول پکڑ گئی جہاں تک ہم اصل مقصد نکالنا چاہتے تھے یا قریب تھا اصل مقصد سے ہٹ جاتے، مگر بہر حال دار و مدار مبنی بر فائدہ ہی تھا اور ہر عمل نیت پر مبنی ہوتا ہے میں نے جس قدر بھی سیدنا احمد بدوی کی شرح صلوٰۃ سے امام علامہ عارف باللہ سیدی عبدالرحمٰن العیدروس کے لیے نقل کیا جس کا ترجمہ مرادی نے سلک الدرر میں کیا ہے اس پر عارف کامل عالم عامل۔ عارف لوگوں صوفیاء اور اولیائے

بلند مقام میں سے ایک فرد لائق فائق علامہ صاحب تحقیق صاحب کشف و کرامات اہل ارادت لوگوں کے مربی سالکوں کے راہنما عارفوں کے قطب ابوالفضل وجیہہ الدین نے بھی گفتگو کی ہے۔

موصوف یمن میں ۱۱۳۵ھ میں پیدا ہوئے اور یہیں بڑے ہوکر کچھ پڑھا پھر مصر کو کوچ فرمایا اور مصر ہی کو اپنا وطن بنا لیا پھر مصر سے دمشق آئے اور قسطنطنیہ کا سفر کیا جب موصوف کا اعتماد بڑھا اور بخت بلند ہوا تو دوبارہ مصر کا رخ کیا ایک دن شکار کی غرض سے ساحل سمندر پر جا رہے تھے کہ انہیں والی مصر وزیر احمد پاشا جزار ملے جو آپ کی علمی سطوت سے بے حد متاثر ہوئے انہوں نے آپ کو خاطر خواہ عہدہ ولایت دے دیا آپ کی کئی تصانیف ہیں ان میں صلوٰۃ احمد بدوی کی شرح یعنی فتح الرحمان شرح صلوٰۃ ابی انقیان پھر ان کے کچھ اشعار بھی ذکر کئے بالآخر آپ اپنے وقت کی نادر روزگار ہستی تھے آپ کی وفات مصر میں ۱۱۹۲ھ میں ہوئی اور مصر میں ہی آپ کا مدفن ہے یہ کلام نہایت اختصار کے ساتھ اختتام کو پہنچی یہ جو کچھ میں نے اپنی اس کتاب میں ذکر کیا سید الاصیل عارف جلیل ولی کبیر امام نحریر کا اپنی نقل کے مقابلۃً ایک خاص تعارف کے طور ہے ویسے آپ کی ذات محتاج تعارف نہیں کیونکہ آپ عارفوں کے مشہور امام ہیں رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کے فیوض و برکات اور آپ کے اسلاف و اعقاب کی برکات سے متمتع فرمائے۔ اللہ رب العالمین ہی تعریف کے لائق ہے۔

امام علامہ شیخ سلیمان جمل شافعی صاحب حواشی جلالین اور منہج اور دلائل الخیرات المتوفی سنہ ۱۲۰۴ھ

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کے

فرموداتِ گرامی

حضور علیہ السلام کے اسمائے گرامی

آپ کے فرمودہ جواہر میں سے ہے جو آپ نے شرح دلائل الخیرات کی ابتدا میں اسمائے النبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہوئے کلام فرمایا ہے اور میں اس کلام کو یہاں اس لیے نقل کرنا چاہتا ہوں کہ اس میں بے شمار روحانی فوائد ہیں اسی لیے شیخ نے فرمایا کہ ہمارے سردار اور آقا و مولیٰ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے اسما دو سو ایک ہیں، جاننا چاہیے اللہ جل وعلا نے اپنے محبوب حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید اور اس کے علاوہ باقی آسمانی کتابوں میں اور انبیا علیہم السلام کی زبانوں پر اور احادیث مصطفویہ میں بہت سے اسما یعنی ناموں سے ذکر کیا ہے اور آپ کے اسما آپ کی اُمت میں مشہور ہیں اور پھر انہیں تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہے کثرت اسما مسمّٰی کے شرف کی زیادتی پر دلیل ہوتی ہے خصوصاً آپ کے اسما جن میں مدحیہ اوصاف ہیں اور ممدوح کی ذات کے بالکل مطابق ہیں۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارکہ کی تعداد جماعت علما نے اختلاف کیا ہے بعض نے بہت زیادہ تعداد بیان کی ہے اور بعض نے بہت کم اور ہر ایک نے اپنے اجتہاد اور وسعت علمی کے مطابق ذکر کیا، اور اگر کسی نے کم اسما بیان کئے ہیں تو شاید انہوں نے آپ کے وصفی اسما شمار نہ کئے ہوں بعض صوفیا نے کہا کہ اسمائے الٰہی بھی ایک ہزار ہیں اور اسما حضور علیہ السلام بھی ایک ہزار ہیں۔ ابن فارس نے کہا ہے۔ انہوں نے جس سے بھی حکایت کی ہو کہ حضور علیہ السلام کے اسما گرامی دو ہزار بیس ہیں کچھ ان میں سے آپ کی ذات بابرکات سے مختص ہیں اور کچھ آپ کے طبعی غلبہ کی بنا پر ہیں اور کچھ اسما آپ کی ذات اور دوسرے لوگوں میں مشترک ہیں اور یہ سب کچھ مشاہدہ میں واضح ہو جاتا ہے یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں امیوطی نے کہا ہے ان میں سے بہت سے اسما لفظ اسم سے وارد نہیں ہوئے بلکہ مصدر یا فعل سے آئے ہیں۔

امام محمد غزالی ایک متفقہ صورت کا تقرر المقنع یوں فرماتے ہیں کہ ہمارے لیے یہ جائز نہیں کہ ہم حضور علیہ السلام کو ان اسما سے موسوم کریں جن سے آپ کو آپ کے باپ نے بھی موسوم نہ کیا ہو اور نہ ہی خود آپ نے وہ نام اپنے لیے مقرر کیا ہو، نہ ہی ذات حق جل شانہٗ نے اپنی کتابوں

میں اس اسم سے موسوم کیا ہو، مصدری اور فعل اسم جس کا تقرر آپ کے لیے کیا جائے وارد ہی نہیں ہے نیز ہم اس کے مجاز بھی نہیں ہیں کہ آپ کے لیے علم گھڑلیں اگر وہ علم وصف کمال پر ہی دلالت کیوں نہ کر رہا ہو اور درحقیقت اس کا ورد آپ کی خصوصیات میں سے نہ ہو یہ بھی وارد نہیں ہے کہ آپ کے اسم گرامی کا تقرر بطور اشتقاق یا اضافت کیا جائے، مولف یعنی جزولی صاحب رضی اللہ عنہ دلائل الخیرات نے وہ پسند کیا ہے جسے شیخ ابو عمران زماتی نے جمع کیا اور انہیں کی ترتیب لفظی کا اتباع کیا اور کہا کہ وہ یہ ہے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) یہ وہ نام ہے جس سے آپ کو آپ کے جد امجد حضرت عبدالمطلب نے موسوم کیا حضرت عبدالمطلب نے حضور کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم رکھا تو ان سے کہا گیا کہ یہ نام آپ نے کیوں رکھا ہے آپ کے آبا ؤاجداد میں یہ نام کسی کا نہ تھا، جواب میں حضرت عبدالمطلب نے کہا مجھے قوی اُمید ہے کہ آسمانوں اور زمینوں والے اس کی تعریف کیا کریں گے جناب ابو طالب آپ کے صلی اللہ علیہ وسلم والد گرامی کے حوالہ سے ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے آپ کا نام نامی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اس لیے رکھا کہ انہوں نے خواب میں چاندی کا زنجیر دیکھا جو ان کی پشت سے برآمد ہو رہا ہے اس کی ایک جانب آسمان میں تو دوسری جانب زمین میں ایک طرف مشرق میں تو دوسری طرف مغرب میں پھر اس زنجیر نے ایک درخت کی صورت اختیار کر لی جس کے ہر پتا پر نور تھا اور مشرق و مغرب کے تمام اہل دُنیا اس درخت کی شاخوں سے لٹک رہے ہیں جس کی تعبیر ایک ہونہار صاحبزادے جو حضرت عبداللہ کی پُشت سے برآمد ہوا یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس سے مشرق و مغرب والے متعلق ہوں گے اور زمین و آسمان والے اس کی تعریف کریں گے، جنابہ آمنہ سلام اللہ علیہا نے ہاتف غیب سے سُنا جو انہیں کہہ رہا تھا کہ اے آمنہ آپ اس اُمت کے سردار کو شکم میں رکھتی ہیں ان کے پیدا ہوئے پر ان کا نام مُبارک (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) رکھ دیجئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اسم گرامی اللہ تعالیٰ نے جب سے رکھا تھا کہ جناب آدم علیہ السلام ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے بلکہ تمام مخلوق کی پیدائش سے بھی دو لاکھ سال قبل آپ کا یہ نام اللہ نے مقرر کر رکھا تھا اور آپ سے پہلے کسی کا یہ نام نہ رکھا گیا تھا مگر آپ کی آمد کے زمانہ قریب میں اہل کتاب کی بشارت کے لیے ایک قوم نے اولادوں کے نام محمد رکھے جن کی مجموعی تعداد پندرہ تھی۔

یہ بھی انہوں نے باامید نبوت کیا کہ شاید ہمیں میں سے ہی کوئی نبی بن جائے، حالانکہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کہاں بنا دے گا اسی طرح (احمد) کے نام سے بھی آپ سے پہلے کوئی موسوم نہیں ہوا مسلم، مسند احمد، ترمذی، نوادرالاصول میں یہی روایت بیان کی گئی ہے۔

یہ اسم (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اتنی عظمت رکھتا ہے کہ کلمۂ توحید کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا۔ کیونکہ آپ ہی مقام محبوبیت کے لیے بالآخر سب سے زیادہ مناسب ہیں بعض نے کہا ہے کہ یہ اسم مبارک جہانوں میں آپ کے تمام اسما سے زیادہ مشہور اور تمام اہل اسلام کے نزدیک سننے میں زیادہ لذیذ ہے اور خود حضور کو بھی یہ اسم مبارک زیادہ محبوب و مرغوب تھا (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) یہ اسم گرامی آنحضرت کی ذات بابرکات کے لیے اسم علم ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اور یہ اسم صفت سے نقل کیا ہوا کیونکہ اس کی اصل اسم مفعول ہے حمد، مضعف سے پھر نقل کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم بنا دیا گیا معنوی طور اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبالغہ کے صیغوں میں سے ہے کیونکہ جب ثلاثی مجرد مضاعف یعنی مشدد ہوا اور یہاں میم مشدد ہے تو وہاں معنی مبالغہ مراد ہوتا ہے (محمد) دراصل مخفف محمود ہے اور مبنی للمفعول ہے پھر اس کی میم مشدد کر دی گئی اس تشدید کی وجہ سے اس کا فعل حمد بنا اور اس سے اسم مفعول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) بناتکرار حمد کی بنا پر اس اسم میں معنی مبالغہ پایا جاتا ہے۔ لغت عربی میں محمد اسے کہا جاتا ہے جس کی تعریف پر تعریف کی جاتی رہے اور یہ اسم (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) مُضَرَّب اور ممدح کی طرح نہیں ہے مگر یہ کہ ان معنی میں تکرار پایا جائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات بر لحاظ محمود ہے حقیقتاً، اوصافاً باعتبار خلق وخُلق بلحاظ اعمال و احوال وعلوم و احکام، آپ صلے اللہ علیہ وسلم زمین و آسمان اور دنیا و آخرت میں بھی محمود ہیں دنیا میں خلق خدا کو ہدایت حق پہنچانے اور علم وحکمت عطا کرنے کی وجہ سے محمود ہیں جب کہ آخرت میں شفاعت کی بنا پر محمود ہوں گے لفظ محمد متقاضی ہے کہ اس میں تکرار حمد ہے اور اس اسم شریف میں صورتاً اور کئی دوسی لطیف اشارات پائے جاتے ہیں یعنی لفظ محمد کی صورت کے اعتبار سے اور ان حروف کے مادہ کے لحاظ سے جو لفظ محمد میں مستعمل ہیں حروف

کے اعتبار سے اسم محمدؐ میں جو اشارات ملتے ہیں وہ یہ ہیں پہلی میم سے ملکوت اعلیٰ ورحا سے حیات وحفظ دوسری (میم) سے ملکوت باطن تیسری میم مشدد سے ملک ظاہر اور (دال) سے دوام واتصال انقطاع انفصال کے وہم کا مٹ جانا، لفظ محمدؐ صدری اعتبار سے صورت انسان پر ہے پہلی میم سے انسان کا سر ہے اور (حا) اس کے دونوں بازو ہیں اور دوسری میم اس کا پیٹ بنا اور دال سے حضرت انسان کے پاؤں ہیں، آپؐ کا نام نامی (احمد صلی اللہ علیہ وسلم) آسمان اور آسمانی کتاب انجیل میں مشہور ہے یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے اس لیے کہ اس اسم میں معنی تفضیل متحقق ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ اپنے رب جلیل کی حمد وثنا کرنے والے ہیں اور حمد وثناء کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔

یہ اسم وصف حامدیت کے لحاظ سے صیغہ مبالغہ ہے جس طرح وصف محمودیت کے اعتبار سے اسم محمدؐ بھی صیغہ مبالغہ ہے، حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم حمد وثنا کرنے میں اجل اور تمام لوگوں بالخصوص حمد کرنے والوں میں سے سب سے زیادہ حمد وثنائے رب جلیل کرنے والے ہیں پھر آپ محمدؐ نہیں یعنی (را) کی کسرہ سے اس لیے کہ اس میں کثرت حمد کا تصور نہیں ہے بلکہ آپ احمد ہیں۔ آپ نے تمام حامدین سے بڑھ کر اپنے رب کی حمد کی اور آپ نے خدا کی اس وقت حمد کی جب کہ لوگوں میں ابھی تک رب جلیل کی کوئی شخص بھی حمد نہ کر پایا تھا پھر اسی اسم کا مسمیٰ خارج میں وجودی طور پر ظاہر ہوا اور آپؐ کا ابتدائی نام بھی احمد ہی تھا۔ بعد میں آپ کا اسم گرامی محمدؐ ہوا، آپ کا یہ اسم مبارک قرآن مجید میں مذکور ہے (حامد صلی اللہ علیہ وسلم) یہ اسم مقدس بھی احمد کے ہم معنی ہے مگر احمد نسبتاً حامد سے حمد میں زیادہ بلیغ ہے کیونکہ حامد کا حمد کرنے والا ہے اور احمد کا معنی سب سے زیادہ حمد کرنے والا ہے۔

(محمود صلی اللہ علیہ وسلم) اس اسم کا معنوی رجوع اسم محمدؐ کی طرف ہے کیونکہ یہ دونوں اسما حمد سے اسم مفعول ہیں لیکن محمدؐ محمود سے معنیٰ حمد میں زیادہ بلیغ ہے محمدؐ سے حمد کثرت سے وقوع پذیر ہوتی ہے بخلاف محمود کے کہ اس سے حمد کثرت پر دلالت نہیں کرتی، سرکار دوعالم کا یہ اسم گرامی داؤد علیہ السلام کی کتاب میں ذکر کیا گیا ہے یہ وہ اسم گرامی ہے جس سے اللہ جلّ وعلا نے اپنی ذات کو متصف کیا ہے کیونکہ اسما باری تعالیٰ سے ایک اسم (حمید) جو معناً محمود ہے اس لیے کہ وہ اپنی ذات

کی خود بھی تعریف کرتا ہے اور اس کے بندے بھی اس کی تعریف کرتے ہیں اور یہ حمید کا اسم اللہ تعالیٰ کے لیے حامد نفسہ کے معنی میں بھی ہوگا جب کہ بندہ حمید مجازاً حمید ہے، اعمال صالحہ کو سے،

(احید صلی اللہ علیہ وسلم) یہ اسم تورایت میں مذکور ہے اس کتاب کے نسخہ میں بھی یہ اسم مشہور ہے۔ جس کا تلفظ یوں ہے ہمزہ کی فتح، ح کی سکون ی اور دال کی فتح، (اَحْیَدَ اَفْضَل کے وزن پر۔ اس اسم کے عربی اور غیر عربی کے اقوال موجود ہیں بہر صورت یہ اسم نحوی لحاظ سے غیر منصرف ہے عربی ہونے کی صورت میں یہ اسم علمیت اور عجمہ ہونے کی بنا پر غیر منصرف ہے غیر عربی ہونے کی صورت میں علمیت اور وزن فعل ہونے کی وجہ سے منع صرف ہے اسی کتاب کے بعض نسخوں میں اس کا تلفظ اس طرح بھی آیا ہے ہمزہ کی فتح اور ح کا کسرہ اور ی کی سکون ابیح کے وزن پر اس صورت پر بھی یہ اسم غیر منصرف ہوگا علمیت اور وزن فعل کی وجہ سے اس کتاب کے تمام نسخوں کا ما حاصل یہی ہے اور بعض نسخوں میں احید تنوین کے ساتھ بھی مذکور اور شفا شریف میں اس کا تلفظ اس طرح ہے، ہمزہ کا ضمہ ح کا کسرہ ی کی سکون اُحِیْدُ بر وزن اُرِیْدُ اس صورت میں بھی یہ اسم غیر منصرف ہے علمیت اور وزن فعل کی بنا پر نیز کہا گیا ہے یہ اسم ہمزہ کے ضمہ ح کا سکون ایک صورت میں ی کا فتحہ اور دوسری صورت میں کسرہ پہلی صورت مضارع مبنی للمفعول کے وزن پر ہوگا جیسے اُکْرَمُ اور دوسری صورت میں مضارع مبنی للفاعل کے وزن پر ہوگا مثلاً اُکْرِمُ ان دونوں صورتوں میں بھی یہ اسم غیر منصرف ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اسم ہمزہ کے ضمہ اور ح کی فتحہ اور ی کی سکون عُمَیْدُ کے وزن پر عجز کی تصغیر ہے اس صورت میں چونکہ منع صرف کے دو سبب نہیں پائے گئے صرف علمیت کی بنا پر یہ اسم منصرف ہوگا۔ ماوردی نے اس کا تلفظ اس طرح بیان کیا ہے کہ ہمزہ ممدودہ مفتوحہ ہے ح کا کسرہ ی کی سکون آحِیْد بروزن قابیل اندریں صورت بھی یہ اسم منصرف ہوگا، اس اسم میں سات وجوہ ہیں جن میں سے دو تو اسی نسخہ میں موجود ہیں جب کہ پانچ دوسری کتابوں میں ہیں پانچ صورتوں میں یہ اسم غیر منصرف ہے اور دو آخری صورتوں میں منصرف ہے۔

احید کے اسم سے متعلق ایک حدیث

رَوَی ابنُ عَدِی فِی الکامِلِ ترجمہ: ابن عدی نے کامل میں اور ابن عساکر

و ابن عساکر فی تاریخ دمشق	نے تاریخ دمشق میں روایت کیا ہے حضرت
عن ابن عباس رضی اللہ عنہما	ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ
انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اسمی	بے شک حضور علیہ السلام نے فرمایا قرآن میں
فی القرآن محمد و فی الانجیل	میرا نام محمد ہے انجیل میں احمد، تورات میں
احمد و فی التوراۃ احیدٌ لانی	احید اس لیے کہ میں اپنی اُمت آتش دوزخ
احیدُ عن اُمتی نار جہنم۔	سے دور رکھوں گا۔

اس حدیث کی ایک روایت میں احیدٌ تنوین کے ساتھ بھی آیا ہے شاید کہ یہ بعض ان عربیوں کی لغت پر ہو جو مطلقاً غیر منصرف کو منصرف بنا لیتے ہوں۔ اس لغت کو امام قسطلانی نے شرح بخاری میں نقل کیا ہے۔ (وحیدٌ صلے اللہ علیہ وسلم) عربی محاورہ میں کہا جاتا ہے فلانٌ وحیدٌ یعنی وہ یکتائے روزگار ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مقام اور حال بلندی درجات اسرار و انوار اخلاق و عادات شمائل و فضائل حسن و احسان معراج اور لامکانی بلندیوں پر پہنچے جہاں آپ کے سوا کسی کو رسائی نہ ہوئی میں ممتاز و منفرد ہیں اسی طرح اپنی شریعت اور عقل، مراتب اور تمام مخلوق کے تعلق میں لاثانی ہیں آپ اول مخلوق ہیں اس بنا پر آپ یگانہ اور لاثانی ہوئے آپ تخلیق مخلوق سے پہلے کے بے مثال و بے نظیر ہیں اللہ بہتر جانتا ہے۔

(ماحی صلی اللہ علیہ وسلم) حضور علیہ السلام کا یہ اسم گرامی سمندروں میں مشہور ہے سمندر کے ساتھ مناسبت بالکل ظاہر کہ جس طرح سمندر سے ظاہری اور حسی میل کچیل دور ہوتی اسی طرح آپ صلے اللہ علیہ وسلم سے باطنی اور معنوی کدورتیں اور غلاظتیں کافور ہو جاتی ہیں، سرکار دو عالم نے خود بھی اس اسم کی تفسیر فرمائی ہے کہ آپ کا یہ اسم ایسا ہے کہ اس کے ساتھ اللہ جل و علا نے کفر مٹایا ہے نیز یہ بھی تفسیر فرمائی ہے کہ جو آپ کے ساتھ ایمان لائے اور پوری پوری اتباع کرنے لگے اس کے آپ کی وجہ سے جملہ گناہ ختم ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ حالت کفر کے گناہ بھی زائل ہو جاتے ہیں کسی پیغمبر سے اس قدر کفر نہ مٹا جتنا حضور کی ذات سے مٹا، جب آپ نبی بن کر مبعوث ہوئے تو اہل زمین سب کے سب کافر تھے کوئی بتوں کا پرستار کوئی یہودی کوئی نصرانی کوئی ستارہ پرست، کوئی آتش پرست مجوسی اور کوئی دھریہ تھا جو اپنے رب کو اصلاً نہ جانتا تھا

اور نہ ہی اسے آخرت کی کچھ خبر تھی اور کچھ فلاسفہ تھے جو انبیا کی شریعتوں سے بالکل نابلد تھے اگر کچھ جانتے تھے تو وہ شرائع انبیاءؑ کے منکر تھے یہ تمام بدعقیدگی حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے مٹ گئی یہاں تک کہ آپ کا دین تمام ادیان پر غالب آگیا آپ کا دین شرق و غرب میں شب و روز مسلسل اور باقاعدہ پہنچا آغاز نبوت ہی سے حضور علیہ السلام نے کفر مٹانے کی ابتدا کی اور تا دم زیست کفر مٹانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی پھر جب اپنے مولیٰ کی ملاقات کا شرف بڑھا تو آپ عزت کے گھر میں منتقل ہوئے اور آپ کا نُور آپ کی امت میں باقی رہا اور یہ نُور آپ کے خلفا اور تابعین کے ذریعہ سے زمین میں ہمیشہ کفر مٹاتا رہے گا یہاں تک کہ عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ہو گا اللہ تعالیٰ ان دونوں ہستیوں سے حضورؐ کے نُور اور آپ کی شریعت کے ذریعہ کُفر مٹائے گا اور دین ابلیس کی بیخ کنی فرمائے گا اور اس کے چیلوں چانٹوں کو زمین سے چُن چُن کر ختم کر دے گا جو زمین میں گہرا اثر رکھتے ہوں گے پھر ان دونوں کے بعد کفر سر اٹھائے گا یہاں تک کہ روئے زمین پر کوئی شخص لا الہ الا اللہ کہنے والا باقی نہ رہے اس کی وجہ یہ ہو گی کہ حضور علیہ السلام کے اسم مُبارک ماحی صلی اللہ علیہ وسلم کا نُور زمین سے اٹھا لے گا اور عرش بریں کے نیچے سے ایک ہوا بھیجے گا جو دنیا سے اولیا اللہ کو اٹھا لے گی یہ سب کچھ قیامت قائم کرنے کے لیے ہو گا، پھر اللہ تعالیٰ حضور کے اسم گرامی ماحی صلی اللہ علیہ وسلم کے نُور کو آخرت کی طرف متوجہ فرمائے گا، اس طرح آپ کا نُور آخرت سے اہل کفر کا صفایا کر دے گا اور دار آخرت کی سعادت میں اہل ایمان کے سوا اور کوئی باقی نہ رہے گا اور دار آخرت اللہ نے اہل ایمان کے لیے حضور کے احترام کی وجہ سے مقرر کر رکھی ہے۔

(حاشرؐ صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا یہ اسم گرامی آپ کے عظیم فضل پر اور آپ کے اس پرتاثیر کرم ذاتی پر دلالت کرتا ہے جس میں کمی کا تصور نہیں کیا جا سکتا، حاشر حشر سے ہے معنی جمع یا اجتماع ہے آپ کا یہ اسم گرامی عظیم قوم کے اجتماع یا امر عظیم کے لیے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں وہ حاشر ہوں جس کے قدموں میں لوگ جمع ہوں گے یعنی میرے بعد میرے نقش قدم پر چلتے ہوئے کیونکہ قدم متقدم ہی ہوتا ہے۔ اسم حاشر پر الف لام معرفہ کا ہے یعنی جس عظیم دن میں کسی کو کچھ جرأت باقی نہ رہے گی کہ وہ اپنی طرف کسی کو اکٹھا کرے کیونکہ ہر ایک

نفسی نفسی میں مبتلا ہوگا مگر ہمارے آقا و مولیٰ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فضل و کرم سے لوگوں کو اپنی طرف جمع فرمائیں گے اور وہاں آپ کا منصب بھی یہی ہوگا مجمع حشر میں لوگ حضور کے سوا کسی کے اردگرد جمع ہونے کی گنجائش نہ پائیں گے اور لوگ چاروں طرف سے اور ہر ایک جگہ حضور کے مقام کی طرف دھکم پیل کرتے آئیں گے جب کہ حضور اپنے مولیٰ سے مشغول ہوں گے راز و نیاز سے مناجات کرتے ہوں گے۔ اور ان کا مولیٰ انہیں جود و کرم کی لاتعداد پوشاکیں پہنا رہا ہوگا لوگ ہر جگہ سے حضور علیہ السلام کے پاس جمع ہو کر آپ کی شان و شوکت کا سایۂ عاطفت لے رہے ہوں گے اور شدتِ حشر سے آپ کی جناب میں پناہ حاصل کر رہے ہوں گے ہمارے آقا و مولیٰ اس عظیم مقام کے بادشاہ ہوں گے تمام مخلوق آپ کی طرف پناہ لینے بڑھ رہی ہوگی یہاں تک کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہاتھ میں لواء الحمد لیے جس کے نیچے جناب آدم علیہ السلام اور کچھ اور لوگ ہوں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ الحاشر اس ذات کا نام ہے جس کے اردگرد ذاتِ حق جلّ شانہٗ لوگ جمع کرے گی اس اسم کا اسناد مجازی ہے کیونکہ آپ کی ذات لوگوں کے حشر کا سبب ہوگی کیونکہ آپ کی ذات سے نفخِ ثانیہ کے وقت سب سے پہلے زمین پھٹنے کی ابتدا ہوگی، آپ اپنی قبرِ انور سے اس شان سے برآمد ہوں گے کہ ستر ہزار فرشتے اپنے جھرمٹ میں حضور کو میدانِ محشر کی طرف لائیں گے اور آپ ایک نورانی براق پر سوار ہوں گے آپ کے بعد اپنی اپنی قبروں سے انبیاء علیہم السلام نکلیں گے پھر آپ کے اہلِ بیت اور آپ کی باقی اُمت پھر آپ کی اُمتیں اپنی اپنی قبروں سے نکلیں گی، حضور علیہ السلام سب سے پہلے میدانِ محشر میں داخل ہوں گے پھر دیکھتے ہی دیکھتے میدانِ محشر کھچا کھچ بھر جائے گا لوگ بڑی بے قراری سے آپ کی طرف دوڑیں گے اور ہر طرف سے آپ کے نشانِ قدم تلاش کرتے ہوئے آپ کے قریب آ کر رک جائیں گے اس دن آپ کی فضیلت تمام مخلوق پر عیاں ہوگی یہاں تک کہ تمام انبیاء بھی آپ کی فضیلت کے معترف ہوں گے۔

(عَاقِبْ صلے اللہ علیہ وسلم) حضور علیہ السلام کا یہ اسم مُبارک حرارت قائم رکھنے والا اسم ہے اس کا معنی انبیاء کے بعد آنے والے کا ہے اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا اس لیے کہ عاقب سب سے بعد میں آنے والا ہوتا ہے یعنی آپ دیگر انبیاء سے بعد میں تشریف لائے، اسی عقب سے معنی اولاد۔ حضور کا وصفی اسم آپ کی اجل صفات میں سے ہے اور آپ کی بڑی شان کی بزرگی

پر دلالت کرتا ہے یہ اس لیے اللہ جل شانہٗ نے دنیا میں مخلوق پیدا کی پھر ان کی طرف رسول بھیجے جو انہیں آخرت اور امور دین و دنیا کی دعوت دیتے رہے اسی مطابقت سے پھر سب نبیوں کے بعد امتوں کی طرف ہمارے آقا و مولیٰ تشریف لائے آپ کی دعوت سخت گیر تھی جس وقت آپ کی نبوت مضبوط سے مضبوط ہوتی چلی گئی، جس طرح ہم عرف عام میں کہتے ہیں (عَقِبَتِ الشَّیُٔی) یعنی وہ چیز سخت ہو گئی یا انتہا کو پہنچی گویا آپ کی بعثت سب سے آخر میں ہوئی جس پر ہر خیر اور بھلائی کی انتہا ہو گئی اور انبیا کا نبی بن کر آنا بند ہو گیا، کیونکہ نبی جس مقصد کے لیے بھیجے جاتے رہے وہ مقصد آپ کی وجہ سے نقطۂ عروج پر پہنچ گیا لہٰذا آپ کے بعد کسی نبی کے آنے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی آپ کا درجہ ہر ایک درجہ سے بلند ہے۔

(طٰہٰ صلی اللہ علیہ وسلم) اس کا معنی ظاہر ہے یا طَیِّبُ ھَادٍ ہے، طیب سے ط اور ہادٍ سے ہ پھر دونوں حرفوں کو اسم بنا دیا دو معنوں کا اشارہ کرنے کے لیے ایک طہارت اور دوسرا ہدایت اس صورت میں یہ اسم الف مقصورہ پر حرکات کے ساتھ معرب ہے۔

(یٰسین صلی اللہ علیہ وسلم) اس کا معنی لغت بنی طے میں ایک قول کے مطابق لغت حبشہ میں اور ایک دوسرے قول کے مطابق لغت سریانیہ میں انسان ہے اس کا معنی یا محمد بھی ہے اور یا سید البشر کا قول بھی مذکور ہے لیکن یہ دونوں آخری قول اسم یٰسین کے لیے وہ یٰسین جو قرآن مجید میں مذکور ہے نہایت موزوں اور مناسب کیونکہ ان کے ساتھ بلا تکلف ندا ہو جاتی ہے اور اسم میں ندا مقدر بھی ہے اگرچہ اس مقام پر صرف حضور علیہ السلام کے اسمائے مقدسہ ترکیب مع عوامل سے خالی ذکر کرنا مقصود ہے اس جگہ زیادہ بہتر یہی ہے کہ یٰسین کا معنی سید البشر بغیر حرف ندا مقدر کر لیا جائے اس میں حضور کی عظمت و جلالت واضح ہوتی ہے دراصل یہ اسم بھی علیت اور عجمہ ہونے کی بنا پر غیر منصرف ہے اس لیے کہ یٰسین کا معنی سبط ہارون ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہیں اور آپ کی بعثت کا زمانہ جناب ہارون سے بعد ہے یہ ذکر شرح مواہب میں ہے تو یٰسین اسمائے اسماء میں سے ہوا اور اسمائے انبیاء سب کے سب غیر منصرف ہیں مگر کچھ اسماء مستثنیٰ ہیں اور اسم ان مستثنیٰ میں سے نہیں ہے۔

(طَاھِر صلی اللہ علیہ وسلم) یہ اسم فی نفسہٖ ظاہری اور باطنی طور پاک کرنے والا ہے طہارت کا معنی ستھرا پن صاف ہونا، پاکیزہ ہونا۔ اور ہر عیب سے خالص ہونا، جہاں تک طہارت ظاہری کا تعلق

ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے ہر شے پاک ہے جس نطفہ سے آپ کا جثۂ انور بنا اس کی طہارت پر علماءٔ نے نص کی ہے اور نظیفیت سے علیحدہ شمار کیا ہے نیز اس بات پر بھی نص کی ہے کہ آپ کا ظاہری جسم شریف بعداز وفات بھی طاہر اور پاکیزہ ہے جب کہ باقی آدمیوں کے جسم کا بعداز وفات یہ حکم نہیں، اس پر بھی نص کی ہے کہ آپ کے تمام فضلات بھی پاکیزہ ہیں، یہ نص ان علماءٔ نے حضور علیہ السلام کی اس تقریر سے کی ہے جو آپ نے مالک بن سنان اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو آپ کے سنگی سے نکلنے والے خون کو پی جانے اور اُمِ ایمن اور اُمِ یوسف کو آپ کا پیشاب مبارک پی جانے پر کی تھی، آپ کی طہارت باطنی یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بُری عادت سے پاک کیا اور دور رکھا اور اچھی عادت سے عزت بخشی اور اچھی عادات پر آپ کی تعریف کی آپ کے جملہ اعتقادات اقوال وافعال اور تمام احوال کو ہر غیر مرغوب اور ناپسندیدہ صورت سے بچا لیا۔

(مُطَهَّرٌ صلے اللہ علیہ وسلم) معتبر نسخوں میں یہ اسم ھٰ کی فتح کے ساتھ اسم مفعول ہے یہ اسم بھی اسم طاہر کے معنی میں ہے مگر طاہر میں حضور علیہ السلام کی طہارت فی نفسہٖ مراد ہے طاہر میں یہ اطلاع موجود ہے کہ اس میں فعل فاعل سے قطع نظر ہے اور مطہر میں وہ ذات مقصود ہوتی ہے جس نے اسے طہارت بخشی نیز یہ بھی ملحوظ خاطر ہوتا ہے کہ یہ طہارت فعل فاعل سے ہے حضور کو اللہ نے اس اسم سے خاص کر کے آپ کے ساتھ اظہار عنایت فرمایا ہے یہ فاعل حقول کو کچھ موقعہ نہیں دیتا کیونکہ اس نے اپنے کلام میں اس طہارت کی طرف یوں اشارہ کیا ہے،، وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا،، تو ان اہل بیت کی طہارت بھی طہارت مصطفیٰ پر موقوف ہے، اور بعض نسخوں میں اس کا تلفظ (ھا) کی کسرہ سے یعنی مُطَهِّرٌ اسم فاعل ہے معنی ہوگا غیر کو کفر وجہالت خطا کاری وگمراہی اور اس پر کاربندی اور اس کا مواخذہ سے پاک کرنے والے ہیں اللہ بہتر جاننے والا ہے۔

(طِيْبٌ صلے اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظاہری اور باطنی طور خوشبودار ہونے سے متصف ہیں لاریب آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم۔ اطیب الطیبین ہیں اور آپ سے بڑھ کر قدرتی خوشبودار کوئی بھی نہیں ہے اور یہی اتنا کافی ہے کہ بے شک آپ کا پسینہ عنبریں اعلیٰ درجہ کی عمدہ خوشبو ہے جو شخص آپ کا پسینہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوا وہ اسے اپنے گھر کی خوشبو میں شامل کر لیتا اور جو بھی وہ خوشبو جس میں سرکار کے مبارک پسینہ کا آمیزہ ہوتا استعمال کرتا اور اس کی خوشبو مہینوں قائم رہتی

اہل مدینہ جان جاتے کہ فلاں شخص نے وہ خوشبو استعمال کی ہے جس میں آں حضرت کا پسینہ مشکبار ملا ہوا ہے۔ آپ جن راہوں سے گذر جاتے اور بعد میں کوئی اور گزرنے والا گزرتا تو جان جاتا کہ ان گزرگاہوں سے حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم کا گذر ہوا ہے کیونکہ وہ راہیں سرکار کے عطر بار پسینہ سے مہک رہی ہوتی تھیں اور اگر کوئی آپ سے مصافحہ کرتا تو دن بھر اس کی ہتھیلیوں سے خوشبو نہ جاتی۔ اور اگر بطور شفقت کسی بچہ کے سر پر ہاتھ رکھ دیتے تو وہ بچہ تمام بچوں میں ممتاز اور منفرد ہوتا اور بچے کہتے کہ آج حضور نے آپ کے سر پر ضرور ہاتھ رکھا ہو گا کیونکہ اس بچے کی مانگ اور سر کے بال مشکبار ہو جاتے اور جب کبھی حضور علیہ السلام رفع حاجت فرماتے تو زمین پھٹ کر اسے نگل لیتی اس طرح آپ کے فضلہ کی کسی کو خبر تک نہ ہوتی تاہم وہ جگہ خالص کستوری کی خوشبو سے مہک رہی ہوتی تھی، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے آپ کے فصد کا خون پیا تو ان کے منہ سے مرتے دم تک کستوری کی خوشبو ختم نہ ہوئی، حضور علیہ السلام میں دُنیا سے رحلت پر کوئی ایسی کراہت محسوس نہ کی گئی جو عام فوت شدہ لوگوں میں بعد از مرگ ظاہر ہوتی ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح ظاہری زندگی میں مُعطر تھے اسی طرح بعد از وفات بھی مُعطر ہیں اور اہلِ ایمان کی رُوحیں مہکاتے رہتے ہیں، عُمر بھر آپ کے کپڑے کبھی میلے نہ ہوئے تھے کیونکہ آپ میں نفاست کے علاوہ مادر کوئی شے دیکھی ہی نہیں گئی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر معطر کیا کہ آپ کی بدولت کائنات مُعطر ہو کر مہک رہی ہے اور دل غذا حاصل کر کے خوش ہو رہے ہیں اور رُوحیں سُونگھ کر بالیدگی پا رہی ہیں اور دل کی ناپاکی سے اس وقت سے محفوظ ہیں جب سے اللہ تعالیٰ نے اس کی سیاہی دھلا ڈالی اور شیطان آپ کو ورغلانے میں کسی طور کامیاب نہ ہو سکا، اور نہ ہی آپ کی بات میں کچھ غلط آمیزش تھی کیونکہ اللہ نے آپ کو اس سے صادق و مصدوق بنا کر سالم رکھا، اسی طرح آپ کے فعل میں بھی غیر اخلاقی کیفیت نہ پائی گئی کیونکہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فعل اطاعت الٰہی تھا۔ نتیجۃً حضور علیہ السلام سے کسی لحاظ سے بھی کوئی دوسرا بہتر نہیں ہو سکتا بلکہ آپ سب اچھوں سے اچھے، اور سب اُونچوں سے اُونچے ہیں۔

(سیّد صلے اللہ علیہ وسلم) سیّد وہ ہوتا ہے جو قوم کی صحیح قیادت اور پیش روی کرے اچھی عادات اور شرف و کمالات میں دوسروں کے لیے ایک نمونہ ہو، ایک قول یہ بھی ہے کہ

سید وہ ہے جو کامل و عظیم ہو اور پوری دُنیا اس کی محتاج ہو اور قوم کے رئیس کو بھی سیّد کہا جاتا ہے نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ سید اس آقا کو کہا جاتا ہے جس کی اطاعت واجب ہو اسی لیے (سیّد الغلام) کہا جاتا یعنی غلام کا آقا، اور (سید الثوب) نہیں کہا جاتا کیونکہ غلام میں اطاعت کی صلاحیت ہے جب کہ ثوب یعنی کپڑے میں صلاحیتِ اطاعت نہیں، متحمل مزاج اور بُردبار شخص پر بھی سید بولا جاتا ہے سخی اور خاوند پر بھی سید کا اطلاق ہوتا ہے۔ ارشادِ حق تعالیٰ ہے۔

وَاَلْفَیَا سَیِّدَھَا لَدَی الْبَاب۔ ترجمہ: یعنی جناب یُوسف علیہ السلام اور جنابہ زلیخا نے دروازے کے پاس زلیخا کا شوہر دیکھا۔

لفظ سید کے بارے یہ قول اہل لغت کا ہے، اہلِ تفسیر میں سے جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ سید وہ ہے جو اپنے رب کے ہاں معزز اور مشرف ہو۔

اور جناب قتادہ رضی اللہ عنہٗ نے کہا کہ سید، عبادت گذار، پرہیزگار، بُردبار ہوتا ہے۔

جناب عکرمہ رضی اللہ عنہٗ نے کہا سید وہ ہے جو اپنے غصہ سے مغلوب نہ ہو۔

جہاں تک سیادت مُصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے آپ کی سیادت نکھری ہوئی بالکل واضح اور ظاہر ہے بلا تقیید و تخصیص جس کی سیادت پر کامل بھروسہ کیا جاسکتا ہے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی وہ سرکار ہی کی ذات ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیادت طبعی اور نسبی و اخلاقی و ادبی اور دوسرا اوصاف حمیدہ قبل از نبوت ہی جانے پہچانے تھے جس شخص کی نظر سیرت و تاریخ پر ہے وہ آنحضورؐ کے جُملہ حالاتِ زندگی بچپن سے لے کر آخر عمر تک اچھی طرح جانتا ہے۔

رَسُوْلٌ نَبِیٌّ صلی اللہ علیہ وسلم) نبی اس انسان کو کہا جاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ فرشتہ یا کسی اور ذریعہ سے وحی کے ساتھ مخصوص کرلے، قرافی نے کہا کہ فقط اختصاصِ وحی ہی معیارِ نبوت نہیں جس طرح بہت سے لوگوں کا اعتقاد ہے کیونکہ وحی کے ساتھ تو جنابہ مریم بھی مخصوص تھی اور صحیح قول کے مطابق وہ نبیہ نہ تھیں اہلِ تحقیق کے نزدیک اللہ تعالیٰ حکم شرعی کے ساتھ کسی خاص مرد کو وحی کرے تاکہ وہ اس پر عمل کرے یہ معیارِ نبوت ہے تاہم نبی اور رسول کے درجہ میں اختلاف ہے کہ نبی کس حد تک رسول کے برابر ہے یا رسول نبی سے کس درجہ تک زیادہ ہے ایک قول کے مطابق

کہا گیا ہے کہ بے شک رُسول وہ نبی ہوتا ہے جسے وحی کے مطابق تبلیغ پر مامور کیا جاتا اور رُسول مطلق نبی سے خاص ہوتا کیونکہ وہ مامور بالتبلیغ ہونے کے اعتبار سے نبی کی نسبت زیادہ ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ رسالت وتبلیغ کے حکم سے رسول اور نبی دونوں عام ہیں فرق ایک دوسری شے سے ہے اور وہ یہ ہے کہ رُسول ایک نئی شریعت لاتا ہے یا اپنے سے پہلی شریعت منسوخ کرتا ہے یا اس کے یلے من جانب اللہ کوئی مخصوص کتاب ہوتی ہے اور نبی کسی دوسرے کی شریعت کا مؤکد ہوتا ہے جس طرح یوشع بن نون کہ انہیں جناب مُوسیٰ علیہ السلام کی شریعت کا مؤکد بنا کر بھیجا گیا اس بنا پر رُسول اور نبی کے درمیان فرق ظاہر ہے پہلی صورت رُسول اور نبی کے درمیان عام خاص مطلق[1] کی نسبت ہے جس طرح مذکور۔ دبالا الفاظ سے پتہ چلتا ہے۔ پھر نبی اور رُسول قرآن وحدیث میں جب مطلقاً مذکور ہوتا ہے تو اس سے مُراد ہمارے آقا و مولیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوتے ہیں کیونکہ آپ اوّلین و آخرین سب مخلوق کے یلے رُسول مطلق ہیں اور آپ کی رسالتِ عامہ، دعوتِ تامہ اور رحمت شاملہ ہے، آپ سے پہلے جتنے انبیاؑ و مرسلین آئے وہ سب آپ کے نائب تھے اور آپ رُسول علی الاطلاق ہیں اور آپ ہی کو بیک وقت نبی اور رُسول کے اختصاص کا تاج پہنایا گیا۔

(رسولُ رحمةٌ صلے اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق پر نزول رحمتِ الٰہی کا اصل سبب ہیں ارشاد حق تعالیٰ ہے:۔

---

[1] ہر دو کلیوں کے درمیان ضروری ہے چار نسبتوں میں سے کوئی نسبت پائی جائے یہ نسبتیں چار ہیں۔ تباین، تساوی، عموم[2] مطلق، عموم من وجہ۔ وجہ حصر یوں ہے دونوں کلیوں میں سے ایک دوسری کے افراد پر کسی کا صدق نہ ہو گا پہلی صورت میں تباین جس طرح انسان اور پتھر دوسری صورت میں دونوں کے درمیان ایک جانب سے ہی آنا بالکل نہ ہو گا یا ہو گا ان میں سے پہلی صورت عموم من وجہ جس طرح حیوان اور ابیض، اور دوسری صورت میں دونوں کلیوں کے درمیان ہر دونوں جانب سے سچا آنا ہو گا یا صرف ایک جانب سے صدق آتا ہے۔ پہلی صورت میں نسبت تساوی جس طرح انسان اور ناطق اور دوسری صورت میں عموم خصوص مطلق جس طرح حیوان اور انسان یا نبی اور رسول پر صدق آتا ہے پہلی صورت میں نسبت تساوی۔ (سید امیر محمد قادری مترجم)

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔ ترجمہ: اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر سب جہانوں کے لیے رحمت بنا کر ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے انا رحمۃٌ مھداۃٌ یعنی میں ہدایت والی رحمت ہوں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کی اُمت کے لیے رحمت اور سب جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا یہاں تک کہ کفار عذاب مؤخر ہونے کی صورت میں اور منافقین امن و امان کی صورت میں آپ کی رحمت سے بہرہ ور ہیں جس نے آپ کی اتباع کی اللہ تعالیٰ اس پر دنیا میں رحم کرتا ہے کہ اسے زمین میں دھنس جانے اور چہرہ بگڑ جانے جیسے عذاب سے نجات دے دیتا ہے نیز قتل اور ذلت کفر اور جزیہ سے نجات دے کہ اس کے دل کو ایمان قبول کرنے کے لیے نرم کر دیتا ہے اور آخرت میں عذاب دوزخ سے بچا لے گا ہمیشہ کے عذاب ابدی ذلت سے بھی محفوظ رکھے گا جلد حساب لینے سے بچائے گا اجر و ثواب دوگنا کر دے گا اور ملک کبیر اور خیر کثیر حاصل ہو گی یہ اسم حضور علیہ السلام کے اسمائے خاص میں سے ہے ۔

قَیِّمٌ صلے اللہ علیہ وسلم) قاف کی فتحہ یا کی کسرہ اور شد کے ساتھ بعض آسان نسخوں میں یہی آیا جب کہ بعض نسخوں میں قُثَمٌ ، قاف کی ضمہ اور ثا کی فتحہ کے ساتھ مذکور ہے اس کتاب کے علاوہ یہ دونوں اسما ایک ساتھ بھی ثابت ہیں یہ دونوں حضور علیہ السلام کے اسما میں سے ہیں پہلے کا معنی جامع کمالات مکارم اور اخلاق حسنہ کا مجسمہ اور اخلاق حسنہ میں درجہ کمال تک فائز یا لوگوں میں جتنی اوصاف حمیدہ ہوں وہ بدرجہ اتم اس میں موجود ہوں لوگوں کو ہدایت حق قبول کرنے کے لیے نرم کرنے میں ماہر ہو اور بکھرے ہوئے لوگوں کو یکجا کرنے کی صلاحیت تام رکھتا ہو یا اس کا معنی اپنے حال پر مستقل مزاجی سے قائم رہنے والا ہو یا اس کی ذات دنیا بھر کی بھلائی کا مجموعہ ہو یا سنت قائم کرنے والا یا مخلوق کے معاملات کی اصلاح کرنے والا اور پوری عالم دنیا کے جملہ امور کی تدبیر کرنے والا قیم الدار وہ شخص ہوتا ہے جو تمام گھر والوں کو آرام و آسائش بہم پہنچائے اور ان کی خبر گیری کے علاوہ اخلاقی تربیت پر توجہ رکھے ان کی فائدہ مند ضرورتوں کا خاص خیال رکھے اور ممکن حد تک ان سے نقصان دہ اشیا اور مشکلات کو دور رکھے غور کیا جائے تو ایسی صلاحیتوں کا مالک لوگوں کے دلوں پر حکمرانی کرتا نظر آتا ہے ۔

دوسرے کا معنی بھلائی کے خزانوں والا کثرت سے عطا کرنے والا، مصباح میں ہے قُثَم

لَهٗ مِنَ المَالِ کسی کو نفیس مال زیادہ مقدار میں عطا کرنے والا کہا جاتا ہے، قثم کا اسم فاعل عُمر کی طرح خلاف قیاس ہے کسی شخص کا نام بھی ہو سکتا قُثَمُ قَاثِمٌ سے عدل تقدیری ہے[1] اس لیے یہ علمیت اور عدل تقدیری کی بنا پر غیر منصرف ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھلی ہوا سے بھی زیادہ سخاوت کرنے میں فیاض ہیں خیرات و مناقب اور جملہ فضائل کے جامع ہیں یہ دونوں اسم متحد المعنی ہیں یا متقارب المعنی ہیں۔

(جَامِعٌ صلی اللہ علیہ وسلم) جب حضور علیہ السلام کے خصائل و کمالات دوسرے انبیاء و مرسلین اور اسی طرح اولیاء اور علما کے کمالات سے علیحدہ اور منفرد ہیں تو لامحالہ یہ سب ہستیاں آں حضور کی نائب ہوں گی اور ان میں سے ہر ایک آپ کے نور کی فیاضی سے بہرہ ور ہوئے اور ہر ایک نے اپنی بساط اور درجہ کے لحاظ سے حضور کے سمندر سخاوت سے مدد حاصل کی اور ہر خیر و برکت کم و بیش آپ ہی سے حاصل ہوتی ہے اور آفتاب رسالت کے طلوع ہی سے ہر خیر و برکت ظاہر ہوئی اور آپ ہی سے وجود و ہستی آشکارا ہوئی جس طرح ایک بیج تنا ور درخت بن جاتا اسی طرح کائنات وجود و ہستی بڑھنے پھیلنے لگی گویا آپ کا وجود کائنات کے لیے بیج کا درجہ رکھتا جو معبود حقیقی کے بہت زیادہ قریب رہا آپ رُوحوں کے بادشاہ ہیں آپ کی رُوح رُوحِ اعظم اور آپ خود آدم اکبر ہیں آپ جامع کلمہ والے عالم گیر رسالت والے اور ذات حق کے قرب میں مخلوق جمع کرنے والے تالیف قلوب کرنے کے بعد مخلوق کو اکٹھا کرنے والے اور منتشر لوگوں کو یکجا کرنے والے اس اسم کے معنی بھی پہلے دو اسموں کی طرح ہے جو اس سے پہلے ذکر کیے جا چکے ہیں۔

---

[1] مطلقاً عدل کی تعریف یُوں ہے کہ جو اسم اپنے مخرج سے نکل جائے عدل کہلاتا ہے جس کی دو قسمیں ہیں عدل تحقیقی اور عدل تقدیری۔ عدل تحقیقی یہ ہے کہ اسم اپنے صیغہ اصلی سے بالتحقیق نکل جائے مگر اس کے غیر منصرف ہونے پر کوئی دلیل ہو جس طرح ثلث و مثلث اس میں تکرار معنیٰ عدل تحقیق کے منع صرف کی دلیل ہے، جب کہ عدل تقدیری وہ ہے جو اپنے صیغہ اصلی سے فرض عارض اور تقدیر مقدر کے اعتبار سے نکلے اور اس کا غیر منصرف ہونا بھی بطور فرض ہو جس طرح عمر و زفر وغیرہ بظاہر ان میں علمیت کے سوا کچھ نہیں لیکن یہاں عدل فرض کر کے انہیں غیر منصرف کہا جائے گا۔ (مترجم)

(مُقتَفٍ صلے اللہ علیہ وسلم) قاف اور فا کے درمیان تا ہے بہت سے معتبر نسخوں میں آخر سے یا گری ہوئی ہے اور ایک نسخہ میں آخر میں یا واقع ہوئی ہے ہر دو نسخوں کے اعتبار سے یہ اسم فاعل ہے

(مُقَفِّی صلی اللہ علیہ وسلم) فا مکسورہ کی شد یا ساکن کے ساتھ یہ بھی اسم فاعل ہے پہلے والے اور اسم کا معنی ایک ہی ہے تابع لغیر کو مقفی کہا جاتا ہے مقفی قفی سے مشتق ہے فا کی تشدید سے یعنی جو اپنے غیر کا تابع ہو مقفی کہلائے گا، آپ سے پہلے انبیا ایک دوسرے کے بعد اپنی ہدایت اور طور طریقوں سے آتے رہے سب کے بعد ہمارے آقا و مولی خاتم النبیین بن کر تشریف لائے اسی بنا پر آپ کا اسم گرامی مقفی ہے اس اسم میں آپ کے سب سے آخر میں آنے کی اطلاع ملتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جملہ انبیاؑ و مرسلین کے حالات اور شریعتوں سے خبر دی آپ کو اللہ نے ہر ایک چیز سے پسند کیا اور ہر ایک شے سے زیادہ حسین بنا دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اُمت کے لیے سابقہ انبیاؑ کے قصوں میں کئی عبرتیں اور فوائد ہیں۔

(رسولُ الملاحم صلے اللہ علیہ وسلم) ملاحم ملحمہ کی جمع ہے معنی جنگ اور لڑائی یا ان کی جگہ یا سخت لڑائی یا بھاری مصیبت ملحمہ دو گروہوں کی لڑائی سے نکلا ہے جب دونوں گروہوں کے افراد کپڑے کے تانے بانے کی طرح باہم اُلجھ پڑیں، اور یہ لفظ کثرتِ لحم ہے کیونکہ میدان کارزار میں مقتولین کے گوشت کثرت اور بہتات ہوتی ہے اس سے حضور علیہ السلام کی بعثت کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کو قتال وسیف سے مامور کر کے بھیجا آپ پر قتال فرض کیا گیا اور اللہ نے آپ کے لیے مالِ غنیمت حلال کیا اور آپ کی جلالتِ شان کا رعب میلوں کی مسافت سے مقابل پر طاری کر کے آپ کی مدد کی جنگ وجہاد میں جس قدر آپ کو تائید حق نصیب ہوئی اور کسی پیغمبر کو نصیب نہ ہوئی اور جس قدر آپ نے اور آپ کی اُمت نے جہاد کیا کسی نبی اور نہ ہی اس کی اُمت نے ایسا جہاد کبھی بھی نہ کیا وہ جنگیں جو آپ کی اُمت اور کفار کے درمیان واقع ہوئیں پہلے اور نہ بعد ان کی مثال ملتی ہے اُمت مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم گردش زمانہ کے ساتھ ساتھ ہمیشہ جہاد کرتی رہے گی یہاں تک کہ آنکھ سے کانے دجال کے ساتھ جنگ کرے گی عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نزول فرمائیں گے اس اسم سے حضور کے اختصاص کی بنا پر اس کو حضور سے منسوب کر دیا گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے ساتھ اپنی مدنی زندگی سے ہی جہاد شروع فرما دیا اور آخر دم تک آپ کا جہاد جاری

رہا کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود جہاد کے لیے نکلا کرتے اور کبھی سریہ اور بعث گروپوں کی صورت
میں مجاہدین کو جہاد کے لیے روانہ فرماتے آپ کو اور آپ کے صحابہ کرام کو دین کو سر بلند رکھنے کے
سوا اور کوئی کام نہ تھا اور نہ ہی انہیں اس کے بغیر ایک پل چین تھا، بنا بریں پورے عرب کو بالعموم مطیع
اور مکہ کو بالخصوص فتح کرلیا اور لوگ بڑی بڑی جماعتوں کی صورت میں داخل دین ہوئے ایک مشہور
قول کے مطابق جن غزوات میں آں حضور صلے اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود نکلے ان کی کل تعداد ستائیس[27] ہے
اور اکثر لوگوں کا یہی مذہب ہے، اور سرایا اور بعوث کی کل تعداد سینتالیس[47] ہے کم اور زیادہ کے
اقوال بھی ہیں واللہ اعلم۔

(رسول الراحۃ صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ ذات ہے جن کی وجہ
سے ذاتِ حق نے اپنی مخلوق کو راحت و سرور عطا کیا اور اس سے دینوی اور اُخروی مصائبُ
مُشکلات دُور کیے مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم اہل ایمان کے لیے دُنیا میں اس طرح راحت ہیں کہ
آپ نے اپنی اُمت کو سابقہ شریعتوں کی محنتِ شاقہ سے رخصت اور خفت دلوا کر راحت پہنچائی
اور آخرت میں اہل ایمان کو امن اور کامیابی کے طور پہ راحت پہنچائیں گے حضور علیہ السلام نے کافروں
کو بھی راحت بخشی کہ ان کے اور ان کی اولادوں کے قید و بند اور قتل کو ترک کر دیا جب انہوں
نے جزیہ دینا قبول کرلیا اور حرم ایمان میں امن چین سے رہنے لگے اسم کا معنی رسول رحمت کے
معنی کو لازم ہے کیونکہ اللہ جس پہ رحم کرتا ہے اسے بہر حال راحت تو ہوتی ہی ہے۔

(کامل صلے اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مولیٰ کی بندگی اور اوصافِ
حسنہ میں تائیدِ الٰہی سے کامل آپ ہر کمال سے متصف ہیں اور ہر فضیلت مطلقاً سے آراستہ ہیں اخلاقِ
حسنہ، علوم و معارف اخلاق و اعمال اوصاف حمیدہ و جملہ احوال میں آپ اپنی مثال آپ ہیں۔

(اِکلیل صلے اللہ علیہ وسلم) آپ کا یہ اسم گرامی زبور داؤد علیہ السلام میں ہے۔ ہمزہ کی کسر
کاف ساکن اور لام مکسور کے ساتھ اکلیل ہر اس شے کو کہتے ہیں جو کسی دوسری چیز کا احاطہ کرے
اکلیل بادشاہوں کی پوشاکوں میں ایک ضروری چیز ہے جسے تاج کہا جاتا ہے اور تاج بھی سر کا
ہر طرف سے احاطہ کرلیتا ہے کسی لپٹی ہوئی چیز کے مشابہ ہوتا ہے گراں مایہ جواہرات سے مزین
ہوتا اسی مناسبت سے اکلیل نام رکھا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کائناتِ وجود و ہستی کا مکمل تاج

ہیں آپ کے حسن و آرائش سے حسن جہاں آبدار ہے۔

(مُدَّثِرٌ مُزَّمِّلٌ) صلے اللہ علیہ وسلم دراصل مُتَدَثِّرٌ و مُتَزَمِّلٌ تھے پہلے میں تا کو دال کر کے دوسری دال میں مدغم کر دیا گیا ہے جب کہ دوسرے میں تا کو زا سے بدل کر زا میں مدغم کر دیا گیا ہے مدثر بڑے اور سفید کپڑے میں لپٹے ہوئے پر بولا جاتا ہے اور مزمل بھی اسی معنیٰ میں ہے ان اسما سے حضور کو اس لیے موسوم کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے پہل بوقت نزولِ وحی بسبباً گھبراہٹ میں ایک بڑے کپڑے سے اپنے آپ کو ڈھانپ لیتے نیز یہ بھی کہا گیا ہے یہ آیتیں حضور علیہ السلام پر ایسے کپڑوں میں لپٹے ہوئے ہونے کے دوران نازل ہوئیں روایت کیا گیا ہے کہ جب جبریل علیہ السلام آپ کے پاس وحی لے کر آئے تو آپ اپنی چادر میں لپٹے ہوئے تھے یہ بھی کہا گیا ہے ان دونوں کا معنی اے کپڑے میں لپٹ کر سونے والے ہے کہا گیا ہے یہ خطاب حضور علیہ السلام کی طمانیت قلب اور آپ کو خوش کرنے کے لیے ہے کہ آپ میرے حکم سے گھبرائیں نہیں جو ان آیات کے بعد مذکور ہے جس طرح آپ کسی کو کسی کام کے لیے بھیجیں۔ اور وہ بھیجا جانے والا اس کام سے خوفزدہ ہو تو آپ اس کی ڈھارس بندھانے کے لیے کہیں کہ آپ اپنا کام جاری رکھیں اور فکر مت کریں۔ سہیلی نے کہا ہے کہ مزمل آنحضورؐ کے ان اسمأ میں سے نہیں ہے جن سے آپ پہچانے جاتے ہیں بلکہ یہ اسم آپ کی اس حالت سے تعبیر جس میں آپ کو یہ خطاب ہوا کہ آپ اس وقت کپڑا اُوڑھے ہوئے تھے عادات عرب میں سے تھا کہ جب کسی کو سرزنش سے ہٹ کر اظہارِ ملاطفت اور مہربانی کرنا ہوتا تو اسے اس نام سے پکارتے جس حالت میں وہ اس وقت ہوتا تھا جس طرح جناب علی کرم اللہ وجہہٗ کے لیے ارشاد مصطفےٰ ہوا کہ جب وہ مسجد میں سوئے ہوئے تھے اور ان کے جسم کے ایک طرف مٹی لگی ہوئی تھی فرمایا قُمْ اَبَا تُرَاب اے ابو تراب کھڑے ہو جاؤ اس میں نبی علیہ السلام جناب علی سے اظہار مہربانی فرما رہے تھے اللہ کے قول یایھا المزملُ میں بھی اظہار انس و ملاطفت ہے۔

(عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم) حضور علیہ السلام کا یہ اسم گرامی اللہ اور اس کے رسول کو سب اسمأ سے بڑھ کر پسند تھا اور آپ فرمایا کرتے تھے میری تعریف میں اس طرح مبالغہ آرائی سے کام نہ لو جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف میں مبالغہ کیا۔ لیکن مجھے اس کا بندہ اور رسول کہو۔

الاطواءِ تعریف میں مبالغہ کرنے کو کہتے ہیں، بندے کے لیے مقام بندگی ہی بہت بڑا اعزاز ہے اور بندے کی تعریف کرنے میں اللہ کا حق بہرحال محفوظ رہنا چاہیئے بندے اور خالق کی تعریف میں کسی درجہ تساوی نہیں ہونی چاہیئے جب حضور علیہ السلام کو اس کا اختیار دیا گیا کہ وہ فرشتہ نبی بن جائیں یا بندہ ہو کر نبی بنیں تو آپ نے بندہ ہو کر نبی بننے کو پسند کیا اس میں مکمل اللہ کی پسندیدگی اور نسبت تھی کیونکہ نبی اور عبد کی اضافت اللہ کی طرف اس لیے صحیح ہے کہ کہا جاتا ہے نبی اللہ اور عبد اللہ بخلاف لفظ ملک کے ملک اللہ کہتے اچھا نہیں لگتا کیونکہ اس میں عکس نسبت کا گمان ہو سکتا ہے جس سے اللہ کی مخلوق ہونے کا مفہوم نکلتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے بلند و بالا ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس نام سے مشرف کرتے ہوئے فرمایا

سُبۡحَانَ الَّذِیۡ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ ۔ ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو سیر کرائی۔

اس اضافت میں فضیلت اور عزو شرف کی انتہا ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ نے عبد کی نسبت اپنی ذات کی طرف فرما دی اور اس اضافت سے حضور ختمی مرتبت کو سرفراز فرما دیا، بندے کا منتہائے مقام یہی ہے اللہ کی بندگی میں اس قدر مصروف رہے کہ اسے اپنی ذات کا بندہ ہونے کا یقین ہو جائے تو وہ ایک نہ ایک دن اپنے رب کو بھی پہچان لے گا تو شہود عبدیت مستلزم ہے شہود ربوبیت کو جو شخص عبدیت سے مکمل طور پر غافل اور بے خبر نہ رہے وہ علم اور حال وجدان اور تحقق کے لحاظ سے عبد کامل ہے عبدیت میں غفلت نہ برتنے میں کمال انسانی مضمر ہے، جب ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے کمال رسالت ہے تو آپ کی کمال عبودیت بھی ضروری ہوئی اور مقام عبودیت تمام مقاموں سے اشرف و افضل ہے کیونکہ اللہ کے فرمان۔

وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ ۔ ترجمہ: اور ہم نے نہیں پیدا کیا جنوں اور انسانوں کو مگر یہ کہ وہ میری عبادت کریں۔

کے مطابق جنوں و انسانوں کی تخلیق کا بنیادی مقصد اور غایتِ اولیٰ ہی حصول عبودیت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم علی الاطلاق اکمل الکاملین ہیں اور آپ کی عبودیت ہر کمال سے اکمل و اتم ہے۔

(حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)، حبیب بر وزن فعیل بمعنی مفعول کیونکہ آپ محبوب خدا ہیں یا

بمعنی فاعل ہے اس لیے کہ آپ محبّ اللہ ہیں، قاضی نے کہا ہے کہ محبّت مراد محبوب کے مطابق سر تسلیم خم کر دینے کا نام ہے لیکن یہ معنی مخلوق کے اعتبار سے ہے۔ اور اللہ کے حق میں محبّت کا معنی یہ ہو گا کہ وہ بندے کی نیک بختی عصمت و توفیق عطا و فیضان قرب و اختصاص کا ارادہ فرماتا ہے۔ یہ مقام انبیاً و اولیا کو ان کے مرتبہ کے مطابق اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے۔

صفی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) صفی کا اصل معنی یہ ہے صفی وہ بڑا مسلمان جرنیل ہوتا ہے جسے مال غنیمت میں سے اپنی پسند کا مال لے لینے کا اختیار ہو خواہ وہ لونڈی اور کنیز ہو یا سواری اور تلوار یا ان کے علاوہ کوئی اور چیز اس اسم سے حضور علیہ السلام کو اس لیے موسوم کیا گیا ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مخلوق میں سے اپنے قرب مزید کے لیے چن لیا اور اپنی ذات کے لیے پسند کیا۔

(نجیّ اللہِ صلے اللہ علیہ وسلم) یہ فعیل کے وزن پر مفعول کے معنی میں ہے مناجات سے مشتق ہے اسم مصدر نجویٰ ہے معنی پوشیدہ گفتگو کرنا ،،

(کلیم اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) کلیم معنی مکلم اللہ لام کی فتح سے بغیر کسی اختلاف صحیح قول کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذات حق نے شب معراج کلام فرمایا۔

(خاتم الانبیا صلے اللہ علیہ وسلم) ت کی کسرا ور فتحہ کے ساتھ یعنی حضور علیہ السلام کی وہ ذات ہے جس نے نبوت ختم کی اور سب انبیاً کے آخر میں آئے اور تمام انبیاً کا آنا بند کیا آپ خاتم اور طابع یعنی مہر کرنے والے کی مانند ہیں نہ آپ کے زمانہ میں آپ کے ساتھ کوئی نبی ہوا اور نہ ہی آپ کے بعد اس اسم کی مدح میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور عمل کے دوام کی طرف اشارہ ہے یعنی نہ اس میں تبدیلی ممکن ہے نہ اس میں تفسیخ ہو سکتی ہے وہ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت آخری زمانہ تک ہے اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا ہے۔

بعض کا قول ہے کہ اہل بصیرت لوگ کہتے ہیں کہ جب اس شریعت محمدی کا فائدہ مخلوق کو حق کی طرف بلانا اور اسے دنیا و آخرت کی بھلائیوں کے حصول میں راہنمائی کرنا ، اور اسے وہ مشکل ترین امور بتلانا جن کی دانست سے اس کے عقل عاجز ہوں مسکت دلائل کی پختگی وغیرہ ان تمام امور کا علی وجہ الکمال اور بدرجہ اتم احاطہ یہی عمدہ شریعت کئے ہوئے ہے اور اس

شریعت کے بعد مزید کسی چیز کی ضرورت ہی نہیں جس طرح اللہ تعالٰے کا ارشاد ہے :-

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا -

ترجمہ: آج سے میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دیں اور تمہارے لیے دین اسلام پسند کیا -

مخلوق کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کے مبعوث ہونے کی کلیۃً ضرورت ہی باقی نہ رہی اسی لیے آپ کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہوگیا" جہاں تک نزول عیسٰی علیہ السلام کا تعلق ہے اس میں حضور کے خاتم النبیین ہونے کو تائید ملتی ہے کیونکہ وہ حضور کی ذات اور آپ کی شریعت کی اتباع کریں گے صلی اللہ علیہ وسلم اجمعین -

شیخ عبدالجلیل قصری کی شعب الایمان میں اس اسم پر کہتے ہیں کہ جب کسی شے پر چھاپ لگا دی جائے تو اس پر خَتَمَ یَخْتِمُ خَتْمًا بولا جاتا ہے، اور خاتِم زیر کے ساتھ ہر شے کے آخر کو کہا جاتا ہے خاتَم زبر کے ساتھ انگوٹھی کے نگینہ کو کہا جاتا ہے یا مٹی کی مُہر جس سے چھاپ یا نشان لگایا جائے اور تو جب کہے خَتَمَ زَرْعَہٗ تو اس کا مقصد یہ ہوگا کسان نے کھیتی کو پہلے پانی میں اس قدر سیراب کر دیا کہ وہ کھیتی کے لیے سیرابی میں پہلا اور آخری پانی ثابت ہوا یہ سب اوصاف باقی مخلوق کے علاوہ حضور علیہ السلام کے ساتھ ہی مخصوص ہیں اور انہی اوصاف سے حضور علیہ السلام سب پر فضیلت رکھتے ہیں -

جب آپ ختم کا معنی طبع کریں تو مفہوم یہ ہوگا کہ بے شک اللہ تعالٰی نے مکارم۔ اوصاف حمیدہ اور بہتر طبعی عادت حسنہ پر آپ ہی کی چھاپ لگائی ہے اور ان میں آپ کا مُبارک جوہر قبول کرنے کی صلاحیت رکھی ہے اور آپ کا جوہر قبول کرنا ہر طبع کے بس کی بات نہیں -

اور جب خَتَمَ زَرْعَہٗ کا معنی لیں تو مُراد یہ ہوگا کہ ذاتِ حق نے اسے پہلی سیرابی سے ہی بھرپور فرما دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں تمام نبوتیں ازل ہی سے سمو دیں یہ سیرابی کا پہلا دور تھا اور سیرابی کے دوسرے دور کو مخفی رکھا کہ اس سے ابداً لآباد ہر موجود پر آپ کے فضائل و کمالات ظاہر ہوتے اور بڑھتے رہیں اور سیرابی کے پہلے دور سے جو کسی کا مقدر تھا اسے حاصل ہوا -

جب خاتم فتح کے ساتھ ہو تو معنی ہو گا جو انگوٹھی کے سر پر نگینہ رکھا جاتا ہے یعنی وہ شے جس سے چھاپ لگائی جاتی ہے بے شک ہمارے آقا و مولیٰ ایسے وسیع ظرف ہیں جن میں نبوت اپنے تمام اجزاء سے سما گئی اور دوسرے نبیوں کو ان کی برداشت کے مطابق ایک ایک جزء دے دیا گیا اور تمام اجزائے نبوت کا متحمل حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور تھا بھی کون جب آپ ہی میں نبوت مکمل ہوئی تو آپ علی وجہ الکمال خاتم ٹھہرے جس طرح کتاب مکمل سربمہر کر دی جاتی ہے کوئی دوسرا نبی ختم نبوت سے اس لیے سرفراز نہ ہوا کیونکہ اس میں نبوت مکمل نہ تھی اور اس میں ایک چیز باقی رہی جس نے اسے ارتقاء تک کبھی نہ پہنچنے دیا پھر ایک اور وجہ بھی مذکور ہے کہ جب ہم خاتم تا کی کسرہ سے کہیں تو معنی آخر ہو گا اور ہر ایک شے کے تمام و کمال پر بھی بولا جائے گا۔ بشرطیکہ مکمل متمم شے میں نقص ظاہر نہ ہو، اس معنی کی حقیقی رونق درجہ اور رتبہ کے لحاظ سے حضور ہی کو عطا ہوئی کیونکہ آپ کی تکمیل و تتمیم ایسی ہے جس نے سب کو آرائش بخشی اور ہر کامل کو مکمل کیا اسی لیے حضور علیہ السلام نے اس کو اپنے ان فضائل میں شمار کیا ہے جو فضائل دوسرے انبیا کو نہ ملے اور آپ نے ارشاد فرمایا۔

وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ وَ اَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ۔ ترجمہ: اور میرے آنے پر نبیوں کا آنا بند ہوا اور میں خاتم النبیین ہوں۔

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وہ مدح و فضیلت بیان فرمائی جو آپ کو اللہ نے عنایت کی تھی لفظ ختم میں ایک اور وجہ بھی مذکور ہے کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل ایک ہی وقت جماعتوں کی صورت میں مختلف اقوام کی طرف بھیجے جاتے رہے اور وہ ایک دوسرے کی مدد کیا کرتے تھے وہ انبیاء اپنی کثرت کے باوجود مطلوبہ حد تک تبلیغ میں مخلوق کو قائل نہ کر سکے اور بعض انبیاء ایسے کہ وہ امور تبلیغ میں کچھ بھی کامیاب نہ ہوئے۔

سب سے بعد بحالت غربت حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اپنی برادری میں سے تشریف لائے اور کسی ایک نبی نے بھی آپ کا تعاون نہ کیا آپ کی اکیلی ذات تھی اللہ نے آپ کی مدد کی اور آپ تبلیغ میں اس قدر کمربستہ ہوئے کہ جب تک لاتعداد لوگوں کو دین خدا میں داخل نہ فرما لیا چین سے نہ بیٹھے اور آپ سخت محنت سے مغلوب نہ ہوئے اور اس مقام سے سب مقام نیچے ہیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہوئے تو لامحالہ آپ خاتم المرسلین بھی ہیں اس لیے

کہ ختم اعم ختم اخص کو لازم ہے جبکہ اس کا الٹ نہیں ہو سکتا اتنی گفتگو کے بعد اس اسم پر کلام لوٹنے سے بے نیازی ہوئی۔

(خاتم الرسل صلے اللہ علیہ وسلم) (محیی صلے اللہ علیہ وسلم) اس اسم سے حضور علیہ السلام اس لیے موسوم ہیں آپ نے مُردوں کو ظاہری اور باطنی زندگی عطا کر کے زندہ کیا، حضور علیہ السلام نے اپنے والدین کریمین کو اللہ کے حکم سے زندہ کیا اور وہ آپ پر ایمان لائے اسی طرح ایک شخص کی مُردہ بیٹی زندہ فرمائی جسے آپ نے دعوت اسلام دی اور اس نے اپنا اسلام لانا مُردہ لڑکی کو زندہ کر دینے سے مشروط کر دیا حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مردہ لڑکی زندہ کر دی جس نے حضور علیہ السلام کی رسالت پر گواہی دی۔ یونہی سرکار دو عالم علیہ السلام نے حضرت جابر کی سالن کی صورت پک جانے والی بکری زندہ فرما دی آپ نے بکری کے گوشت پر ہاتھ رکھا پھر کچھ کلام فرمایا بکری زندہ ہو کر اُٹھ کھڑی ہوئی اور کان جھاڑنے لگی یہاں تک اس کا ذکر ہے جو حضور نے کچھ چیزوں کو ظاہری زندگی عنایت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رُوحانی زندگی اس طرح عنایت کی کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے آپ کو عرب میں مبعوث فرمایا اور اہل عرب ایک دوسرے کے دشمن اور خون کے پیاسے ہوا کرتے تھے آپ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں محبت کا بیج بویا اور وہ خونریزی سے رُک گئے تو آپ کی بعثت ان کے لیے بقائے دائمی اور عظیم زندگی کا قرینہ بن گئی اور آپ ہی سے اہلِ ایمان کے دل زندہ ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق اور خالق کے درمیان ایک بہترین واسطہ ہیں اور حدث و قدم کے لیے رابطہ ہیں اللہ کی طرف راہنمائی فرمانے والے ہیں اور اس کی طرف بُلانے والے ہیں اور جنت کے اعلیٰ درجوں میں آپ کی اُمت کی دائمی زندگی آپ ہی کی وجہ سے ہو گی یہی اُمت کی نجات کا اصل ہے کائنات کا وجود و بقا اور اصل سبب اور زندگی حضور علیہ السلام سے ہی ہے۔

"مُنجی" صلے اللہ علیہ وسلم) یا کے اثبات اور ترک کے ساتھ۔ یعنی مُنجی یا مُنج تشدید اور تخفیف بسکون نون کے ساتھ مُنجی یا مُنجی اس اسم میں چار وجوہ ہیں سرکار کو اس اسم سے اس لیے موسوم کیا گیا ہے کہ آپ دنیا و آخرت میں اپنی اُمت کی نجات کا اصل سبب ہیں دنیا میں آپ کی اُمت اجابت کفر اور اس پر سزا ہلاکت عام باہمی شمشیر زنی اور دشمن کی

غارت گری سے بچ گئی حدیث میں آیا -

اَنزَلَ اللّٰہُ عَلَیَّ اَمانَین عَلیٰ اُمّتی — ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ نے میری اُمت پر دو امن نازل فرمائے ہیں -

اور قرآن مجید میں ہے -

مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ وَاَنْتَ فِیْھِمْ - — ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ اسے پسند نہیں کرتا کہ آپ ان میں ہوں اور انہیں مبتلائے عذاب کردے -

پھر ایک دوسرے مقام میں ہے :-

وَمَا کَانَ اللّٰہُ مُعَذِّبَھُمْ وَھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ - — ترجمہ: یعنی اللہ انہیں عذاب دینے والا نہیں جب وہ بخشش طلب کرتے ہیں -

نیز حضورؐ کا ارشادِ گرامی ہے - کہ جب میں بظاہر رخصت ہو جاؤں گا تو اپنی اُمت میں قیامت تک کے لیے استغفار چھوڑ جاؤں گا اور واقع میں حضور علیہ السلام نے اپنی اُمت کو استغفار کی تعلیم بھی دی ہے ، اور آخرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت دوزخ کے دائمی عذاب سے بچ جائے گی -

(مُذَکِّرٌ صلے اللہ علیہ وسلم) تخفیف ذال کے ساتھ تذکیر مصدر سے اسم فاعل ہے تذکیر کا معنی نصیحت کرنا ، خوف دلانا ، ڈرانا - شوق دلانا ، اللہ کی توحید اور انعام کی یاد کرتے رہنا حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جانثار صحابہ کرام کی یہی شان تھی - رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عام مجالس میں تلاوتِ کلامِ پاک کے علاوہ جو کچھ بھی اللہ کا عطا کردہ فیض مثلاً حکمت و موعظت اور امورِ دین کے لیے نفع بخش تعلیم کے ذریعہ سے اللہ کی یاد اور قہرِ الٰہی کا خوف اور رضا مولیٰ کا اشتیاق دلاتے تھے ان مجالس کی برکت سے صحابہ کو دنیا میں رقتِ قلب اور زہد جیسی دولت نصیب ہوئی اور آخرت کے لیے صحتِ ایمانی ، یقین کی پختگی نظر کی پاکیزگی اور بلند ہمتی میسر آئی اکثر و بیشتر حضور علیہ السلام اپنی اُمت کو اپنے بعد کتاب اللہ اور اپنی سُنّت کے چھوڑ کر جانے کا ذکر فرمایا کرتے تھے - تذکیر مخلوقِ خدا کے نفع کے لیے ایک بہت بڑا باب ہے

اللہ تعالیٰ اسے بہت پسند فرماتا ہے کہ اس کے احسانات و انعامات یاد کیے جاتے رہیں اور اس کی مخلوق اس کے احکام کے لیے سرِ تسلیم خم کرے۔

(نَاصِرٌ صلی اللہ علیہ وسلم) (مدد کرنے والا) اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کی مدد کرنے والے۔ اعلائے کلمۃ الحق تبلیغ دین اور اس کی اشاعت و اظہار کے لیے مدد کرنے والے تائید دین کے لیے قتال کی صورت میں مدد کرنے والے اہلِ ایمان کو وعظ و نصیحت تعلیم علم دین اور دوزخ کی آگ سے بچانے میں مددگار، اور اہلِ کفر کے لیے انہیں حق کی طرف بلا کر اور ان کے خلاف اعلانِ جہاد کر کے یہاں تک وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھ لیں مدد کرنے والے ہیں۔

(منصور صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ دنیا اور آخرت میں از خدا مدد کئے ہوئے ہیں دنیا میں تو یوں مدد کئے ہوئے ہیں کہ آپ کے مولیٰ نے آپ کو وہ قوت بخشی کہ آپ اپنے دشمنوں پر غالب رہے اور ایک ماہ کی مسافت سے آپ سے دشمن لرزہ براندام رہا کرتے تھے اور اللہ نے آپ کی اُمت کو دوسری تمام اُمتوں پر غلبہ دیا اور آپ کے دین کو باقی ادیان پر غالب کیا اور آخرت میں آپ یوں مدد کئے ہوئے ہیں کہ آپ کی شفاعت مقبول ہو گی اور آپ سے اُمت کے گناہ دُور ہوں گے اور آپ اکابر انبیأ اور اولوالعزم مرسلین سے قدر و منزلت کے اعتبار سے اُونچے مقام پر فائز ہوں گے۔ اور ہر ایک سربراہ امم سابقہ آپ کی رسالت و نبوت پر گواہی دے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت قبول کرے گا اللہ نے دنیا و آخرت میں آپ کی دعائیں قبول کیں کیونکہ عنداللہ آپ کی شان و عظمت بلند و بالا ہے آپ مصطفےٰ ہیں محبوبِ خدا ہیں آپ کا رُعب و دبدبہ بے حد ہے اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت منظور کرے گا اور نہ ہی کسی سوال میں آپ کو سُبکی اور رسوائی دے گا بلکہ آپ کی حاجتیں پوری کرنے میں جلدی فرمائے گا۔

(نَبِیُّ الرَّحْمَۃِ صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ کی وہ ذات ہے جن کے سبب اللہ نے آپ کی مخلوق دنیا و آخرت میں رحمت کی ہے یہ اسم رسولِ رحمت کے معنی میں ہے جو ذکر کیا جا چکا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے نبی رحمت کا معنی یہ ہے کہ آپ کی وہ ذات ہے جن کے ذریعہ اور برکت سے افرادِ اُمت باہم مہربان ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:۔

فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ ترجمہ: یعنی اللہ نے تمہارے دلوں میں

بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا[1] محبت پیدا کردی جس سے تم بھائی بھائی بن بیٹھے۔

نیز ارشاد حق تعالیٰ ہے :۔

رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ[2] ترجمہ: یعنی وہ باہم رحیم و کریم ہیں۔

(نبی التوبۃ صلے اللہ علیہ وسلم) اس اسم سے حضور کو اس لیے موسوم کیا گیا ہے کہ انہیں بھٹک جانے کے بعد آپ کی ہدایت سے دین کی سیدھی راہ کی طرف لوٹیں اور اس لیے کہ آپ توبہ کی بنیا دہیں اور آپ سے ہی توبہ کا باب کھلا حدیث عمر بن خطاب رضی اللہ عنہُ میں ہے جو بیہقی نے دلائل میں نقل کی اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے حدیث یہ ہے۔

اِنَّ اٰدَمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ لَمَّا رَاٰی اٰسْمَهٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَکْتُوْبًا مَعَ اِسْمِ رَبِّہٖ تَعَالٰی تَشَفَّعَ بِہٖ فَتَابَ عَلَیْہِ وَغَفَرَ لَہٗ۔ ترجمہ: بے شک جب جناب آدم علیہ السلام نے حضور کے مبارک اسم کو اللہ کے اسم کے ساتھ لکھا ہوا پایا تو اسم محمدی کے ذریعہ سفارش طلب کی اور اسی پر توبہ کی جس پر ان کا خلافِ اَولیٰ بخش دیا گیا۔

نوعِ انسانی میں یہ توبہ پہلی دفعہ واقع ہوئی تھی یہ توبہ ام الباب ہے اور بعد کی توبہ اُسی پر مبنی ہیں اور توبہ کا دروازہ آپ ہی کی شانِ جمالی سے کھلا ہوا ہے اور آپ کی اُمت کے افراد اسی سبب سے توابین کہلاتے ہیں کیونکہ وہ جب کبھی گناہ کر بیٹھتے ہیں فوراً توبہ کر لیتے ہیں آپ نبی توبہ ہیں۔ اور آپ کی اُمت کی ہر فضیلت آپ کے واسطہ سے ہے یا نبی توبہ کا یہ معنی ہے کہ آپ اہل توبہ کے نبی ہیں کہ ان کی توبہ ہر وقت اور ہر جگہ اور ہر حال میں عمل اور اعتقاد کے لحاظ سے قبول ہوتی ہے اور پھر قتل اور قید و بند کی تکلیف بھی نہیں ہے سورج کی گردش کے ساتھ ساتھ گناہ بھی ہوتے رہتے ہیں اور توبہ بھی برابر چلتی رہتی ہے۔ ارشادِ حق تعالیٰ ہے :۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ[3] ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو

---

[1] پ۴ ، سورہ ال عمران ، آیت ، [2] پارہ ۲۶ ، سورۃ فتح آیت ۔۲۹
[3] پ۲ ، سورہ بقرہ آیت ۲۲۲

پسند کرتا ہے۔

سابقہ اُمتوں میں کچھ تو ایسی تھیں جن کی توبہ سرے سے قبول ہی نہ تھی اور کچھ ایسی جن کی توبہ مبتلائے عذاب ہوئے بغیر قبول نہ ہوتی تھی مثلاً بنی اسرائیل جو گائے کے بچھڑا کی پرستش کیا کرتی تھی ان کی توبہ قتل عام کے بغیر قبول نہ ہوئی پھر تمام مرسلین عظام علیہم السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہیں اور آپ ہر ایک کی توبہ کی پناہ گاہ ہیں یا اس لیے کہ آپ کی بارگاہ سے کوئی توبہ کرنے والا

اور عذر داری پیش کرنے والا محروم نہ لوٹتا، امام بخاری رحمہ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ بخدا میں توبہ اور استغفار ہر روز ستر مرتبہ سے بھی زیادہ کیا کرتا ہوں اور انہی سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میرے دل پر کوئی گرانی واقع ہوتی تو میں ہر روز ستر بار استغفار کیا کرتا تھا اس حدیث میں لَیُغَانُ کا لفظ آتا ہے جس کی غین (غ) انوار کی غ ہے اغیار کی نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دائمی ترقی میں ہیں اور اتصالی عروج پر ہیں جب کسی مقام سے ترقی کرتے گزر جاتے تو اس سے توبہ کر لیتے اور استغفار بھی کیا کرتے کیونکہ آپ کی نگاہِ رسالت میں آنے والے مقام کی مناسبت سے گذشتہ مقام کمتر معلوم ہوتا جس پر آپ توبہ و استغفار کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دائم الاستغفار اور دائم التوبہ ہیں اور یہ توبہ آپ کے مقام ترقی کے لحاظ سے ہے ممکن ہے کہ نبی التوبہ کا یہی معنیٰ ہو۔

(حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ صلے اللہ علیہ وسلم) حرص کسی چیز کی شدید رغبت اور اس کے لیے قوت طلب کا نام ہے اور حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم مخلوق کی ہدایت پر سب سے زیادہ حریص ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلوق کو فرداً فرداً اور جماعتی طور پر حق کی طرف بُلایا اور ایک مرکز پر اکٹھا کرنے کی بھرپور کوشش کی مگر کچھ لوگوں نے آپ کو جھٹلایا کئی لوگوں نے مذاق اڑایا کچھ لوگوں نے آپ کو مارنے پیٹنے سے گریز نہ کیا آپ کا تمسخر اڑایا آپ کی چغلی کھائی، غلط سلط الزام عائد کئے اور باقی لوگوں کو آپ کے قُرب سے دور اتے اور آپ کی مخالفت پر آمادہ کرتے باایں ہمہ آپ نے اس کی کچھ پرواہ نہ کی بلکہ ان کے حق میں ہدایت کی دُعائیں کیا کرتے اور مسلسل وعظ و نصیحت فرمایا کرتے دن رات پوشیدہ اور اعلانیہ ذات حق سے ان کے صراطِ مستقیم پر آجانے کی درخواست کرتے

با دل نخواستہ تلوار کے ساتھ جنگ کی صورت میں انہیں ایمان اور جنت کی طرف بلایا یہاں تک کہ بہت سے لوگوں کو نجات دلوا کر نیک بخت کر کے داخل جنت فرما دیا مگر وہ لوگ اپنی حقیقت نہ پہچان سکے۔

ف :- اللہ تعالیٰ کے اس قول :-

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ[1] — ترجمہ: بے شک تمھارے پاس تمہی میں سے رسول تشریف لایا جس پر تمھارا مشقت میں پڑنا گراں گزرتا ہے۔

ان الفاظ میں آخر سورت تک ایک بہت بڑی خوشخبری ہے اور وہ یہ کہ جو شخص ان آیات کو صبح اور شام پڑھ لے گا وہ اس دن اور اسی دن کی رات قتل نہ ہو گا۔

حضور علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا جس نے ہر روز سورۃ توبہ کی آخری دو آیتیں تلاوت کیں وہ اس دن نہ مرے گا، اور ایک روایت میں ہے کہ قتل نہ کیا جائے گا اور کوئی آلہ قتل اس کے قریب نہ آسکے گا اسی طرح اگر رات کو یہ آیتیں تلاوت کیں تو رات بھر مامون رہے گا۔

ایک صالح اور متقی شخص نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے جو اس پر اپنے مرض میں عمل کیا کرتا۔ میرے خیال میں اس وقت ان کی عمر نوّے سال تھی پھر وہ برابر ان آیات کو تلاوت کرتے رہے یہاں تک کہ ان کی عمر ایک سو تیس سال ہو گئی اسی مدت میں اللہ نے ان کی موت کا ارادہ کیا انہیں حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی انہیں آپ فرما رہے ہیں اب کہاں تک بھاگو گے یہ سُن کر انہوں نے ان آیات کی تلاوت چھوڑ دی اور ان کا انتقال ہو گیا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

(مَعْلُوْمٌ صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ کا حال عقلوں میں پختہ اور راسخ ہے اس حیثیت سے کہ آپ تعریف اور شہرت سے بے نیاز ہیں آپ مشارق مغارب اور زمین کے گوشہ گوشہ میں مشہور و معروف ہیں کیونکہ آپ نے دینِ اسلام کی دعوتِ عام کی اور زمین کے چپہ چپہ پر دین پہنچایا آپ ہزاروں برس پہلے سابقہ اُمتوں میں جانے پہچانے تھے زمین و آسمان دنیا و آخرت میدان

---

[1] پ ۱۱، سورۃ التوبہ، آیت ۱۲۸، ۱۲۹۔

قیامت اور جنت اور دوزخ والوں کے لیے مشہور و معلوم ہیں۔

(شہیر صلے اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ اہل خرد اور عقل و دانش والوں کے ہاں ظاہر اور معلوم ہیں۔

(شاھدٌ صلے اللہ علیہ وسلم) یعنی جن کی طرف آپ رسول بن کر تشریف لائے ان پر آپ تبلیغ رسالت کے ساتھ گواہ ہیں یا ان کا تصدیق کرنا اور جھٹلانا اور ان کی نجات اور گمراہی کے لحاظ سے ان پر گواہ ہیں، یا آپ انبیاء کے لیے بلاغ یعنی پہنچا دینے کے طور شاہد ہیں اور ان کی امتوں پر انکار نبوت کی حیثیت سے شاہد ہیں روایت کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن سابقہ امتیں تبلیغ انبیاء سے انکار کریں گی اللہ تعالیٰ ان سے تبلیغ پر دلیل طلب کرے گا حالانکہ وہ منکرین پر حجت قائم کرنے میں سب سے زیادہ علم والا ہے اسی اثناء میں اُمتِ محمدیہ لائی جائے گی آپ کی اُمت کے لوگ تبلیغ انبیاء پر شہادت دیں گے جس پر سابقہ اُمتیں اُمت محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگیں گی تم نے یہ کہاں سے پہچانا کہ اسلاف انبیاء مشغول تبلیغ رہے اُمتِ محمدی کے لوگ کہیں گے کہ ہمیں یہ علم ناطق کتاب جو اللہ کے سچے نبی کی زبان پر آئی کے ذریعے اللہ نے خبر دی، پھر حضور علیہ السلام لائے جائیں گے اور ان سے ان کی اُمت کے حال سے پوچھا جائے گا تو آپ ان کے منصف ہونے کی شہادت دیں گے۔

(شہیدٌ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) فعیلٌ بمعنی فاعلٌ یعنی شہیدٌ کا معنی شاہدٌ جو ابھی ذکر کیا جا چکا، لیکن ان دونوں کو ساتھ ساتھ ذکر کرنے میں کتاب اللہ کے وارد ہوئے الفاظ کی منشا کی تکمیل مراد ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں اسماء سے موسوم کرتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا اور فرمایا يَكُوْنُ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ اور ان دونوں اسموں کا معنی ایک ہی ہے جس طرح کہ ذکر کیا جا چکا۔

(بَشِيْنٌ صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ظاہری زندگی اور ظاہری زندگی کے بعد فرشتے کثرت سے حاضری دیا کرتے اور دیتے ہیں اور اسی طرح آپ کی قبر شریف پر بھی کثرت سے حاضری ملائکہ ہوتی رہتی ہے جس طرح کہ حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر روز ستر ہزار فرشتوں کو آپ کے روضۂ اقدس کا طواف کرنے کے لیے مقرر فرماتا ہے

اور ستر ہزار فرشتے ہر شب قطار اندر قطار روضہ رسول کے ارد گرد ننگے پاؤں طواف کرتے رہتے ہیں۔

(بَشِیْرٌ صلے اللہ علیہ وسلم) فعیل بمعنی فاعل جسے اعلانیہ اور پوشیدہ خوش خبری دے دی جائے اور جب بشارت عام معنوں میں لی جائے تو اس کا بھلائی کے لیے استعمال ہوتا ہے، یعنی ایسی خبر دینا جس سے خبر دیا جانے والا خوش ہو جائے جب کہ کبھی کبھار بشارت شر کا معنی ظاہر کرنے کے لیے مقید طور پر استعمال میں لائی جاتی ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ۔ معنیٰ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ تقویٰ کو رب العالمین کی رضا کی خوشخبری سنانے والے ہیں۔ پاک وطن غدار رکھنے والے لوگوں کو قیامت کے دن سے امن کی خوشخبری سنانے والے ہیں اور شوقِ دیدار والوں کو ذاتِ حق کے دیدار کی خوش خبری سنانے والے ہیں۔ پاک باطن اور نیک سیرت لوگوں کو ثواب، بخشش شفاعت اور جنت کی خوش خبری سنانے والے ہیں۔

(مُبَشِّرٌ صلی اللہ علیہ وسلم) یہ اسم بھی بشیر کے معنی میں ہے جو ذکر کیا جا چکا ہے۔

(نَذِیْرٌ صلی اللہ علیہ وسلم) فعیل بمعنی فاعل یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم عاقبت نااندیش گنہگاروں کو دوزخ یا عذابِ الٰہی سے ڈر سنانے والے ہیں یا اس کا معنی مختلف قسم کی گمراہیوں سے ڈرانا ہے الانذار کسی ایسے امر سے خبر دینا مقصود ہوتا ہے جس میں ڈر کا پہلو واضح ہو اور اس کام میں مشغول شخص ڈر کی خبر پا کر اسے چھوڑ دے اور اس سے باز آ جائے۔

(مُنْذِرٌ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) عذابِ الٰہی سے خوف دلانے والے یہ بھی نذیر کے معنی میں ہی ہے جو ذکر کیا جا چکا ہے۔

(نُوْرٌ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا وہ نور ہیں جو کبھی نہ بجھے گا اور نور کی حقیقت یہ ہے کہ وہ بذاتِ خود ظاہر اور ہر دوسری چیز کو ظاہر کرنے والا ہوتا ہے اور یہ صورت علی وجہ الکمال جناب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی ہے۔

(سِرَاجٌ صلی اللہ علیہ وسلم) السراج وہ فی نفسہٖ نور ہوتا ہے جو دوسروں کو چمکا دیتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم یوں ہی ہیں آپ چمکا دینے میں سراج کامل ہیں۔ آپ نے دین کے ہر امر اور پہلو کو چمکا: نبوت و رسالت کو چمکایا اہل ایمان اور عارف لوگوں کے دلوں کو چمکایا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے بھی انوار تھے سب کے سب آپ کے نور ازلی سے چمک لے کر اپنی تابانیاں بکھیرتے رہے۔

بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

أَنْتَ مِصبَاحُ كُلِّ فَضْلٍ فَمَا تَصْدُرُ
إِلَّا عَنْ ضَوْئِكَ الْأَضْوَاءُ

ترجمہ: آپ نے ہر فضیلت کو رونق بخشی اور ایک چمک نے آپ سے چمکنا سیکھا۔

(مصباحٌ صلے اللہ علیہ وسلم) یعنی بذات خود چمکدار دوسرے کو چمکانے والے یہ اسم سراج کا ہم معنی ہے جو ذکر کیا جا چکا ہے۔

(ھدًی صلے اللہ علیہ وسلم) ضمہ اور فتح کے ساتھ اصل ہدٰی مصدر ہے جب کسی کو بھلائی کی راہ پر گامزن کر دیا جائے تو عربی محاورہ میں ھداہ۔ ھدٰی۔ ھدایۃً بولا جاتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اسم سے بطورِ مبالغہ موسوم کیا گیا ہے کیونکہ آپ نے کثرت سے مخلوق کو راہِ حق بتلائی اور اسے گمراہی سے نجات بخشی گویا آپ کی ذات نفس ہدایت وارشاد ہے جب کہ معنی یہ ہوگا کہ آپ مخلوق کے ہادی رہنما اور مُرشد برحق ہیں۔ حضور علیہ السلام ہی نے مخلوق کو سعادت اور نیک بختی کی راہ دکھلائی۔

(مھدیٌ صلی اللہ علیہ وسلم) ایک آسان نسخہ میں اس کا تلفظ میم کے ضمہ سے ہے اور ایک دوسرے نسخہ میں میم کی فتحہ سے ہے جب کہ آخری یا مشددہ پر اتفاق ہے پہلے تلفظ کے مطابق اہدٰی رباعی مجرد سے اسم فاعل ہے معنی یہ ہے کہ آپ اللہ کی راہ بتانے والے ہیں اور اس کی طرف بلانے والے اور نیک بختی کی راہیں ہموار کرنے والے ہیں، اور دوسرے تلفظ کے لحاظ سے مَرْمِیٌّ کی طرح اسم مفعول ہے معنی یہ ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشادِ الٰہی سے ہدایت دیئے ہوئے ہیں آپ خوش بختی کی راہوں سے توفیق یافتہ ہیں آپ میں اللہ تعالیٰ نے ہدایت جاری کرنے کی صلاحیت تام پیدا فرما دی ہر ایک ہدایت پانے والوں میں سے آپ سب سے بڑے ہدایت یافتہ ہیں۔

(مُنِیرٌ صلے اللہ علیہ وسلم) نور سے اسم فاعل ہے معنی یہ ہے بذاتِ خود ظاہر اور

دوسروں کو ظاہر فرمانے والا آپ صلی اللہ علیہ وسلم منیر ہیں یعنی بذات خود نیّر ہیں کیونکہ حدیثوں میں وارد ہے کہ آپ کا سایہ نہ تھا کیونکہ آپ کا نور سورج وغیرہ کی شعاعوں پر غالب تھا۔ اسرارِ قلوب اور معرفت کو واضح فرمانے کے لحاظ سے بھی منیر ہیں۔

دَاعٍ صلی اللہ علیہ وسلم یہ اسم دعا سے نکلا ہے اس کا معنی اپنے تمام کاموں میں اللہ کی طرف زیادہ دُعا اور عاجزی وزاری کرنے سے، یا یہ اسم دعوت سے نکلا ہے معنی یہ ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق کو اللہ تعالےٰ اور اس کی توحید وعبادت پر متوجہ کرنے کے لیے دعوت دینے والے ہیں، عالمِ ارواح میں حضور علیہ السلام نے تمام مخلوق یہاں تک کائنات کے ہر ذرّے کو دعوت الی الحق دی، آپ کی رُوح نے تمام ارواح کو دعوت دی اور ذات حق جلّ وعلا کی طرف رہنمائی کی اور اس کی توحید کی راہ بتائی، ارواح کو ان کے رب سے متعارف کرایا اور آپ کے شخص کریم نے کائنات کے ہر ذرّہ کو دعوت دے کر اس کے مناسب حال درجہ دلوایا اور ہر ایک ذرہ کو ذات حق کی پہچان کرائی، اس ظاہری اور مثالی دنیا میں بھی جب جسم انسانی آدمی کے رُوپ میں ظاہر ہوا تو آپ نے اس مخلوق عالم اجساد کو بھی حق کی طرف بُلایا بالخصوص انسانوں اور جنوں کو اللہ کی طرف بلا کر انہیں اس کی پہچان کرائی۔ اور تمام مخلوق کو اللہ کی نافرمانی سے ڈرایا اور اُمت اجابت کے تمام افراد آپ پر اوّل وآخر میں ایمان لائے۔ اس معنی پر تقی الدین سبکیؒ نے گفتگو کی ہے اور فرمایا کہ اس سے ہم دو حدیثوں کا معنی کھل کر سامنے آگیا جو قبل ازیں ہم پر مخفی تھا ہم حضور علیہ السلام کے اس ارشاد گرامی :-

بُعِثْتُ اِلَی النَّاسِ کَآفَّۃً۔ ترجمہ: میں تمام لوگوں کی طرف رُسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

کو ہم سمجھتے تھے کہ آپ کے زمانۂ اقدس سے لے کر قیامت تک کے لوگوں کے لیے آپ مبعوث ہوئے مگر اسم داعٍ سے پتہ چلا کہ آپ سب اولین وآخرین لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے۔

ارشاد مُصطفیٰ :-

کُنْتُ نَبِیًّا آدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَ الْجَسَدِ۔ ترجمہ: میں آدم علیہ السلام کے اثنائے رُوح جسم میں بھی نبی تھا۔

کو ہم سمجھتے تھے کہ شاید آپ نے یہ بطور اپنے علم کے ارشاد فرمایا مگر اس اسم سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دراصل عالم ارواح میں بھی نبی تھے اور بالفعل آپ نے ارواح کو دعوتِ حق دی اور ذاتِ کبریا کی طرف راہنمائی کی پھر دوبارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم اجساد میں چالیس برس کی مُدت گزر جانے کے بعد بھیجا گیا اور انبیاؑ و مرسلین سے آپ ممتاز و منفرد ہوئے بایں معنی کہ آپ دوبارہ نبی ہوئے اور دوہی بار آپ کو رسُول بنایا گیا ایک بار عالم ارواح میں ارواح کے لیے اور دوسری مرتبہ عالم اجساد میں اجساد کے لیے آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر دونوں حالتوں میں تمام مخلوق کو متوجہ الی اللہ کیا، اللہ کے اس کلام کا اشارہ بھی اسی طرف ہے :۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ[1] ۔ ترجمہ: یعنی نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام لوگوں کا راہنما بنا کر۔

کافۃً للناس میں انبیاؑ و مرسلین اور ان کی امتیں متقدمین و متاخرین سب داخل ہیں، گویا آپ نے درحقیقت انبیاؑ و مُرسلین کو دعوت دی اور انہوں نے آپ کی اتباع کر کے مخلوق کو دعوت حق دی انبیاؑ دعوت الی الحق میں حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب اور خلیفہ ٹھہرے۔

قصیدۂ بردہ میں آپ کی تعریف اس طرح کی گئی۔

	ترجمہ: انبیاؑ و مرسلین کو جو انعام بھی ملا وہ آپ
وکل آیٍ اتی الرسل الکرام بھا	کے نور وسیلہ سے ملا آپ آفتاب فضیلت و
فانما اتصلت من نورہٖ بھم	بزرگی ہیں اور انبیاؑ اس کے ستارے جو
فانّہٗ شمس فضل ھم کواکبھا	لوگوں کے لیے اندھیروں آپ کے نور کی
یظھرن انوارھا للناس فی الظلم	مدد سے اُجالا کرتے ہیں۔

(مدعوٌ صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی بلائے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذاتِ حق نے بُلایا اور اپنے قُرب خاص کے لیے مخاطب کیا اور آپ کو یا ایھا النبیُّ اور یا ایھا الرّسُولُ کے القابات سے مشرف و مکرم فرمایا جب کہ آپ کو آپ کے ذاتی نام یا محمدؐ سے خطاب نہ کیا جس طرح کہ

---

[1] پ ۲۲ س سبا آیت ۲۸

دیگر انبیاء علیہم السلام کو یا عیسٰی یا ابراہیم سے مخاطب کیا اور اللہ تعالٰی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو بھی آپ کی وجہ سے عزت کرتے ہوئے یا یہا الذین آمنوا سے مخاطب کیا جبکہ دوسری اُمتیں اپنی اپنی کتابوں میں یا یہا المساکین وغیرہ خطابات سے یاد کی جاتی رہیں آپ صلے اللہ علیہ وسلم آسمانی معراج کے لیے بلائے گئے نیز آپ اس وقت حضرت خطاب میں شرف ہمکلامی کے لیے بلائے گئے جب آپ کے نور سے ذات حق کا نور ملا تو ستر ہزار پردے چاک ہوئے جو ایک دوسرے سے مختلف تھے ان پردوں سے انسانی اور ملکوتی حس منقطع ہوگئی اور اچانک سب سے بلند مقام سے آواز آئی اے تمام مخلوق سے بہتر قریب آجاؤ اے احمد صلی اللہ علیہ وسلم قریب آجاؤ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم قریب ہو جاؤ اے پیارے دوست قریب آجا۔ نیز آپ کو رب ذوالجلال کی ملاقات کے لیے بلایا گیا۔ بیہقی کی دلائل میں قول جبریل علیہ السلام اس طرح ذکر کیا گیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ قَدِ اشْتَاقَ اِلٰى لِقَائِكَ ۔ ترجمہ: یعنی بے شک اللہ تعالٰی آپ کی ملاقات کا شوق رکھتا ہے۔

اس قول کے لیے ایک دوسری روایت اس طرح بھی ہے کہ یہ الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جناب ملک الموت نے وصال حق کی بشارت کے لیے آپ کو اختیار سونپ کر کہا تو حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم نے ملک الموت سے فرمایا کہ جس کام پر آپ مامور ہیں جلدی کیجئے اِنَّ اللّٰهَ قَدِ اشْتَاقَ اِلٰى لِقَائِكَ کا بیہقی نے یہ معنی لیا ہے کہ اللہ تعالٰی نے آپ کی ملاقات سے آپ کو آپ کی دنیا سے آپ کی آخرت میں داخل فرمانے کا ارادہ فرما لیا تاکہ حضور کے قرب و کرامت میں اضافہ ہو۔

(مُجِیْبٌ صلے اللہ علیہ وسلم) مجیب اجابت سے ہے جو دعا پر مرتب ہے لفظ مجیب مدعو کی تفسیر کا تابع ہے یعنی آپ کو جس چیز کی من جانب اللہ دعوت دی گئی آپ نے اس کے قبول کرنے میں تامل و توقف سے کام نہ لیا اور فی الفور قبول کر لیا عالم ارواح میں بھی حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے اس ارشاد وَاَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ یعنی کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں سب سے پہلے بلٰی یعنی ہاں کر کے اپنے مجیب اول ہونے کا ثبوت دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طاعت و عبادت توحید و معرفت اور اس کے ساتھ ایمان لانے میں بھی مجیب اوّل ہیں۔

آپ دعوت ولیمہ کے علاوہ جو صحابی بھی آپ کو عام دعوت پر بلاتا آپ تشریف لے جاتے اگرچہ دسترخوان پر سادہ پانی اور جَو کی روٹی ہی کیوں نہ ہوا اور لوگوں کے ساتھ ان کی ضروریات پوری کرنے نکلتے آپ کے صحابہ اور اہل بیت اطہار میں سے جب کسی نے آپ کو آواز دی تو آپ نے منکسر المزاج ہو کر اسے لبیک کہا اس میں آپ کے اخلاق کی بلندی اور حُسن مُعاشرت تھی۔

(مجابُ صلے اللہ علیہ وسلم) مجابُ آپ کے اسم داعٍ پر مرتب ہے اور مجاب پر داع اسی لیے مقدم ہے کہ حضو علیہ السلام اپنے رب کو پکارنے والے ہیں اور جب اللہ نے آپ کو پیدا کیا تو آپ اپنے رب کے مقبول الدعوات تھے اور آپ کی دعا کا قبول ہونا اتنے کاموں پر ظاہر ہوا جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا اور اتنی عطائیں کھلیں جن کی انتہا نہیں اور پھر آپ مخلوق میں مستجاب الدعوات ہوئے کہ آپ کی دعوت کو بہت زیادہ اُمّت نے قبول کیا یہاں تک کہ آپ کی اُمّت کا شمار اور گنتی سابقہ اُمّتوں کے ان افراد سے مجموعی طور پر بڑھ گیا جنہوں نے اپنے اپنے انبیا کی دعوت قبول کی تھی۔

(حَفِیٌّ صلے اللہ علیہ وسلم) حَفَادَۃٌ سے نکلا ہے معنی کسی چیز کی طرف کامل توجہ دینا اور اس کا خوش اسلوبی سے انتظام کرنا اور اس کی طلب میں بہت زیادہ سوال کرنا اور یہ اسم تحفیۃ سے ماخوذ ہے اس لیے کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرامؓ اہلِ بیت اطہارؓ اولادِ امجاد اور آنے جانے والوں پر کامل توجہ دیتے اور ان کی خوشنودی اور عزت و تکریم میں بہت زیادہ دلچسپی لیتے اور اپنی اُمّت پر بھی خصوصی توجہ دی اُمّت کو راہِ حق دکھلانے میں فراخ دلی سے کام لیا اور اسے ہلاکت و تباہی سے بچایا اور اُمّت کی ہدایت کا بہت زیادہ خیال رکھتے تو حفی کا معنیٰ معتنی اور مہتم کا ہوا یعنی آپ صلے اللہ علیہ وسلم دوسروں کے کاموں میں مدد دیتے اور اچھے اخلاق پیش فرماتے۔

(عَفُوٌّ صلی اللہ علیہ وسلم) یہ عَفُوٌّ سے مبالغہ کا صیغہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم قصور واروں اور مجرموں کو گرفت نہ فرمانے بلکہ معاف کر دیتے اور چھوٹی موٹی لغزشوں سے چشم پوشی فرما دیتے اور درگذر سے کام لیتے یعنی اگر کوئی شخص آپ کی شان میں بے ادبی کرتا تو آپ اس سے انتقام نہ لیتے بلکہ حضور معاف فرما دیتے اس لیے کہ تکلیف برداشت کرنا

آپ کی عاداتِ کریمہ میں سے تھا آپ نے کبھی کسی مسلمان کو لعنت کی اور نہ ہی اپنے ہاتھ سے کبھی کسی کو مارا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے سوا کسی پر ہاتھ نہ اٹھایا آپ کی طرف سے نہ کسی کو ایذا پہنچی اور نہ ہی آپ نے اپنی ذات کے لیے کسی سے غصہ کا اظہار کیا اور نہ کسی سے انتقام لیا ہاں اگر کسی نے محارم الٰہیہ کا دامن چاک کیا تو اس سے اللہ کے لیے بدلہ لیا اور اس سے اللہ کے لیے خشمگیں ہوئے لیکن اس میں اپنا ذاتی غصہ کارفرما نہ ہوتا تھا جنگِ اُحد کے دن مشرکوں نے آپ کے دندان مُبارک شہید کئے آپ کے ہونٹ چھید دیئے آپ کا چہرہ مبارک لہولہان کیا اور آپ کے رخساروں کو ناخنوں سے خراشیدہ کیا آپ کے سرِ مُبارک میں انڈے توڑے اور آپ کو پتھر مارے یہاں تک کہ آپ پہلو کے بَل ایک گڑھے میں گر گئے اور اس دن پورا دن آپ کے جسمِ اطہر سے خون جاری رہا اور آپ برابر ان کی ہدایت کے لیے دُعا فرماتے رہے اور فرماتے رہے یا اللہ میری قوم کو بخش دے اور انہیں ہدایت دے یہ جاہل اور بے خبر ہیں۔

(وَلِیُّ صلے اللہ علیہ وسلم) اس اسم کے دو معنی ہیں ایک اہلیت حق کے ساتھ ساتھ حق کا مددگار ہونا، اور دوسرا معنی ولی وَلَا سے مشتق بمعنی قریب یار گہرحق، یعنی ولی وہ ہے جو اللہ سے قریب ہو اور اللہ نے اسے اپنے قریب کر کے اپنے حکم اور امر کا مالک بنا دیا ہو اور وہ آنکھ جھپکنے کا وقت بھی اپنی ذات میں غافل نہیں ہوتا، ولیؔ بروزن فعیل بمعنی مفعولؔ۔ لیکن پہلے معنی کے اعتبار سے فاعل کے معنی میں ہے یعنی ولی اللہ کے دین اور شریعت کا ناصر اور مددگار ہوتا ہے جاننا چاہیے کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم میں بیک وقت نبوت و رسالت و ولایت جمع تھیں مگر ان میں سے کون سی افضل ہے کیونکہ حق کی طرف کامل توجہ نبوّت کہلاتی ہے جب کہ رسالت مخلوق کی طرف متوجہ ہونے کو کہا جاتا ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کی رسالت آپ کی نبوت سے افضل ہے اس لیے رسالت ایک باطنی شے ہے اور نبوت پر زاید ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کی نبوّت اور رسالت آپ کی ولایت سے افضل ہیں، اس لیے کہ رسالت خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ ہے اور دونوں جہان کی سعادت اور بھلائی مخلوق کے لیے رسالت ہی کے ذریعہ سے ہے مثلاً احکم الحاکمین کا مشاہدہ اور اس کے خطاب سننے کا منظر، یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کی ولایت آپ کی نبوت و رسالت سے افضل ہے اس لیے کہ نبی میں جو معنی قُرب و اختصاص کا پایا جاتا ہے

وہی معنی ولی میں بطور اطاعت درجہ کمال تک پایا جاتا ہے، بہر حال اس اختلاف کا دار و مدار رسالت و نبوت اور ولایت کی تفسیر پر ہے جس نے نبوت کی تفسیر محض اللہ تعالیٰ سے خبر حاصل کرنے اور رسالت کا معنی و تفسیر یہ کیا کہ حضور آقا دو عالم نور مجسم صلے اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے اونچے درجہ پر ہیں اور اپنی ذات میں کامل اور دوسروں کو کامل بنانے والے ہیں تبلیغ و اصلاح کے ساتھ سیاست خلق کے وارث ہیں، اور ولایت کی تفسیر یوں کی کہ ولی ہر آن مشاہدہ ذات میں ہوتا ہے اس نے آپ کی نبوت پر آپ کی رسالت اور ولایت کو فضیلت دی، اور جس نے رسالت کی تفسیر و تعبیر محض خلق سے اتباع چاہے اور نبوت کی تفسیر یہی کا حق کی طرف متوجہ ہونا اور ولایت سے بھی یہی مفہوم لیا ہے اس نے نبوت اور ولایت کو رسالت پر فضیلت دی ہے اور جس نے یہ سمجھا کہ نبوت و رسالت میں قرب و اختصاص پایا جاتا ہے وہی ولایت میں پایا جاتا ہے بلکہ نبوت رسالت کی ذمہ داری مثلاً اصلاحِ خلق، سیاست دین، عذاب سے نجات وغیرہ ولایت کی نسبت، نبوت و رسالت میں زیادہ ہے اس نے ولایت پر، نبوت و رسالت کو فضیلت دی نبوت و رسالت اور ولایت کا یہ اختلاف صرف حضور کی ذات کے اعتبار سے ہے مطلق نبوت و رسالت مطلق ولایت سے افضل ہیں اسی پر اتفاق ہے۔

(حقٌ صلے اللہ علیہ وسلم) یہاں حق کا معنی باطل کی ضد کا لیا جائے گا یہ اسم حق الشئی سے ہے معنی کسی چیز کا ثابت رہنا حضور علیہ السلام بھی اپنے حال، سچائی، نبوت و رسالت میں اس حیثیت سے ہیں کہ ان پر تغیر و تبدل اور باطل کا غلبہ ہرگز نہیں ہو سکتا اور حق اسمائے الہیہ میں سے ہے اس کا معنی مذکور معنی کے برعکس ہے اس کا معنی ثابت، اپنے وجود میں ازلی اور ابدی ہے اور برتری اس کی شانِ زیبائی ہے۔

(قوی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی آپ صلی علیہ وسلم اپنے حال اور ذات کے اعتبار سے اتباع اوامر الہیہ اور اللہ کی منع کردہ اشیاء سے مکمل پرہیز اور احکام خداوندی کے نفاذ شریعت اور حقیقت منانے اور ثابت رکھنے پر پوری پوری قدرت رکھتے ہیں۔

(امینٌ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی آپ صلے اللہ علیہ وسلم پر من جانب اللہ جو امر اور نہی ۔ وعدہ اور وعید بھی آیا آپ اس کے امین ہیں نیز آپ ان رموز و اسرار کے بھی امین ہیں جو ذاتِ حق جل و

علا نے آپ کو مرحمت فرمائے، آپ اس اسم کے ساتھ قبل از نبوت بھی مشہور تھے اور بعد از نبوت بھی معروف رہے دور جاہلیت میں آپ کو امین کے اسم سے موسوم کیا جاتا رہا کیونکہ آپ ایک پروقار اور سنجیدہ امانت دار اور خیانت سے کوسوں دور شخصیت کے مالک تھے اور نبوت کے بعد جو کچھ بھی آپ پر بطور وحی نازل ہوا اس کی حفاظت و اشاعت کے امین رہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فی ذاتہ بنفس نفیس بھی امین ہیں یعنی اپنے رب کی سرزنش سے بے خطر جس طرح کہ آپ کو رب جلّ وعلا نے اپنے اس قول سے بشارت دی۔

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ
مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ[1]

(مَامُوْنٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) مامون وہ ہوتا ہے جو شر اور غدر اور جھگڑے سے مکمل بے نیاز ہو کر منزل مقصود کی طرف بڑھتا رہے یا یہ مامون (مؤمن) کے معنی میں جو لفظ امین کے معنی میں سے ایک معنی ہے۔

(كَرِيْمٌ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) کریم اس ذات کا نام ہے جو اپنی ذات کے لائق بزرگی کی اقسام اور اوصاف کمال کا جامع ہو کرم کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم کرم ذات صفات جس سے ذات وصفات کی بزرگی اور عظمت نمایاں ہوتی ہے اور اس مقام پر کرم ذات ہی اصل کرم ہے، کرم کی دوسری قسم کرم افعال اس لحاظ سے کریم کی تفسیر خیر کثیر اور بے طلب براہ راست بن مانگے محض اپنی مہربانی سے عطا کرے اور مجرم کو عفو و درگذر سے پیش آئے سے ہوگی یہ تمام معانی آپ کے حق میں بالکل صحیح ہیں کیونکہ آپ شرف وبزرگی سے خاص کئے ہوئے اور آپ مطلقاً اولاد آدم انبیاء وغیرہم سے ہر لحاظ سے اکرم واشرف ہیں اور بنی آدم سے اصل وصف خَلق اور خُلق قدر اور عمل میں بہر طور فوقیت رکھتے ہیں۔

(مُكَرَّمٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) را مفتوحہ کی شد کے ساتھ یہ اسم کریم کے معنی میں ہے لیکن اس سے وہ کریم مراد نہیں جس نے آپ کو کریم بنایا ہے یعنی اللہ جلّ وعلا۔

(مَكِيْنٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) مکانت کا ایک خاص مقام قرب اور ترقی درجہ کا نام ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے پاس بلند مقام رکھتے ہیں بایں معنی آپ

---

[1] پ ۲۶ س فتح آیت ۲

مکین ہیں اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے آپ کا ذکر اپنے ذکر سے ملایا ہے اور پایۂ عرش پر آپ کے متعلق پہلے لوگوں میں اعلان فرمایا اور قیامت تک آنے والے لوگوں کو نور ایمان آپ کی بدولت نصیب ہوا ہے اور ہوگا۔

(مَتِیْنٌ صلے اللہ علیہ وسلم) یہ اسم متن الشی سے ہے مضبوطی اور سختی کے معنی کو شامل ہے۔ یہ اسم قوی کے معنی میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دین حق کے معاملہ میں بے حد سخت گیر تھے اور سچائی کی تاکید فرمایا کرتے تھے اور اپنے کافر دشمنوں پر حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم ہمیشہ فتح یاب رہے۔

(مُبِیْنٌ صلے اللہ علیہ وسلم) اس اسم کا معنی ہے جس کا دستور واضح اور رسالت نکھری ہوئی ہو اس نشان وعلامات بالکل واضح تھے یہ اسم بَانَ لازم[1] سے ہے یا مبین کا معنی ہے جس چیز سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا اسے کھول کھول کر بیان فرمایا

جس طرح ارشاد حق تعالےٰ ہے:۔

لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ[2]

یہ اسم ابان متعدی[3] سے بھی ہو سکتا ہے یہ رباعی کبھی لازم کے معنی میں استعمال ہوتی ہے اور کبھی متعدی کے معنی میں (مصباح میں یہی مذکور ہے) یا مبین اسی معنی میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عربی زبان والے تھے اور اہل عرب میں سے سب سے زیادہ فصیح وبلیغ تھے صلی اللہ علیہ وسلم۔

(مُؤَمِّلٌ صلے اللہ علیہ وسلم) میم مشددہ کی کسر سے اَمَّل الشی سے نکلا ہے معنی اُمید کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ حق میں مکمل رغبت رکھتے ہیں اور اللہ کی درگاہ میں اس کے فضل واحسان سے پر اُمید ہیں یہ اسم میم مشددہ کی فتح سے بھی آیا ہے آپ کے صحابہ کرام اور اُمّت مرحومہ کو آپ پر دنیا و آخرت میں اصلاحِ احوال نجات وشفاعت کے معاملہ

---

[1] جو فعل فاعل پر ہی پورا ہو جائے۔ لازم کہلاتا ہے۔ (مترجم)

[2] پ ۱۴ سورہ نحل آیت ۴۴ [3] جو فعل فاعل سے گزر کر مفعول بھی چاہے متعدی کہلاتا ہے۔

میں اور ہر خیر و برکت کے حصول میں مکمل اعتماد رہا اور ہمیشہ پُر امید رہیں گے آپ کے آنے سے پہلے آپ کی وساطت سے اور آپ کے آنے کے بعد آپ کے مقام مرتبہ کی وسعت کی بنا پر۔

وَصُوْلٌ صلے اللہ علیہ وسلم) واؤ کی فتح سے وَصُوْلٌ بروزن فعول بمعنی فاعل صِلَۃٌ سے مبالغہ کا صیغہ ہے یعنے آپ صلے اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ صلہ رحمی فرمانے والے تھے رشتہ قرابت اور رشتہ ایمانی مضبوط بنانے والے تھے آپ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ان کے عزیزوں رشتہ داروں سے ہدیہ قبول فرماتے اور خود انھیں تحائف ارسال فرماتے اور ان کے ساتھ گھل مل کر گفتگو فرمایا کرتے اور دینی اُمور میں انہیں پختہ کرنے کے لیے ان سے سوال فرمایا کرتے تھے۔

(ذُو قُوَّۃٍ صلے اللہ علیہ وسلم یعنی آپ بڑی طاقت کے مالک ہیں آپکا یہ اسم بھی اسم قوی کے معنی میں ہی ہے اور یہ اسم نکرہ اسم قوی کے بعد بطور تعظیم ذکر کیا گیا ہے۔

(ذُو حُرْمَۃٍ صلے اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ عزت و احترام والے ہیں اس اسم سے آپ کی شان بزرگی عظمت شان نمایاں ہوتی ہے۔

(ذُو مَکَانَۃٍ صلے اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ صلے اللہ علیہ وسلم بے حد قوت اور بے انتہا طاقت والے ہیں یہ اسم مکین کے معنی میں ہے۔

(ذُو عِزٍّ صلے اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ عزت والے ہیں یہ اسم عزیز کے معنی میں ہے معنی جلیل القدر بے نظیر و بے مثال اور دوسروں کی عزت افزائی کرنے والا۔

ارشاد حق تعالیٰ ہے :۔

وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ [1] ترجمہ: اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان کے لیے عزت ہے۔

درحقیقت عزت آپ کے لیے اور اہل ایمان کی عزت آپ کے وسیلہ سے ہے آپ کو اللہ نے عزت کا تاج بخشا ہے جس سے اہل ایمان لوگوں کو عزت نصیب ہوگی۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔

---

[1] پ ۲۸ ، سورہ منافقون ، آیت ۸ ۔

(ذُو فَضْل صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ صلے اللہ علیہ وسلم فضل وکرم والے ہیں فضل در اصل کمال کی ایک قسم ہے جس سے موصوف دوسروں سے ممتاز ومنفرد ہوتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہانوں سے کمالات کی تمام اقسام میں برتری اور فوقیت رکھتے ہیں۔

(مُطَاع صلی اللہ علیہ وسلم) بے شک آپ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام اور اُمت کی طرف اطاعت کئے ہوئے ہیں کیونکہ صحابہ اور اُمت میں آپ کی تعظیم اور محبت کی قوت سمندر کی طرح موجزن تھی اور ہے آپ کے صحابہ اور اُمت آپ کی مرضی کے خلاف نہ کوئی اقدام کرسکتی ہے اور نہ ہی آپ کے احکام نواہی کی مخالفت کرسکتی ہے معنی کے اعتبار سے یہ اسم حجاب کے معنی میں ہو گا۔

(مُطِیْعٌ صَلَّی اللہ علیہ وسلم) بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم احکام الٰہی کے ہمیشہ پابند رہے اور جو اُمور اپنے اور ذات حق کے درمیان تھے انہیں پوری ذمہ داری سے اور جو احکام خداوندی خالق اور مخلوق کے درمیان تھے انہیں پوری ذمہ داری سے مخلوق تک تبلیغ کی صورت میں پہنچایا خلق کو بشارت دی اور ڈرایا اور ایک لمحہ بھی اس احساس ذمہ داری سے غافل نہ ہوئے۔ اسی سے آپ کی عصمت، کمال محبت وعبودیت ظاہر ہوتی ہے معناً یہ اسم اسم محبب سے ملے گا۔

(قَدَمِ صِدْقٍ صلے اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم، صادقوں اور صدیقوں کے امام ہیں ایسے شفیع جن کی شفاعت مقبول ومنظور ہے آپ کا قدم ایسا جس کے نشان کی اتباع لازمی ہے، کبھی قدم، تقدم یعنی پیش قدمی پر بھی بولا جاتا ہے یہاں یہی مُراد ہے کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم اُمت پر پیش قدمی فرماتے ہوئے شفاعت کرنے کے لیے پہلے ہی موجود ہوں گے تاکہ اُمت پریشان نہ ہو اور آپ کا پہلے آنا صدق ہے۔ آپ کی شفاعت رد نہ ہو گی بلکہ ہر صورت قبول ہو گی۔

(رَحْمَۃٌ صلے اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ کی جائے پیدائش اور آپ کی ذات میں پیام امن ورحمت ہے اور یونہی آپ کا ذاتی مسکن روضہ شریف بھی قیامت تک جائے امن وقرار ہے اور آپ ہی کی بدولت تمام عالم دنیا پر نزول رحمت باری ہوتا ہے ہر نور اور خیر وبرکت ایجاد اول سے آخر تک آپ ہی کی وجہ سے وجود میں آئے آپ کو رحمت بطور مبالغہ کہا گیا ہے ورنہ

آپ رحمت کا سبب ہیں عین رحمت نہیں ہیں کیونکہ رحمت اللہ کا اپنی مخلوق پر احسان اور متواتر کا دوسرا نام ہے جس کا اصل سبب حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں قرآن میں بطور مبالغہ آپ کو رحمت فرمایا گیا ہے۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ [۱] ترجمہ:- اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر سب جہانوں کے لیے رحمت بنا کر۔

(بُشْرٰی صلے اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام انبیاؑ نے اپنی اپنی اُمتوں کو خوش خبری دی اور آپ کے ساتھ نفوسِ بشریہ کو خوشخبری دی گئی آپ بذاتِ خود بھی اہل ایمان کو رحمت اور جنت و رضوان اور دوزخ سے نجات کی خوش خبری دینے والے ہیں بشری اسم مفعول اور فاعل دونوں معنی میں استعمال ہوا ہے، انبیا نے اپنی اپنی اُمتوں کو آپ کی خوش خبری دی اس اعتبار سے بشری بمعنی مفعول ہے، اور آپ نے اپنی اُمت کو ہر خیر و برکت کی خوشخبری دی اس لحاظ سے بُشرٰی بمعنی فاعل ہے۔

(غَوْثٌ صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ کی وجہ سے فریادرسی جاتی ہے یہ اسم بمعنی مفعول ہے یعنی اللہ تعالیٰ جلّ جلالہٗ نے آپ کے طفیل مخلوق کی اس وقت فریادرسی جب وہ گمراہی اور جہالت کے سمندر میں غرق ہونے کو تھی انہیں پناہ دی اور نجات دلا کر کامیاب بنایا یہ سب آپ کا صدقہ تھا۔

(غَیْثٌ صلے اللہ علیہ وسلم) غیث دراصل اس بارانِ رحمت کا نام ہے جس سے انسانوں اور آبادیوں کو زندگی ملتی ہے شہروں کے مکان دھل جاتے ہیں اور انسانوں کی کئی بیماریاں دُور ہو جاتی ہیں سرسبز و شاداب گھاس اور درخت اُگتے ہیں پھل، پھول اور کلیاں نکلتی ہیں چشمے اور نہریں جاری ہوتی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیث سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ آپ کی بدولت مخلوق کو ہلاکت سے نجات ملی اور نورِ ہدایت نصیب ہوا اور گمراہی سے راہ راست پر آتے مردہ دلوں کو زندگی اور نورِ ایمان ملا آپ ایسے غیث ہیں کہ آپ سے

---

[۱] پ۱۷، سورہ انبیاؑ، آیت ۱۰۷۔

کفر اور تاریکی سختی اور کجی دور ہوئی روحوں کی اصلاح اور جسموں کو نجات ملی بلکہ آپ کی ذات باران رحمت سے بھی زیادہ نفع بخش ہے کیونکہ بارش سے اصلاح اجساد و بلاد ہی ہوتی جب کہ آپ کی وجہ سے قلوب اور ارواح کی تعمیر ہوئی۔

(غیاثٌ صلی اللہ علیہ وسلم) اغاثہ سے اسم مصدر ہے غین کی کسر کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی فریاد سنی جب وہ گمراہی میں غرق ہو رہے تھے اور جہالت کی موجیں ان سے کھیل رہی تھیں یہ تینوں اسماٗ یعنے غوث۔ غیث۔ غیاث قریب المعنیٰ ہیں آپ صلے اللہ علیہ وسلم وجود ہستی کے لیے غوث اور غیاث ہیں اور محتاجوں کے لیے غیث ہیں۔

(نِعْمَةِ اللّٰہِ صلے اللہ علیہ وسلم) یعنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ کے بندوں کے لیے ایک نعمت ہیں نعمت وہ ہوتی ہے جس سے بندہ اپنی دنیا اور آخرت میں فائدہ حاصل کرتا ہے جب کہ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم سے ہمیں دونوں جہانوں کا اتنا فائدہ ہے جس کا حساب و شمار نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اس نفع کی کوئی حدبندی ہے۔ آپ صلے اللہ علیہ وسلم ہم پر اللہ کی طرف سے اس کی نعمتوں میں سے بہت بڑی نعمت ہیں۔

(هَدِيَّةُ اللّٰہِ صلے اللہ علیہ وسلم) ھا کی فتح دال کی کسر اور یا کی تشدید کے ساتھ ہدیہ اس عطیے کا نام ہوتا ہے جو محبت اور عزت و احترام کے لیے دیا جاتا ہے ہمیں اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے بہت بڑے رسول حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کو عطا کر کے عزت بخشی ورنہ ہمارے عمل اور کوشش سے اتنے بڑے عطیے کا حصول ممکن نہ تھا، ابو العباس مرسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تمام انبیا علیہم السلام اپنی اپنی امت کے لیے بطور عطیہ اور ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے بطور ہدیہ ہیں عطیہ اور ہدیہ کا فرق ہے محتاجوں کے لیے عطیہ ہوتا ہے اور محبوب و مقبول لوگوں کے لیے ہدیہ ہوتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ میں ہدیہ کے طور دی ہوئی نعمت ہوں۔

(عُرْوَةٌ وُثْقٰى صلے اللہ علیہ وسلم) وہ نسخے جن پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے ان پر یہ دونوں کلمے بطور نکرہ ، ہی مذکور ہیں اور بعض نسخوں میں انہیں (معرفہ) بھی ذکر کیا گیا ہے تاہم دونوں قسم کے نسخوں میں وثقیٰ کو عروہ کی صفت بنایا گیا ہے اور بعض نسخوں میں الوثقیٰ

کو الف لام کے ساتھ (معرفہ) لایا گیا ہے اور عروہ کی وثقیٰ کی طرف اضافت کی گئی ہے جس طرح موصوف کی صفت کی طرف اضافت کر دی جاتی ہے، عروہ دراصل جس جگہ کو مضبوطی کے ساتھ ہاتھ سے پکڑا جا سکے کو کہتے ہیں جیسے چھاگل یا تھیلے کے تسمے اور لوٹے کا دستہ وغیرہ، یہ اسم ہمارے آقا و مولیٰ سنو پرنور صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے بایں معنیٰ استعمال ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دین حق کا وہ مضبوط ذریعہ ہیں کہ جن کے طفیل مخلوق کی رب العلمین سے شناسائی اور رسائی ہوئی اس لیے جس نے آپ کا اتباع کیا وہ گمراہی کے گڑھے میں کبھی نہیں گر سکتا جس طرح مضبوط رسی کو پکڑ کر ہلاکت کے کنوئیں سے باہر نکلا جا سکتا ہے اسی طرح آپ کا متبع اور مطیع گمراہی سے نکل کر حرم کبریا تک پہنچ جاتا ہے۔

وثقیٰ بروزن فعلیٰ پکی اور مضبوط شے کا نام ہے معنی یہ ہوگا کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا قوی اور پکا واسطہ ہیں جو قطع و برید کمزور پڑ جانے یا ٹوٹ جانے سے محفوظ ہیں جس نے اس واسطہ کو مضبوطی سے پکڑ لیا وہ ایک نہ ایک دن اپنے مطلوب اور منزلِ مقصود تک ضرور پہنچ جائے گا۔ اسے ناکام ہونے یا گر جانے کا اندیشہ بالکل نہیں ہوتا۔

(صِرَاطُ اللهِ صلے اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تک پہنچانے کا راستہ ہیں اس شخص کے لیے ہدایت کا راستہ ہیں جس پر شیطان مسلط ہو چکا ہو اور وہ گمراہی اور خسارہ و نقصان کی وادیوں میں بھٹک جائے ہمیں اللہ تعالیٰ شیطانی راہ سے بچائے اور دم آخر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے دامنِ رحمت اور آپ کی جماعت سے تمسک کرنے کی توفیق بخشے صراط۔ص کے ساتھ یا س کے ساتھ اس راستے کو کہتے ہیں جو بالکل سیدھا اور واضح ہو اور اس میں کسی قسم کی کجی اور ٹیڑھا پن نہ ہو، یہ اسم آپ کے لیے بطور استعارہ استعمال کیا گیا ہے اس لیے کہ جو آپ کے تابع ہوا وہ دونوں جہاں کی سعادت کو پہنچا اور عذاب سے نجات حاصل کی فاسق اور گمراہ اس سے دور رہیں۔

(صِرَاطُ مُسْتَقِيْم صلی اللہ علیہ وسلم) یہ اسم بھی مذکورہ اسم کے معنی میں ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد اھدنا الصراط المستقیم میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مراد ہے۔

(ذکرُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا یہ اسم بھی آپ کے لیے بطور مبالغہ ہے کیونکہ آپ ذکر کا عین نہیں ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ آپ اللہ کو اس قدر یاد کرنے والے ہیں کہ جس نے آپ کو دیکھا اور آپ کے احوال اور اخلاق حمیدہ سے اسے اللہ یاد آگیا اور اس نے اس کی تعریف کی اس اعتبار سے آپ کا وجود ذکر الٰہی کا سبب بنا آپ کی ذات اللہ کی ذات و صفات کے ذکر اور اس کی توحید کی صحیح نشاندہی کرتی ہے آپ کے افعال و اعمال ذاتِ کبریا پر دلالت کرتے ہیں اور اقوال ذکر الٰہی کا حکم کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہر عمل اور احوال وصفات میں سوتے جاگتے ذکر حق کیا کرتے تھے۔ یا ذکر اللہ سے یہ مُراد ہے کہ ذکر بمعنی ذاکر ہے چونکہ آپ کثیر الذکر تھے بنا بریں یہ اسم آپ کا علم بن گیا یا یہ مراد ہے کہ آپ اللہ کے یاد کیے ہوئے ہیں۔ ذکر بمعنی اسم مفعول مذکور ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلق و ایجاد سے پہلے بھی ذکر کیا بے شک آپ وہ پہلی ہستی ہیں جن سے ذکر کا آغاز ہوا آپ لوح محفوظ پایہ عرش آسمانوں اور اس کی سب جگہوں جنت اور اس کی تمام اشیاء پر آپ کا نام نامی اوّل الذکر ہے یہاں تک کہ آپ کا نام اللہ نے اپنے نام سے ملایا اپنے ہی نام سے آپ کا نام برآمد کیا اس لحاظ سے آپ صلے اللہ علیہ وسلم بہر حال ذکر اللہ ہیں۔

(سَیْفُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم) یہ اسم آپ کی اس کوشش سے کنایہ جو آپ نے دین حق کی تبلیغ اور اس کی تائید و نصرت میں اللہ کے دشمنوں اور اس کے دین کے بداندیشوں سے جہاد اور قتال کی صورت میں کی۔

(حِزْبُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم) یہ اسم بھی آپ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بطور مبالغہ ہے اس لیے کہ حزب اللہ اللہ کے لشکر اس کے دین کے حامی لوگ اور اس کی

---

[1] بعض بدعقیدگی کے مریض آذان سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا ممنوع قرار دیتے ہیں اور ایسا کرنے کو بدعت گردانتے ہیں جب کہ حضور پر صلوٰۃ وسلام بھی ذکرِ الٰہی ہے اور کتاب وسنت میں اس پر منع وترک بھی نہیں آیا، اعاذ باللہ۔ ہاں صلوٰۃ وسلام اور آذان کے درمیان کچھ وقفہ بہتر ہے تاکہ اسلام میں فوارد کو آذان اور صلوٰۃ وسلام کا امتیاز ہو سکے۔
مترجم سید امیر محمد شاد قادری)

شریعت کے تابع لوگوں پر بولا جاتا ہے جو اللہ کے حکم کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کی منع کردہ اشیا سے مکمل پرہیز کرتے ہیں۔ سرکار کو اس اسم سے یاد کیے جانے کی وجہ ظاہر ہے۔ کہ آپ نے تن تنہا دین حق کی وہ حمایت کی کہ جو مجموعی طور پر ساری دنیا کے افراد مل کر بھی نہیں کر سکتے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اکیلے ہی مبعوث فرمایا اور روئے زمین پر ایک بھی شخص ایسا نہیں جو دین حنیف پر آپ کی طرح ثابت قدمی سے قائم رہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو ہمیشہ دین حق کی دعوت دیتے رہے یہاں تک کہ تائید ایزدی آپ کے شامل حال ہوئی آپ کی اکیلی ذات نے اسلام کی وہ خدمت کی جو ایک بہت بڑے لشکر سے بھی ہو نہیں پاتی، اس وجہ سے آپ جند اللہ اور حزب اللہ کہلائے اللہ کا لشکر ہمیشہ غالب رہتا ہے۔

(النَّجْمُ الثَّاقِبُ صلے اللہ علیہ وسلم) الثاقب اس منور شے کا نام ہے جس کی روشنی غلیظ پردوں سے بھی گذر جائے یہ اسم بھی آپ کے لیے استعارہ وتشبیہ ہے یعنی آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات سے اس طرح ہدایت حاصل کی جاتی ہے جس طرح زیادہ چمکدار ستارہ بھولے بھٹکے مسافر کو منزل مقصود تک پہنچنے میں مدد دیتا ہے بلکہ آپ کی طرف سے ملنے والی ہدایت ستاروں کی ہدایت سے زیادہ موثر اور سود مند ہے

(مُصْطَفًا صلے اللہ علیہ وسلم) یہ اسم معتبر نسخوں میں تنوین کے ساتھ یعنی ف پر دو زبر کے ساتھ الف کے بغیر (نکرہ) ذکر کیا گیا ہے اگرچہ اسم الخط میں آخر پر ی لکھی جاتی ہے اس اسم کی مانند دو اسم اس اسم کے بعد بھی آرہے ہیں، اور بعض نسخوں میں ف کی ایک زبر اور الف کے ساتھ بھی مذکور ہے بعد والے دو اسم بھی ہو بہو اسی طرح ہیں ان تینوں اسما کا اعراب حذف شدہ الف کے ساتھ تقدیری ضمہ ہے تاکہ ہر دو نسخوں میں التقائے ساکنین[1] لازم نہ آئے، مُصطفےٰ مختار و مستخلص کے معنی میں ہے عربی محاورہ میں کسی شے کے خالص ہونے پر صفا الشئ بولا جاتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی تمام مخلوق سے چُنے ہوئے، پسند کئے ہوئے ہیں اور تمام مخلوق میں سب سے بہتر ہیں۔

---

[1] التقائے ساکنین علم صرف کا ایک مسئلہ ہے جس میں دو ساکن حرف اکٹھے ہو جاتے ہیں جن کا پڑھنا دشوار ہوتا ہے۔ (مترجم غفرلہ)

مصطفٰے کا معنی بشری کدورتوں سے پاک صاف بھی کہا گیا ہے اس وصفی مناسبت سے آپ کو مصطفٰے کہا جاتا ہے مصطفٰے غایت قرب کی وجہ سے مختار کے معنی میں بھی آیا ہے کیونکہ اصطفائیت انتہائے قرب سے تعبیر ہے۔

(مجتبیٰ صلے اللہ علیہ وسلم) یعنی مالک و مختار یہ اسم اسم مصطفٰے کے ہم معنی ہے۔

(مُنتقیٰ صلے اللہ علیہ وسلم) یعنی مُہذب اور مصفیٰ یہ اسم بھی مصطفٰے کے ہم معنی ہے۔

(اُمّی صلے اللہ علیہ وسلم) اُمّی وہ ذات ہوتی ہے جو کتاب پڑھے نہ لکھے آپ کا یہ اسم ام سے منسوب اکثر و بیشتر اس دور کی ماؤں کے حالات تھے نہ لکھ سکتی تھیں اور نہ ہی پڑھ سکتی تھیں جب بچہ ماں کے وصف پر ہوگا تو اسی سے منسوب ہوگا گویا وہ بچہ اسی ماں کی مانند ہے۔ یا لفظ اُمّی اپنی اصل دلالت پر باقی ہے کہ جو نہ پڑھے اور نہ لکھے اُمّی کہلاتا ہے مگر اُمّیت حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لیے بُری اور نقصان دہ وصف ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق وصف مدح ہے اور درجہ کمال ہے بلکہ اُمّی ہونا آپ کے لیے ایسا معجزہ ہے جو آپ کی نبوت کی سچائی پر دلالت کرتا ہے۔

علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا :-

كَفَاكَ بِالْعِلْمِ فِي الْأُمِّيِّ مُعْجِزَةً فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَالتَّأْدِيبِ فِي الْيُتْمِ -

ترجمہ: تجھے اُمّی کے بارے اتنا علم کافی ہے کہ اس اُمّی کی اُمیت دورِ جاہلیت اور دورِ ادب و دانش اور یتیمی کے لیے معجزہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ پڑھا نہ پڑھایا اور نہ ہی لکھا نہ ہی کسی پڑھے لکھے شخص سے ملے اس کے باوجود آپ سے لدنیہ علوم و معارف ظاہر ہوئے آپ کو سابقہ اُمتوں کے حالات اور ان کی شریعتوں کی پہچان تھی اولین و آخرین کے علوم سے آپ مطلع تھے جبکہ آپ کے احکام نے مخلوق کی سیاست منتشر کا رُخ بدلا آپ دین دنیا کی تمام بھلائیوں کا احاطہ کئے ہوئے تھے آپ پیدائشی طور پر ہر اچھی عادات اور اچھے کمال سے علی الاطلاق متصف تھے آپ کا یہ رتبہ ایسا ہے کہ اس کے سامنے تمام مخلوق بے بس ہے آپ کی یہ خصوصیات اس زمانہ کے سب لوگوں نے دیکھیں، گویا آپ کی اُمیت آپ کی نبوت کے دلائل میں سے حجت تام بن گئی پڑھنے لکھنے کا اصل مقصد حصول علم ہوتا ہے گویا یہ دونوں چیزیں علم کے لیے واسطہ غیر مقصودہ ہیں اصل مقصد علم ہی ہوتا ہے جب علم حاصل ہو جائے تو انسان پڑھے

لکھنے سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔
جب پڑھنے لکھنے کا معیار اچھا ہو جائے تو شک کا احتمال ہوتا ہے اور مشرکین عرب یہ کہہ دیتے کہ آپ کو ان علوم کی پہچان تو پہلی کتابوں کے پڑھنے سے ہوئی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ کمالِ علوم بغیر کسی واسطہ اور سبب کے عطا کیا جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ [1]

ترجمہ اس سے پہلے تم کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے یوں ہوتا تو باطل والے ضرور شک لاتے۔

(مُخْتَارٌ صلے اللہ علیہ وسلم) آپ کا یہ اسم تورات میں ہے اور مُصطفےٰ کے معنی میں ہے۔
(اَجِيْرٌ صلے اللہ علیہ وسلم) ج کے ساتھ اَمِیرٌ کی طرح فَعِیلٌ کے وزن پر بمعنی مفعل۔
(مُجِيْرٌ یعنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمّت کو پناہ دی اس کی دوزخ سے حمایت اور حفاظت کی۔ آپ کا یہ اسم بعض آسمانی صحیفوں میں بھی موجود ہے۔
(جَبَّارٌ صلے اللہ علیہ وسلم) آپ کا یہ اسم گرامی زبور داؤد علیہ السلام میں ج کے ساتھ ہے لیکن مصنف کتاب نے نسخہ سہلیہ اور اس کے حواشی میں ان دو اسما یعنی اجیر اور جبار کے متعلق خا معجمہ سے یائے تحتانیہ سے لکھا ہے۔ اجرٌ کو خیرٌ اور جبار خیار۔ اسم جبار آپ کے حق میں مصلح کے معنی میں ہے کیونکہ آپ نے بہر حال اُمّت کی اصلاح و تعلیم فرمائی ہے۔ جبار قاہر کے معنے میں مستعمل ہوا ہے کیونکہ حضور علیہ السلام دشمنانِ دین پر قہر بن کر سامنے آتے اور حمایتِ حق میں ان پر تلوار چلاتے۔ قرآنِ کلیم میں ہے۔

وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ [2] ترجمہ: آپ ان پر قہر والے نہیں۔

اس جبار کی آپ کی ذات کے لیے اس لیے نفی آئی ہے کہ یہاں جبریت تکبّر کے معنی میں جو آپ کی شان کے شایان نہیں ہے۔

ابو القاسم، ابو الطاھر، ابو الطیب، ابو ابراھیم صلی اللہ علیہ وسلم

صاف ظاہر ہے کہ یہ کُنیت آپ کی ان مجموعی اسما کی وجہ سے ہے آپ کی یہ کُنیت آپ

---

[1] پ ۲۱، سورہ عنکبوت، آیت ۴۸۔ [2] پ ۲۶، سورہ الذریات آیت ۴۵

کے چار یا تین صاحبزادوں کے نام پر رکھی گئی طیب وطاہر میں اختلاف ہے کہا یہ دونوں لقب آپ کے ایک صاحبزادے جناب عبداللہ کے ہیں یا دو صاحبزادوں کے الگ الگ نام ہیں، صحیح قول یہ ہے یہ دونوں لقب جناب عبداللہ کے ہیں کہ ان کی ولادت دورِ اسلام میں ہوئی ہے ابن اسحق کا قول ہے طیب ایک صاحبزادے کا نام ہے اور طاہر دوسرے صاحبزادے کا نام ہے۔

(**مُشَفَّعْ** صلی اللہ علیہ وسلم) فا مشددہ کی فتح کے ساتھ اسم مفعول ہے معنی مقبول الشفاعت آپ میدانِ قیامت میں مخلوق کے معاملہ میں اس کی راحت و آرام کے لیے کامل رغبت اور توجہ کریں گے کہ اسے کھڑے کھڑے کافی دیر ہو چکی ہے ان کا حساب جلدی سے چک جانا چاہیے آپ بارگاہِ حق میں اس بات کو پیش کریں گے جو قبول کر لی جائے گی بد تمام مخلوق کے سامنے آپ کی حد درجہ عزت افزائی کی جائے گی اور آپ سے کہا جائے گا کہیے آپ کا کہنا سنا جائے گا، مانگیے عطا کیا جائے گا، شفاعت کیجیے قبول کی جائے گی یہ شفاعتِ عظمیٰ ہی دراصل مقامِ محمود ہے جو اس دن سرکار کے ساتھ مخصوص ہو گا۔

(**شَفِیعٌ** صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی مخلوق کے شفاعت کرنے والے ہیں یہ مبالغہ کا صیغہ ہے معنی بہت زیادہ شفاعت کرنے والا اور یہ فیصلہ کا بہتر درجہ ہے۔

(**صَالِحٌ** صلی اللہ علیہ وسلم) صلاحیت سے مشتق ہے مراد بارگاہِ حق کا اہل اور آزاد محرم اور آپ کی آزادی سے پوری کائنات آزاد ہوئی لیکن اس آزادی کی مخلوق میں درجہ بندی ہے جتنی کسی کی صلاحیت ہے اتنی ہی اس میں آزادی ہے جب کہ حضور علیہ السلام کی حریت و آزادی کی عظمت کی کوئی انتہا نہیں، کیونکہ آپ میں اس قدر صلاحیت ہے کہ فہم انسانی کی وہاں تک رسائی نہیں۔

(**مُصْلِحٌ** صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلوق کی فکری طہارت اور ظاہری باطنی دنیوی اور اخروی رشد وہدایت کا انتظام کیا اور مخلوق کے درمیان آپ ایک مصلح ہیں بعض قدیم پتھروں پر لکھا ہوا ملا ہے۔ (

یعنی آپ حضور ایک انتھک اور مضبوط مصلح اور سردار ایسے کہ امانت دار۔ کہا گیا ہے کہ آپ نے لوگوں کے دلوں میں محبت کا بیج بویا اور ان کے دلوں سے وہ نفرتیں اور کدورتیں دور فرمادیں جو

عرب وعجم اور قبائل عرب میں بالخصوص پائی جاتی تھیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ	ترجمہ: اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو
إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ	جب تم میں بیر تھا اس نے تمھارے دلوں
قُلُوبِكُمْ [1]	میں ملاپ کر دیا ۔

(مُهَيْمِنٌ صلے اللہ علیہ وسلم) پہلے میم کا ضمہ اور دوسرے میم کی کسرہ اور روایت میں فتحہ کے ساتھ ابن قتیبہ نے کہا ہے کہ یہ اسم سرکار کے حق میں شاہد یا خلق پر قائم یا امین کے معنے میں ہے ۔

(صَادِقٌ صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ کے تمام اقوال وافعال واقع کے مطابق اور نفس الامر کے موافق صحیح اور سچے ہوا کرتے تھے، جب آپ کو اللہ نے خوش کر دیا اور آپ کی تصدیق فرما دی تو آپ کی عصمت بے داغ رکھنے کے لیے واجب ہے کہ بارگاہِ مصطفوی میں کذب محال سمجھا جائے اسی طرح باقی انبیأ کے لیے بھی جھوٹ ناممکن سمجھا جائے ۔

(مُصَدَّقٌ صلی اللہ علیہ وسلم) دال مشددہ کی فتح کے ساتھ اسم مفعول ہے آپ اس اسم سے کثرت تصدیق کی وجہ سے موسوم ہیں اللہ نے اپنے قول وفعل سے اپنے نبی کی بہت زیادہ تصدیق کی یا مخلوق نے آپ کی تصدیق کی تمام کائنات نے آپ کی تصدیق کی یہاں تک کہ جسم وجسمانیات کے ظہور سے قبل تمام رُوحوں نے آپ کی نبوت کی تصدیق کی اور بعض نسخوں میں دال مشددہ کی کسرہ سے اسم فاعل ہے کیونکہ آپ نے اپنے قول وفعل اپنے رب کی اور پہلے انبیأ اور پہلی کتابوں کی تصدیق کی ۔

(صِدْقٌ صلی اللہ علیہ وسلم) صدق مصدر خبر اگر واقع اور نفس الامر کے مطابق ہو تو صدق کہلاتا ہے یہ اسم بھی آپ کے لیے کثرت صدق کی وجہ سے بطور مبالغہ ہے اس مصدر سے مراد اسم فاعل یا اسم مفعول ہے معنوی طور پر پہلے اسم کی طرف اس کا رجوع ہوگا ،

(سَيِّدُ الْمُرْسَلِيْنَ صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ رسولوں کے سردار ان سب کے معتمد اور

---

[1] پ ۴ ، س آل عمران ، آیت ۱۰۳ ۔

ان کے قائد ان کے بہت بڑے شریف اور کریم ہیں صلے اللہ علیہ وسلم ۔

(۱) **اِمَامُ الْمُتَّقِیْنَ** صلی اللہ علیہ وسلم ، یعنی آپ انبیا و مرسلین پر مقدم ہیں صراط مستقیم کی طرف ان کے قائد اور پیشرو ہیں اصل امام وہ ہوتا ہے جس کی اتباع کی جائے اور وہ اپنے متبعین کو ہدایت دے اور لوگ اس پر جان چھڑکیں اور اپنے فرمانبرداروں کی شفاعت کرے متقین تقویٰ سے ہے اور تقویٰ کا معنی اپنی ذات کو حفاظت شریعت کے لیے وقف کر دینا اور تقویٰ ایسی شے ہے کہ اس سے اس کی اپنی ذات بھی دونوں جہانوں میں محفوظ رہتی ہے اور تقی بھی اس معنی میں ہے متقی اس شخص کو کہا جاتا ہے جو احکامِ الٰہی کا پابندی سے عامل ہو اور اللہ کی منع کردہ اشیا کے علاوہ شبہات اور ہر اس چیز سے اجتناب کرے جو بندہ اور خالق کے تعلقات میں نقص اور دوری کا سبب بنے پھر متقی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ غیر اللہ پر نہ تو کسی قسم کا اعتماد اور بھروسہ کرے اور نہ ہی غیر اللہ میں اظہار و دلچسپی کرے پھر ایسی ذات خدا کی مخلوق میں صرف حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے جو اللہ کو سب سے زیادہ پہچانتے ہیں اور اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے ہیں اور ذات کبریا کے لیے سب سے زیادہ اطاعت اور مجاہدہ کرنے والی بھی آپ ہی کی ذات ہے آپ کا تقویٰ اس درجہ کا ہے کہ اس کی عکاسی لفظوں میں نہیں کی جا سکتی ۔

قَائِدُ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِیْنَ صلی اللہ علیہ وسلم ، قائد قودٌ اور قیادت سے اسم فاعل ہے معنی آپ کا اپنے اختیار سے اپنے متبعین کے آگے لگ جانا اور ان کی رغبت کے مطابق انہیں میں کھینچ لے جانا ، مصباح میں ہے ، قَادَ الرجلُ الفرس قودًا یعنی سوار نے گھوڑے پر قابو پا رکھا ہے ۔ بلحاظ علم صرف یہ باب قال یقول سے ہے خلیل نحوی نے کہا ہے کہ قَود سوار کا گھوڑے کی لگام پکڑ کر اس کے آگے پیدل چلنے کو کہا جاتا ہے اسی طرح سواری کے پیچھے چلنے کا نام سوق ہے اور غراغر کی جمع ہے غُرّہ سے مشتق ہے غُرّہ دراصل چہرے کی سفیدی کو کہا جاتا ہے ۔ مُحَجَّلِیْنَ محجل ۔ اسم مفعول کی جمع ہے اور تحجیل سے نکلا ہے ۔ جس گھوڑے کی چاروں ٹانگیں سفید ہوں دراصل اس پر محجل بولا جاتا ہے لیکن یہاں مراد صرف اعضا کی سفیدی ہے صحیح بخاری میں ہے میری اُمت قیامت کے دن بلائی جائے گی درآنحالیکہ

ان کے ہاتھ پاؤں اور چہرے چمکتے ہوں گے اس میں اُمت کی عظمت بھی ہو گی اور یہ اُمت جس نبی سے منسوب ہے یعنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی یہ ایک بہت بڑا اعزاز ہو گا۔

(خَلِیْلُ الرَّحْمٰنِ) خلیل وہ ہوتا ہے جس کا اپنے محبوب سے ملنا بے لاگ ہو اور تخلل سے نکلا ہے معنی ایک کا دوسرے سے چپک جانا، قاموس میں ہے خلیل سچے دوست کو کہا جاتا ہے۔ یا خلیل وہ شخص ہو جس کی محبت صاف ستھری اور صحیح ہو اور خُلت اس محبت کو کہا جاتا ہے جو سچائی پر مبنی ہو اور اس میں کسی قسم کا فتور اور قصور نہ ہو اور یہی حقیقی اور کامل محبت کا نشان ہے اور کبھی عام دوستی پر بھی خلت کا اطلاق ہوتا ہے جس طرح قرآن میں ہے۔

اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ ؎ ترجمہ: دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے مگر پرہیزگاروں کی دوستی قائم رہے گی۔

کئی لوگوں نے خُلت اور محبت میں اختلاف کیا ہے کیا وہ دونوں ایک ہی چیز ہیں یا دونوں الگ الگ چیزیں ہیں اگر وہ دونوں الگ الگ ہیں تو ان میں سے کون سی زیادہ بلیغ ہے ایک کا دوسری سے کیا فرق ہے اس بات کا اصل مقام بڑی بڑی کتابیں ہیں ہم نے ختم بخاری میں اسی پر کلام پورا کر دیا ہے۔

(بَرٌّ صلے اللہ علیہ وسلم) با کی فتحہ کے ساتھ معنی جو شخص بِر کے ساتھ متصف ہو، یہ ایک ایسا اسم ہے جو بھلائی اور خیر کی تمام اقسام کو جامع ہے خواہ وہ اظہار بندگی ہو یا حُسن خَلق وخُلق بذات خود نرم مزاج ہو یا لوگوں کا غمگسار وغیرہ وغیرہ۔

(مُبَرٌّ صلی اللہ علیہ وسلم) میم کی فتحہ سے یہ اسم بِرٌّ سے نکلا ہے اس کا اُوپر ذکر کیا جا چکا ہے مبر اس لحاظ سے اسم مصدر ہے اس کو بطور مبالغہ ذکر کیا گیا ہے یا یہ اسم مکان ہے یعنی آپ بھلائی کا اصل محل وقوع ہیں اور بعض نسخوں میں یہ اسم میم کے ضمہ اور با کی کسرہ سے اسم فاعل ذکر کیا گیا ہے اس صورت میں اس کا اشتقاق ابرّالرجل سے ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی مکمل

؎ پارہ ۲۵ سورہ زخرف آیت ۶۷

رشد و فلاح والا ہو جائے اور اپنی سچی قسم کو پورا کر لے اور بعض نسخوں میں میم کے ضمہ اور با کی فتحہ سے اسم مفعول ذکر کیا گیا ہے اَبَرَّ ہٗ سے مشتق ہے۔ معنی کوئی شخص اپنی قسم میں حانث نہ ہو یعنی قسم نہ توڑے بہر صورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیر اور بھلائی کی ہر قسم کے جامع ہیں اور ہر خیر سے متصف ہیں۔

(وجیہٌ صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ صاحب قدر و منزلت اور دبدبہ اور بزرگی کے اس دنیا اور آخرت میں بھی مالک ہیں۔ مصباح میں بڑے رتبے والے کو وجیہہ کہا گیا ہے۔

(نصیحٌ صلی اللہ علیہ وسلم) نُصْحٌ سے مبالغہ کا صیغہ ہے اَلنُّصْحُ وَالنَّصِیْحَۃُ کا معنی اپنی مالی بدنی طاقت اور وسعت کو اصلاحِ اعمال و اقوال اور نیّتوں کی تصحیح کے لیے فارغ رکھنا، اس کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ جس چیز کے ساتھ اصلاح ہو سکتی ہو اسے آزاد رکھنا نتیجۃً اس کا معنی خلوص ہے جس کے برعکس کھوٹ، مکر و فریب اور حق کا چھپانا ہے۔ جہاں تک آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ کے لیے اور اس کی کتاب اور اس کے بندوں کے لیے نصیحت کا تعلق ہے۔ وہ حد سے گزری ہوئی نظر آتی ہے۔

(ناصِحٌ صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم خالق و مخلوق کے معاملہ میں مخلص ہیں یہ اسم بھی نصیح کے معنی ہے۔

(وَکِیلٌ صلی اللہ علیہ وسلم) بروزن فعیل بمعنی اسم فاعل یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے جس چیز کے لیے امین بنائے گئے ہیں اس کی کما حقہٗ حفاظت کرنے والے ہیں شریعت اور اپنی اُمّت کی ہر اس شے سے حفاظت کرتے ہیں جو انہیں نقصان پہنچائے، اللہ کے حق میں بھی وکیل کا یہی معنیٰ ہے کہ وہ ہر چیز کا حافظ و نگران ہے اور ممکن ہے کہ اللہ کے حق میں وکیل کا یہی معنی ہے کہ تمام اُمورِ دُنیا و آخرت اسی کے سپرد کیے ہوئے ہیں اور اسی سے وابستہ ہیں اس اسم سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بطور نائب تصرف فی الکون کے لیے مالک و مختار بنایا ہے اور آپ کے لیے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے تصرف فی الکون کا حصول ثبوت آپ کے لیے بطور اخص ثابت ہے بلکہ یہ درجہ تو آپ کے طفیل آپ

کے غلاموں کو بھی نصیب ہے جس طرح سیدی احمد کبیر بدوی رحمۃ اللہ اس درجہ پر فائز تھے یہ

سب آپ کی خلافت و نیابت کی برکت سے تھا پھر یہ درجہ آں حضور کے لیے کیوں نہ ہو کہ خُدا کے خلیفہ اوّل دونوں جہانوں کا واسطہ اور خالق و مخلوق کے مابین رابطہ ہیں۔

(**مُتوکّل** صلی اللہ علیہ وسلم) متوکّل وہ ہوتا ہے جو حال میں اپنا ہر کام اللہ کے ذمہ کرم پر چھوڑ دے اور ذات مولیٰ سے اپنا گہرا تعلق قائم رکھے، کہا گیا ہے کہ توکّل اپنی ذاتی طاقت و تدبیر کے ترک کا نام ہے اور یہ توحید اور معرفت حق کا ایک اعلیٰ شعبہ ہے حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم تو اللہ کے عارفوں کے علی الاطلاق سردار ہیں اور اہل توحید کے عمومی اور خصوصی قائد و راہنما ہیں۔

(**کفیل** صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مایوسی اور شرمندگی کے دن اپنی اُمّت کی شفاعت کے ضامن اور متکفل ہوں گے۔

(**شفیق** صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی بطورِ شفقت اپنی اُمّت کے مشقت میں پڑنے سے دونوں جہانوں میں خوف محسوس کرنے والے بنا بریں اپنی اُمّت کے کبیرہ گناہ والے افراد سے آپ کا اظہار شفقت ہے کہ ان کے گناہ چھپاؤ۔ اور اپنی اُمّت کو یہ حکم فرمانا کہ جس پر اسلامی حد جاری ہو۔ اس کے لیے بخشش طلب کرو اور اس کے حال پر رحم کھاؤ اسی سلسلہ میں حدیث شفاعت نہایت اہتمام سے ذکر کی گئی ہے کہ قیامت کے دن سب لوگ نفسی نفسی پکارتے ہوں گے اور آپ یا رب اُمّتی اُمّتی کے الفاظ دہرا رہے ہوں گے، عربی محاورہ میں "شفقتُ من الشی" اس وقت بولا جاتا ہے جب اس شے سے خوف محسوس کیا جائے اور چھوٹوں پر شفقت سے مُراد ان کے لیے نرم دل ہونا ہے۔

(**مُقیم السُّنّۃ** صلے اللہ علیہ وسلم) سُنّت سے مُراد طریقہ ہے یعنی وہ طریقہ جس پر انبیاء علیہم السلام آپ سے پہلے تھے اور امامت سے مُراد اس کی اصلاح اور پختگی ہے یعنی وہ طریقہ اپنی اصلی استقامت پر آ جائے جس پر تمام شریعتیں متفق تھیں، اور وہ توحید حق تعالیٰ اور اسے تنہا عبادت کے لائق سمجھنا۔ بھلائی کا حکم اور بُرائی سے منع صلہ رحمی اور فقیروں سے محبت جیسے مکارمِ اخلاق کا شوق دلاتا تھا اور سنت سے آپ کی سُنّت مُراد ہے یعنی آپ کی وہ شریعت جو آپ کو اللہ کی

طرف سے اصلی اور فرعی صورت میں ملی اور اس کی اقامت سے مُراد لوگوں کو اس کے تمسک اور لازم پکڑنے اور اس پر عمل کرنے کا شوق دلانا ہے کہ باطل اور اہل باطل کی حوصلہ شکنی ہو۔

(مُقَدَّس صلے اللہ علیہ وسلم) دال مشددہ کی فتحہ سے اسم مفعول ہے یعنے آپ گناہوں سے پاک کئے ہوئے ہیں اس لیے کہ اللہ تعالٰے نے آپ کو تمام گناہوں کی آلائشوں سے معصوم کیا ہے گھٹیا اوصاف اور بُری عادات سے بھی آپ کی ذات مطلقاً پاک ہے ایسی چیزیں آپ کی شانِ زیبائی کے خلاف ہیں۔

(رُوحُ القدس صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ کی رُوح نقائص وعیوب سے مقدس ہے۔ اس اسم میں موصوف کی صفت کی طرف اضافت ہے اس کا تلفظ قُدُس اور قُدْس ہے معنی طہارۃ

(رُوح الحقّ صلی اللہ علیہ وسلم) ممکن ہے کہ حق سے مُراد دین اور ایمان ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس ایمان کی رُوح ہیں جس کا وجود آپ سے وابستہ اور قائم ہے اگر آپ نہ ہوتے تو ایمان کا وجود اور ظہور بھی کہیں نہ ہوتا دولت ایمان آپ کی بدولت لوگوں تک پہنچی آپ کی ذات مرکز ایمان اور اصل ایمان ہے، احتمال ہے کہ حق سے مُراد اللہ تعالٰی ہی ہو کیونکہ یہ اسم اسمأ الٰہیہ میں سے ہے اور رُوح کی حق کی طرف اضافت تشریفی ہے یعنی رُوح اللہ کی پیدا کردہ اور اللہ کے تصرّف میں مکمل طور پر ہے اس حیثیت سے حضور علیہ السلام بلحاظ درجہ ومقام تمام مخلوق سے اعلیٰ وارفع ہیں اور اصل کائنات ہیں۔

(رُوح القسط صلے اللہ علیہ وسلم) قسط کا معنی عدل وانصاف ہے یعنی عدل وانصاف کی رُوح رواں آپ ہی کی ذات ہے اگر آپ نہ ہوتے تو عدل وانصاف کا کہیں نام نہ ہوتا۔

(کافٍ صلے اللہ علیہ وسلم) یہ اسم شریف آسان اور صحیح نسخوں میں اسی طرح آیا ہے کہ اس کے آخر میں (یا) نہیں لکھی گئی اور بعض نسخوں میں یا کے ساتھ کافی لکھا گیا ہے اسی طرح مکتفٍ اور شافٍ بھی یا اور بغیر یا کے لکھنے میں آئے ہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے متبعین کو پہلے انبیأ علیہم السلام اور پہلی کتابوں سے کافی ہیں اسی طرح آپ اپنی کتاب اپنی شریعت وشفاعت وسیلہ وتعلق اور آپ کے اخلاقِ حسنہ کے اپنانے والے متبعین کے لیے کافی ہیں۔

(مُکتفٍ صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ اللہ سے مشغول ہیں اور ماسوای اللہ سے بے

نیاز آپ اس کے سوا کسی کا مشاہدہ نہیں کرتے آپ اس مخلوق شریعت کی اصل ہیں بلکہ کان ہیں اور آپ ہی سے دونوں جہان چمک رہے ہیں آپ دنیا کی ہر شے سے بے نیاز ہیں یہاں تک کہ عیش و عشرت لباس اور مکان وغیرہ۔

(بَالِغٌ صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ اپنے علم اور قرب سے اللہ کی طرف پہچانے والے ہیں آپ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو جاننے والے اور مقام و مرتبہ کے لحاظ سے سب لوگوں سے زیادہ قرب الٰہی رکھتے ہیں کیونکہ اللہ اور آپ کے درمیان کسی حال میں بھی کوئی حجاب اور پردہ نہیں ہوتا بلکہ آپ ہمیشہ مقام شہود و مراقبہ میں ہوتے ہیں جس طرح عارف نے کہا ہے کہ اے اللہ آپ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپکا جامع بھید ہیں جو تیری ذات پر دلالت کرتے ہیں اور تیری ذات کا سب سے بڑا پردہ ہیں جو تیرے سامنے قائم ہیں۔

(مُبَلِّغٌ صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُمور حق کے مبلغ ہیں اور اس شخص کے لیے بھی مبلغ ہیں جس کی اللہ تعالیٰ ہدایت پسند کرے اور نیک بختی کے درجات تک پہچانے کے لیے مبلغ بنائے گئے ہیں۔

(شَافٍ صلے اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ کی برکت اور دُعا سے اور آپ کے چھو لینے سے گمراہی کفر، جہالت جیسی بیماریوں دُور ہو جاتی ہیں آپ علوم اور حکمتوں اور سچی خبروں میں بھی شافی ہیں اور اپنی نظر کرم فرمانے اور وعظ و نصیحت فرمانے میں بھی شافی ہیں۔

(وَاصِلٌ صلے اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ اللہ سے ملانے والے ہیں یہ اسم اسم بالغ کا ہمعنی ہے یا اس کا معنی آپ صلہ رحمی فرمانے والے ہیں۔

(مَوْصُولٌ صلے اللہ علیہ وسلم) وصل سے اسم مفعول ہے وصل کا معنی وہ چیز جس کی قطع و برید ممکن نہ ہو یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مولیٰ سے وصل خاص سے ملے ہوئے ہیں جسے کوئی توڑنے والا نہیں ہے بہت سے صحیح نسخوں میں یہ اسم ص کے بعد والی واؤ کی سکون سے ہے اور بعض نسخوں میں اس کی جگہ موصل بر وزن مکرمٌ را کی فتحہ سے مذکور ہے اندریں صورت بھی یہ اسم مفعول ہے اور بعض نسخوں میں میں نے اسے ص کی کسرہ سے بھی لکھا ہوا پایا ہے موصل بروزن مُکرمٌ اس صورت میں یہ اسم فاعل ہے اس کا معنی ہوگا کہ جس چیز کے آپ مامور من اللہ ہیں اپنی

اُمت تک پہنچا دیتے ہیں یا اپنے اطاعت کرنے والے اور متبعین کو جنت میں پہنچا دینے والے ہیں۔
یہ اسم اسم مبلغ کے ہم معنی ہے۔

(سَابِقٌ صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ اللہ کی طرف ہر معاملہ میں پیشقدمی کرنے والے ہیں اور تمام مخلوق سے ہر ایک بھلائی و سعادت فضیلت و عزت نبوت و رسالت کی سرداری میں سب سے سبقت لینے والے ہیں۔ یہاں تک کہ عالم ارواح میں آپ سب سے پہلے مخاطب ا در

(سَابُق کا جواب ہاں میں سب سے پہلے آپ ہی نے دیا شفاعت اور جنت کے داخلہ میں بھی سب سے پہلا نمبر آپ ہی کا ہوگا اور تمام عباداتِ کریمہ اور اخلاق حسنہ جو صرف آپ ہی کے ساتھ مخصوص ہیں اور ان میں آپکا کوئی شریک نہیں ان اوصاف میں بھی آپ سبقت لے گئے ہوئے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی آپ پر خاص عنایت ہے۔

(سَابُق صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ لوگوں کو ہر بہتری اور بھلائی کی طرف چلانے والے ہیں آپ نیکوں کو جنت میں پہنچائیں گے اور بُروں کا دعوت حق اور خوف خداوندی کی تبلیغ سے اللہ کی اطاعت کی طرف لاتے ہیں۔

(هَادٍ صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندوں کے مُرشد ہیں کہ انہیں اللہ کی طرف بلاتے ہیں اور انہیں راہِ نجات کی پہچان کراتے ہیں ہدایت کا معنی کئی معنوں میں آتا ہے، ان میں سے ایک معنی بندے میں ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا ہدایت کے اس معنی سے صرف ذاتِ باری تعالیٰ ہی مخصوص ہے کیونکہ وہی ہر ایک شے کا خالق ہے اور ہدایت کے معانی میں سے ایک معنی بیان اور دلالت کرنے کا ہے یہی ہدایت کا اصلی معنیٰ ہے اس معنی سے اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم دونوں متصف ہیں ہدایت کا استعمال صرف بھلائی کے معنی میں ہوتا ہے جہاں تک اللہ تعالیٰ کے اس فرمان :-

فَاهْدُوهُمْ إِلَىٰ صِرَاطِ الْجَحِيمِ[1] ترجمہ: یعنی انہیں دوزخ کی راہ بتلائیے۔
کا تعلق ہے یہ بطور استہزا اور تحکم ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت میں دنیا اور آخرت کی

---

[1] پ ۲۳ سورہ صٰفٰت آیت ۲۳

رشد و فلاح ہے۔

(مُهدٍ صلی اللہ علیہ وسلم) تمام نسخوں کے اتفاق سے م کا ضمہ۔ دال کی کسرا ور یا کے خلاف کے ساتھ یہ اسم فاعل ہے یعنی آپ خلقت کو ہدایت دینے والے اور اللہ کی راہ دکھانے والے ہیں یہ اسم اسمِ ہادٍ کا ہمعنی ہے ھدیٰ اور مھدٍ کا فرق ظاہر ہے کہ مھدٍ میں بالاتفاق یا حذف ہے اور ھدیٰ میں بالاتفاق یا ثابت ہے۔

(مُقَدَّمٌ صلی اللہ علیہ وسلم) دال مشددہ کی فتحہ کے ساتھ یعنی آپ ہر بھلائی اور مرتبۂ کمال میں مقدم ہیں یہ اسم اسم سابق کے معنی میں ہے مگر اس اسم میں فاعل کا لحاظ ہے کہ آپ اللہ کے مقدم کرنے سے مقدم ہیں جب کہ اسم سابق میں صرف آپ کا سبقت سے متصف ہونا ہی ملحوظ تھا فرق ظاہر ہے۔

(عَزِیزٌ صلے اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ اپنے دشمنوں اور بداندیشوں پر غالب ہیں یا آپ مخلوق میں بے نظیر و بے مثال ہیں یہ اسم اسم ذو عز کے معنی میں ہے جو ذکر کیا جا چکا ہے۔

(فَاضِلٌ صلے اللہ علیہ وسلم) فَضْلٌ سے نکلا ہے یہ اسم زیادہ کے معنی میں ہے یعنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم شرف و کمال میں ہر لحاظ سے تمام مخلوق پر زائد ہیں۔

(مُفَضَّلٌ صلے اللہ علیہ وسلم) ض کی فتحہ سے یہ اسم مفعول ہے یعنی آپ اللہ کے فضیلت دینے سے تمام مخلوق پر فضیلت رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو فضل و کرم اور عزو شرف سے مخصوص کیا ہے اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں میں بالعموم اور انبیاء و مرسلین اور ملائکہ میں بالخصوص آپ کو مخصوص کیا ہوا ہے اور اس بات میں کوئی اختلاف بھی نہیں ہے آپ کی افضلیت تمام مخلوق پر ہے اس پر اُمت کا اتفاق ہے اجماع اُمت کے بعد اس مسئلہ پر گفتگو کی گئی ہے کہ ویسے تو آں حضور کی افضلیت کل کائنات پر ہے مگر دورانِ ذکر مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم زبانی اور عملاً اعتقادی طور پر مفضول کا تعین کیا جا سکتا ہے یا نہیں جس طرح کہا جائے کہ آپ عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں، احترام نبوت کے لیے تعین نہ کیا جائے گا اور یوں نہ کہا جائے کہ آپ عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں اگرچہ قائل کے اعتقاد میں ایسا ہی ہو بلکہ یوں کہا جائے کہ آپ تمام مخلوق سے عام طور پر اور انبیاء علیہم السلام سے خصوصی طور پر افضل ہیں اور کسی نبی کو خاص کر کے نامزد نہ کیا جائے اس پر حضور ہی کا ایک قول ملتا ہے کہ مجھے موسیٰ علیہ السلام پر مت فضیلت

دو اور تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں - یہی جمہور کا مختار مذہب ہے۔

(فاتح صلے اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ ہر بھلائی کے فاتح ہیں ہدایت کا دروازہ بند ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے حضور ہی کی برکت سے کھولا نیز آپ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اندھی آنکھیں بہرے کان اور پتھرائے ہوئے دل کھول دیئے آں حضور اپنی اُمت پر رحمت کا دروازہ کھولنے والے اور افراد اُمت کی آنکھیں اللہ کی پہچان اور اس پر ایمان لانے کے لیے بھی آپ ہی نہ کھولیں، شفاعت کئے جانے والے سب لوگوں کے لیے آپ شفاعت کا دروازہ کھولنے والے ہیں اور جنت میں داخل ہونے والوں کے لیے بھی آپ ہی دروازہ جنت کھولیں گے، نیز آپ نفع بخش علم اور عمل صالح کی راہیں کھولنے والے ہیں آپ کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ملک اور شہر فتح کئے غرضیکہ آپ کی ذات دنیا و آخرت کی فاتح ہے۔

(مفتاح صلے اللہ علیہ وسلم) یہ اسم فاتح کے معنی میں ہے کیونکہ مفتاح صیغہ مبالغہ ہے جو کثرتِ فتح پر دلالت کرتا مفتاح دراصل فتح سے اسم آلہ ہے مفتاح کا معنی دندانوں والی چابی مراد یہ ہے کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم مہمات اور ہر ممکن سے مشکل اُمور کی چابی ہیں۔

(مفتاح الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ کی وہ ذات ہے جن کے ذریعہ سے آپ کے متبعین پر دین اور دنیا ظاہر اور باطن میں سب رحم کیا جاتا ہے اور آخرت میں آپ کے سامنے رحم کیا جائے گا۔

(مفتاح الجنۃ صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم حقیقی چابی کی مانند ہیں اس حیثیت سے کہ سب سے پہلے جنت میں آپ خود داخل ہوں گے اور آپ سے پہلے کوئی جنت میں داخل نہ ہو سکے گا اور جنت میں وہی شخص داخل ہوگا جو آپ پر عقیدت و محبت کے ساتھ ایمان رکھتا ہوگا گویا جنت کا داخلہ آپ کی اطاعت و اتباع پر موقوف ہے۔

(علم الایمان صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ ایمان کی نشانی اور معرفت الٰہی کی علامت ہیں آپ اللہ کی دلیل اور اس کی ذات پر دلالت کرتے ہیں اور آپ کے سوا اللہ کی ذات پر کوئی دلیل ہے نہ کوئی دال، آپ اللہ کی درگاہِ بے نیازی کا سب سے بڑا دروازہ ہیں اور اس کی ذات کی بہت پختہ راہ ہیں اللہ نے آپ کو اپنی ذات پر دلیل بنا کر بھیجا اور آپ ہی نے راہِ حق کی

پہچان کرائی آپ کی دعوت عام اور رسالت تام اور مکمل آں حضور نے اپنے افعال و اقوال سے اللہ کی ذات پر دلیل قائم کی اللہ کے جلال وجمال کے مشاہدہ کے لیے رُوحوں کو بیدار کیا اللہ کی طرف بلانے والے ہر ایک شخص نے دعوت الی الحق میں آپ کی اقتدا کی اور ہر ایک دلیل آپ نشاندہی سے دلالت کرتی ہے نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علامت ایمان بایں معنی ہیں کہ بے شک آپ کی محبت علامت ایمانی ہے جس میں آپ کی محبت ہوگی وہ مومن ہے اگر محبت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوگی تو مومن نہ ہوگا۔

(عِلمُ الیَقِین صلی اللہ علیہ وسلم) یہ اسم بھی علامت اور دلیل کے معنٰے میں ہے یقین ایمان کا اعلیٰ درجہ ہے اور یہ آنحضورؐ کی وصف خاص ہے علم الیقین علم حقیقی اور تحقیق کے معنی میں ہے تحقیق جس کی ضد شک ہوتا ہے یہ کبھی صرف علم ہی ہوتا ہے اور کبھی کشف وشہود تجلی و وضوح کے ساتھ ہوتا ہے قوت اور ضعف کے اعتبار سے اس میں اختلاف ہے اسی لیے اس کی تقسیم علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین کے لحاظ سے ہوتی ہے۔

(دَلِیلُ الخَیرات صلے اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم ہر بھلائی بتلانے والے اور اس تک پہنچانے والے ہیں اور ہر بھلائی کی طرف آپ برکت سے اور آپ کے نُور رسالت و نبوت سے پہنچا جاسکتا اور اس کے حصُول میں کوشش کی جاسکتی ہے۔

(مُصحح الحسنات صلے اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم عبادات اور بندگی اور حصُول قُرب کے اعمال کی اصلاح فرمانے والے ہیں، اس لحاظ سے کسی کا کوئی عمل صحیح اور مقبول نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے عمل کے ساتھ آپ کی اتباع اور محبت اور آپ کی ملّت کی سند نہ ہو جس کا آپ کی ذات پر ایمان نہ ہو اس کا کوئی نیک عمل اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتا۔

(مقیل العثرات صلے اللہ علیہ وسلم) ثا کی فتحہ کے ساتھ عَثرۃ کی جمع ہے معنی گمراہی میں واقع ہونا یا گرجانا، مقیل اقالہ سے ہے معنی مجرم کا مواخذہ کے لائق ہونے کے باوجود اس سے چشم پوشی اور درگذر کرنا، حضورؐ علیہ السلام بھی اپنے لُطف وکرم سے مواخذہ ترک فرما دیا کرتے تھے کیونکہ آپ حلم سے متصف ہیں اور حلم آپ کی وصف خاص ہے۔

(صفوحٌ عَنِ الزّلّاتِ صلے اللہ علیہ وسلم) جاننا چاہیے منہ پھیر لینا کو عربی صَفَحَ

کہا جاتا ہے۔ صفحٌ عَنِ الذَّلّاتِ گناہ معاف کر دینے پر بولا جاتا ہے صَفح کی جمع ہے معنی پھسل کر گر جانا یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان ہے کہ آپ کے حق میں اگر کوئی غلطی یا لغزش کرتا تو آپ اسے معاف کر دیتے آپ ہمیشہ لوگوں کی غلطیوں پر گرفت نہ فرماتے اگر کسی سے کوئی لغزش ہوئی تو درگزر فرماتے یہ معاملہ اپنی ذات تک تھا اللہ کے معاملہ میں آپ سختی فرماتے۔

صاحب الشفاعۃ (صلے اللہ علیہ وسلم) جاننا چاہیے کہ آخرت میں آپ کی شفاعت اجماع اور سُنّت سے ثابت ہے آپ کئی شفاعتیں فرمائیں گے جن میں سے سب سے بڑی شفاعت تمام مخلوق کی شفاعت ہو گی جب مخلوق کھڑے کھڑے تھک چکی ہو گی آپ کی شفاعت سے فوراً اس میں خوشی کی لہر دوڑ جائے گی اور چین میسر آئے گا ایسی شفاعت بھی بالاجماع آپ سے مخصوص ہے کیونکہ آپ درجہ میں تمام شفاعت کرنے والوں سے بڑے ہیں ممکن ہے کہ یہاں شفاعتِ عظمیٰ ہی مُراد ہو شفاعت پر ال عہد کا ہو گا کیونکہ مصنف کے علاوہ یہ اسم دوسرے مصنفوں سے شفاعتِ کبریٰ کے طور استعمال ہوا اور اس شفاعت کا ذکر اس لیے خاص کیا گیا ہے کہ یہ شفاعت نہایت مہتم بالشان ہے اور آں حضور اس کے ساتھ مختص ہیں۔ دوسری شفاعت قوم کو بے حساب جنّت میں داخل فرمائیں گے، تیسری شفاعت جو گنہگار دوزخ میں جانے کے مستحق ہوں گے انہیں دوزخ میں جانے نہ دیں گے، چوتھی شفاعت جو اہلِ ایمان دوزخ میں جا چکے ہوں گے انہیں دھڑا دھڑ باہر نکالیں گے یہاں تک کہ ان میں سے ایک بھی دوزخ میں باقی نہ رہے گا، پانچویں شفاعت جنتی اقوام کو درجات میں ترقی دلاتے رہیں گے۔ چھٹی شفاعت نیک مسلمانوں کی نیکیوں میں واقع ہونے والی کمی دُور کروائیں گے، بعض نے شفاعت موقف[1] مزید ذکر کی ہے کہ موقف میں لوگوں کو حسابی تخفیف کے لیے اپنی شفاعت سے سرفراز فرمائیں گے نیز جن کفار کے لیے دوزخ میں ہمیشہ ٹھہرنا ہو گا ان کے لیے تخفیف عذاب کی شفاعت فرمائیں گے جس طرح حضرت ابو طالب کے لیے تخفیف مطلق ابو لہب کے لیے ہر پیر کے دن کیونکہ اس نے آپ کی ولادت پر پیر کے دن خوش ہو کر اپنی خادمہ ثوبیہ جس نے آپ کی ولادت باسعادت کی خوش خبری دی تھی۔ آزاد کر دیا تھا، مشرکین کے

---

[1] موقف دوزخ جنّت کے حساب کے لیے رکنے کی جگہ کا نام ہے۔ (مترجم سید امیر محمد قادری)

(حاشیہ نمبر ۲ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

چھوئے کے لیے عذاب نہ دیئے جانے کی شفاعت فرمائیں گے، آپ اپنی اہل بیت کے لیے اللہ سے سوال کریں گے کہ انہیں آگ میں داخل نہ کیا جائے تو یہ معاملہ آپ ہی کے سپرد کر دیا جائے گا۔ آپ اُمت کے اعمال بھاری کر دینے کی شفاعت فرمائیں گے، اعراف والوں کے لیے جنت میں داخل ہونے کی شفاعت فرمائیں گے یہ ایسے لوگ ہوں جن کی نیکیاں اور بُرائیاں برابر ہوں گی۔ آپ قبرستان والوں کے لیے تخفیف عذاب کی شفاعت فرماتے ہیں، بخاری و مسلم میں ہے کہ شفاعت کا تعلق برزخ سے ہے قیامت سے نہیں، آپ کی طرف سے وعدۂ شفاعت پر بھی کئی احادیث آئی ہیں جن کا رجوع پہلی قسم کی شفاعتوں کی طرف ہے۔

(صاحب المقام صلی اللہ علیہ وسلم) میم کی فتحہ سے اس سے مراد مقام محمود ہے یہ فیصلہ کے وقت کی شفاعت ہے۔

صاحب القدم صلے اللہ علیہ وسلم) ق اور دال کی فتحہ کے ساتھ درجات کمال میں سبقت لے جانے پر بولا جاتا ہے آپ علیہ السلام اُمورِ کمال میں سب سے متقدم اور بارسوخ ہیں

(مخصوصٌ بالعز مخصوصٌ بالمجد مخصوصٌ بالشرف صلی اللہ علیہ وسلم)

یہ تینوں اسماء ہم معنی ہیں یا قریب المعنی ہیں ان سے مراد قدر و منزلت عظمت مقام و مکان ہے ان تمام درجات کے ساتھ آپ کی ذات علی وجہ الکمالی اور کما حقہٗ۔ درجہ انتہا تک پہنچنے میں مخصوص ہے اوصاف مذکورہ میں سے اگر کوئی پہنچا ہے تو وہ آپ کی مدد اور اتباع سے پہنچا ہے کیونکہ یہ اوصاف دراصل آپ ہی سے مختص ہیں۔

(صاحب الوسیلۃ صلی اللہ علیہ وسلم) فصل فضائل میں وسیلہ پر گفتگو ہو چکی ہے تاہم اس کا معنیٰ جنت کا اعلیٰ درجہ ہے۔

(صاحب السیف صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نیام میں ہمیشہ

۱؎ جو شخص میلاد مصطفےٰ پر اظہار مسرت نہ کرے وہ ابلیس کا ساتھی اور ابو لہب سے بھی بدترین ہے امام اہل سنت احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

نثار تیری چہل پہل پر ہزاروں عیدیں ربیع الاول
سوائے ابلیس کے جہاں میں سبھی تو خوشیاں منا رہے ہیں
(مترجم عفرلہٗ)

۲؎ دوزخ جنت کے درمیان ایک مقام کا نام اعراف ہے۔ (مترجم)

تلوار تیار رکھی تاکہ اس سے اعلائے کلمۃ الحق کا کام لیا جائے اس میں دو اشارے ملتے ہیں ایک تو آپ کے جہاد و قتال کی طرف اشارہ ہے اور دوسرا آپ کی شجاعت اور ثابت قدمی کی طرف اشارہ ہے کسی نبی نے بھی آپ جیسا جہاد و قتال نہیں کیا۔

(صاحب الفضیلۃ صلے اللہ علیہ وسلم) فضیلہ بروزن فعیلہ فضل سے نکلا ہے اس کی ضد نقص ہے، کمال اور فضیلت کے فضائل ایک ہی ہیں جب کہ دراصل فضیلت کا معنی وصفِ جمیل اور پسندیدہ حقائق و معانی کا ہے مثلاً علم و حیا جود و سخا شجاعت و دلیری ذکاوت عقل جودتِ طبع وغیرہ یہ محمودہ خصائل اور اوصافِ حسنہ فضیلت کہلاتی ہیں کیونکہ اس کا فضل و شرف اہل عقل کے نزدیک ناقابلِ انکار ہے اور ہر صاحب عقل و دانش پر جو ہستی اس فضیلت سے متصف ہو گی کی بزرگی وعظمت واضح ہو گی، صاحب فضیلت بیک وقت مختلف فضائل کی جامع شخصیت ہو گی اور ممکن ہے کہ فضیلت کوئی خاص خصوصیت ہو جو آخرت میں ان عجیب و غریب حقائق و اوصاف سے ہو جنہیں آپ کے مولیٰ سبحانہٗ نے آپ کے لیے جمع کر رکھا ہو وہاں تک نہ عقلوں کو رسائی ہے نہ اس کے حصول میں بڑے باہمت لوگ کامیاب ہو سکتے ہیں۔

(صاحب الازار صلی اللہ علیہ وسلم) عربی ملبوسات میں سے ازار بھی ایک لباس ہے۔ جس سے بدن کا نچلا حصہ ڈھانپا جاتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ازار زیبِ تن فرماتے کیونکہ اہل عرب کی عادت میں ازار پہننا تھا اس میں آپ کے پختہ عربی نسل ہونے کا اشارہ ملتا ہے یہ اظہار مدح کے لیے ذکر کیا گیا ہے ورنہ محض ازار پہننے میں تو کوئی کمال نہیں ہے۔

(صاحب الحجۃ صلے اللہ علیہ وسلم) حجت ایسی دلیل کو کہا جاتا ہے جس کے سبب مخالف پر غلبہ حاصل کیا جائے اس سے مراد معجزہ ہے یا اس کے قائم مقام کوئی چیز آپ کے معجزات اور آپ کی نبوت کی دلائل براہین نہایت قوی اور مضبوط ہیں لیکن ان کا شمار ممکن نہیں مگر جو ان میں تحریراً ضبط ہو سکے ان کی تعداد ایک ہزار ملتی ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی تعداد تین ہزار ہے مگر معجزۂ قرآن کے علاوہ کیونکہ سرکار کا یہ معجزہ تمام معجزات سے بڑا ہے جس میں سرکار کے کم و بیش ساٹھ ہزار معجزات ہیں قرآنِ کریم حضور پُرنور کا بڑا معجزہ ہے جو مخلوق کے درمیان قیامت تک رہے گا اور کسی نبی کا کوئی معجزہ قیامت تک باقی نہیں رہے گا۔

(صاحب السُّلطان صلی اللہ علیہ وسلم) س کے ضمہ اور لام کی سکون سے اور لام بھی مضموم ہوتا ہے مذکر مؤنث دونوں طرح آتا ہے اس کے کئی معنی ہیں ان میں سے ایک معنی حجت اور بُرہان ہے۔

قرآن مجید میں ہے :۔

أَتُرِيدُونَ أَن تَجْعَلُوا لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا مُّبِينًا[1] ترجمہ: کیا یہ چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ کے لیے صریح حجت کر لو۔

یہاں سُلطان مبین کا معنی کھلی دلیل ہے اور ایک معنی ملکی دبدبہ اور رعیت کا حُسن انتظام ہے یہ سب معانی حضور علیہ السلام کو حاصل تھے، شعیا پیغمبر کی کتاب میں آپ کا یہ نام مذکور ہے بعض قدیم کتابوں میں بھی یہ اسم ذکر کیا گیا ہے۔

(صاحب الرداء صلی اللہ علیہ وسلم) اس اسم سے بھی آپ کے عربی النسل ہونے کا اشارہ ہے رداء بھی عربی ملبوسات میں سے ایک مقبول لباس ہے لباس ازار کی طرح لیکن رداء بدن کے اُوپر والے حصہ پر پہنی جاتی ہے اور ازار جسم کے نچلے حصہ میں پہنی جاتی ہے۔

(صاحب الدرجة الرفیعة صلی اللہ علیہ وسلم) اس سے مراد قدر و منزلت کا اُونچا مرتبہ ہے جو مخلوق کے تمام درجات سے برتر ہے۔

(صاحب التاج صلی اللہ علیہ وسلم) اس تاج سے مُراد عمامہ ہے عمامہ پہننا عرب کی روایات میں داخل تھا اور عرب کا عمامہ عجمی لوگوں کے تاج شہنشاہی سے بھی خوبصورت ہوا کرتا تھا تاج کا رواج عرب میں نہ تھا اور عمامہ عرب میں معروف شی ہے اسم صاحب تاج میں گویا آپ کو صاحب عمامہ کہا گیا ہے اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ آپ حسب و نسب کے لحاظ سے اشرافِ عرب میں سے عربی النسل ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ کے سوا کسی نبی نے عمامہ نہیں پہنا۔

(صاحب المِغفَر صلی اللہ علیہ وسلم) میم کی کسرہ غین معجمہ کی سکون اور فا کی فتحہ سے

---

[1] پ ۵، سورہ نساء، آیت ۱۴۴۔

یہ لوہے کا خود ہوتا ہے جو جنگی خطرات میں ٹوپی کی مانند سر پر اوڑھ لیا جاتا ہے ہمارے آقا و مولیٰ ایام جہاد میں اسے سر پر پہنا کرتے تھے یہ آپ کی عظیم الشان شجاعت اور ادائے حق کے ساتھ کثرت قتال کی دلیل ہے۔

(صاحب اللواء صلے اللہ علیہ وسلم) لام کی مد اور کسرے سے اس سے مراد وہ لواء الحمد ہے جو روز محشر آپ کو عطا کیا جائے گا جس طرح بعض نے اس پر تصریح کی ہے کہ یہ ایک بہت بڑا جھنڈا ہوگا جو قیامت کے دن حضور علیہ السلام کے مبارک ہاتھوں میں ہوگا تاکہ لوگ آپ کی جگہ پہچان سکیں اور آپ کے پاس آکر پناہ لیں اور اس جگہ جھنڈے کے سایہ میں جمع ہو جائیں اور کبھی لواء حرب و جنگ بھی ہوتا ہے لواء اور رایۃ دونوں جھنڈے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں مگر ان کے درمیان فرق ہوتا ہے۔ لواء چھوٹے جھنڈے کو کہا جاتا ہے اور رائیت بڑے جھنڈے کو کہا جاتا ہے ابو ذر خشنی نے کہا ہے کہ لواء مستطیل ہوتا ہے اور رائیت مربع شکل کا ہوتا ہے۔

(صاحب المعراج صلے اللہ علیہ وسلم) عروج سے اسم الہ ہے معنی بلندی کی طرف چڑھنا یہ ایک قدرتی سیڑھی ہے جس پر آپ کے سوا کوئی نہ چڑھ سکا اللہ تعالیٰ نے آپ کو شب اسراء میں عزت بخشی آسمانوں کی بلندیاں چشم زدن سے پہلے طے کیں۔ دیدار الٰہی کیا اللہ سے ہمکلام ہوئے انبیاء علیہم السلام کو امامت کرائی اور بہت سی قدرت کی نشانیاں دیکھیں۔

(صاحب القضیب صلی اللہ علیہ وسلم) اس کا معنی تلوار ہے ممکن ہے کہ قضیب سے مراد باریک اور لمبی چھڑی ہے جو حضور علیہ السلام اپنے مبارک ہاتھوں میں پکڑا کرتے تھے اور اسے زمین پر ٹیک کر چلا کرتے تھے اب وہ امراء و سلاطین اسلامی بطور یادگار اور تبرک کے بعد دیگرے علامتی طور ہاتھ میں پکڑتے ہیں اگر قضیب سے مراد تلوار ہو تو یہ آپ کے کثرت غزوات و جہاد اور کثرت فتوحات و غنائم پر اشارہ ہے۔

اس صورت میں قضیب بروزن فعیل بمعنی فاعل ہوگا قَضَبَۃً بمعنی قطعۃً سے مشتق ہوگا یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس مہارت سے کاٹتے ہیں کہ اسے آپ کے سوا کوئی جوڑ نہیں سکتا یہ امر آپ کی شجاعت اور کثرت جہاد سے تعبیر ہے اگر قضیب سے مراد لاٹھی ہو تو پھر یہ آپ کے بلند پایہ خطیب اور پختہ عربی ہونے سے عبارت ہے لیکن اس صورت میں قضیب بروزن

فعیل بمعنی فاعل ہوگا قَضَبَہٗ بمعنی قطعہٗ سے مشتق ہوگا یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس مہارت سے کاٹتے ہیں کہ اسے آپ کے سوا کوئی نہیں جوڑ سکتا یہ امر بھی آپ کی شجاعت اور کثرت جہاد سے تعبیر ہے اگر قضیب سے مراد لاٹھی ہو تو پھر یہ آپ کے بلند پایہ خطیب اور پختہ عربی ہونے سے عبادت ہے لیکن اس صورت میں قضیب بروزن فعیل بمعنی مفعول ہوگا یعنی قضیب درخت سے کاٹی ہوئی شاخ کو کہا جائے گا۔

(صاحب البراق صلے اللہ علیہ وسلم) با کے ضمہ سے یہ عالم بالا کی مخلوق ہے یہ ایک سواری ہے جو خچر سے کم اور گدھے سے بڑی رنگت سفید روایت کی گئی ہے کہ اس کا چہرہ انسان کی مانند جسم اور سم گھوڑے کی طرح دم ہرن یا بیل کی دموں کے مشابہ دم میں دو قول ہیں پاؤں کا پچھلا حصہ اونٹ کی طرح نرم اس کا سینہ سرخ یاقوت کی طرح اس کی زین اور نمدہ سفید چمکدار موتی کی طرح اس ایک جنتی مرد سوار اس کے دو پر جن سے بجلی کی مانند اڑے اسی مناسبت سے کہ وہ سفید ہے چمک دار ہے بجلی کی طرح تیز ہے براق کہا گیا ہے نہ وہ نر ہے نہ مادہ یا اس میں سفیدی کے ساتھ باریک سیاہ دھاریاں ہیں صرف کندھوں پر کھال کے اوپر اور سفید بالوں کے نیچے شب اسریٰ حضور نے اس پر سواری کی اور قیامت کے دن ستر ہزار فرشتوں کی جماعت کے ساتھ خراماں خراماں اسی براق پر سواری فرما کر تشریف لائیں گے اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا آپ کے سوا اس براق پر کسی دوسرے نبی نے سواری کی ہے یا نہیں پہلی بات ہی صحیح ہے کہ وہ براق آپ ہی کے لیے مخصوص ہے۔

(صاحب الخاتم صلی اللہ علیہ وسلم) اس سے مراد خاتم نبوت ہے تا کی فتحہ اور کسرہ سے لیکن کسرہ زیادہ مشہور ہے اور زیادہ با فصاحت ہے مناوی علی الشمائل میں بھی کسرہ نقل کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ حضور کی مہر نبوت تھی اس میں اعراب کی دو وجہیں مذکور ہیں مگر صاحب مصباح نے کسرہ کو فصیح کہا ہے لیکن آنحضرت کے ساتھ غیر مختص ہے۔ بلکہ دوسرے انبیاء کے لیے بھی یہ مہر نبوت یا نبوت کا مخصوص نشان ہوا کرتا تھا مگر فرق اتنا ہے کہ باقی انبیا کا نشان نبوت عموماً داہنے ہاتھ یا داہنی طرف ہوا کرتا اور ہمارے آقا و مولی حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا نشان یعنی مہر نبوت پشت پر آپ کے دل کے برابر تھی شیطان اسی رستہ سے دل میں داخل ہوتا ہے شیطان کے لیے حضور پر یہ رستہ بند تھا اس میں آپ کی خصوصیت ہے مہر نبوت کی صفت پر بہت سی قریب

المعنی احادیث وارد ہوئی ہیں ان میں سے ایک روایت یوں ہے کہ وہ آپ کے جسم میں گوشت کا اٹھا ہوا حصہ بائیں کندھے کے نزدیک کبوتری کے انڈے کے برابر جس کو گھنے سیاہ بالوں نے ڈھانپ رکھا تھا مہر نبوت کے متعلق دو قول ہیں ایک یہ کہ جنابہ حلیمہ سعدیہ کے ہاں ہوتے ہوئے جب پہلی مرتبہ آپ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا تھا تو یہ مہر لگ آئی تھی اور دوسرا یہ کہ مہر نبوت آپ کا پیدائشی نشان ہے۔

(صاحب العلامۃ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یعنی سرکار کی یہ علامت بھی انہی علامات کی جنس ہے جن کے ذریعے اہل کتاب حضور کو پہچانتے تھے اس کا رجوع آپ کی ذات کی طرف ہے یا صفات کی طرف یا آپ کے اسم شریف کی طرف یا آپ کی حسب ونسب کی طرف یا آپ کے زمان ومکان کی طرف یا آپ کے لباس اور عادات کریمہ کی طرف یا اس کے علاوہ آپ کی ہر وہ چیز جس سے آپ کی نبوت کا علم حاصل ہو سکتا ہے یہ صورت حد شمار سے باہر ہے۔

(صاحب البرھان صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم صاحب حجت ودلیل ہیں البرہان کا ال جنس کا ہے جو ان تمام حجج اور ادلہ کو شامل ہے جن سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ دلیل طلب کرنے والے منکرین خاموش ہو جاتے ہیں نیز البرہان سے ان دلائل قاطعہ اور براہین واضحہ کو شامل ہے جن سے آپ کی نبوت کی صحت اور سچائی اور آپ کی رسالت کی عظمت سامنے آتی ہے قسم قسم کے کمالات سے آپ کا متصف ہونا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اللہ نے آپ کو آیات بینات اور اعلیٰ قسم کے معجزات سے مختص کیا۔ مثلاً چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا، پتھروں اور درختوں کا آپ کو صلوٰۃ وسلام پیش کرنا، آپ کے فراق میں سوکھے درخت کے تنے کا رونا، آپ کی انگلیوں سے پانی کے چشمے نکلنا آپ کی مٹھی میں کنکریوں کا تسبیح پڑھنا، آپ کے بلانے پر درختوں کا جڑوں سے اکھڑ کر حاضر خدمت ہونا وغیرہ۔

(صاحب البیان صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ علیہ السلام نے لوگوں کو قرآن وسنت اور دنیا وآخرت کی رشد وفلاح کے طریقے بیان کیے بغیر حق کو باطل سے ہدایت کو گمراہی سے ایمان کو کفر سے طاعت کو معصیت سے حلال کو حرام اور ثواب کو عقاب جانچنے کے لیے اصول وضع کئے اور بے شمار اقوال وافعال کی امت کی بہتری کے لیے اصلاح کی ہلاکت سے بچنے اور نجات حاصل کرنے کی راہیں کھولیں اندھیرے

اور ظلمت کو نورِ حق سے روشن کیا اور لوگوں کے لیے سیدھی راہ پا چلنے کا طریقہ معین کیا آپ کی بعثت سے پہلے لوگ گمراہی میں سرگرداں تھے اور ان سے وہ اعمال سرزد ہوتے تھے جن سے ہر شخص دوزخ کا مستوجب بن رہا تھا اور وہ لوگ آگ کے دہانے پر کھڑے تھے آپ نے انہیں اپنے بیان وہدایت سے بچا لیا، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس لحاظ سے بھی صاحب البیان ہیں کہ آپ نے نہایت فصاحت وبلاغت اور حکیمانہ انداز اور نورِ فراست سے ہر شخص سے اس کی سطح عقل کے مطابق گفتگو کی تاکہ اسے انکار کی گنجائش باقی نہ رہے کہ سرکار کی گفتگو میری قابلیت اور قوتِ فہم وادراک سے برتر تھی۔

(**فصیح اللسان** صلے اللہ علیہ وسلم) لسان سے مراد لغت ہے یعنی آپ علیہ السلام فصیح الکلام تھے حضور پرُنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں عرب میں سب سے زیادہ فصیح وبلیغ ہوں اور اہلِ جنت میری طرح گفتگو کیا کریں گے نیز حضور نے فرمایا میں نے لغت جناب اسماعیل پڑھی جو میرے پاس جناب جبریل علیہ السلام لائے اور میں نے اسے یاد کر لیا۔

(**مطھّر الجنان** صلے اللہ علیہ وسلم) ہا مشددہ کی فتحہ سے اور ج کی فتحہ سے جنان بالفتح دل کو کہا جاتا ہے اس میں آپ کی طہارت قلب کی طرف اشارہ ہے جب فرشتوں نے آپ کا سینہ بے کینہ چاک کیا اور آپ کے دل اقدس کو نکال کر اس سے کدورت کا حصہ نکال باہر کیا اور اس وقت فرشتے کہہ رہے تھے یہ شیطان کا حصہ تھا اے محمد کبھی اس دل میں اس کا گذر نہ ہو گا کیونکہ ہم نے اس کے وساوس ڈالنے کی جگہ نکال دی۔ پھر آب زمزم سے اسے دھویا اور نور کی مہر لگا کر اس کی اصل جگہ نصب کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دل اقدس اوصاف بشریہ سے پاک تھا نہ اس میں کسی بری عادت کا گذر نہ کوئی ایسی صورت جس سے عبودیت میں فرق آئے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود سے روایت ہے اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں کے دلوں کا معائنہ کیا ان سب میں سے دل مصطفےٰ کا انتخاب کیا اسے اپنی ذات کے لیے پسند کیا اور آں حضرت کو رسول بنا کر بھیج دیا۔

(**رءوف** صلے اللہ علیہ وسلم) یہ اسم رأفۃ سے نکلا معنی رحمت وشفقت۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سائلوں پر بے حد شفقت فرمایا کرتے تھے۔

(رحیم صلے اللہ علیہ وسلم) یہ اسم رحمت سے نکلا ہے معنی مہربانی کرنا شفقت فرمانا، نرمی کرنا یہ پہلے اسم کا ہم معنی یا متقارب المعنی ہے۔

(اُذُنُ خیرٍ صلی اللہ علیہ وسلم) الف اور ذال کے ضمہ کے ساتھ معنی خیر وصلاح کے سننے والے اور شر وفساد کی طرف کان نہ دھرنے والے یہ آپ کے کمال رحمت کی وصف ہے اس میں آپ کے جود وسخا اور حسن خلق کی تعریف ہے سچی بات کے سوا آپ نے نہ کبھی چغلی سنی اور نہ غیبت کی طرف کان دھرا بلکہ آپ کو ایسی باتوں سے طبعی نفرت تھی۔

(صحیح الاسلام صلے اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ کا اسلام انتہائی قوت وکمال کی چیز ہے اگر مصنف کے نزدیک اسلام سے سرکار علیہ السلام کی ذات کا اسلام مراد ہے تو بے شک تمام مخلوق میں آپ کا اسلام سب سے پختہ اور مضبوط ہے اور آپ تمام مخلوق سے ایمان میں اکمل واتم ہیں اور اپنے خدا کی بندگی میں بے مثال ہیں اور اگر اسلام سے مراد آپ کی وہ ملت ہے جسے آپ نے اپنی اُمت کے لیے مشروع قرار دیا تو آپ شریعت میں تمام انبیاء سے اکمل ہیں اور طریقہ کے لحاظ سے افضل ہیں۔

(سیّدُ الکونین صلے اللہ علیہ وسلم) کونین سے مراد دنیا وآخرت ہیں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد زمین وآسمان ہیں اور کون بمعنی مُحدث جس طرح تو کہے۔

کَوَّنَ اللّٰہُ العَالَمَ اَی اَحدثَہٗ فتکون ۔ ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ نے دنیا جہان کو عالم سے شہود بخشا یعنی تغیر دیا۔

دنیا وجود میں آگئی اور سیّد الکونین کا معنی دونوں جہانوں میں رہنے والے لوگوں کے سردار۔ فن اصول کے مطابق یہ صورت بطور دلالت اقتضا ہوگی کیونکہ صحت کلام اسی پر موقوف ہے اور فن بیان کے مطابق قانون حذف مضاف سے اصل پوشیدہ رکھا گیا ہے اصل عبارت یوں ہے۔ سَیِّدُ اھلِ الکونین۔

(عین النعیم صلے اللہ علیہ وسلم) عین الشئی سے کسی شئی کی ذات اور حقیقت مراد ہوتی ہے نعیم۔ تنعم۔ تمتع تلذذ۔ سرور ولذت کے معنی میں ہیں یہ سب چیزیں حضور کی ذات میں موجود ہیں یعنی آپ کی ذات پر ایمان لائے بغیر نہ سرور زندگی ہے نہ عزت مرگ لفظ نعیم اسی حالت سے معتبر نسخوں میں عین کے بعد ی سے لکھا ہوا ہے کچھ دوسرے نسخوں میں نعیم ی کے بغیر نعم بھی لکھا ہوا ہے بہرحال

دونوں حالتوں میں یہ اسم بطورِ مبالغہ استعمال کیا گیا ہے کیونکہ آپ نہ نعیم ہیں نہ نعم بلکہ آپ ان کے حصول کا اصل سبب ہیں مخلوق کو نعیم و نعم بھی دنیا و آخرت میں حاصل ہوں گے وہ آپ کے سبب اور واسطہ سے ہوں گے۔

(**عین الغُرّ** صلی اللہ علیہ وسلم) غ معجمہ کا ضمہ اور رأ مشددہ کے ساتھ جلی اور آسان نسخوں میں اسی طرح آیا ہے غرا غر کی جمع ہے غرہ سے نکلا ہے غرہ ہر عزت والی چیز اول درجہ کی چیز بہترین شی کو کہا جاتا ہے، عین سے مراد دیکھنے والی آنکھ ہے یا بہترین چیز کے معنی میں ہے یا قوم کے سردار کے معنی میں ہے سرکار دو عالم سب کے سرتاج بھی ہیں سب سے بہتر بھی ہیں اور سب کے سردار بھی ہیں ممکن ہے کہ غر سے مراد اُمتِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہو کیونکہ یہ اُمت اکرم الامم اور خیر الامم ہے اور سب میں اعلیٰ درجہ کی اُمت ہے یا اس لیے کہ قیامت کے دن یہ امت جب اٹھائی جائے گی تو ان کے پانچوں اعضاء وضو کی برکت سے چمکتے ہوں گے اور یہ بھی احتمال ہے کہ عین الغر سے مراد مخلوق میں سے بہتر اور مکرم اور انبیاء و مرسلین مقرب فرشتوں اور تمام صالح اور نیک بندوں صلوات اللہ وسلامہ علی نبینا و علیہم اجمعین کے قائدین صاحب صدر حضرات ہوں اور بعض نسخوں میں عین العزرع اور ز اُ کے ساتھ بھی پایا گیا ہے اس صورت میں یہ معنی ہوگا کہ مکمل عزت حضور کی ذات میں جمع ہے اور جس کو جتنی عزت ملی ہے وہ حضور کے طفیل ہے۔

(**سعد اللہ** صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ حضور کے صدقے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو سعادت مند کیا ہے ہر سعادت مند خواہ وہ آپ سے پہلے ظاہر ہوا ہو یا بعد میں اس کی نیک بختی آپ ہی کے واسطہ سے ہے۔

(**سعد الخلق** صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی حضور کی وہ ذات ہے جس کے ذریعہ مخلوق کو حصول برکت اور نیک بختی سے حظ وافر ملا یہ اسم بھی پہلے اسم کے ہم معنی ہے۔

خطیب الامم صلی اللہ علیہ وسلم خطابت مصطفےٰ کو اللہ ہی بہتر جانتا تھا مگر بظاہر آپ کا خطبہ یہ ہے اللہ کی حمد و ثنا آپ کے دل سے آپ کی زبان پر اس طرح ظاہر ہوگی کہ شفاعت کرنے میں قیامت کے دن ایسے الفاظ مخلوق نے نہ کبھی سنے ہوں گے پھر آپ انبیاء مرسلین کے پاس تشریف لائیں گے وہ بھی آپ کا کلام سنیں گے انبیاء اور ان کی اُمتیں سرکار کی افضلیت کا اقرار کریں گی خطیب الامم سے

مرادیہ ہے کہ اُمتوں کے علاوہ آپ ان کے انبیاؑ کے بھی خطیب ہوں گے خطبہ سے مراد اللہ کی وہ حمد و ثنا جو وقتِ شہادت آپ کو انبیاؑ اور ان کی اُمتوں کے سامنے الہام ہو گی۔

(عَلَمُ الْهُدٰی) صلی اللہ علیہ وسلم۔ علم بھی علامت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت پر علامت اور دلیل ہیں جس نے آپ سے محبت کی اور آپ کی اتباع و اقتدا کی وہ ہدایت کو پہنچا جس نے آپ کی نافرمانی کی وہ حد سے بڑھ کر گمراہ ہو گیا۔

کاشف الکرب صلی اللہ علیہ وسلم۔ کاف کے ضمہ را کی فتحہ سے کربۃٌ کی جمع ہے کاشف کرب کا معنی ہے مصیبت دور کرنے والے اور اسے حل کرنے والے یہ مصیبت دنیا کی بھی ہو سکتی ہے اور آخرت کی بھی اس مصیبت کا کھلنا آپ کی شفاعت سے ہو گا اور آپ کی دلی آرزو سے اور آپ کو فریاد رسی کے لیے طلب کرنے اور آپ کے دامن سے تعلق اور آپ کے عالی مقام کے توسل سے ہو گا۔ کرَبہ الامر کربًا محاورہ عرب میں اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی اُلجھن یا مہم میں پھنس کر دل چھوٹا کر بیٹھے۔

(رافعُ الرُّتَبِ صلی اللہ علیہ وسلم) را کے ضمہ اور تا کی فتحہ سے رُتبہ کی جمع ہے مُرادیہ ہے کہ آنحضور علیہ السلام اپنے متبعین کے درجے اور منازل اور ان کی قدر اللہ کے نزدیک علم و عمل اخلاق و مقامات اور احوال میں اُونچی کر دیں گے۔

عزُّ العرب صلی اللہ علیہ وسلم یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عرب کو عزو شرف بخشا اہل عرب آپ کی تشریف آوری سے بے حد تنگی سخت مشقت سے دوچار تھے بھوکوں مر رہے تھے مُردار اور چمڑا کھایا کرتے تھے درختوں اور پتھروں کی پُوجا کیا کرتے تھے ان کی فکری صلاحیت مختلف تھی اور خواہشات الگ الگ نہ کوئی خاص دین رکھتے تھے اور نہ حاکم وقت کی اطاعت کرتے تھے ایک دوسرے کے کیڑے نکالتے اور خون بہاتے عورتوں اور بیٹوں کو غلیظ گالیاں نکالتے دوسرے کے گھر بے وقت بلا اجازت داخل ہونا جائز سمجھتے اور باعزت لوگوں کی عزت پامال کرتے اور بے قصور لوگوں کو قیدی بنا لیتے ان میں جہالت عام تھی نہ نبوت کو پہچانتے تھے اور جناب اسماعیل علیہ السلام کے وقت سے لے کر حضور کے درمیان تک کو کتاب نہ جانتے تھے پہلی اُمتوں کے لوگ انہیں کمزور سمجھتے اور حقیر جانتے

اور بے قدر و قیمت تصور کرتے اور ان پر نبوت و کتاب حکومت اور اپنی مضبوطی اور مالداری کی بنا پر فخر کرتے ایسے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس انہیں میں سے ایسا رسول بھیجا جو سید الانبیاء والمرسلین اور زمین و آسمان والوں کے آقا و مولیٰ علیہ السلام ہوئے آپ کے ذریعہ ان کے حالات میں انقلاب آیا ان کے حالات سدھر گئے اور ان کا دین مستحکم ہوا تمام لوگوں اور شہروں پر انہیں غلبہ ہوا یہاں تک کہ سابقہ امم والی بن گئے اور ان پر اہل عرب کو شرف حاصل ہو گیا پہلے ادیان والے لوگ اہل عرب کی اطاعت میں آنے لگے اور ان کا دین قبول کرنے لگے اور اہل عرب کسریٰ و قیصر وغیرہ کے ہم پلہ ہو گئے اور دنیا و آخرت کی عزت کے حصول میں کامیاب و کامران ہوئے لوگ ان کے شہروں میں آکر حج کرنے لگے ان کی بولی سیکھنے لگے اور ان کی زبان کو حجت بنانے لگے اور عربی زبان جاننے میں دلچسپی لینے لگے جس طرح ہم نے ذکر کیا صحیح نسخوں میں تو عز العرب ہی ہے۔

بعض دوسرے معتبر نسخوں میں عزُ القرب ع کی جگہ ق لکھا ہوا پایا گیا ہے قُربۃٌ کی جمع ہے یہ وہ چیز ہے جس سے قُرب خداوندی حاصل ہوتا ہے یعنی اللہ کا قُرب اور ہر نیکی کی صحت آپ کے عز و شرف میں مخفی ہے یہ اسم مصحح الحسنات کے معنی میں ہے اور بعض نسخوں میں قرب راٗ کی سکون سے آیا ہے جو بعد کی ضد ہے یعنی آپ کے عزت بخشنے سے اللہ تعالےٰ کا قُرب حاصل ہو جاتا ہے۔

صاحب الفرج صلی اللہ علیہ وسلم، یعنی حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ ذات جن کے سبب اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت کی مشکلات و مہمات حل فرما دیتا ہے آپ کی شفاعت کے ذریعہ آپ سے فریاد چاہنے آپ کی بارگاہ میں پرخلوص آرزو رکھنے اور دامانِ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی رکھنے اور آپ کے مرتبہ و مقام کو وسیلہ بنانے سے پریشانیاں دُور ہو جایا کرتی ہیں یہ اسم کاشف الکرب کے معنی میں ہے۔

بعض نسخوں میں صاحب الفرج کی جگہ کریم المخرج اور بعض نسخوں میں رفیع الدرج بھی آیا ہے درج درجہ کی جمع ہے درجہ دراصل سیڑھی پر بولا جاتا ہے اور مُراد اس جگہ مرتبہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے مراتب و منازل پر فائز ہیں جن کے اوپر اور کوئی رُتبہ نہیں ہے۔ کریم المخرج سے آپ کی اصل اور حسب و نسب مراد ہے یعنی آپ کریم الاصل ہیں، آپ نے جس شہر سے ہجرت فرمائی اس کا مُراد لینا بھی درست ہے اللہ نے اس

شہر کو شرف بخشا ہے بے شک یہ شہر مکہ مکرمہ اللہ کے نزدیک اور بندگانِ خدا کے نزدیک اللہ کے تمام شہروں
سے محترم و معظّم ہے۔

علّامہ سیّدی مرتضیٰ زبیدی شارح احیا المتوفی ۱۲۰۵ھ

رحمۃ اللہ علیہ

کے

فرمودات گرامی

آپ کے فرمودہ جواہرات میں سے امام غزالیؒ کے عقیدہ قواعد العقائد کی دسویں اصل میں ہے کہ حق سبحانہ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بنا کر بھیجا آپ نے اپنے سے پہلی شریعتوں کو منسوخ کیا یہودیوں نصرانیوں اور صابین کے ادیان کو کالعدم قرار دیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آیات بینات اور معجزات سے تائید بخشی جس طرح چاند کا دو ٹکڑے فرمانا اور کنکروں سے تسبیح کروانا۔ مرتضیٰ زبیدی فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مخلوق کی طرف ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا لفظ مخلوق اس لیے خاص کیا گیا ہے کہ آپ کا رسول بن کر تشریف لانا اہل عقل کے لیے ہے جن ہوں یا انسان، بعض علماء مثلاً تقی الدین سبکی نے آپ کے ارسال کا ذکر ملائکہ کے لیے بھی کیا ہے۔ امام رازی نے اللہ کے اس قول :-

لِيَكُونَ لِلْعٰلَمِينَ نَذِيرًا ۔ ترجمہ: کہ آپ سب جہانوں کو خوفِ خدا سے شناسا کریں۔

کی تفسیر میں صراحت کی ہے کہ جن کی طرف حضور علیہ السلام مبعوث ہوئے ان میں ملائکہ داخل نہیں ہیں جاننا چاہیے کہ کسی چیز کے ثبوت کا علم اس چیز کے تصور کی فرع ہے اگر اس چیز کا تصور اس کے نام کے اعتبار سے ہو علم اس شے کے تصور پر موقوف نہ ہوگا اگر اس شی کا تصور حقیقت و ماہیت کے اعتبار سے ہو تو علم چیز کے تصور پر موقوف ہوگا اس لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک فرضی تصدیق بنیں گے جو مصنف کے کلام کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے اس کو مزید سمجھنے کے لیے اس موضوع کا علم بے حد ضروری ہے کیونکہ ہر ایک شخص ہے اور شخص کا تصور شخصی تعین سے ہوتا ہے تو اب ایک ایسی کلام کی ضرورت پڑے گی جس سے شخص کا تعین ہو تو وہ کلام استقرائی ہے (یعنی تلاش) آپ کا نسب آپ کی جائے پیدائش و وفات آپ کا زمانہ آپ کے اسماء گرامی جو آپ کی شہرت کا موجب اور آپ کے وہ اوصاف جن کی وجہ سے آپ ممتاز و منفرد جانے جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں اختصار کے ساتھ اس کا ذکر ضروری ہے تاکہ آپ کی ذات کا ہر پہلو اجاگر ہو جائے۔ قرافی نے اپنی کتاب ذخیرہ میں بھی لکھا ہے اور شرح اربعین میں بھی اشارہ کیا ہے جو احوال بھی حضور علیہ السلام سے متعلق ہیں قطع نظر ان کے تعین کے وہ سب کے سب عقائد کی طرف لوٹتے ہیں اعمال کی طرف رجوع نہیں کرتے تو سرکار کے ان احوال میں بحث ضروری ہے تاکہ اس میں معتقد کو کمال حاصل ہو جائے، حضورؐ کی ذات کی دو حیثیتیں ہیں ایک آپ کا وجود اور دوسرا آپ کا

تعین، جہاں تک آپ کے وجود کا تعلق ہے وہ اہل بصیرت اور ثقہ لوگوں کو تواتر اور کشف کی حد تک معلوم ہے ایک بالغ نظر صوفی آپ کے وجود کے بارے یہی کہے گا کہ وہ ایک محسوس چیز ہے جو آنکھوں سے عالم بیداری بلکہ مقربین اور عالم خواب میں عام مسلمان لوگ دیکھ سکتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے جس نے مجھے دیکھا بے شک اس نے حق سچ مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت اختیار کرنے پر قادر نہیں اکثر علماء کے نزدیک اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس نے حضور علیہ السلام کو خواب میں دیکھا تو یہ دیکھنا آنکھوں دیکھے جیسا ہے آپ کا تعین آپ کے حسب کے اعتبار سے ہے وہ اس طرح ہے محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدالمناف بن قصیٰ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ آپ کا صحیح نسب جناب عدنان پر ختم ہو جاتا ہے اور عدنان سے اوپر سب میں اختلاف ہے لیکن اس میں اختلاف نہیں کہ عدنان جناب اسمٰعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی اولاد سے ہیں، اور آپ کی کنیت ابوالقاسم مشہور ہے، اور آپ کی والدہ ماجدہ جنابہ آمنہ بنت وہب بن عبدمناف بن زہرہ بن کلاب یہاں آپ کی والدہ ماجدہ آپ کے والد ماجد سے نسب میں مل جاتی ہے، آپ کی پیدائش و تولد مکانی طور پر بالاجماع مکہ مکرمہ شعب ابی طالب میں ہوئی اور زمانہ کے اعتبار سے پیر کے دن ہوئی تیرہ ربیع الاول کا خیال درست نہیں آپ کی پیدائش عام الفیل کے ٹھیک ایک ماہ بعد ہوئی چالیس اور پچاس دن بعد کے اقوال بھی آتے ہیں آپ کے والد گرامی ابھی آپ شکم مادر سلام اللہ علیہا میں ہی تھے انتقال فرما چکے تھے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ سات ماہ کے تھے جب آپ کے والد مشفق نے وفات پائی لیکن پہلا قول درست ہے ابھی آپ سات سال کے نہ ہوئے تھے کہ مقام ابواء پر آپ کی والدہ ماجدہ نے انتقال فرمایا ان کے بعد آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کی ظاہری پرورش کی اس وقت آپ آٹھ سال کے ہو چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عمر کے اکتالیسوں سال کے آٹھویں ماہ ربیع الاول میں اعلان نبوت فرمایا بعد ازیں مکہ میں تیرہ برس گزارے دس اور پندرہ سال کے اقوال بھی مورخین نے ذکر کیے ہیں لیکن پہلا قول زیادہ مشہور ہے، عام الفیل کے چون۵۴ برس بعد مدینہ طیبہ میں آپ دو ربیع الاول پیر کے دن تشریف لائے اور حیات ظاہری میں دس سال گزارے آپ کا انتقال جنابہ عائشہ کے گھر ان کی باری میں پیر کے دن یکم ربیع الاول کو تریسٹھ برس کی عمر میں ہوا

اور بدھ کے روز دفن ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و شمائل کچھ یوں ہیں کہ آپ قد و قامت میں نہ اتنے لمبے کہ دیکھنے والا حیرت زدہ ہو جائے نہ اتنے پست کہ حقیر جانا جائے رنگت میں نہ زیادہ سفید نہ سانولے بلکہ سفیدی سُرخی مائل آپ کی رنگت تھی آپ کے بال نہ اتنے گھنے اور نہ ہی آپ کا جسم اطہر بالوں سے خالی تھا چاند سا چہرہ کھُلی پیشانی خوبصورت اور مضبوط گردن ہونٹ ملے ہوئے آنکھیں گھنی سیاہ اور چمکدار ناک باریک نکھرا چہرہ چلتے وقت ڈھلواں چلتے ہوئے دیکھنے والا محسوس کرتا گویا آپ اُونچی جگہ سے نیچے تشریف لا رہے ہیں نگاہیں جھکا کر چلتے کسی کی طرف نظر اٹھا کر چلتے تو اس میں شفقت اور مہربانی ہو آپ کے سَر کے بال آپ کے کانوں کے برابر نہ تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے گرامی ایک ہزار سے بھی زیادہ ہیں۔ حافظ ابن وحیہ نے اپنی کتاب مستوفی میں انہیں جمع کیا ہے جسے شوق ہو وہ اس کتاب کا مطالعہ کرے۔ اسی کتاب سے منقول ہے حضرت مالک سے مرفوعاً روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے پانچ نام ہیں یعنی میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور میں احمد ہوں اور میں ماحی ہوں یعنی میرے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کفر مٹا دیا اور میں حاشر ہوں کہ لوگ میرے سامنے اٹھیں گے اور میں عاقب ہوں اور اس طرح آپ کے کچھ اسماٗ قرآن میں بھی مذکور ہیں۔ مثلاً۔ طٰہٰ، یٰسین، مدثر، مزمل عبداللہ اور روف الرحیم اور متقی۔ نبی التوبہ اور نبی الملاحم اور متوکل بھی آپ کے اسماٗ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کہ ہمارے اعتقاد میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بنا کر بھیجا پر سیدی زبیدی فرماتے ہیں کہ یہ اعتقاد تو اجماعِ اُمت اور کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ کتاب حق تعالیٰ میں اس طرح ہے:۔

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔ ترجمہ: یعنی آپ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔

اور حدیث میں روایت ہے کہ بے شک میں اس وقت بھی خاتم النبیین تھا جب آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں ملے ہوئے تھے بخاری اور مسلم میں کہ بے شک میری مثل اور مجھ سے پہلے انبیاٗ کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے مکمل طور پر ایک گھر خوبصورتی سے بنایا ہو لیکن ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی ہو اور ہر کہنے والا یہی کہے گا کیا ہی اچھا ہوتا اگر یہ اینٹ بھی لگا دی جاتی سو میں وہ اینٹ ہوں جس سے مکان نبوت پورا ہو گیا، نیز یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے ختم نبوت پر مختلف الفاظ میں بہت سی احادیث کئی طریقوں سے مذکور ہیں اور آپ کی ختم نبوت پر اُمت کا اجماع و اتفاق ہے اور جو شخص آپ کی نبوت کا

مدعی ہو اس کے کفر پر بھی امت کا اتفاق ہے اور محدثین لا نبی بعدی والی حدیث سے استدلال کرتے ہیں اس امر میں صوفی صاحب عرفان و ذوق اس طرح کہتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اپنے ظہور میں بلندی کے تمام حقائق کی جامع ہے وہ حقائق اعلیٰ ہوں یا ادنیٰ پہلے ہوں یا بعد والے آپ کی بعثت مکمل طور پر احاطہ کئے ہوئے ہے اور آپ حضور کو ہر نبی کی نبوت سے حصہ ملا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت خاص انبیاء کی نبوت کے حالات کی اسی طرح جامع ہے جس طرح احوال حیوان کو فطرت انسانیہ جامع ہے آپ کی نبوت کا کمال اس درجہ کا ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی درجہ نہیں اور نبوت و رسالت کے تمام سلسلے آپ ہی کے ارد گرد طواف کرتے ہیں۔ آپ ایسے خاتم ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور یہی ختم نبوت کی حقیقت ہے۔

ایک اطلاع

کہا جاتا ہے کہ خاتم تا کی فتحہ اور کسرہ اگر خاتم فتح سے ہو تو معنی انتہا ہوتا ہے یعنی آپ صلے اللہ علیہ وسلم پر انتہا نبوت ہے آپ کی ذات نبوت کے لیے اس مہر کی طرح ہے جو کسی چیز کے اختتام پر ثبت کی جاتی ہے جب انبیاء کی انتہا آپ پر ہو گئی تو مرسلین کی انتہا آپ پر بدرجہ اولیٰ ہو گئی کیونکہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ ہر رسول نبی ہوتا ہے اور نبی ضروری نہیں کہ رسول ہو۔ گویا رسول خاص ہوا اور نبی عام تو عام کے اٹھ جانے سے خاص از خود اٹھ جاتا ہے رفع اعم رفع اخص کو مستلزم ہے اگر خاتم کسرہ سے ہو تو معنی ہوگا کہ آپ نے انبیاء کو ختم کر دیا یعنی آپ سب سے بعد میں تشریف لائے اور آپ کے بعد کوئی نبی باقی نہیں رہا خلاصۃً آپ پر نبوت و رسالت آکر ختم ہو جاتی ہے۔

سید زبیدی رحمہ اللہ امام غزالی کے اس قول کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس شان سے مبعوث ہوئے کہ آپ کی وجہ سے یہود و نصاریٰ اور صابئین کی شریعتیں کالعدم اور منسوخ ہو گئیں، پر فرماتے ہیں کہ آپ نے پہلی شریعتوں کے احکام زائل کر دیئے اور نسخ دور کرنے زائل کرنے کو ہی کہا جاتا ہے، یہود و نصاریٰ دو فرقے ہیں جو بالترتیب سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین ہیں اور صابئین کی قوم بزعم خویش اپنے آپ کو دین نوح علیہ السلام پر ظاہر کرتی ہے صابئین کا قبلہ شمالی جانب ہے اور ان کی عبادت کا وقت دوپہر ہے ویسے تو حضور علیہ السلام نے سابقہ تمام شریعتوں کو منسوخ کیا مگر یہود و نصاریٰ اور صابئین کا ذکر ان کی شریعت کی بنا پر کیا گیا ہے یہودی ہمارے حضور علیہ السلام کی نبوت کے سب سے بڑے منکر ہیں ان کے بارے صحیح بخاری میں احمق اور متحیر العقل قوم کے الفاظ آئے ہیں۔

ان دونوں فرقوں یعنی یہود و نصاریٰ سے پہلے فرقہ نے حضور کی تصدیق نہ کی کیونکہ جو شریعت آپ لائے اس سے شریعت موسیٰ علیہ السلام کے بعض احکام منسوخ ہوئے اور ان میں سے کچھ ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں جنہوں نے نسخ کو عقلاً محال سمجھا کیونکہ اس میں ظہور بدا پایا جاتا ہے اور اس قوم نے اللہ پر ظہور کو محال تصور کیا اور ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جن کا گمان ہے کہ بے شک موسیٰ علیہ السلام نے اس پر نص کی ہے کہ ان کی شریعت کبھی منسوخ نہ ہوگی اور کہا کہ یوم السبت یعنی ہفتہ کے دن کو ہمیشہ لازم پکڑو"۔

دوسرا فرقہ عیسویہ یہ ابو عیسیٰ اصبہانی کے متبعین ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ رسول تو ہیں مگر صرف عرب کے لیے۔ اسی طرح ان کا ایک اور قول ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام صرف اپنی قوم کے لیے مبعوث ہوئے بعض نصاریٰ بھی اس کے قائل ہیں بہرحال پہلے فرقہ میں سے وہ لوگ جو اس بات کے قائل ہیں کہ نسخ محال ہے کیونکہ اس میں اظہار بدا پایا جاتا ہے اگر ان کی مراد اس سے یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ایک حکمت ظاہر ہوئی جو پہلے اس پر مخفی تھی تو واقعی محال ہے لیکن ہم یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں کہ نسخ محال کو لازم ہے ہاں اللہ تعالیٰ کے لیے یہ محال ہے کہ ایک وقت میں ایک چیز اس کے لیے پوشیدہ ہو اور کسی دوسرے وقت میں وہی شے اس پر ظاہر ہو جائے اس سے یہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کو بندوں کے احوال و افعال کے بدلنے میں قدرت و تصرف نہ ہو مثلاً تندرستی سے مرض اور مالداری سے محتاجی زندگی سے موت جیسے افعال اور اس ظہور کا الٹ وغیرہ، اور جب اس ظہور پر کوئی صریح دلالت نہیں ہے تو انھیں یہ حق بھی نہیں کہ اس ظہور کے حوالہ سے بات کر کے نسخ کو محال بتائیں۔ یہ بالکل ظاہر سی بات ہے کہ ایک حکیم ایک وقت میں مریض کو کسی دوائی کے استعمال کا حکم دیتا ہے اور کسی دوسرے وقت میں اسی دوائی کے استعمال کو مریض کے لیے حکیم منع کر دیتا ہے کیونکہ ایسا کرنا ہی مریض کے لیے نفع بخش ہو سکتا ہے ہر دو حالتوں میں مریض کا حکیم کے فرمان کے مطابق عمل کرنا ہی بہتر ہے اور اسی میں مریض کے حال کی اصلاح ممکن ہے اسی قاعدہ کی رو سے کافی حد تک تصرفات باری تعالیٰ سمجھے جا سکتے ہیں ویسے اللہ تعالیٰ جو چاہے کر سکتا اور جس چیز کا ارادہ کرے اس کا حکم دے سکتا ہے۔

مخالف کو چیلنج کے لیے نبی کی طرف سے خرق عادات معجزہ کا وقوع دو حال سے خالی نہیں یا وہ دعویٰ رسالت کرنے والے شخص کی صداقت پر دلالت کرے گا یا دلالت نہیں کرے گا اگر دلالت نہ کرے تو لازم آئے گا کہ صدق موسیٰ علیہ السلام پر کوئی دلالت نہ ہو اور اگر وہ مدعی رسالت کی صداقت

پر دلالت کرے تو پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق ضروری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سابقہ ادیان کی تنسیخ ثابت ہے، تورات میں نص ہے کہ اللہ رب العزت نے جناب نوح علیہ السلام کو جب وہ کشتی سے نکلے تو کہا کہ بے شک میں نے تمہارے لیے اور تمہاری اولاد کے لیے ہر چوپایہ کھانے کے قابل بنایا ہے اور ان کے کھانے میں میری طرف سے تمہیں رخصت عام ہے کہ خون کے سوا تم ان کا گوشت کھاؤ اور تھوڑی دیر بعد تورات میں ہی بہت سے جانور حرام قرار دے دیئے گئے سیدنا جناب آدم علیہ السلام کی شریعت میں تورات کے مطابق بہن کے ساتھ نکاح جائز تھا جواب تم پر حرام ہے اور جناب یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں دو بہنیں بیک وقت نکاح میں رکھی جا سکتی تھیں۔ جو اس وقت تم پر ایک نکاح میں حرام ہوئیں، شریعت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے سنیچر کا دن کاروبار کے لیے مباح تھا مگر وہ تمہارے لیے مچھلی کے شکار کے لیے ممنوع[1] ہوا، اور ولادت کے ساتھ ختنہ ضروری نہ تھا جواب تمہارے لیے ضروری ہے، جس نے نقلاً نسخ کو ممنوع قرار دیا ہے اسے ابن راوندی نے ضرور لکھا یا ہوگا اگر وہ نقل درست ہوتی تو یہود حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف حجت قائم کرتے یہاں تک کہ انہوں نے تورات میں ہی آپ کی نبوت کے نشانات کافی حد تک مٹا دیئے اور آپ کی شان میں بیان شدہ اوصاف کو تبدیل کیا جب وہ نقل کو حجت بنائیں اور واقع میں کوئی دلیل نہ ہو اس سے یہود کے عقیدہ کا از خود بطلان ہو جائے گا۔

عیسوی لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو نصاریٰ جیسی غور و فکر رکھتے ہیں جب یہ حضور علیہ السلام کو تسلیم کر لیں گے تو پھر انہیں آپ کی صداقت تسلیم کرنے میں بھی کچھ تعرض نہ ہوگا قرآن کریم آپ کی صداقت کے عموم کی اس طرح خبر دی ہے کہ آپ ہر کالے اور گورے کی طرف مبعوث کئے گئے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ[2] ۔ ترجمہ: نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر سب لوگوں کے لیے۔

---

[1] یہ سب الفاظ تورات کے حوالہ سے ہیں ۔ مترجم

[2] پارہ ۲۲ ، سورہ سبا ، آیت ۲۸

اور ایک دوسرے ارشادِ خداوندی میں یوں ہے :۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا[1] — ترجمہ :۔ اے محبوب لوگوں سے کہو میں اللہ کی طرف تم سب کا رسول بن کر آیا ہوں ۔

حضور علیہ السلام نے اپنے معجزات سے تمام جنوں اور انسانوں کو چیلنج کیا۔

امام غزالی فرماتے ہیں وَاَيَّدَهُ بِالْمُعْجِزَاتِ الظَّاهِرَةِ وَالْآيَاتِ الْبَاهِرَةِ۔ اس عبارت پر سید زبیدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت کا معنی وہ علامت جو آپ کی سچائی پر دلالت کرے اور معجزہ کا معنی اس علامت کا ہے جس کے ساتھ مخالف کو چیلنج کیا جائے ۔ اس لحاظ سے ہر معجزہ آیت کہلائے گا اور ہر آیت معجزہ نہیں ہو سکتی ، پھر معجزہ عجز سے نکلا ہے کہ مقابل کسی طور قادر نہ ہو سکے اور اعجاز کا معنی عجز ثابت کرنا اور معجزہ کو عجز ظاہر کرانے کے لیے استعارہ بنا لیا گیا پھر اسنادِ مجازی کے کے طور پر عجز کے سبب کو معجزہ کہا گیا پھر وہ سبب معجزہ کا نام پا گیا ۔

لفظ معجزہ کی تا یا تو وصفیت سے اسمیت میں بدلنے کے لیے ہے جس طرح حقیقت کی تا یا بطور مبالغہ ہے جس طرح علامت کی تا ، معجزہ کی حقیقت یہ ہے کہ وہ عادت کے خلاف ہو چیلنج کی طرح ہو اور دعوئ نبوت کے موافق اور مخالف کا دندان شکن اور مسکت جواب ہو ، نیز نبی کے سامنے اور اس کے ذریعہ سے ظاہر ہو ان سب قیودات کا مقصد معجزہ کے ہر ہر گوشہ کو واضح کرنا ہے یعنی معجزہ میں مخالف کو قائل کرنے کے لیے تاثیر ہوتی ہے جس طرح حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے پانی جاری ہونا اور کبھی نبی کا معجزہ یکسر کسی چیز کی تاثیر کو ختم کر دیتا ہے جیسے بھڑکتے شعلوں کی آگ کا نہ جلانا ۔ امام حرمین نے معجزہ کو فعلِ الٰہی سے مقید کیا ہے اور مصنف کا بھی یہی نظریہ ہے جس کا عنقریب ذکر آ رہا ہے امام حرمین اور مصنف پر ایک اعتراض وارد کیا گیا ہے کہ معجزہ خلافِ عادت تاثیری فعل پر منحصر نہیں بلکہ جس طرح معجزہ غیر معتاد فعل کے لیے ہوتا ہے اسی طرح معتاد فعل کے لیے بھی ہو سکتا ہے اور وہاں ضرورتِ فلق اور داعی فعل بھی نہیں ہوتا ، جواب یہ ہے کہ جس نے تاثیر فعل پر اقتصار کیا اس کے نزدیک مضاف کی عدمی صورت قدرت وطاقت کے لیے فعل اور اثر ہے

---

[1] پ ۹ ، سورہ اعراف ، آیت ۱۵۸

یا اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ کا سلامتی کے ساتھ ٹھنڈک کو معجزہ بنایا ہے یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جسم کی بقا کو معجزہ بنایا کہ وہ آگ میں جھونکے جانے کے باوجود باقی رہا لیکن یہ جواب بطور عادت ہیں معجزہ کی تعریف میں خارقِ عادت کی تخصیص اس لیے کی گئی کہ معتاد نکل جائے کیونکہ فعل عادی اور معجزہ میں اتحاد نسبت نہیں ہے چیلنج کی طرح ہو معجزہ کے ساتھ اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ کرامات اولیاء اللہ نکل جائیں کیونکہ کرامتیں عموماً چیلنج کی طرح نہیں ہوا کرتیں یا اگر مخالف کو چیلنج کیا بھی جائے تو اس میں دعویٰ نبوت و رسالت نہیں ہوتا اگرچہ ولی کے لیے اپنی ولایت پر چیلنج کرنا صحیح اور جائز ہے یہ قید لگا کر ان ارھاصات کو بھی خارج کر دیا گیا جو قبل از نبوت نبی سے ظاہر ہوتے ہیں کیونکہ ان کے ساتھ دعویٰ نبوت نہیں ہوتا البتہ ارھاص وہ خارقِ عادت ہوتا ہے جو نبی کی نبوت اور بعثت سے پہلے اس کی نبوت پر بطور دلالت و علامت ہوتا ہے۔

سعد نے کہا کہ قوم نے شق صدر یعنی آپ کے سینۂ مبارک کا چاک ہونا اور آپ کے لیے بادل کا سایہ، اور پتھروں کا آپ کو صلوٰۃ و سلام کہنا کو معجزات سے بطور تشبیہ و تغلیب شمار کیا ہے۔ اور ہمارا یہ کہنا کہ معجزہ دعوائے نبوت کے موافق ہو اس کا مقصد یہ ہے کہ اس سے نبی کی تکذیب لازم نہ آئے۔ اور ہمارا یہ قول کہ نبی اپنے دعویٰ میں معارض سے محفوظ ہوگا مطلب یہ ہے کہ کوئی دوسرا شخص نبی کے دعویٰ کے خلاف اس دعویٰ کی نقیض کا دعویٰ نہ کر دے جس طرح کسی نے دعویٰ کیا کہ وہ نبی ہے اور اس کا دعویٰ خرق عادت کو شامل ہو اور ساتھ ہی ایک اور شخص نے دعویٰ کیا کہ وہ بھی نبی ہے جب پہلے وہ نبی نہ تھا اور اس کا دعویٰ بھی خرق عادت کو شامل ہو جائے، اور ہمارا یہ کہنا کہ ظہور معجزہ نبی کے سامنے ہو اس سے مراد یہ ہے کہ خرق عادت نبی کی ذات سے قائم ہو جس طرح موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ کا چمکنا یا اس معجزہ کا پایا جانا نبی کے ارادے اور توجہ اور طلب سے ہو۔ جس طرح عصائے موسیٰ علیہ السلام کا بصیغہ سانپ بن جانا اس سے کئی چیزیں خارج ہو گئیں وہ شخص جسے نبی نے اپنا معاون بنایا ہو اور وہ اپنی طرف سے بطور کذب ظہور معجزہ کا دعویٰ کرے، اسی طرح وہ دعویٰ جو مدعی سے بطور خرق عادت کبھی پہلے صادر ہو چکا ہو اور بعد میں وہ اس کا دعویٰ کرے اور کہے کہ وہ میرا معجزہ تھا جو زمانہ ماضی میں ظاہر ہوا اگرچہ خرقِ عادت تو ہوگا مگر وہ نبی کے سامنے اس کے زمانہ میں ظاہر نہ ہونے کی وجہ سے معجزہ نہ کہلائے گا۔

جب آپ معجزہ کے متعلق اتنا جان چکے تو اب غور کرنا چاہیے کہ جس نبوت کا حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ کیا وہ قطعی طور پر معجزات سے ملی ہوئی تھی اور یہ کیفیت یقین دلاتی تھی کہ آپ بہر حال رسول اللہ

ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انداز سے دعوائے نبوت و رسالت کیا جو آپ کے زمانہ کے لوگوں کے لیے ایک مشاہدہ تھا اور دوسرے لوگوں کے لیے بطور تواتر نقلی ہے اور یہ دعوائے معجزات کو شامل تھا حاصل کلام یہ ہے کہ آپ کے معجزات دو طرح کے ہیں کچھ دائمی اور کچھ غیر دائمی۔ دائمی معجزہ قرآن عظیم ہے جو آپ کے ہم زمانہ لوگوں نے بھی دیکھا اور قیامت تک آنے والے لوگ بھی دیکھیں گے اور آپ کے غیر دائمی معجزات میں خوارق فعلیہ اور غیوب قولیہ ہیں جن کا گزشتہ حال مستقبل سے برابر تعلق ہے حضور کے ایسے معجزات ان گنت اور بے شمار ہیں معجزہ کی قسم اول یعنی قرآن مجید اور دوسری قسم میں سے غیوب قولیہ انہیں مصنف رحمہ اللہ بعد میں ذکر کریں گے۔ دوسری قسم یعنی غیر دائمی معجزات میں سے پہلی قسم خوارق فعلیہ باقی رہے یہ بھی بے شمار ہیں ہر ایک کی تفصیل دلائل النبوت میں بیہقی اور ابو نعیم نے بیان کر دی ہے ان میں سے بعض بطور ارہاص ہیں جو آپ کے دعوائے نبوت سے پہلے ظہور میں آئے اور بعض دعوائے نبوت کے بعد تصدیق ظہور میں آئے یہی خوارق فعلیہ آپ کی ذات وصفات سے متعلقہ امور اور کچھ امور خارجہ پر منقسم ہوتے ہیں، پہلے وہ خوارق جن کا تعلق آپ کی ذات سے ہے جس طرح آپ کا نور آپ کی پیدائش تک آپ کے آباؤ اجداد میں منتقل ہوتا رہا اور بوقت ولادت قدرتی طور پر ختنہ کئے ہوئے آپ نے ایک ہاتھ آنکھوں پر رکھا ہوا تھا اور دوسرا ہاتھ ناف کے اوپر، اسی طرح آپ کے کندھوں کے درمیان مہر نبوت کا نشان تھا۔ اسی طرح لمبے قد کے شخص سے ملاقات پر آپ کا قد لمبا اور درمیانے قد کے شخص سے ملاقات پر آپ کا قد درمیانہ ہوتا، اسی طرح آپ کا دیکھنا سامنے اور پیچھے روشنی اور اندھیرے قریب اور بعید سے یکسر تھا، اور آپ کا جسم اطہر اتنا شفاف اور لطیف تھا کہ آپ کا سایہ زمین پر نہ پڑتا اور آپ سورج کو بعد از غروب بھی دیکھ لیا کرتے تھے۔

دوسرے وہ خوارق جن کا تعلق آپ کی صفات سے ہے جو آپ کی ذات میں بدرجہ کمال پائے جاتے تھے مثلاً آپ کی سچائی امانت داری، پاک باطنی، دلیری، انصاف، دانش، فصاحت و پرہیزگاری گھر والوں سے متواضعانہ معاشرت اُمت پر شفقت امور رسالت کی صعوبتوں پر صبر و استقامت، اخلاقِ حسنہ پر دوام اور ہمیشگی، علوم الٰہیہ کی تہہ تک پہنچنا دین و دنیا کی بھلائی کے اصول و قواعد وضع کرنا اور آپ کی دعاؤں کا مقبول و مستجاب ہونا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے دُعا فرمائی "اے اللہ انہیں دین کی پوری سمجھ اور تاویل و تعبیر کا کامل علم عنایت فرما دے" تو آپ کی دعا

سے حضرت ابن عباس علم کے بحر بے پیدا کنار اور امام المفسرین بنے اور عتبہ کے خلاف دعا فرمائی کہ اے اللہ عتبہ پر اپنے کتوں میں سے ایک کتا مقرر کردے تو عتبہ کو شیر نے پھاڑ کر اس کا تکہ بوٹی کر دیا، اور سراقہ کے خلاف سرکار نے دعا فرمائی تو اس کے گھوڑے کے چاروں پاؤں زمین میں دھنس گئے۔

تیسرے وہ خوارق جو آپ کی ذات وصفات سے خارج ہیں جس طرح شق القمر وغیرہ۔

سید مرتضیٰ زبیدی امام غزالی کے قول زیارت و آداب مدینہ منورہ پر جو کتاب الحج کی دسویں فصل میں مذکور ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے مجھے میری زندگی میں دیکھا،، نیز ارشاد مصطفےٰ ہے جس نے ایک دو گھڑیاں مہلت پائی اور میرے دربار پر حاضری نہ دی اس نے مجھ پر زیادتی کی،، حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو خصوصی اہتمام سے صرف میری زیارت کے لیے حاضر ہوا تو مجھے حق پہنچتا ہے کہ میں اللہ سے اس شخص کی خصوصی طور پر شفاعت کروں پھر زبیدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جہاں تک مسجد نبوی کی فضیلت اور اس میں نماز پڑھنے کا تعلق ہے وہ کتاب الحج کے پہلے باب میں ذکر کیا جا چکا ہے، اسی سلسلہ کی ایک بات حدیث میں آئی کہ تین مسجدوں کے سوا اپنے کجاوے اور پالان اپنی سواریوں پر مت باندھو اس پر پہلے گفتگو ہو چکی ہے۔

اسی سلسلہ کی حدیث ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول کریم علیہ السلام سے اس مسجد کے متعلق سوال کیا جس کی بنیاد تقویٰ پر قائم ہو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا تمہاری اسی مسجد مدینہ کی بنیاد ہی تقویٰ پر رکھی گئی ہے اس حدیث کی تخریج مسلم نے کی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک عورت بیمار پڑ گئی اس نے نذر مانی کہ اگر مجھے اللہ تعالیٰ شفا عنایت فرمادے تو میں گھر سے نکل کر بیت المقدس میں نماز پڑھوں گی وہ کچھ دن کے بعد تندرست اور اچھی بھلی ہو گئی تو بیت المقدس کی طرف جانے کی تیاری کی اور ام المومنین جنابہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس ملنے کے لیے حاضر ہوئی اور انہیں اپنے بیت المقدس میں جانے سے مطلع کیا جنابہ میمونہ نے اطلاع پاکر فرمایا بہن یہاں بیٹھ جاؤ میں نے جو کچھ بچایا ہے تمہیں کھانے کو دیتی ہوں کھانا کھا کر تجھے دور جانے کی کیا ضرورت ہے میرے شوہر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں ہی نماز پڑھ لے بیشک میں نے حضور علیہ السلام سے سُنا کہ مسجد کعبہ کے سوا مسجد نبوی میں ایک نماز پڑھ لینا باقی دنیا بھر کی مسجدوں میں ہزار نماز پڑھ لینے سے بھی افضل ہے۔ اس حدیث کی تخریج بھی مسلم نے کی ہے، ایک اور حدیث

ارقم بن ابو ارقم نے حضور علیہ السلام سے روایت کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ میں نے نبی علیہ السلام سے عرض کیا کہ حضور میرا ارادہ بیت المقدس جانے کا ہے حضور نے فرمایا وہاں کیوں جا رہے ہو تو میں نے کہا کہ وہاں جا کر نماز پڑھوں گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہاں میری مسجد میں نماز پڑھنا وہاں جا کر نماز پڑھنے سے ہزار درجہ بہتر ہے اس حدیث کو ابن جوزی نے مثیر الغرام میں نقل کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اس مسجد میں ایک نماز پڑھنا دوسری مسجدوں میں مسجد حرام کے علاوہ ایک ہزار نماز پڑھنے سے بہتر ہے بے شک اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہے اور آپ کی مسجد تمام مسجدوں کی آخری مسجد ہے۔ اس حدیث کو مسلم اور ابن جوزی نے نقل کیا ہے۔

جنابہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ میں خاتم الانبیاء ہوں اور میری مسجد درجہ کمال میں سب سے آخری مسجد ہے میری مسجد زیادہ لائق ہے کہ اس کی زیارت کی جائے اور دور دراز سے سواریوں پر سفر کر کے اس میں آیا جائے۔ اس حدیث کو ابن جوزی نے مثیر الغرام میں نقل کیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک نبی کریم رؤف الرحیم نے ارشاد فرمایا جس نے میری مسجد میں چالیس نمازیں پڑھیں وہ دوزخ اور ہر قسم کے عذاب سے بری ہو گیا نیز وہ شخص منافقت کی بیماری سے بھی بچ گیا۔ اس حدیث کو مسند امام احمد میں نقل کیا گیا ہے۔ خبر دال کے ذکر کے تحت تقاسیم و انواع میں ابن حبان نے کہا جو شخص اپنے گھر سے چلے خواہ کسی گاؤں یا شہر کا رہنے والا ہو اس کے لیے ہر ایک قدم کے بدلے ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور ایک گناہ مٹا دیا جاتا ہے یہاں تک کہ واپسی تک یہی عمل جاری رہتا ہے اور یہی حدیث بروایت حضرت ابو ہریرہ اس طرح ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جہاں کہیں سے بھی کوئی میری مسجد کی طرف چلا تو ایک قدم کے بدلے ایک نیکی لکھی جائے گی اور ہر دوسرے قدم کے عوض ایک گناہ مٹ جائے گا یہاں تک وہ شخص واپس اپنے گھر لوٹے۔

پہلی حدیث جس کی روایت حضرت ابو سعید خدری نے کی ہے سے اس شخص کے خلاف حجت قائم ہوتی ہے جو مسجد قبا کی بنادیں تقویٰ پر قائم ہیں کا قائل ہو۔ اور جنابہ میمونہ کا قول شوافع حضرات کے لیے حجت ہے کہ مکی اور مدنی شخص اگر نذر مانے کہ وہ مکہ اور مدینہ سے جا کر بیت المقدس میں نماز پڑھے گا۔

تو ان پر لازم نہیں کہ وہ بیت المقدس میں جا کر نماز پڑھیں کیونکہ ان کی اپنی جگہیں بیت المقدس سے افضل ہیں۔ مسجد احرام کی استثنا میں اختلاف ہے امام شافعی نے اس استثنا سے یہ مراد لیا ہے کہ مسجد حرام حضور کی مسجد سے افضل ہے تو پھر مکہ مدینہ سے افضل ہے"۔

قاضی عیاض نے کہا کہ امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ کے روضہ مقدس کی جگہ روئے زمین کے تمام خطوں سے افضل و اعلیٰ ہے آپ کے روضہ کی افضلیت کے بعد بالترتیب مکہ اور مدینہ باقی روئے زمین کے تمام ٹکڑوں سے افضل ہیں پھر مکہ اور مدینہ میں باہمی تقابل کے اعتبار سے کونی جگہ افضل ہے اس میں اختلاف ہے حضرت عمر اور ایک اور صحابی کی جماعت مدینہ طیبہ کی فضیلت کی قائل ہے حضرت امام مالک اور اکثر اہلِ مدینہ کا بھی یہی مذہب ہے اور استثنا مسجد حرم کو انہوں نے اس پر محمول کیا ہے سرکار نے فرمایا کہ میری مسجد ایک ہزار نماز کی قید کے بغیر مسجد حرم سے افضل ہے۔

اہل کوفہ، ابن وہب اور ابن حبیب اور کچھ امام مالک کے ساتھی اور امام شافعی فضیلت مکہ کے قائل ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی فضیلت پر بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ مذکورہ احادیث انہیں میں سے ہی ہیں۔

حضور علیہ السلام پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کے فضائل

امام غزالی احیا کے کتاب الاذکار میں سرکار پر صلوٰۃ وسلام عرض کرنے کی فضیلت پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں جس پر سید مرتضیٰ زبیدی نے کہا کہ مصنف رحمۃ اللہ یعنی امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ حضور کے اس ارشاد کا کیا معنی ہے جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے"۔ اور اس کا کیا مطلب اس پر اللہ رحمتیں نازل کرتا ہے جو حضور پر درود وسلام عرض کرے اور حضور پر ہمارے درود وسلام عرض کرنے کا کیا مطلب ہے اور اس کا معنی ہے کہ حضور نے اپنی امت سے اپنے اوپر درود وسلام کے لیے اظہار طلب کیا کیا ایسا کرنا آپ کے لیے مسرت کن ہے یا آپ نے امت پر اظہار شفقت کے لیے فرمایا، تو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ پر درود وسلام عرض کرنے والوں پر اللہ کی طرف صلوٰۃ بھیجنے کا معنی ہے اللہ تعالیٰ ان پر طرح طرح کی کرامتیں اور عجیب وغریب انعامات کے دروازے کھول دیتا ہے

ہماری طرف سے اور ملائکہ کی طرف بارگہ مصطفوی میں درود وسلام عرض کرنے کا مقصد اللہ تعالیٰ سے حضور علیہ السلام کی کرامت و بزرگی اور بلندی درجات کا سوال کرنا ہے جس طرح کوئی کہنے والا کسی کے لیے غفر اللہ ُ یا رحمہُ اللہ کہہ دیتا ہے اور وہ شخص رحمت اور طلب عفو کے ساتھ مختص کر دیا جاتا ہے اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو درود وسلام کے ساتھ مختص کر دیا گیا ہے آپ کے علاوہ درجہ بدرجہ انبیا کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اسی کے ساتھ خاص کر دیئے گئے صحابہ کرام اولیائے عظام اور علمائے ذی الاحترام رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور عوام رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ مخصوص کئے گئے جہاں تک سرکار کا امت سے اپنے لیے درود وسلام کے اظہار طلب کا تعلق ہے یہ چیز تین امور سے متعلق ہے۔

نمبر ا:۔ مجموعی طور پر دعائیں اللہ کے فضل و کرم نعمت و رحمت کو تحریک دینے میں موثر ثابت ہوتی ہیں خصوصاً جب بڑے اجتماع میں دعا کی جائے مثلاً جمعہ، خطبہ عرفات کی حاضری کے علاوہ عیدین اور دیگر روحانی اجتماعات دعائیں موثر اور مقبول ہوتی ہیں، بے شک بہت سی قوتیں جمع ہو کر ایک ممکن چیز کی طلب میں جب لگ جاتی ہیں تو اس کے حصول میں کامیاب ہو جاتی ہیں جس طرح بارش کا ہونا اور بیماری وغیرہ کا دور ہونا اور امکانی حد تک فیضان ان روحوں کے لیے جاری ہو جاتا ہے جو سفلی دنیا کے اعمال میں کھو کر اپنے اوپر قہر خداوندی کو دعوت دے چکی ہوتی ہیں پھر جب عام بشری روحیں روحانیت عالیہ سے ملتی ہیں۔ تو ان کی شہوانی کدورت کی میل دھل جاتی اور دل پاکیزہ ہو جاتا نتیجتاً ان دلوں کا عاجزی اور انکساری سے دعا کرنا پر تاثیر ہو جاتا کیونکہ عاجزی و انکساری کی حرارت سے دلوں کی شہوانی کدورتیں فوراً دور ہو جاتی ہیں اندھیرا چھٹ جاتا ہے اور دل روشن ہو جاتا ہے۔ اسی لیے ایک جماعت کی دعا بے خطا ہو جاتی ہے کیونکہ جماعت میں بہر حال پاک باطن اور پاکیزہ دل لوگ ضرور ہوتے ہیں جن کی شمولیت سے دعاؤں کے پر تاثیر ہونے میں مدد ملتی ہے ان کی دعائیں جمعہ کے دن پذیرائی سے نوازی جاتی ہیں کیونکہ اس دن صاف دل لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے اگرچہ جمعہ کے دن کی قبولیت کی گھڑی سے کوئی بشر آگاہ نہیں ہوتا مگر جمعہ کا دن اس گھڑی سے خالی بھی نہیں ہوتا البتہ قبولیت کے اسباب ضرور پائے جاتے ہیں جس طرح خطبہ اور نماز وغیرہ کی ابتدا، بہتر یہی ہے کہ اس قبولیت کی گھڑی کی تعین نہ کی جائے بلکہ اسے پوشیدہ رکھا جائے، یونہی اوقات صبح گاہی میں ان مبارک گھڑیوں کی توقع کی جا سکتی ہے جن میں دعائیں قبول ہوتی ہیں کیونکہ اس وقت عموماً قلب و ذہن صاف ہوتا اور دعائیں اللہ کا فضل و کرم حاصل کرنے

میں کامیاب و کامران ہوتی ہیں، حضورِ پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے حوض کوثر اور شفاعت اور اعلیٰ مقامات جو بے شمار ہیں اور ان کا مسلسل بڑھتے رہنا خیال و تصور سے باہر ہے کا وعدہ فرمایا ہے جن کے لیے حضورِ پرنور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام عرض کرنا ضروری ہے تاکہ وہ برکتیں اور کرامتیں زیادہ سے زیادہ حاصل ہوں۔

نمبر ۲ :۔ ہمارے درود وسلام عرض کرنے سے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو راحت اور خوشی حاصل ہوتی ہے جس طرح سرکار کا ارشاد ہے کہ بے شک میں نے تمہیں سابقہ امتوں کے حالات بطور ہبہ عطا کر دیئے کہ ان کی زندگی کا ہر گوشہ تم پر واضح ہے اور جس طرح یہ بعید نہیں کہ ہم میں سے سونے والا باوجودیکہ ہم اندھیر دنیا میں ہیں حالات موتیٰ کا علم حاصل کر لیتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی کچھ مشکل نہیں کہ ارواح کو ہمارے حالات کی معرفت ہو جائے کیونکہ وہ عالم قدس اور روشنی کے جہان اور بقا کی زندگی میں رہتی ہیں، سونے والے کی مردوں کے حالات کی آگاہی یا مردوں کا لوگوں کے احوال سے خبر پانا ایک طویل مضمون ہے یہ مقام اس کا متحمل نہیں ہے۔

نمبر ۳ :۔ اُمت کو اپنی ذات پر درود وسلام عرض کرنے کے لیے سرکار کا فرمانا محض اظہار شفقت اور جو اس کے حق میں بہتر ہے پر ترغیب دی ہے۔ حضور پر درود وسلام عرض کرنا پڑھنا ہے بلکہ یہ ایک نیکی کئی نیکیوں کا مجموعہ ہے ایک یہ کہ اس میں اللہ کے ساتھ ایمان کی تجدید ہوتی ہے دوسرا یہ کہ رسول اللہ پر تجدید ایمان ہوتی ہے۔ تیسرا یہ کہ اس میں تعظیم مصطفےٰ ہے۔ چوتھا یہ کہ اس کے ذریعہ کرامت و بزرگی طلب کی جاتی ہے پانچواں یہ کہ اس سے آخرت پر ایمان اور طرح طرح کی کرامتیں پختہ ہوتی ہیں۔ چھٹا یہ کہ صالحین کے ذکر کے وقت نزولِ رحمت الٰہی ہوتا ہے۔ ساتویں یہ کہ اس سے آپ کی آل امجاد کی تعظیم اور اپنی طرف ان کی نسبت کی جاتی ہے۔ آٹھویں یہ کہ اس سے آل اطہار سے اظہار محبت کیا جاتا ہے، اور حضور علیہ السلام اپنی اُمت سے کوئی مطالبہ نہ فرمائیں گے مگر اپنی قرابت کی محبت کا سوال ضرور کریں گے۔ نوویں یہ کہ اس سے دعا میں عاجزی وانکساری کا حصول ہوتا ہے دعا جو ہر عبادت کا مغز ہے اس سے قبول ہوتی ہے۔ دسویں یہ کہ اس سے اس امر کا اعتراف ہوتا ہے کہ ہر کام کی تکمیل اور حسنِ انتظام اللہ ہی کے لیے ہے اور بے شک نبی مختار صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ و شان بہت بلند ہے مگر آپ رحمتِ حق کے بہرحال محتاج ہیں۔

حضور علیہ السلام پر درود وسلام پڑھنا مذکورہ دس نیکیوں کو شامل ہے اور یہ نیکیاں ان کے علاوہ ہیں جو قرآن میں آیا ہے جس نے ایک نیکی کی اس کے لیے دس نیکیاں ہیں اور برائی ایک ہی لکھی جاتی ہے اس کا راز یہ ہے جوہر انسانی یعنی روح دراصل عالم علوی کی باشندہ تھی جو طبعاً مسافر بن کر جسمانی عالم میں اتری اور برائی نے اسے ترقی حاصل کرنے کے معاملہ میں سست کر کے رکھ دیا جو اس کی اصل طبع و مزاج کے خلاف تھا اور نیکی نے رُوح کو اس کے مزاج کے خلاف ترقی دی۔ مثلاً ایک قوت سے پتھر کو بلندی کی طرف حرکت دی جائے تو پتھر نسبتاً بلندی کی طرف سست حرکت کرے گا کیونکہ یہ حرکت اس کے حیز طبعی کے موافق نہیں مگر جب اسے نیچے کی طرف ذراسی حرکت دی جائے اس حرکت سے دس گنا بڑھ کر پتھر تیز حرکت کرے گا کیونکہ وہ اپنے حیز طبعی یعنی اصل مقام کی طرف بڑھ رہا ہے اسی طرح ایک نیکی دس تک اور پھر دس سے سات سو تک بڑھ سکتی ہے کیونکہ رُوح نیکی کی طرف تیزی سے بڑھتی ہے مصنف رحمہ اللہ جب فضیلت درود وسلام سے فارغ ہوئے تو سرکار دو عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی فضیلت میں شروع ہوئے اس سے پہلے ایک مختصر سی کلام ہم نقل کریں گے تاکہ وہ مصنف کے کلام کے لیے بطور تتمہ ثابت ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل میں سے ہے کہ حق جل شانہ کسی نبی کی زندگی کی قسم نہیں اٹھائی اور آپ کی حیات طیبہ کی قسم اٹھاتے ہوئے ارشاد فرمایا :۔

لعمرك إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ [1] ترجمہ: یعنی اے محبوب تمہاری عمر کی قسم بیشک وہ اپنی مدہوشی میں اندھے ہیں۔

اللہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرشتوں کی تائید مرحمت فرمائی اور اپنے اسم جلالت کے ساتھ حضور کا اسم گرامی ملا کر ذکر فرمایا۔ اذانوں اور خطبوں میں اپنے ذکر کے ساتھ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بلند فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ [2] ترجمہ: یعنی ہم آپ کی عظمتِ شان کے لیے آپ کا ذکر بلند کر دیا۔

---

[1] پ ، سورہ . آیت [2] پ ۳۰ سورہ انشراح آیت ۴

اور اپنے اسمائیں سے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو دو اسم عنایت فرما کر ارشاد فرمایا:

بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ[1] ترجمہ: یعنی آپ اہل ایمان کے لیے نرمی کرنے والے مہربان ہیں۔

اللہ نے آپ کو حکومت کرنے کی صلاحیت تامہ عطا فرما کر ارشاد فرمایا۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ[2]۔ ترجمہ: ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی تاکہ آپ لوگوں کے درمیان بہتر فیصلہ فرماتے رہیں۔

یہ فضیلت آپ کو اس لیے عطا کی گئی کہ آپ اللہ کے نزدیک پاک باطن اور اللہ کے بندوں کے لیے امانت دار تھے، اور آپ کی بدولت ان کی طوق اور زنجیریں کٹ گئیں جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْهِمْ[3] ترجمہ: اور اس معظم رسول نے ان سے ان کی وہ رسیاں اور زنجیریں دُور کر دیں جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔

اور اللہ نے آپ کو سب جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا اور آپ کے طفیل خلق خدا کی شکلوں کے بگڑ جانے اور مصائب کے نزول اور مختلف عذابوں سے بچ گئی۔

دیگر انبیاء علیہم السلام کو ذاتِ حق نے ان کے نام سے مخاطب فرمایا جب کہ حضور علیہ السلام کو نبوت و رسالت سے مخاطب کر کے ارشاد فرمایا۔ یاایھا النبی، یاایھا الرسول۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے مسلسل دس برس تک حضور علیہ السلام کی عملی خدمت کا شرف حاصل رہا اس مدت کے دوران میرے آقا و مولیٰ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کچھ کرنے پر یہ نہ فرمایا یہ کیوں کیا اور نہ ہی میرے کچھ نہ کرنے کو فرمایا کہ تُو نے یہ کیوں نہ کیا حضور علیہ السلام

---

[1] پ ۱۱ س توبہ آیت ۱۲۸ [2] پ ۵ س نساء آیت ۱۰۵ [3] پ ۹ س اعراف آیت ۱۵۷

سب لوگوں سے بڑھ کر صاحب خلق تھے اور میں نے آپ کے جود و سخا والے ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو کائنات کی ہر نرم شے سے نرم اور ملائم پایا اور آپ کے جسدِ عنبریں کی خوشبو سے بڑھ کر کوئی خوشبو نہ سونگھی ۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ حضور علیہ السلام خود اونٹ کا گھٹنہ باندھ دیا کرتے اور چوپایوں کو چارہ ڈال دیا کرتے تھے اور گری پڑی دیواروں کی تعمیر فرما دیا کرتے اور ٹوٹے ہوئے جوتوں کی مرمت فرما لیا کرتے اور اپنے بابرکت بوسیدہ لباس شریف کو پیوند بھی خود لگا لیا کرتے بکریوں کا دودھ نکال لیا کرتے اور اپنے غلاموں اور خدام کے ساتھ مل کر صبح کا کھانا تناول فرما لیتے اگر کچھ کھانا بچ جاتا تو وہی بچا ہوا کھانا دوپہر کو کھا لیتے تھے اور اپنے اہل و عیال کے لیے بازار سے سودا سلف اٹھا کر لانے میں آپ کچھ عار محسوس نہ کرتے اور ہر امیر و غریب سے ہاتھ ملاتے اور سلام کہنے میں ہمیشہ پہل کرتے جب آپ کو کھانے کی دعوت پر بلایا جاتا تو آپ شرم محسوس نہ کرتے اگرچہ دعوت میں چند خشک کھجوریں ہی کیوں نہ ہوں ۔

آپ کی طبیعت سادہ اور کھلی تھی ۔ نرم اخلاق رہن سہن قابل رشک آپ کا رخ زیبا کھلتا مسکراتا لیکن پر وقار آپ عمر بھر قہقہہ لگا کر نہ ہنسے ، آپ بیمثال عجز و تواضع کے مالک تھے جس سے ذلت اور پستی کو دور کا واسطہ بھی نہ تھا آپ کی سخاوت بھی بے نظیر تھی کہ اس میں فضول خرچی کا امیزہ نہ تھا ۔ آپ نرم دل کامل انسان تھے ، اور ہمیشہ اپنی فیض آفرین نگاہوں کو جھکائے رکھا ۔ اور ہر مسلمان سے باندازِ کرم پیش آتے ، آپ خوشحالی میں غافل نہ رہے اور نہ ہی کبھی طمع کا میلان ہوا ۔ صلی اللہ علیہ وسلم ۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے عادات و اخلاقِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک طویل حدیث کے آخر سے ایک حصہ ذکر کیا کہ حضور علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ میں تمام لوگوں میں سے حضرت آدم علیہ السلام کے زیادہ مشابہ ہوں اور میرے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام لوگوں کی نسبت حسنِ صورت اور عمدہ سیرت میں سب سے زیادہ میرے مشابہ تھے ۔ اس پر سید مرتضیٰ زبیدی کے فرمودہ جواہر میں سے آپ فرماتے ہیں بیہقی رحمۃ اللہ نے دلائل النبوت میں حدیث مذکور کو مصنف کی تحریری روانی کی طرح پورا ذکر کیا ہے جب کہ اس حدیث میں صبیح الفرغانی کے طریق پر کچھ اضافہ بھی کیا گیا ہے لیکن یہ اضافہ بھی معقول ہے کیونکہ میں نے اسے کمزور اور نظر انداز کی ہوئی کتابوں میں کہیں موجود نہیں پایا ۔ اس حدیث کو بیہقی نے دلائل میں بطور نص ذکر کیا ہے ۔ سید مرتضیٰ زبیدی فرماتے ہیں کہ صبیح بن عبد اللہ الفرغانی

نے اس حدیث کے علاوہ اور کوئی معروف حدیث حضور علیہ السلام کے وصف میں نہ کہی اور مذکورہ حدیث کی تفسیر میں بعض اپنے الفاظ بھی درج کر دیئے اور جس مفسر سے نقل کیا اس کا حال بیان نہ کیا ہماری تنقید یسے ہی ہے مگر اس نے ہماری جملہ روایات خبر صحیحہ اور مشہورہ سے مکمل اتفاق کیا ہے ہماری روایات کا سابقہ اعتماد ابو عبداللہ الحافظ کی وجہ سے ہے، کہتے ہیں کہ ہمیں ابو عبداللہ بن محمد بن یوسف المؤذن نے خبر دی راوی نے کہا کہ ہمیں محمد بن عمران نسوی نے حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں ہمیں احمد بن زہیر نے حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں ہمیں صبیح بن عبداللہ الفرغانی نے حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں ہمیں عبدالعزیز بن عبدالصمد نے حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں ہمیں جعفر بن محمد نے اپنے باپ سے اور ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے روایت کر کے حدیث بیان کی اور آخری راوی نے حضرت عائشہ صدیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے روایت کی آپ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام کی بعض صفات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کا قد مبارک زیادہ لمبا نہ تھا جو درخت کے پھیلے ہوئے تنے کی مانند محسوس ہو مشذب کا معنی محدثین نے یہ لیا ہے کہ آپکے قد مبارک موزوں اور جسم شریف مناسب تھا، اور نہ ہی حضورؐ کا قد مبارک اتنا چھوٹا تھا کہ حقیر جانا جائے جب آپ اکیلے چلتے تو قد میانہ معلوم ہوتا اور جب لوگوں کے ساتھ چلتے تو لمبے سے لمبے انسان کے برابر معلوم ہوتے لوگوں سے علیحدگی میں درحقیقت آپکا قد مبارک میانہ ہی تھا، اور اپ نے فرمایا کہ آپ کے خاندان کے سب افراد کا قد میانہ ہی تھا آپکی جسمانی رنگت نہ شوخ سفید تھی نہ سانولی بلکہ سفیدی اور ہلکی سرخی کا آمیزہ تھا آپکی رنگت میں سخت سرخی تھی نہ سخت زردی ابن عمر بسا اوقات مسجد نبوی میں آپ کے چچا ابو طالب کی مدح میں شعر کہا کرتے تھے۔ مثلاً ابن عمرؓ نے یہ شعر کہا۔

وَاَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ — ترجمہ: اور وہ خوبرو ہیں کہ انہیں کے چہرہ سے
ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِلْاَرَامِلِ — بادل چھینٹے حاصل کرتے ہیں، یتیموں کے

اور بیوہ عورتوں کی حفاظت گاہ۔"

جس نے بھی حضورؐ کو سنا اس نے آپکی تعریف میں یہی کہا کہ آپ کی رنگت میں سرخی ملی ہوئی تھی لیکن سرخی کا آمیزہ مختلف ہواؤں اور سورج کی تمازت کی بنا پر تھا اور یہ سرخی آپ کے جسم کے ان اعضا کے ساتھ مخصوص تھی جنہیں براہِ راست سورج کی گرمی اور مختلف ہواؤں کے ساتھ واسطہ تھا اس میں کسی کو بھی شک نہیں کہ جو جسم کپڑوں کے نیچے ڈھکا رہتا تھا وہ بہر حال سفیدی زردی مائل تھا جس نے آپ کی

رنگت سفیدی زردی مائل کا کہا ہے اس کی مراد لباس کے نیچے والا بدن مبارک ہے اور یہ قائل اپنے قول میں درست ہے اور جس نے حضور کی رنگت سُرخ ذکر کی ہے اس کی مراد آپ کے جسم کے وہ حصص ہیں جو بلا واسطہ سورج اور ہوا سے متاثر ہو سکتے ہیں اور یہ شخص بھی اپنے قول میں صحیح ہے۔ آپ کے رُخ انور کا پسینہ پاکیزہ موتیوں اور خالص کستوری سے بھی بڑھ کر تھا، آپ کے سر کے بال نہایت موزوں و خوبصورت تھے نہ ہی بالکل سیدھے اور نہ ہی گھنگریالے جن کی لمبائی چھوٹی ہو جب آپ کنگھی فرمایا کرتے تو آپ کے خم دار بالوں میں قدرتی دھاریاں معلوم ہوتی یا تالاب کی ان لہروں کی طرح معلوم ہوتیں جنہیں ہوا ایک دوسرے کے پیچھے دھکیلتی رہتی ہے جب تک بال درست رہتے کنگھی کی آپ ضرورت محسوس نہ کرتے۔ کبھی کبھار آپ سر کے بال بالکل اتروا دیتے تھے اور کبھی لمبے بال رکھ لیا کرتے تھے پہلے پہل کچھ دیر آپ نے لمبے بال ماتھے اور آنکھوں پر لٹکائے رکھے یہاں تک کہ جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ سے مانگ نکالنے کی درخواست کی پھر آپ مانگ نکالنے لگے اس طرح آپ کے ماتھے اور بھوؤں سے بال ہٹ گئے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ اپنے لمبے بالوں کو بسا اوقات کندھوں پر ڈال لیا کرتے تھے جب کہ بعض کا قول ہے کہ آپ کے بال کانوں کی لو تک تھے۔ جب کبھی حضور علیہ السلام اپنے بالوں کو گوندھتے توانہیں چار حصوں میں تقسیم فرما دیتے دو حصے داہنی طرف اور دو حصے بائیں طرف ڈال لیتے اور ان گوندھے بالوں کے درمیان سے حضور علیہ السلام کے مبارک کان بالوں کی سیاہی میں سے یوں چمکتے جیسے اندھیری رات میں ستارے جھلملاتے ہیں اور آخری عمر میں زیادہ سفید بال دونوں کنپٹیوں پر موجود تھے اور آپکی ڈاڑھی مبارک میں زیادہ بال جو سفید تھے ٹھوڑی پر تھے اور وہ بال کالے بالوں کے درمیان رات کو چاندی کی طرح اور دن کو سونے کی تاروں کی مانند چمکا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ خوش شکل اور خوبرو تھے اور بلحاظ رنگت نکھرے اور ستھرے تھے آپ کے واصفین نے عموماً آپ کے رُخ انور کو چودھویں رات کے چاند سے تشبیہ دی ہے بالآخر ہر مادح کو اقرار کرنا پڑا کہ چودھویں رات کے بدر کامل سے حضور کا حسن زیادہ ہے البتہ چاند کے چمکنے کو سرکار کے رُخ زیبا کی چمک سے تشبیہ دی ہے آپ کے غصہ اور خوشی کو آپ کے چہرہ سے پہچان لیا جاتا جب آپ خوش ہوتے تو آپکا رُخ مبارک آئینہ اور موتیوں کی طرح چمکتا تھا اور جب آپ خشمگیں ہوتے تو آپ کے رُخ کے تیور بدل جاتے

اور آنکھیں سُرخ ہو جاتیں اور لوگ آسانی سے پہچان جاتے کہ اس وقت حضور خوشی میں ہیں اور اس وقت غصہ کی حالت میں۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا :-

آمینٌ مُصطفٰی للخیر یدعو	ترجمہ: حضور علیہ السلام امانت دار اور منتخب کیے
کضوءِ البدرِ زایلہُ الظلام	ہوئے پیغمبر ہیں جو رشد و ہدایت اور بھلائی کی دعوت
	دیتے ہیں۔ رُوحانی اور باطنی تاریکی آپ نے
	اس سے دور کر دی جس طرح ماہ کامل کی روشنی
	سے اندھیرا دور ہو جایا کرتے ہیں۔

اور اسی طرح کے اشعار حضور کی شان میں ابن عمرؓ نے بھی بہت دفعہ کہے اور زہیر بن ابی سلمٰی نے حضور کی شان میں ہرم بن سنان سے مخاطب ہو کر کہا۔

لو کُنتَ من شیءٍ سِوی بَشَرٍ	ترجمہ: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ بشر ہونے
کُنتَ المضیءَ بلیلۃ البدرِ	کے علاوہ کچھ اور ہوتے تو یقیناً آپ چودھویں رات
	کا چاند ہی ہوتے۔

جناب عمرؓ فرماتے ہیں جس نے آپ کو جیسا سُنا ویسا ہی پایا اور آپ کی طرح کوئی دوسرا شخص نہ ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی جنابہ عاتکہ بنت عبدالمطلب نے حضور کی ہجرت کے موقع پر غمزدہ ہو کر یہ اشعار کہے :- ؎

أعینیَّ جُودا بالدموعِ السواجم	ترجمہ: بنو ہاشم کے ماہِ کامل حضرت محمد مرتضٰی صلی اللہ
علی المرتضٰی کالبدرِ من آلِ ہاشم	علیہ وسلم پر بہنے والے آنسو نچھاور کرنے میں میری
علی المرتضٰی للبرِّ والعدلِ والتقٰی	آنکھیں سخاوت کا مظاہرہ کر رہی ہیں میری آنکھیں اس
وللدین والدنیا بہیج المعالم	شخص کے لیے اشکبار ہیں جنہیں نیکی اور عدل و انصاف
علی الصادقِ المیمونِ ذی الحلمِ والنُّہٰی	پرہیزگاری دین و دنیا کے معارف کے لیے چُن
وللفضلِ والداعی لخیر التراحم	لیا گیا ہے میری آنکھیں اس ذات کے لیے پُرنم
	ہیں جو بابرکت سچے صاحب برداشت اور کامل العقل

ہیں جن پر بزرگی ناز کرتی ہے جن پر دریائے کرم
نیکی کی دعوت دیتے ہیں ہر وقت موجزن ہیں۔

مذکورہ بالا عبارتوں اور اشعار میں حضور علیہ السلام کو ماہِ تمام سے تشبیہ دی گئی ہے بالخصوص حضرت جنابہ عاتکہ کے اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ نے لوگوں کے دلوں میں یہ بات اہتمام خاص سے ڈال دی تھی کہ وہ آپ کی اوصاف جمیلہ کو عمدہ پیرائے میں پیش کریں۔ حضرت جنابہ عاتکہ نے اس وقت حضور کی یہ تعریف کی جب وہ اپنی قوم کے دین پر تھیں۔ حضور علیہ السلام کھلی پیشانی والے تھے جب آپ کا رُخ زیبا اور پیشانی مُبارک کے بالوں کے درمیان سے صبح یا رات کے کسی حصہ میں آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے تو یوں معلوم ہوتا گویا کوئی خوبصورت چراغ روشنی بکھیر رہا ہے اور لوگ برملا پکار اُٹھتے کہ حُسن و خوبصورتی حضور ہی کا حصہ ہے۔

ترجمانِ رسالت شاعر بارگاہِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان بن ثابت نے بھی اسی طرح سرکار کی تعریف کی ہے۔

مَتیٰ یَبْدُ فِی الدَّاجِی البَھِیْمِ جَبِیْنُہٗ	ترجمہ: جب سیاہ تاریکی میں حضور کا چہرہ ظاہر ہوتا تو
یَلُحْ مِثْلُ مِصْبَاحِ الدُّجٰی الْمُتَوَقِّدِ	اندھیروں کو روشن کرنے والے چراغ کی مانند چمکتا
فَمَنْ کَانَ اَوْمَنْ قَدْ یَکُوْنُ کَاَحْمَدَ	تھا جو شخص بھی حضور کا غلام بن گیا وہ سرکار کے
نِظَامٌ لِحَقٍّ اَوْ نَکَالٌ لِمُلْحِدِ	طفیل حق کی چٹان اور بے دینوں کے لیے عبرت

بن گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مُبارک کشادہ اور گھنی کالی لمبی بھویں باہم ملی ہوئی تھیں اور دونوں بھوؤں کے بال ہر لحاظ سے بالکل برابر تھے تاہم ناک کی سیدھ میں دونوں ابروؤں کے درمیان تھوڑا سا فرق تھا جو چاندی کی مانند چمکدار تھا اور غصہ وغضب کی حالت میں اس جگہ پر پسینہ عنبریں نمودار ہوا کرتا تھا اور اسی پسینہ سے آپکی حالتِ غضب جان لی جاتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھیں بڑی بڑی اور بہت سیاہ اور خوب صورت و دلکش تھیں جن کی سفیدی بھی زیادہ چمکدار اور سیاہ حصہ زیادہ ہی سیاہ تھا اور آپ کی آنکھوں میں سفیدی کے ساتھ سُرخ ڈوروں کا آمیزہ بھی قدرتی طور پر موجود تھا اور پلکیں لمبی لمبی تھیں جن کا کچھ حصہ سرکار کے ناک مبارک کے بانسے سے چھو جاتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مُبارک دانتوں کے درمیان اس طرح فرق نمایاں تھا جس طرح کنگھی

کے دندانے متفرق ہوتے ہیں لیکن آپ کے دانت بے حد مضبوط تھے خصوصاً نچلے جبڑے کے لمبی نوک والے دانت بے حد چمکیلے تھے جو بوقت تبسم موتیوں کی طرح آبدار معلوم ہوتے اور دہن مبارک سے بجلی کی سی چمک محسوس ہوتی۔ اللہ کے تمام بندوں میں سے ہونٹوں اور دہن مبارک کے لحاظ سے بے مثل تھے آپ کے رخسار مقدس نرم اور پر گوشت تھے رُخ مبارک نہ زیادہ لمبا اور نہ ہی بہت چھوٹا تھا، آپکی ڈاڑھی مبارک نہایت خوبصورت اور پُر وقار تھی رُخ زیبا پر سجتی جیسے مہ کامل کے گرد ہالہ ہو، ڈاڑھی مبارک کے بال قدرتی طور پر موزوں اور مناسب تھے حلقوم سے اور زیریں جبڑے تک بالکل مساوی بال تھے ایک بال بھی اُوپر نیچے نہ تھا، اور گردن اتنی خوبصورت اور مناسب کہ نہ چھوٹی نہ لمبی ہر وقت کپڑے سے ڈھکی رہتی نہ سورج کی تمازت پہنچتی نہ ہواؤں کی گرد گویا چاندی سونے کا آمیزہ کی ہوئی قدرتی صراحی، آپکا سینہ مبارک کشادہ اور پُر گوشت تھا جو رموز و اسرار الٰہیہ کا خزانہ تھا۔ آپ کے سینہ پر اور پیٹ پر بال نہ تھے ہاں دونوں ہنسلیوں سے لے کر ناف مبارک تک باریک بالوں کا ایک لمبا خط ضرور تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک سے پیٹ مبارک تک تین سلوٹیں تھیں ایک تہہ بند کے نیچے چھپ جاتی اور دو اوپر رہ جاتیں یا دو نیچے رہتیں اور ایک اوپر رہ جاتی۔ آپکی سلوٹیں ریشم کی مانند نرم تھیں۔ آپ کے کندھے مبارک چوڑے چکلے اور پُر گوشت تھے آپ کے دونوں کندھوں کا درمیانی حصّہ اُوپر اٹھا ہوا تھا جس کی داہنی جانب مہر نبوت نقش تھی۔ جس کی رنگت سیاہ زردی مائل تھی اور اس کے اردگرد کافی بال تھے کچھ لوگوں نے بائیں کندھے پر مہر نبوت کا ذکر کیا ہے۔ جو گوشت کی تہہ میں پیوست تھی جو مہر نبوت کے ساتھ بال تھے وہ کسی مقدس گھوڑے کی جھدوں یعنی گردن کے بالوں کی مقدار میں ہوئے تھے۔ آپ کی ریڑھ کی ہڈی لمبی اور گہری تھی آپ کے بازو اور بانہیں کافی موٹے اور خوبصورت تھے اور کلائیوں کی ہڈیاں مضبوط اور چوڑی تھیں، جوڑ بند اور پٹھے مضبوط اور قوی تھے۔ ہتھیلیاں نرم و ملائم جن کی اطراف سے سخاوت ٹپکتی تھی، ہتھیلیاں خالص ریشم سے کہیں نرم، اور آپ کی فیض بار انگلیاں گویا قدرتی چاندی نیشکر ہوں، اور آپ کی مبارک ہتھیلیاں قدرتی طور پر مشکبار تھیں آپ خوشبو کا استعمال کریں یا نہ کریں جس نے آپ سے مصافحہ کیا پورا دن اس کے ہاتھ میں سرکار سے مصافحہ کرنے کی خوشبو باقی رہتی اگر آپ اپنا دستِ شفقت کسی بچے کے سر پر رکھتے تو وہ بچہ تمام بچوں میں نمایاں ہوتا اور پہچان لیا جاتا کہ آج اس کے سر پر حضور نے ہاتھ رکھا ہے۔ حضور کا زیریں جسمانی حصّہ ناف سے مبارک گھٹنوں تک صحت مند اور صالح تھا۔ اور

گھٹنے سے کچھ حصہ اور سے نیچے کی طرف موٹی اور ٹخنے سے اُوپر ایک پاؤں مُبارک خوبصورت اور پُرگوشت
جن میں کوئی نشانِ زخم نہ تھا اور بعض نے کہا کہ حضور کے قدموں میں زخم کے نشان تھے اور آپ پورے
قدم سے زمین پر چلتے تھے۔ آپ کا بدن مُبارک اور جسدِ نوری تا حیات ظاہری معتدل اور مناسب رہا
اور یہ تناسب تا زندگی قائم رہا روزِ محشر سرکار کا حشر بھی اسی تناسب جسمانی سے ہوگا، اور عُمر بھر آپ کو نامناسب
مٹاپے نے گزند نہ پہنچائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا موٹاپہ نہایت موزوں اور معتدل تھا۔ آپ اگر کسی طرف
توجہ فرماتے تو مکمل پلٹ سکتے تھے، اور اگر پیٹھ کرنا چاہتے تو پھرتی سے فوراً پھر جاتے۔ چلتے وقت آپ
کے رُخ زیبا سے چمک ظاہر ہوا کرتی تھی جب آپ سخت زمین پر چلتے تو دیکھنے والا آپ صلی علیہ وسلم کو یُوں
محسوس کرتا گویا آپ کسی چٹان سے اُتر رہے ہوں یعنی آپ ڈھلواں چلتے۔ آپ کھلا قدم لے کر پُروقار چلتے
اور گرد راہ اصلاً نہ اُڑتی اور نرم زمین پر چلتے وقت اگر جلدی ہوتی تو تیز بھی چلا کرتے اور ساتھی دوڑ کر
چلتے ورنہ عام حالت میں آہستہ چلتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ میں تمام لوگوں
میں سے سب سے زیادہ اپنے باپ آدم علیہ السلام سے مشابہ ہوں اور ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام صورت و
سیرت میں میرے مشابہ ہیں۔

عارفِ باللہ سیدی سید میر غنی المتوفی ۱۲۰۷ھ

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کے

فرمودات گرامی

آپ شارح احیاء اور قاموس علامہ سید مرتضیٰ زبیدی کے مشائخ میں سے ہیں چونکہ ہمارے شہروں میں ان کی شہرت۔ سیدی عبدالعزیز دباغ اور سیدی عبدالغنی نابلسی اور سید مصطفےٰ البکری رضی اللہ عنہم جیسی نہ تھی اس لیے میں نے چاہا کہ ان کی کسی تصنیف کا ترجمہ کر دوں یا کچھ نہ کچھ ان کے حوالے سے ضرور عرض کر دوں تاکہ تعارفی طور پر ان کی عظمتِ شان بھی لوگوں پر عیاں ہو اور سرکار دو عالم کی شانِ محبوبیت میں جو فوائد میں ان سے نقل کروں انہیں تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہو۔ تو میں اب جبرتی کے حوالے سے کہتا ہوں جو اس نے اپنی تاریخ وفیات ۱۲۰۰ھ میں ذکر کرتے ہوئے کہا کہ سید امام عارف قطب عفیف الدین ابو السیادت عبداللہ بن ابراہیم بن حسن بن محمد امین بن علی میر غنی اور باقی ان کے نسب نامہ کو شریف الحسینی متقی مکی طائفی حنفی الملقب بالمحوب پر چھوڑ دیا، آپ مکہ شریف میں پیدا اور وہیں بڑے ہوئے اپنے ابتدائی زمانۂ عمر میں مکہ ہی کے بعض علماء سے علوم حاصل کئے مثلاً شیخ نخلی وغیرہ اور قطب زمان سید یوسف مہدلی جو معارف میں اپنے زمانہ میں وحید العصر اور یگانہ روزگار تھے، کی صحبت اختیار کی اور ہمیشہ کے لیے انہیں کے طالب ہو کر رہ گئے یہاں تک کہ ان کے شیخ کا انتقال ہو گیا ان کی وفات کے بعد انہیں عنایت حق نے کشش کی اور وہ وہ مقامات دکھائے جو کوئی آنکھ نہ دیکھ سکے اور نہ کوئی کان سن سکے اور کسی بشر کا دل اسے محسوس نہ کرے وہاں واسطے کٹ جائیں اور وسائل ختم ہو جائیں۔ آپ رحمہ اللہ اویسی تھے اور یہ شرف آپ کو اپنے جدِّ امجد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا۔ اس بات کی ہمارے شیخ سید مرتضیٰ نے مکہ میں ایک اجتماع کے دوران ۱۱۶۳ھ میں اطلاع دی اور مجھے ان کا نسب نامہ صندوق سے نکال کر دیا۔ میں نے ان سے کتب حدیث کی سند و اجازت طلب کی سند و اجازت کے ساتھ ساتھ مجھے میر غنی کے متعلق فرمایا کہ وہ اویسی المقام بزرگ تھے اور انہیں براہِ راست محمد عربی کی تائید حاصل تھی۔ آپ اپنے اہل و عیال کے ساتھ ۱۱۶۶ھ کو طائف منتقل ہوئے اس خاکسار نے ان کی رہائش گاہ اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے آپ کے علمی آثار بیحد مقبول ہیں، اور فضیلت بہت زیادہ۔ آپ کی کرامتیں آسمانی سورج کی مانند واضح اور آسمانی چاند کی طرح دلنواز و دلنشین ہیں۔ آپ کے حالات گوشہ نشینی کے باوجود لوگوں میں مشہور ہیں اور آپ کی خبریں اور حکایاتِ زہد زبان زد عام ہیں۔ آپ کی تالیفات میں۔ کتاب الفرائض اور واجبات الاسلام جس کی شرح سید مرتضیٰ نے کی ہے مذکور ہیں انہیں میں سے "سواد العین فی شرف النبیین" "سہم الداحض فی نحر الرافض"، "فروع الجوہریہ فی الائمۃ الاثنی

عشریہ۔ درۃ الیتیمۃ فی بعض فضائل السیدۃ العظیمہ۔ کوکب الثاقب اور اس کی شرح اور دو دیوان عقد المنظم فی حروف المعجم۔ عقد الجواہر فی نظم المفاخر۔ معجم الوجیز فی احادیث النبی العزیز صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس کی شرح شیخ محمد جوہری نے لکھی ہے۔ شرح صیغہ قطب ابن مشیش۔ مشارق الانوار فی الصلوٰۃ والسلام علی النبی المختار۔ جس میں اختصار سے ایک عبادت کی نفیس ذکر کر دی ہیں اب میں شرح نفحات قدسیہ شرح صلاۃ مشیشیہ کے بعض فوائد جو مقدمہ الکتاب میں ہیں ذکر کرتا ہوں۔

جاننا چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام عرض کرنا قربِ الٰہی اور قربِ مصطفائی کی دلیل ہے اور بہت بڑی نیکی ہے مکمل ترین صلوٰۃ وسلام جو آپ پر پڑھا جائے وہ یہی صلوٰۃ مشیشیہ ہی ہے جس کے اسرار و انوار عظیم ہیں اور حضور کی ذات اور آپ کے عرفان کے کمال کی نشاندہی کرتا ہے کیونکہ ہر برتن سے وہی کچھ برآمد ہوتا ہے جو اس میں پڑا ہوا ہو۔ ہر وہ کلام جس سے گنہ کی کدورتیں چھلکتیں ہوں اور دل کی غلاظت ملی ہوئی وہ پرواز کے قابل نہیں ہوتی اور نہ ہی مخلوق کے پاس کوئی طاقت ہے ہاں اگر تائید ایزدی شامل حال ہو جائے تو پھر مقدور بشر حقیقت بن جاتا ہے اور آپ پر پڑھا ہوا صلوٰۃ وسلام بارگاہِ محمدی میں کارگر اور مؤثر ہوگا شیخ عارف علامہ احمد بن محمد نخلی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب بغیۃ الطالبین میں کہا جس کے پڑھنے سے قارئین پر حقیقت محمدی کے اسرار و رموز کھلتے ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اس کتاب کے پڑھنے سے فتح ربانی اور تائیدِ حق حاصل ہوتی ہے اس کتاب کے قارئین صدق و اخلاص سے شرح صدر اور ہر کام میں حصول آسانی اور ہمیشہ اللہ کی طرف سے جمیع آفات وبلیات سے خواہ وہ ظاہری ہوں باطنی حفظ امان رہتے ہیں اور اپنے تمام دشمنوں پر تائید ربانی سے غالب ومنصور رہتے ہیں اللہ کریم کی مہربانی اور رسولِ کریم کی نظرِ رحمت میں شادمان وکامران رہتے ہیں بہرحال اس سے حصولِ منفعت کے لیے ہمیشہ صدق و اخلاق تقویٰ ازبس ضروری ہے۔ قرآن کریم میں ہے:۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ[1] — ترجمہ: "جس نے اللہ اور رسول علیہ السلام کی فرمانبرداری اور خشیت ایزدی اور خوفِ خدا اختیار کیا وہ لوگ کامیاب ہوئے"۔

نخلی نے اس وظیفہ کی سند۔ بابلی۔ سالم سنہوری۔ نجم غیطی شیخ الاسلام زکریا۔ عزبن فرات

[1] پ ۱۸، سورۂ نور، آیت ۵۲۔

تاج الدین سبکی اور ان کے والد تقی سبکی ابن عطا اللہ موسیٰ شاذلی مؤلف صلوٰۃ مشیشیہ سیدی علیہ السلام تک گئی ہے۔
سید عبداللہ میرغنی رحمۃ اللہ کے فرمودہ ارشادات میں ہے انہوں نے صلوٰۃ مشیشیہ کے مقدمہ کی شرح
میں ایک عظیم قصہ ذکر کیا ہے جسے انہوں نے جلیل القدر بزرگ ہستیوں سے سنا ہے۔ شیخ ابوالحسن شاذلی رضی
اللہ عنہ سے حکایت کیا گیا ہے کہ وہ ایک رات بیت المقدس میں سوئے ہوئے تھے رات کا کچھ ہی حصہ گزرا
ہو گا کہ انہوں نے مسجد کی چھت کو اچانک کھلا ہوا دیکھا اس میں سونے اور چاندی کی جڑاؤ کرسیاں اتر رہی
ہیں جنہیں ایک شخص ترتیب سے لگا رہا ہے اور بعد میں ایک بہت بڑا تخت جو قسم قسم کے لعل وجواہر سے آراستہ
جس کی تعریف بیان سے باہر تھی رکھ دیا گیا۔ یکایک لوگوں کی ایک بہت بڑی جماعت تشریف لائی ایک
شخص اپنی نشست پر بیٹھ گیا آخر میں ایک بے مثل انسان جو قدرتی حسن وانوار کا شاہکار تھا تشریف لایا اور
اکیلا تخت پر بیٹھ گیا تخت کی نشست پر ان کے ساتھ کوئی شخص شریک نہ تھا میں نے کہا کہ میرے دائیں
بائیں کون لوگ ہیں میرے قریب کھڑے ایک شخص نے کہا کہ یہ جماعت انبیا ہے جو حضور پر نور صلی اللہ
علیہ وسلم سے منصور بن حلاج کے بارے شفاعت کرنے آئی ہے جن سے ظاہر شریعت کی مخالفت سرزد
ہوئی ہے کچھ وقت بعد جناب موسیٰ علیہ السلام بولے یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم۔ مجھے معلوم ہوا کہ آپ
نے فرمایا ہے کہ میری امت کے علما بنی اسرائیل کے انبیا جیسے ہیں میری خواہش ہے کہ ان میں سے کوئی
ایک مجھے دکھا دیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کی طرف اشارہ کیا جو دراصل امام غزالی تھے جناب
موسیٰ علیہ السلام نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں ان سے کچھ پوچھ لوں جناب
موسیٰ علیہ السلام نے امام غزالی سے ایک مسئلہ پوچھا انہوں نے اس کے دس جواب دیئے جناب موسیٰ علیہ السلام
نے کہا سبحان اللہ میں نے آپ سے ایک سوال کیا ہے آپ نے دس جواب دے دیئے تو جناب امام
غزالی نے ان سے عرض کیا سبحان اللہ آپ کے رب نے جب آپ سے کہا تھا کہ آپ کے داہنے ہاتھ
میں کیا ہے تو آپ نے کہا یہ میری لاٹھی۔ میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور اپنی بکریوں پر اس سے پتیاں
جھاڑتا ہوں اور اس میں میری اور ضرورتیں بھی ہیں۔ پھر شاذلی کہتے کہ میں حیران ہوا جا رہا تھا کہ حضور
علیہ السلام اکیلے تخت پر تشریف فرما ہیں حالانکہ ان کے باپ حضرت آدم علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام حضرت
ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام، حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بڑے بڑے جلیل القدر
انبیا تخت کے نیچے بیٹھے تھے اسی اثنا میں ایک شخص نے مجھے اپنے ہاتھ سے جھنجھوڑ کر جگایا اور کہا کہ کیا آپ

کو معلوم نہیں کہ یہ سب کی اصل ہیں اور ان کے سردار ہیں اور تمام کمالات میں یکتا ہیں تو یہ انبیا حضرات اس نشست میں ان کے ساتھ کیسے شریک ہو سکتے ہیں۔ سید عبداللہ میر غنی فرماتے ہیں یہ قصہ میں نے اپنے بڑے بزرگوں سے سنا ہے۔

مصنف کے قول (اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مَنْ مِنْہُ انْشَقَّتِ الاسرار) اے اللہ ان پر رحمتِ کاملہ نازل فرما جس سے رموز کھلتے ہیں) پر سید عبداللہ میر غنی فرماتے ہیں۔

روایت کیا گیا ہے کہ اللہ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو انہوں نے اللہ سے عرض کیا کہ خدایا تو نے میری کنیت ابو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیوں رکھ دی ہے اللہ نے فرمایا اپنا سر اٹھاؤ حضرت آدم علیہ السلام نے سر اٹھایا تو جناب آدم علیہ السلام نے عرش عظیم کے پردوں میں نورِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم دیکھا عرض کیا یا اللہ یہ نور کیسا ہے اللہ نے فرمایا یہ نور میرے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جو آپ کی اولاد سے ہیں جن کا آسمانی نام احمد اور فرش پر محمد ہے اگر یہ نہ ہوتے تو نہ میں آپ کو پیدا کرتا اور نہ ہی زمین و آسمان پیدا کرتا۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کا یہ قول اگر یہ نہ ہوتے تو اے آدم میں آپ کو بھی پیدا نہ کرتا آخر تک اشارہ کرتا ہے کہ درحقیقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام موجودات کا مخرج ہیں اور تمام اسرار کا مرکز ہیں کیونکہ اصل کے بغیر فرع نہیں پائی جاتی، اور واسطہ کے بغیر کوئی موسوط نہیں پایا جا سکتا اس لیے کہ اللہ نے جب ایجادِ خلق کا ارادہ فرمایا تو حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے خالص نور سے ظاہر فرمایا۔ اللہ کے اس قول کا اشارہ اسی طرف ہے۔

وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ۔ ترجمہ: یعنی میں نے اس میں اپنی روح پھونکی۔

پھر اس نور سے تمام جہاں خواہ علوی ہوں یا سفلی اپنے ارادہ کے مطابق الگ کر لیے۔ پھر اللہ نے جناب آدم علیہ السلام کو حضور کی بشریت نبوت و رسالت کی خبر دی اور اس وقت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔ پھر آپ ہی سے ارواح کے چشمے ابلے اور تمام جہانوں کی اصل اور ممد و معاون کے طور ملاءِ اعلیٰ میں ظاہر ہوئے اس کا بیان و توضیح اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مخفی خزانہ تھی اس نے پسند کیا کہ پہچانا جائے ذاتِ کبریا نے اپنے اسماء اور صفات میں توجہ فرمائی اور ان کے کمال کا انتخاب کیا۔ اور اپنی ذات کے جلال و جمال کو ظاہر کرنے کے لیے ذاتِ حق نے ذاتِ نبی کو ظاہر فرمایا اور اسے اسماء اور صفاتِ ربانیہ کی پوشاک بخشی۔ پسندیدہ کمالات اور کرامتیں عنایت کیں۔ بعد ازیں خالق کی مطلوبہ تعظیمیت

حقیقت محمدیہ کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ یہ حقیقت کائنات کے وجود میں آنے سے پہلے ظاہر ہوئی جس طرح
صحیح احادیث میں آیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے خبر دی اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے ایک سفید چمکدار موتی پیدا
کیا اور یہ سفید موتی جس کی خبر حضورؐ دے رہے ہیں عقل تھی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہٗ کہتے ہیں میں نے
حضور علیہ السلام سے مخلوق میں سب سے پہلی پیدا ہونے والی چیز کے متعلق پوچھا تو حضورؐ نے فرمایا اے جابر
اللہ نے سب سے پہلے تیرے نبی کے نور کو پیدا کیا پھر اس سے ہر چیز پیدا کی اور اس کے بعد کائنات کی
ہر شے پیدا کی اور اے جابر جب اللہ نے تیرے نبی کے نور کو پیدا کیا تو اسے اپنے سامنے مقامِ قرب
میں بارہ ہزار سال ٹھہرائے رکھا پھر اسے چار اقسام میں تقسیم کر دیا۔ ایک قسم سے عرش پیدا کیا اور دوسری
قسم سے کرسی اور تیسری قسم سے حاملین عرش اور خازنین کرسی پیدا کیے اور چوتھی قسم کو مقام قرب میں
جب بارہ ہزار سال رکھا اور پھر اس کی چار قسمیں کیں ایک قسم سے قلم پیدا کی دوسری قسم سے لوح اور تیسری
سے جنت، اور چوتھی قسم کو بارہ ہزار برس تک مقام خوف میں رکھا اور اس کے چار اجزا بنائے۔ ایک جز
سے فرشتے پیدا کیے، دوسری جز سے سورج پیدا کیا۔ اور تیسری جز سے چاند اور ستارے پیدا فرمائے۔
پھر چوتھی جز کو مقام رجا میں بارہ ہزار برس رکھا اور اس کی چار جزیں کیں ایک جز سے عقل پیدا کی۔ دوسری
جز سے علم و حلم پیدا کیا۔ تیسری جز سے عصمت اور توفیق پیدا کی۔ پھر چوتھی جز کو بارہ ہزار برس تک مقام
حیا میں رکھا پھر اسے ذاتِ مولیٰ نے دیکھا کہ اس سے عرق کی مانند نور کے قطرے ٹپک رہے ہیں جن
کی کل تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار قطرے تھی۔ اللہ جلّ سبحانہٗ نے ہر قطرے سے نبی اور رسول کی روح
پیدا کی جب ارواح انبیاء کی تخلیق ہوئی تو ان سے اولیائے امت شہیدوں، سعادت مندوں، فرمانبردار
اہل ایمان کی روحیں پیدا ہوئیں اور تخلیق کا یہ سلسلہ قیام قیامت تک جاری رہے گا۔ پھر حضورؐ نے فرمایا
کہ عرش و کرسی میرے نور سے ہیں ملائک مقربین میرے نور سے ہیں اور ملائکہ روحانیین میرے نور سے
ہیں اور ساتوں آسمانوں کے فرشتے میرے نور سے ہیں جنت اور اس کے محاسن و انعامات میرے نور
سے ہیں۔ سورج، چاند اور ستارے میرے نور سے ہیں۔ عقل، علم اور توفیق میرے نور سے ہیں۔ نبیوں
اور رسولوں کی روحیں میرے نور سے ہیں۔ اولیاء کرام، شہداء اور صالحین لوگ میرے نور کا نتیجہ ہیں۔
پھر اللہ نے بارہ پردے پیدا کیے۔ اللہ نے میرے نور کی مذکورہ چوتھی جز کو ہر ایک پردے میں ایک
ہزار برس رکھا وہ پردے درحقیقت مقامات عبودیت ہیں مثلاً کرامت، سعادت، ہیبت، رحمت،

رافت، علم، حلم، وقار، سکینہ، صبر، صدق، یقین۔ اس نور مصطفےٰ نے اللہ کی عبادت ہر پردے میں ایک ایک ہزار برس کی پھر جب نور مصطفےٰ ان پردوں سے نکلا تو اللہ نے اسے فرش زمین پر بھیجا درآنحالیکہ اس سے مشرق و مغرب کا درمیان اس طرح چمکا جس طرح تاریک رات میں چراغ چمکتا ہے پھر اللہ نے زمین سے آدم علیہ السلام پیدا کئے اور ان کی پیشانی میں حضور کا نور رکھا پھر ان سے شیث علیہ السلام کی طرف اسی نور کو منتقل کیا پھر یہ نور طاہر سے طیب کی طرف اور طیب سے طاہر کی طرف مسلسل منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ اس نور کو اللہ نے جناب عبداللہ بن عبدالمطلب کی پشت میں رکھ دیا۔ اور پھر ان کی پشت سے میری ماں آمنہ کے شکم اطہر میں منتقل کر دیا۔ پھر اللہ نے مجھے دنیا میں سیدالمرسلین، خاتم النبیین، رحمت للعالمین، قائد غرالمحجلین بنا کر بھیجا اے جابر یوں تیرے نبی کے نور سے اللہ نے خلق کی ابتدا کی۔ اس حدیث کو کازرونی نے اپنی سیرت میں نقل کیا۔ سیدی سید عبداللہ میرغنی کہتے ہیں کہ مذکورہ حدیث میں اللہ کی قدرت سے کچھ مانع نہیں ہے۔

ابن قطان کی حدیث میں روایت کیا گیا ہے کہ میں خلقت آدم علیہ السلام سے قبل چودہ ہزار برس اپنے رب کے سامنے نور تھا۔ تشریفات میں حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا گیا ہے حدیث اس طرح ہے کہ بے شک حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کی عمر کتنے برس ہے جناب جبریل علیہ السلام نے عرض کیا بخدا میں اس کے سوا کچھ نہیں جانتا کہ ایک ستارہ چوتھے حجاب میں ستر ہزار برس بعد ظاہر ہوا کرتا تھا میں نے اسے بہتر ہزار مرتبہ دیکھا ہوا ہے حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا اے جبریل مجھے میرے رب کے عزت و جلال کی قسم وہ ستارہ میں ہی ہوں۔

اس حدیث کے بارے میرغنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اور اس کی مثل دیگر احادیث جو صورتیں بیان ہوئی ہیں وہ رب جلیل کی قدرت سے خارج نہیں سابقہ بیان سے واضح ہو چکا ہے کہ آپ کی حقیقت کل عالم ہے اور عالم کا ہر جزو سرکار ہی کا جُز اور مظہر ہے بعض اجزا اتحاد کی بنا پر اور بعض اجزا عالم انفرادی طور آپ کی حقیقت کا جز ہیں کیونکہ آپ کا نور جو عقل ہے کائنات عالم کی اصل ہے جس طرح آپ سابقہ بیان سے معلوم کر چکے مزید برآں آپ پر یہ بھی واضح ہوا کہ شریعت، حقیقت معرفت کے تمام اسرار و رموز بھی حقیقت محمدیہ ہی سے عیاں اور آشکارا ہیں۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم عین الوجود اور واحد معبود کی تجلی کے مظہر ہیں۔ بنا بریں اللہ نے اپنے بندے کو اپنی محبت و عرفان عطا کیا اور اسے نیکی اور احسان کے اعلیٰ و ارفع مقام پر پہنچایا، اور آپ کے لیے کمال شہود ظاہر فرمایا جس میں آپ نے اصل مقصود ذات وحدہٗ لاشریک

کے علاوہ کچھ نہ دیکھا اور اللہ کے رسول کا مقام عین الوجود ہے جو مقام فنا میں متحقق ہوتا ہے اور اس مقام میں حضور کے سوا کوئی نہیں ہے آپ اس مقام پر آپ بھی فائز ہیں اور آپ کے واسطے سے مقام بقا میں آپ سے اسرار برآمد ہوتے ہیں اور اس درجہ میں بھی آپ کے ساتھ اللہ کے سوا موجودات میں کوئی شریک نہیں آپ اس مقام پر اب بھی بدستور قائم ہیں آپ اللہ کی طرف سے تجلی حقیقی کے ساتھ مخصوص ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات وجود سے مخصوص ہے۔ لا الٰہ الا اللہ کا اشارہ اسی طرف ہے کہ ابدالاباد میں رب العباد کے سوا کوئی موجود نہیں اس کے علاوہ سبھی فانی ہیں۔ اگرچہ ذات حق جلّ وعلا نے خلق و ایجاد ظاہر فرمادی مگر وہ یکتائی میں ہر زمانہ میں ممتاز و منفرد ہے اور پاک ہے ہر زمان و مکان سے مطلقاً بے نیاز ہے، اس رسول علیہ السلام پر اللہ کی رحمت کاملہ اور سلام ہو جن پر تمام اوقات تجلی اعظم کی تخصیص ہے اللہ کا صلوٰۃ و سلام حضور کے جلال و جمال اور کمال کے مناسب حال اور لائق ہے۔

ایک اشکال میر غنی رضی اللہ عنہ نے مذکورہ کلام کے بعد کہا کہ اگر تو کہے تمام موجودات حضور کی حقیقت سے علیحدٰہ کی ہوئی ہے تو ان میں سے آگ اور کفار اور فاسق و فاجر لوگ وغیرہ بھی ہیں پھر ان اشیا کا خسیس ہونا بعید ہوگا کیونکہ ان کا مخرج و مصدر حضور کی ذات ہے جو نور جلال اور عین کمال ہے پھر آخر اس میں کیا حکمت کارفرما ہے۔

جواب جاننا چاہیے کہ جب اللہ سبحانہ کی ذات یکتا اور منفرد تھی مگر اس کی صفات بہت زیادہ تھیں تو اس نے ایک ایجاد فرمانے کے لیے ذات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہر فرمایا۔ تاکہ تمام مخلوق ایک ماویٰ و ملجا متعین ہو جائے اور آپ کو ذاتِ حق نے اپنی کثرت صفات کی پوشاک پہنائی جو بعد صفات نبوت بن کر رہ گئیں۔ اس میں خالق کا مدعیٰ مخلوق کی مدد تھی جس طرح اللہ کی ذات تمام جہانوں کی جائے پناہ ہے اور اس کی صفات تمام مخلوق کی معاون و مددگار ہیں۔ مذکورہ اشیا کا حضور کی ذات سے علیحدٰہ یا خارج ہونے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اللہ کی طرف اس میں نظام تخلیق کی تکمیل بعض اشیا مظاہر جلال ہیں اور بعض مظاہر جمال خداوندی ہیں اور ان اشیا کا مجموعہ ذاتِ محمدی عین کمال ہے اللہ کی ذات حمد و ستائش کے لائق حضور اور آپ کی آل پر صلوٰۃ وسلام ہو۔

سید عبداللہ میر غنی رحمہ اللہ کے فرمودہ جواہر میں ہے مصنف کا یہ قول (والفلقت الانوار) انوار نور کی جمع ہے یہ دو طرح کا ہوتا ہے حسی اور معنوی۔ نور حسی کی تمام اقسام حضور کے نور سے برآمد ہوتی

ہیں اور درجہ کمال کے تسمکوں اور پیٹھوں سے جاری ہوا حضورؐ کی یہ نورانیت عام اور غیر منحصر ہے نور معنوی کی ایک طرف ظاہر شریعت کی طرف اور دوسری طرف حقیقت کی طرف ہے کیونکہ تجلیاتِ الٰہیہ اور انوار ربانیہ حضور سے جاری وساری ہوئے اور کسی نبی یا فرشتے اور عارف کو اس کا حصول نہیں ہے یہ درجہ حضور ہی سے مختص ہے اس کا بیان یوں ہے کہ جب حضورِ پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم تجلی اعظم سے مخصوص ہیں اور رمز کائنات کی اصل رُوح اور وجود عالم کا مقصود ہیں تو تجلی حق تعالیٰ آپ کا خاصہ بنی اور آپ کی ذات تجلیات الٰہیہ کی جائے نزول ٹھہری۔ کسی عارف کو اسی درجہ میں سے سرکار کی حمایت کے بغیر کچھ حاصل نہ ہوا مگر اتنا ہی جتنا سرکار تے اپنے انوار کی شعاعیں اس پر ڈالیں۔ اس سے بڑھ کر کسی عارف کی سیر ممکن بھی نہیں کیونکہ یہ درجہ ومقام حضور کا خاصہ ہے آپ کے مقابلہ میں باقی سب لوگ معدوم اور مفقود ہیں اس مقام کو علامہ بوصیری رحمۃ اللہ اشعار ہمزیہ میں اس طرح بیان کیا ہے۔

اَنتَ مِصبَاحُ کُلِّ فَضلٍ فَمَا

تَصدِرُ اِلَّا عَن ضَوئِکَ الاَضوَآ

ترجمہ: آپ سے ہر بزرگی کی رونق بحال ہے، اور تمام روشنیاں آپ کے سوا کہیں سے برآمد نہیں ہوتیں۔

قصیدہ بردہ میں اس طرح کہا:

وَکُلُّھُم مِن رَسُولِ اللّٰہِ مُلتَمِسٌ

غَرفًا مِنَ البَحرِ اَو رَشفًا مِنَ الدِّیَمِ

وَوَاقِفُونَ لَدَیہِ عِندَ حَدِّھِم

مِن نُقطَۃِ العِلمِ اَو مِن شَکلَۃِ الحِکَمِ

ترجمہ: دربار رسالت میں ہر ایک آرزو لیے کھڑا ہے کہ آپ کے ابر کرم سے ایک چھینٹا مل جائے یا آپ کے تلاطم خیز سمندر سے ایک چلو بھر نصیب ہو جائے اور سب کے سب اپنی مقررہ حد تک حضور کے پاس گھٹنے ٹیک کر بیٹھے ہیں کہ آپ کے علم کا کوئی نقطہ یا آپ کی حکمت کا کچھ حصہ مقدر بن جائے۔

مصنّف کے قول (وفیہ اتسقت الحقائق) پر سیدی سید عبدالغنی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے فرمودہ جواہر میں سے ہے یعنی حضور کی ذات وصفات میں تمام حقائق بلند ہوتے ہیں اور تمام دقائق ارتقائی منازل طے کرتے ہیں۔ اور سب کچھ مخلوق کی سطح عقل سے بعید ہے کیونکہ حضور کی صلاحیت واستعداد اندازے سے باہر اور آپ کی استعداد کے پھیلاؤ نے تمام لوگوں کو ورطۂ حیرت میں گم کر دیا حقائق

آپ کی ذات کے ساتھ روز بروز ترقی کر رہے ہیں اور آپ ہی کی وجہ سے دقائق لاحقین وسابقین میں بلند ہو رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے جوامع الکلم اور ان کے خواتم عطا کئے گئے اور جناب جبریل علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے روئے زمین کے مشرق و مغرب میں پھر کر دیکھا لیکن پوری دنیا میں حضور سے افضل و اعلیٰ کوئی شخص نہ دیکھا۔

علامہ بوصیری فرماتے ہیں :۔

وَانسُبْ اِلٰی ذَاتِہٖ مَاشِئتَ مِن شَرَفٍ	ترجمہ:۔ آپ کی ذات کی طرف ہر بزرگی منسوب کرے
وَانسُبْ اِلٰی قَدرِہٖ مَاشِئتَ مِن عِظَمٍ	اور آپ کی قدر شان کی طرف ہر عظمت منسوب کرے
فَاِنَّ فَضلَ رَسُولِ اللّٰہِ لَیسَ لَہٗ	بے شک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان
حَدٌّ فَیُعرِبُ عَنہُ نَاطِقٌ بِفَمٍ	اور بزرگی کی کوئی حد نہیں ہے یہاں تک کہ ہر بولنے والے کے لب پر مہر سکوت ہے۔

مصنف کے قول (وَتَنَزَّلَتْ عَلُوْمُ آدَمَ فَاَعْجَزَ الْخَلَائِقُ) پر سید عبدالقادر میر غنی فرماتے ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں اللہ کی طرف سے ہمارے باپ آدم علیہ السلام کے علوم کے وہ حقائق نازل ہوئے جن کی نشاندہی قرآن کریم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ کُلَّھَا۔ ترجمہ:۔ یعنی جناب آدم علیہ السلام کو تمام ناموں کی تعلیم دے دی۔

اور یہ تعلیم درحقیقت علوم قرآن ہے جس طرح کہ اللہ نے ارشاد فرمایا :۔

مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتَابِ مِن شَیْءٍ۔ ترجمہ:۔ یعنی ہم نے کتاب میں کوئی چیز باقی نہ چھوڑی۔

نیز ارشاد فرمایا :۔

وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتَابَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ۔ ترجمہ:۔ یعنی اے محبوب ہم نے آپ پر وہ کتاب نازل کی جس میں ہر ایک چیز کا بیان ہے۔

اسی سلسلہ میں بہت سی احادیث و آثار بھی ذکر کی گئیں ہیں پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ علما محققین فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو کل غیب کی تعلیم دے دی یہاں تک کہ (منتہیٰ)

علوم خمسہ بھی آخری عمر شریف میں تعلیم فرما دیئے گئے۔ مگر بعض کے ظاہر کرنے اور بعض کے مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا اسی طرح مختلف علوم اور حقائق اشیاء اور علوم اسمأ اور ان کے اغراض و مقاصد بھی عیاں کر دیئے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اصل مقصود کائنات ہیں اور آپ ہی سے وجود حقائق کی راہیں متعین ہوتی ہیں اگرچہ آدم علیہ السلام اظہار آدمیت کا ثانوی وسیلہ ہیں مگر ان کے بھی اصل وسیلہ حضور علیہ السلام ہیں۔ آپ کی حکمت سے عقلیں حیرت زدہ ہیں اور آپ کے عجائب و اسرار بہت لمبے ہیں۔

علامہ بوصیری فرماتے ہیں :۔

لَکَ ذَاتُ العلوم مِن عالم الغیب	ترجمہ: آپ کی ذات میں اللہ نے وہ علوم رکھے
ومنها لآدم الاسماءُ ۔	ہیں جن کا کچھ حصہ علوم آدم علیہ السلام بھی ہے۔

بنابریں بعض محققین نے حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں کے سجدہ کرنے کی وجہ وہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم بتلایا ہے جو آدم علیہ السلام کی پیشانی میں تھا۔

مصنف کے قول (فاعجز الخلائق) پر میر غنی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں وہ علوم اور حقائق و دقائق انوار، ربانیہ کی تجلیات اور لطیف رموز جن پر حضور کی ذات مشتمل ہے ایسا سمندر ہیں جس میں ہر متموج اور تلاطم خیز سمندر بھی گم ہو کر رہ جائے، اس اللہ کی پاکیزگی ہے جس نے حضور علیہ السلام کو وہ علوم و معارف عطا فرمائے جن کے فہم و ادراک سے تمام مخلوق عاجز و قاصر ہے۔

علامہ بوصیری فرماتے ہیں :۔

وَتَلَقّٰی من ربہ کلماتٍ	ترجمہ: اور آنحضور نے اپنے رب سے وہ کلمات
کُلُّ عِلمٍ فی شمسهن هباءُ	حاصل کئے جن کے سورج کی روشنی کے سامنے تمام علوم ایک ذرہ کی مانند ہیں۔ آپ کی ذات علوم کا
زاخرٌ بالعلوم یغرق فی	وہ بحر زخار ہے جس کے قطروں میں دنیا بھر کے
قطراتها العالمون والحکماءُ	علما اور حکما گم ہو جائیں ہر تسک کرنے والا جو تسک
وتحدی فما تاب کل مریب	کرے آپ نے اسے چیلنج کیا گویا آپ گھنی بارش
اذ یبقی مع السیول الغثاءُ	والے بادل کالا فانی اور بھرپور سیلاب ہیں۔

بھلا یہ مخلوق اس کی حقیقت اور اوصاف سے عاجز کیوں نہ رہے کہ آپ کی ذات تو تمام کمالات سے متصف ہے اور تمام اعلیٰ مقامات آپ ہی میں متحقق اور ثابت ہوتے ہیں۔

میر غنی کا کلام اختتام کو پہنچا، اور یہ آخری اشعار علامہ بوصیری کے اشعار ہمزیہ میں سے ایک آخری شعر ہے جب کہ پہلے دو اشعار، کلام میر غنی میں سے ہیں، اللہ بہتر جانتا ہے۔

مصنف کے قول (دتضاءلت الفهوم فلم مدرکه مناسابق ولا لاحق)

پر میر غنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی حضور کے کمال عظمت کی بنا پر عقول اور افہام بہت چھوٹے اور کوتاہ واقع ہوئے ہیں جو آپ کی حقیقت میں سے کچھ بھی نہیں سمجھ سکتے، اور تمام ادراکات حقیر ہیں جو آپ کے حال کے کمال اوصاف کو نہیں سمجھ سکتے، اور جو شخص اس میں سے کچھ کا ادراک کرے اسے اپنی عاجزی اور حقیر ہونے کا اقرار کرنا پڑے گا ورنہ نتیجہ محرومی و ناکامی ہوگا۔ اور جو شخص اس حقیقت کی خوشبو سونگھنے کی نیت کرے اس کی نیت تذبذب اور ارادے ناتمام ہو جائیں گے کیونکہ ہر کس اپنے عجز اور نقص کے سمندر میں ڈوبا ہوا ہے تو آپ کی حقیقت کی دریافت نہ ہمارے پہلے کر سکے اور نہ بعد میں آنے والے کر سکیں گے اس شخص کی دریافت کیسے ہو سکتی ہے جس کا خلق قرآن ہو اور جس کی ذات نورِ حق سے ہو، اور جس کے لیے احسان اور بزرگی کا ہر مرتبہ ارزانی ہو اور وہ حبیب اکرم ہو اور ان کے لیے تجلی اعظم مخصوص ہو اس مقام پر بعض عارف لوگوں نے کہا ہے کہ اگر آنحضور کی حقیقت مخلوق پر منکشف ہو جائے تمام خلق گمراہ اور مرتد ہو جائے کیونکہ آپ حضور کی صفات رحمانی صفات ہیں اور آپ کا نور صاحب احسان ذات کے نور سے ہے جو حواس اور آنکھ سے معلوم ہو سکتا ہے، اور اللہ کی معبودیت میں کسی دوسرے کو اختلاف کا حق نہیں ہے اسی وجہ سے لوگوں کے ادیان مختلف ہوئے جب انہوں نے جمادات و حیوانات میں بعض تجلیات قدرت دیکھے لیکن پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندوں میں سے جسے چاہا دلیل و برہان سے محفوظ رکھا، اور جسے پسند کیا اسے غور و فکر اور یقین کے ساتھ روکے رکھا، جب ایسا معاملہ ہو تو حضور کی ذات کے ادراک کی کوئی راہ نہیں ہے۔ بلکہ اس سید کل کائنات کی حقیقت کی کنہ محسوس نہیں کی جا سکتی لیکن انتہائی تحقیق یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سید المرسلین اور شہنشاہوں کے شہنشاہ ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

صاحب بردہ شریف نے کیا خوب کہا ہے:۔

اعیا الوریٰ فہم معناہ فلیس یریٰ
للقرب والبعد فیہ غیر منفحم
کالشمس تظہر للعینین من بعد
صغیرۃ وتکل الطرف من امم
وکیف یدرک فی الدنیا حقیقتہ
قوم نیام تسلوا عنہ بالحلم
فمبلغ العلم فیہ انہ بشر
وانہ خیر خلق اللہ کلہم

ترجمہ: ورا آپ کی حقیقت سمجھنے سے عاجز ہو گیا اور آپ کے قرب و بعد کوئی تاریکی محسوس نہیں کی جاتی جس طرح سورج آنکھوں سے دُور ہونے کی وجہ سے چھوٹا سا لگتا ہے مگر لوگوں کی آنکھوں کو چندھیا کر رکھ دیتا ہے، اور دنیا میں آپ کی حقیقت کی دریافت کیسے کی جا سکتی ہے جبکہ قوم سوئی ہوئی ہو اور آپ کو اپنی عقل نا مک ٹوٹیوں سے پوچھیں بہ بشر ہونے کے باوجود آپ علم کا سرچشمہ ہیں اور آپ اللہ کی تمام مخلوق سے بہتر فرد ہیں۔

توجس شخص کی یہ شان اور وصف ہو اس کی تعریف یا مدح اور اس کی ذات کا اندرونی حال کیسے ممکن ہو گا۔ اسی لیے جب بعض الاخیار، سلطان العشاق، عارف باللہ سیدی عمر بن فارض نے مقام مصطفےٰ میں غور کیا تو اللہ نے ان کی کمال درجہ مدد فرمائی انہوں نے سوچا کہ کیوں نہ کھل کر حضور کی تعریف کروں تو انہوں نے ایک نظم حضور کی شان میں لکھی جو مقبول بارگاہِ الٰہی ہوئی جس کے اشعار ذیل میں ہیں۔

اری کل مدح فی النبی مقصراً
وان بالغ المثنی علیہ واکثرا
اذا اللہ اثنی بالذی ھو اھلہ
علیہ فما مقدار ما تمدح الوریٰ

ترجمہ: میں نبی کے معاملہ میں ہر مدح کو کم محسوس کرتا ہوں اگرچہ مدح کرنے والا جان مارے اور بہت زیادہ مدح کرے جب ذاتِ حق نے اپنے محبوب کی خود تعریف کی ہے تو اس کے مقابلہ میں اہل خانہ کے تعریف کرنے کا کیا مقام ہے۔

لسان الدین ابن خطیب اندلسی نے کہا:

مدحتک ایات الکتاب فما عسیٰ
یثنی علی علیاک نظم مدیحی
واذا کتاب اللہ اثنی مفصحاً

ترجمہ: یا رسول اللہ یا نبی اللہ میں نے آپ کی مدح میں قرآن کریم کی آیات ذکر کی ہیں شاید کوئی میری طرح مدح بیان کرنے میں آپ کے بلند

کان القصور قصار کل نصیح — مرتبہ کی تعریف نہ کر سکے جب قرآن کریم نے کھلے نکھرے انداز میں حضورؐ کی تعریف کی ہے تو ہر فصیح کا تعریف کرنا اصل معیار سے کم ہو چکا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر پہلے اور بعد والے مل کر بھی آپ سرکار کی مدح کرنے میں مبالغہ کریں پھر بھی آپ کے فضائل و مناقب شمار نہ کر پائیں گے اور اس عظیم المرتبت مقام سے عاجز رہیں گے جو حضور کو ان کے مولا نے عنایت کیا اور بہت سے عطیات بخشے ان عطیات کے سمندر میں غوطہ خوری چاہنے والا بہر صورت کنارے پر رہے گا اور آپ کے فضائل کے احاطہ سے عاجز رہے گا۔ کسی عاشق زار نے حضور کے بارے کیا خوب کہا ہے۔

وعلی تفنن واصفیہ بحسنہ

لغنی الزمان وفیہ مالم یوصف

ترجمہ:۔ حضورؐ کے حسن و جمال کی طبع ازمائی کرنے والوں کو زمانہ ختم کر دے گا حال یہ ہوگا کہ سرکار کی کما حقہٗ تعریف نہ کر سکے ہوں گے۔

ایک اور واصف نے بھی حضور کے بارے کیا خوب کہا ہے :۔

فما بلغت کف امری متناولاً — ترجمہ: مجھے خبر نہیں ہے کہ کسی شخص کی پہنچ کامل
من المجد الا والذی نال اطول — بزرگی تک ہوئی ہو مگر اس معاملہ میں حضور کا مقام
ولا بلغ المہدون فی القول مدحۃ — سب سے اونچا ہے تربیت و ہدایت یافتہ لوگ
ولا صفۃ الا الذی فیہ افضل — سرکار کی مدح سرائی میں خاطر خواہ حد تک نہ پہنچ سکے مگر آپ ہر مدح ہو چکنے کے بعد بھی افضل ہیں۔

بدر زرکشی فرماتے ہیں بڑے بڑے متقدمین شعرا مثلاً ابو تمام، بحتری، ابن رومی بھی سرکار دو عالم کی مدح سرائی میں مشغول نہیں ہوئے کیونکہ ان کے نزدیک حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں کافی نئی مشکلات درپیش تھیں۔ مثلاً معانی میں نکھار تو پیدا کیا جا سکتا ہے لیکن وہ معانی و مرتبہ حضور سے کم رہتے ہیں اور اوصاف اگرچہ مکمل کی جا سکتی ہیں مگر سرکار کے بارے غلو کرنا یہ بجائے خود ایک غلطی اور تقصیر ہے۔ ابو تمام میں ایک بلیغ و فصیح کے ناطقے بند ہو جاتے ہیں وہ محتاط طریقہ سے بہت زیادہ کی بجائے کم مگر

جامع تعریف کرے گا۔ جب اس بات کا تقرر ہو چکا تو اب جاننا چاہیئے کہ ہر عاقل بالغ مسلمان پر ایک بہت بڑے وجوب کے درجہ بات ہے کہ وہ یقین کریں کہ سرکار کے کمالات حد شمار سے باہر ہیں اور آپ کے فضائل و اوصاف جُملہ کی کوئی انتہا نہیں اور آپ کے خصائص و معجزات مخلوق کے کسی فرد میں کبھی جمع نہیں ہو سکتے چہ جائیکہ یہ حق کسی غیر کا ہو یہ اعظم الحقوق حضور ہی کا حق ہے البتہ اس میں سے کچھ حکس اس شخص پر پڑے کا جس نے سرکار کی عظمت و توقیر اور جلالتِ شان کی پوری پوری جد وجہد کی ہو اور آپ کے مناقب و آثار حکم حکام کی پوری پوری عزت و آبرو کی ہو مہر مدح کرنے والا اور وصف بیان کرنے والا کلی طور پر بارگاہِ رسالت کی رفعتوں اور عظمتوں تک نہیں پہنچ سکا کیونکہ بارگاہ رسالت کے منتہی کی کوئی حد نہیں ہے۔ بلکہ واصفین اور مادحین اپنے فہم و ادراک کے مطابق مدح و ثنا کرتے ہیں جو بہر حال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت شان سے کمتر ہوتی ہے۔ عجز و تقصیر کی وصف۔ جلیل وحقیر کو عام ہے۔

مصنف کے قول (فریاض الملکوت بزھرجالہ مونقۃ وحیاض الجبروت بفیض انوارہ متدفقۃ) پر سید عبداللہ میرغنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ سب اس امر سے کنایہ ہے کہ سرکار کے انوار مکمل طور وجود پر سایہ فگن ہیں اور وجود میں یہ بڑے کی عظمت سرکار کے کمال و فخر کے ظہور کی بدولت ہے اس کا بیان اس طرح ہے کہ عین حقیقت سے کمال حقیقت کی اتباع کے سبب اگر پردہ اُٹھ جائے اور عین بصیرت کی آنکھ سے تحقیق و مشاہدہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسرار و انوار مکمل طور پر وجود کی اصل و فرع سے ملے ہوئے ہیں۔

(ولا شئی الا وھو بہ منوط) یعنی ہر ایک شے آپ ہی سے متعلق ہے کیونکہ آپ تمام جہانوں کے ممد و معادن ہیں اور تمام جہان خواہ علوی ہوں یا سفلی آپ ان کے رُوحِ رواں ہیں ان کے اور رب کے درمیان ایک مکمل واسطہ ہیں جہان کی ہر چیز اور اس کی زندگی کا دار و مدار بھی آپ پر منحصر ہے۔ (اذ لولا الواسطہ لذھب کما قیل الموسوط) یعنی اگر واسطہ نہ ہو تو موسوط از خود غائب ہو جاتا ہے بلکہ موسوط اپنے متعلق کے بغیر نہیں پایا جاتا۔ اس کی مضبوط دلیل اللہ کا آدم علیہ السلام کے لیے یہ فرمانا ہے کہ اگر میرا محبوب نہ ہوتا تو اے آدم نہ میں تجھے پیدا کرتا اور نہ ہی زمین و آسمان پیدا ہوتے کیونکہ آپ اجمالی اور تفصیلی طور پر ہر ایک شے کا اصل ہیں حتیٰ کہ آپ کھجور کی کٹھلی کے سفید ریشے اور بٹے ہوئے دھاگے کے ہر ریشے کے لیے واسطہ ہیں۔ اس اللہ کی پاکیزگی ہے۔

جس نے ہماری مدد اس نورعظیم سے فرمائی اور اپنے محبوب نبی کریم سے تقویت بخشی اس پر اللہ کی حمد وثناء ہے اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام ہے۔

مصنف کے قول (صلوٰۃ تلیق بك منك الیہ) پر سیدی سید میر غنی کے فرمودہ جواہر میں سے ہے یعنی وہ نزول رحمت جو اللہ تعالیٰ اپنی شایانِ شان بارگاہ رسالت میں فرماتا ہے اور حضور دائرہ جلالت کے قطب ہیں اور اے اللہ وجود میں سے حضور علیہ السلام تیرا مقصود اصلی ہیں۔ اے اللہ حضور علیہ السلام تیری جناب میں کمال شہود کے ساتھ مخصوص ہیں اور تیری ذاتی تجلیات کی روح ہیں اور تیری صفاتِ الٰہیہ کا اصلی مظہر ہیں اس کیفیت صلوٰۃ کی قدر مخلوق میں سے کوئی نہیں جانتا کیونکہ مخلوق اس قضیہ کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ (کما ھو اھلہ) یعنی جس طرح آپ اس کے اہل ہیں آپ کے مزاج میں نہایت درجہ کا افتقار و انکسار ہے اسی سے حقیقت شان عبودیت نمایاں ہوتی ہے اور بندے کے اندرونی حالات کھل کر سامنے آتے ہیں۔ بنابریں اللہ ذوالجلال نے عالی مقامات میں لفظ عبد ہی سے حضور علیہ السلام کو یاد فرمایا جس طرح ارشاد حق تعالیٰ ہے۔ سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ[1]۔ اور الحمد للہ الذی انزل علی عبدہ الکتاب[2]۔ وغیرہ۔

مصنف کے قول۔ (اللّٰھم انہ سرك الجامع الدال علیك وحجاب الاعظم القائم لك بین یدیك) پر سیدی سید میر غنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ اے اللہ تیرا محبوب علیہ السلام تیرا وہ راز ہے جس سے بڑی ذات وجود سے منفرد ہوئی اور تو نے اسے اپنی محبت وشہود کے ساتھ مخصوص کیا تمام فضائل واسرار کی جامع ذات بنائی اور تمام انوار وتجلیات پر حاوی کیا اے اللہ تیرا محبوب اپنے ظاہر وباطن جسم وجان اور ذات وصفات کے لحاظ سے تیری ذات کی دلیل قوی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی ذات پر تمام دلائل سے اقویٰ دلیل ہیں اور اللہ کی توحید پر سب سے زیادہ قابل ترجیح برہان ہیں کیونکہ آنحضور کی ذات میں اللہ کی وہ آیات ہیں جو آپ کے غیر میں رائی کے دانے اور ریت کے ذرہ برابر بھی نہیں ہے آپ درحقیقت مولی الموالی ذاتِ کبریا پر دلالت تام فرماتے ہیں۔ اس پر اللہ کا یہ قول

---

[1] پارہ نمبر ۱۵۔ سورت بنی اسرائیل۔ آیت نمبر ۱۔
[2] پارہ نمبر ۱۵۔ سورت کہف۔ آیت نمبر ۱۔

دلالت کرتا ہے کہ میں چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے پسند کیا کہ پہچانا جاؤں۔ میں نے مخلوق کو پیدا کر دیا تاکہ وہ مجھے پہچانے۔ اور حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا اور اس پر اپنا نور ڈالا جس کو وہ نور اس دن پہنچا وہ ہدایت یافتہ ہوگیا اور جس سے وہ نور ایک طرف رہا وہ گمراہ ہوگیا۔ اس نور سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے کیونکہ آپ سید الوجود اور اول مخلوق ہیں اور تمام جہانوں کا مخرج مصدر ہیں جس طرح پہلے ذکر کیا جاچکا ہے لیکن اس نور کی دلالت اس میں ہوگی جس میں قطب جلالت کے انوار موجود ہوں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم درحقیقت اس پر دلالت فرماتے ہیں جس کے لیے شریعت اور طریقت ہو کیونکہ آپ کے اسرار وجود میں جاری ہوتے ہیں اور یہ اسرار رب معبود وحدہٗ لاشریک پر دلالت کرتے ہیں۔ ہم کہا کہ حضور کی ذات تیری ذات کے لیے ہر حجاب سے حجابِ اعظم ہیں، خواہ وہ حجاب ظلمانی ہو یا نورانی، کیونکہ وارد ہوا کہ اللہ کے لیے ستر ہزار نور و ظلمت کے پردے ہیں اور حضور علیہ السلام ان سب پردوں سے بڑے حجاب ہیں اس لیے کہ آپ سوا سالک کے لیے ممکن ہے کہ وہ ہر پردے کو زائل کردے مگر حضور ایسا پردہ ہیں جن کو زائل نہیں کیا جاسکتا اور ہر نبی اور ولی کی سیر کی انتہا یہاں تک ہی ہے اس سے آگے تجاوز نہیں کرسکتے اللہ کے اس قول کا اشارہ اسی طرف ہے وما منا الا لہ مقامٌ معلوم۔ اس کی وضاحت اس طرح ہے۔ کہ سچا سالک کمال توجہ سے ماسوی سے بے نیاز ہوکر سیر کرے اس پر عیاں ہو جائے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سامنے کھڑے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی تجلیات کے ساتھ حضور کی طرف متوجہ ہے کیونکہ آپ وجود اور ماسوی سے اللہ کا اصل مقصود ہیں اس طرح اس سالک کو وہاں سے کچھ ابر کرم کے چھینٹے مل جائیں گے اور اس پر حضور کے فضل کا فیضان اور عموم رحمت کی تکمیل ہوجائے گی ہر وہ شخص جو حقیقت تجلیات کا قصد کرے اس کے لیے سید السادات حضور علیہ السلام کی ذات مانع بن جائے گی کیونکہ آپ وہ حجابِ اعظم ہیں جس کی قطع و برید ممکن نہیں ہے آپ اللہ کی طرف سے اللہ کے بندوں کیلئے رحمت ہیں کیونکہ وہ حصول رحمت کی اہلیت نہیں رکھتے اور بعض وہ لوگ جن میں کچھ صلاحیت ہوتی ہے وہ آپ کے نور کی مدد سے ہے اس مقام میں سالک پر حضور کا کمال حال ظاہر ہوتا ہے کہ سرکار عالم سفلی کی منزل میں ہیں اور ان کا مولیٰ عالم علوی کی منزل میں۔ یہ مثل صرف سمجھنے کے لیے ہے ورنہ بات اس سے اونچی ہے جد وجہد کر تو مشاہدہ کرلے گا کوشش کر حاصل کرلے گا یہیں سے بعض السادات کی صلاۃ کی معنی سمجھا جاسکتا۔ (اللھم صل علیٰ محمد عرش سبحانیتك المستوی علیہ

ذات ربوبیتک) اے اللہ رحمت نازل فرما محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو تیری رحمانیت کا عرش ہیں جس پر تیری ربوبیت کی ذات استواء فرماتی ہے)

اس کلام کو سیدی عارف باللہ سید عبداللہ میرغنی سے صلوٰۃ مشیشیہ کی مدح میں نقل اللہ تعالیٰ مؤلف اور تالیف اور جمیع اولیائے کرام سے ہمیں نفع بخشے ۔

سیّدی محمدالبکری الکبیر المتوفی سنہ ۹۹۲ھ

رضی اللہ عنہُ

کے

فرمودات گرامی

نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم پر سکراتِ موت کی شدت کی وجہ پر ایک رسالہ کی صورت میں عارف باللہ محمد البکری کے فرمودہ جواہر۔

اللہ کے لیے حمد و ثنا اور اللہ کے برگزیدہ اور پسندیدہ بندوں پر سلام بعد ازیں ضروری سمجھا گیا کہ حضور پر سکرات موت کے نزول اور شدت کی حکمت بیان کی جائے، نبی علیہ السلام سکرات موت کے نزول کے وقت (وا کرباہ) کہا اور لا الٰہ الا اللہ فرما کر کہا کہ موت میں کئی تکالیف اور مشکلات ہیں پھر اپنے چہرۂ اقدس پر پانی ملا۔ میں کہتا ہوں اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کا مزاج نبوی وصفِ اعظم اور حالِ اکرم سے معتدل تھا۔ ضروری تھا کہ آپ درد و الم کے اثرات کو زیادہ محسوس کرتے۔ مصنف رحمۃ اللہ فرماتے ہیں میں اس مقام پر گر پڑا ہوں جس طرح دو پہلوانوں میں سے ایک پچھڑ جاتا ہے، مثلاً جب آپ ترازو کے دو پڑوں کو برابر کرنا چاہیں تو ان میں سے ایک میں کوئی اضافی چیز آ جائے تو اس پڑے کا جھک جانا ایک ظاہر سی بات ہے۔ اسی طرح مزاج مصطفےٰ میں یہ بات رچی بسی ہوئی ہے کہ انسانی زندگی پر مضبوط گرفت رکھیں اور ہو بھی کیوں نہ کہ آپ ہی سے اصل انسانی زندگی کو تحریک ملی ہے اور انسانی زندگی آپ ہی سے قائم ہے آنحضور نے جب اپنے جسد انور سے رُوح کی رحلت محسوس کی یہ آپ پر گراں گزری جس کا دُکھ درد ایک لازمی امر تھا جو حضور پر واقع ہوا، اس کی حکمت اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پر یہ کیفیت طاری فرما کر اُمت حضور کے لیے ظاہر فرما دیا کہ ہر کسی کو ان شدائد سے دوچار ہونا پڑے گا اور موت کے وقت اس پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا، نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حبیبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کو اپنی تمام مخلوق میں سے سب سے زیادہ پیارے ہیں آپ کی رُوح کو قبض کرنے کی اس صورت سے آپ کی امت پر یہ شدت ہلکی فرما دی یہ بھی اس حکمت کے قریب ہے۔ کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اُمت کے افراد کا اجمال خزانہ بنایا ہے بلکہ آپ کی ذات اتنی وسیع ہے کہ تمام کائنات کے ہر فرد کا قیام آپ ہی پر موقوف ہے۔ کیونکہ آپ کائنات کی خشت اول ہیں اور کائنات کے ہر فرد سے پہلے ہیں اور اللہ تعالیٰ آپ کی وجہ سے کائنات پر غور فرماتا ہے کیونکہ آپ کائنات کی علتِ اصلیہ ہیں اور کائنات کا وجود فرضی چیز ہے۔ بیشک کائنات کے جواہر و اعراض آپ کی بارگاہ سے مدد طلب کرتے ہیں کیونکہ حضور کی ذات اللہ تعالیٰ کی حکمت تخلیق کی وجہ سے ان میں سرایت کئے ہوئے ہیں بنا بریں ان کی رسیاں تنگ کر دی جاتی ہیں اللہ تعالیٰ آسانی

کا اصل مالک ہے ، یہاں سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے جسم اطہر سے رُوح کی جدائی اس طرح ہے جس طرح ہر جسم سے ہر رُوح الگ ہو رہی ہو اور ہر زندہ کی زندگی کا دار و مدار حضور علیہ السلام پر ہے کیونکہ آپ وجود ہستی کا مرکز ہیں ۔ حضور کو وقتِ نزع کی یہ تکلیف صرف حال کی نسبت سے جسے ہم نے آسان خبر کی طرح لکھا ۔ درحقیقت یہ اُونچے نیچے گڑھوں میں سے اُبلتا چشمہ ہے اور فیضان کا ایک حصّہ ہے اور کبیر سے قلیل ہے (یعنی عطیۂ ربِ جلیل) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آخری وقت میں اعصابی تناؤ کی شدّت کے احساس میں افرادِ اُمّت کے آخری وقت کی کفالت کی ضمانت ہے اس امر میں یہ ایک حکمت ہے ۔ کیا آپ نے یہ نہیں سُنا اللہ نے آپ کو عزیزٌ فرمایا ۔ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ ۔ اسم عزیز پر وقف کے ساتھ اور اس اسم کا مابعد مبتدأ اور خبر ہے اکثر نے یہی کہا ہے ۔ حدیث میں آیا صحابہ ذکر کرتے جب جنگ سختی اختیار کر جاتی اور اس کی بھٹی گرم ہو جاتی تو ہم اس شدت سے حضور کی دُعا سے بچ نکلتے اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ سرکار کے وقتِ نزع سے پختہ اور مستقل عادات کی نشاندہی ہوتی ۔ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جسے بادشاہ اُمورِ مملکت میں ایک کام پر تعینات کر دے اور اس کام کا امین بنا دے اور اس کام کے لیے اپنا جانشین بنا دے پھر کچھ عرصہ بعد اس کام کی انجام دہی سے اسے منتقل کرنے کا ارادہ کرے تو اس صورت میں امورِ مملکت میں مامور شخص پر ہیجان اور بے چینی کا سوار ہونا ایک لازمی امر ہے اس کے سامنے اپنی وہ خدمات آئیں گی جو اس نے ایام ولایت میں سرانجام دی تھیں اور اس محکمے کے مسائل کے حل میں اسے پورا عبور اور اعتماد ہو چکا ہوتا ہے یہ بات بھی اس کے سامنے آئے گی کہ وہ اپنے محکمے کے ہر مسئلہ کا شافی جواب دینے کی ہر وقت صلاحیت و استعداد رکھتا مثلاً ایک جرنیل جس کے ذمہ امور عسکریہ کر دیئے جائیں پھر اس کے پاس ایک لشکر بھیج کر کہا جائے کہ کسی دوسرے ملک میں جا کر ملازمت اختیار کر لو تو اس جرنیل کے ذہن میں دو باتوں کی اُلجھن ضرور پیدا ہو گی (۱) اس کی زیرِ نگرانی رہنے والے لشکریوں کے آشفتہ حالات کی رعایت ۔ (۲) اپنی سابقہ خدمات کی یادداشتیں اسے آپ غور فرمائیں کہ خُدا کی خُدائی میں وہ کون سی مملکت تھی جہاں آپ کی کارفرمائی نہ ہو یا وہ کون سا محکمہ حکومت تھا جسے آپ کی سرپرستی حاصل نہ رہی ہو ۔ ان مذکورہ تمام امور کا خلاصہ اور اس مشرب سے برآمد کیا ہوا خالص مکھن یہ حضور پر اللہ کا احسان تھا اور حق تعالیٰ کی طرف سے آپ نے محبوب کے لیے تنزلات احدیہ تجلیاتِ صمدیہ ۔ اسرارِ ذات قدسیہ و [illegible] شاہات [illegible] خلوت میں ٹپک رہے تھے کا تحفہ تھا اس

میں کوئی شک نہیں کہ تنزلات ربانیہ سے آپ بوجہ محسوس کرتے تھے اور من جانب اللہ کسی چیز کی اچانک آمد سے آپ کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں کیا یہ حقیقت نہیں کہ ابتدائے نزول وحی میں آپ نے کس قدر شدت محسوس کی۔ جناب ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں بے شک میں نے حضور علیہ السلام کو اس وقت دیکھا جب ان پر وحی خدا نازل ہو رہی تھی اور وہ دن بھی نہایت سرد تھا اس کے باوجود حضورؐ کا جسم عنبریں شرابور تھا اور آپ کے ماتھے سے پسینہ ٹپک رہا تھا۔

اللہ نے اپنے قول میں اسی طرف اشارہ کیا:

إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ۝[1] ترجمہ: "بے شک ہم آپ پر ایک وزنی بات ڈالیں گے۔"

ایک حکمت یہ بھی ہے کہ آپ کی موت درحقیقت اللہ کے فیضان سے دائمی زندگی ہے آپ کے سکرات موت میں بڑے بڑے مشاہدات تھے جو مدتِ مقررہ پر جسم کی رسی تنگ ہونے پر ظاہر ہوئے اور یہ سب کچھ آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا یہ سکرات درحقیقت مجاہدات تھے سکرات موت میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ حضور علیہ السلام کا اللہ کی خاص ملاقات میں یہ احساس اس لیے تھا کہ آپ خشیت الٰہی، عظمت، ہیبت ربانی اس کی جلالت شان سے بھی پوری طرح واقف تھے اور اپنی عبودیت اور قرب خداوندی سے بھی آگاہ تھے بنا بریں جب اُن پر جلال حالات و واقعات کا بالمشاہدہ معرفت و شعور حاصل ہوا پھر آپ کے حال پر ان سکرات کا اثر ہوا اسی لیے حضورؐ نے فرمایا کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ کی معرفت رکھتا ہوں اور مجھے خوف خدا بھی تم سب سے زیادہ ہے۔ ایک حکمت یہ بھی ہے ملاقاتِ روحی اور مقام سبوحی کی حاضری کے لیے شوق کی پرواز میں تیزی ہوئی گویا حضور یہ چاہ رہے تھے روح قفس عنصری سے جلد پرواز کرے اور تیزی کے ساتھ قرب خاص میں داخل ہو جائے ایسا ہونے میں ضروری تھا کہ عالم طبیعت اور مزاج بشریت پر گرانی آئے کیونکہ حرکت انتقال نہایت قوی تھی جس سے سید کل کائنات کا یہ حال ہوا اس مقام پر آپ کی طرف موت کی نسبت اس لیے کی گئی ہے کہ موت کی آمد پر آپ کی طبیعت میں بے چینی اور گھبراہٹ ظاہر

---

[1] پارہ ۔۔۔ سورۃ مزمل آیت ۵

ہوئی تھی۔ حضور نے ارشاد فرمایا جو اللہ کی ملاقات چاہے اللہ اس سے ملاقات کرنا پسند کرتا ہے۔ ایک حکمت یہ بھی ہے عالم دنیا والوں کا تعلق اس ذات محمدیہ سے جو بارگاہِ خداوندی میں رسائی حاصل کئے ہوئے تھی اہل دنیا آپ کی بقا اس جسم شریف میں پسند کرتے تھے کیونکہ آپ کی ظاہری زندگی سے انہیں ہر طرح کی مدد حاصل ہو رہی تھی اور آپ کی زندگی درحقیقت ہر موجود کی زندگی ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسے آئینہ حق نما ہیں جس کی صفائی کی چمک میں کوئی نیا اضافہ ممکن نہ تھا اور نہ ہی آپ کی صفاتِ جمیلہ میں کسی نئی اختراع کا کوئی سوال پیدا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ آپ کا سب کچھ فطری اور قدرتی تھا آئینہ مصطفائی میں تعلقات عالم محفوظ اور منعکس تھے ان تعلقات کے انقطاع سے ان سکرات کی شدت کا احساس ایک لازمی امر تھا، اہل دنیا آپ کی بقائے حیاتِ ظاہری کا ارادہ رکھتے جبکہ رب ذوالمنن جل شانہ کسی جان کو وقت مقررہ کے بعد ایک لحظہ بھی مؤخر نہیں کرتا اندریں صورت صورتِ حال نے شدت اختیار کی کیونکہ یہ دونوں صورتیں ایک دوسری کی نقیض تھیں جن کے متقاضیات الگ الگ تھے حضور علیہ السلام کے سکرات موت میں قہرِ خدا کا شائبہ تک تصور نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہ سب کچھ بطور عطیہ اور حق کی دین تھی اور خلق کے ساتھ حضور کی قوت کا تعلق نمایاں کرنا مقصود تھا۔ ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو اوصاف عبودیت پر جاری فرمانا تھا اور یہ اوصاف عبودیت تمام مخلوق کی اوصاف افضل و اشرف ہیں کیا یہ حقیقت نہیں کہ اللہ کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار بخشا گیا کہ فرشتہ ہونے کی صورت میں نبی بنیں یا بندہ ہونے کی صورت میں نبی بنیں۔ تو آپ نے بندہ ہونے کی صورت میں نبی ہونا پسند کیا اور ارشاد فرمایا کہ میں ایک دن پیٹ خالی رہتا ہوں اور ایک دن شکم سیری سے کھاتا ہوں۔ علاوہ ازیں اسی طرح کچھ اور بھی فرمایا۔ مزاج عبودیت کا تقاضا یہی ہے کہ تکلیف اُمور پر شدت محسوس کرے بے شک حضور علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے گم شدہ ہونے پر ارشاد فرمایا، آنکھیں اشک بار ہیں دل خوفزدہ ہے اے بیٹے ابراہیم ہم تیرے فراق میں غمزدہ ہیں۔ حضور علیہ السلام کو اوصافِ عبودیت سے چونکہ محبت تھی اس لیے آپ تکالیف بشریہ بھی ضرور رہی تھیں اللہ کے سامنے اپنی عاجزی اور محتاجی حضور اس لیے پیش کیا کرتے تھے تاکہ اللہ کا سلطان ربوبیت ہونا ظاہر ہو اور اس

کی رازداریاں قائم رہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر علم رکھتا۔ یہ رسالہ اختتام پذیر ہوا۔ احادیث صحیحہ کے دو بہ سے ثواب کے حکم کو ذکر نہ کیا کیونکہ یہ ظاہر بات ہے تصحیح مؤلف کے ساتھ جواہر البحار کی دوسری جز [illegible] جمادی الثانی ۱۳۲۵ھ میں مکمل ہوئی اور اس میں تیسری جز بھی شامل ہے جس کا آغاز امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے ہوا ہے۔

سید امیر محمد شاہ قادری نقوی البخاری مترجم جواہر البحار جز ثانی۔
اختتام ترجمہ ۲۹ ۵/۸۴ بمطابق ۲۷ شعبان المعظم
سنہ ۱۴۰۴ھ

اعترافِ مترجم

حامداً ومصلیاً ومسلماً

بندہ یہ اعتراف کرتے ہوئے مسرت محسوس کرتا ہے کہ نہ میں صاحب طرز ادیب ہوں نہ اہل زبان تیقناً میں اپنی علمی کم مائیگی کا بھی معترف ہوں بتحدیثاً عرض گذار ہوں کہ گونا گوں مصروفیات کے باوجود آج مؤرخہ ۸۴-۵-۲۹ بمطابق ۲۷ شعبان المعظم ۱۴۰۴ھ کو جواہر البحار جلد دوم حصہ دوم کے ترجمہ سے بتائید اللہ ورسول فارغ ہوا اور حرفاً حرفاً پوری کتاب کی صحتِ اغلاط بھی مقدور بھر کر دی ہے۔ رب العالمین میری اس کوشش کو مؤلف کی سعی تمام کی طرح قبولیتِ انام اور شہرتِ دوام بخشے، اور اس ناچیز کے لیے توشۂ دنیا وآخرت ثابت ہو۔

آمین یا رب العالمین بوسیلۃ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔

علمی وادبی سقم پر اہل علم ودانش سے آرزومندِ اصلاح۔

سید امیر محمد شاہ نقوی البخاری ثم القادری

تعارف مترجم

اسم گرامی: سید امیر محمد شاہ نقوی البخاری بن سید محمد امین شاہ بخاری۔

ولادت: اکیس دسمبر انیس سو چھپن (۱۹۵۶ء۔ ۱۲۔ ۲۱) پاکپتن شریف۔

تعلیم: ایم اے عربی و اسلامیات تنظیم المدارس و وفاق المدارس۔

فنی تعلیم: مستند طب و حکمت و کتابت و خطاطی۔

اساتذہ: تجوید و قرأت: قاری برکت علی ملتان۔ خوشنویسی: صوفی خورشید عالم مخمور۔
طب: دوست محمد اعوان صابر ملتانی۔ فارسی: جلال الدین جیون شاہ عارفوالہ۔
صرف: صوفی ہاشم علی بصیر پور اوکاڑہ۔ نحو، فقہ، منطق: قاضی نور احمد میانوالی
بلاغت و معانی و معقول: علامہ محمد یار خاں اوکاڑہ۔ اصول، تفسیر و فن امور عامہ
علامہ غلام رسول سعیدی لاہور۔ حدیث: علامہ محمد رسول خاں ہزاروی و علامہ محمد
ادریس کاندھلوی جامعہ اشرفیہ لاہور۔ فن تقریر: والد گرامی سید محمد امین پاکپتن۔
ترجمہ و تصنیف: سید شجاعت علی قادری مرحوم جسٹس وفاقی شرعی عدالت پاکستان
کراچی۔ انگلش: چوہدری غلام رسول پروفیسر ایچی سن کالج لاہور۔ ریاضی: محمد شرف
ہاشمی لاہور۔ سائنس: چوہدری غلام رسول ایچی سن کالج لاہور۔ روحانی شیخ: سیدنا
طاہر علاؤ الدین قادری نقیب الاشراف بغداد عراق۔

علمی ادبی و مذہبی خدمات

تصنیف و ترجمہ: (۱) عربی قواعد اوّل تا پنجم (۲) اردو ترجمہ دیوانِ غوثِ اعظم فارسی۔
(۳) اردو ترجمہ جواہر البحار نبہانی حصہ چہارم (۴) سیر الملوک ہمدانی اور مناقب رومی پر
علمی تعاون۔ عربی کلاس VIII کا اردو خلاصہ۔

تدریسی فرائض: کراچی دار العلوم نعیمیہ فیڈرل بی ایریا۔ دار العلوم جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو لاہور۔
حال صدر عربی اساتذہ پنجاب محکمہ تعلیم حکومتِ پاکستان۔

تبلیغی کام بذریعہ خطابت: گلبرگ III لاہور۔ ااوکیپ۔ کراچی۔ ریم پارک لاہور۔
حال خطاباتِ جمعہ۔ جلال گنج دچوک شاہ عالم گیٹ لاہور۔ تقاریر: پاکستان براڈکاسٹنگ
ریڈیو پاکستان۔ صراطِ مستقیم۔
مستقل اقامت ورہائش: شاہ نجف کالونی فیروزپور روڈ سانده کچا ٹمک ضلع قصور۔
حلقۂ ارادت: لاہور۔ گوجرانوالہ۔ شیخوپورہ۔ قصور، ٹوبہ۔ میانوالی۔ لیہ۔ فیصل آباد۔

صاحبانِ ذوق و محبت اور اربابِ فکر و نظر

مژدۂ جانفزا

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر

حضرت ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کے

بہار آفریں قلم سے نکلا ہوا لازوال شاہکار

درد و سوز اور تحقیق و آگہی سے معمور تصنیف

ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مکمل سیٹ سات جلدیں